فہم القرآن سیریز نمبر 1

پارہ 16

قَالَ اَلَمْ



سوال و جواب کی صورت میں

قرآن مجید کی ہر آیت کی وضاحت

نگہت ہاشمی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قُرآناً عَجَباً

نگہت ہاشمی

قُرْآنًا عَجَبًا

نگہت ہاشمی

النور پبلیکیشنز

نام کتاب : "قُرْآنًا عَجَبًا" (پارہ 16)
مصنفہ : نگہت ہاشمی
طبع اول : فروری 2018ء
تعداد : 2100
ناشر : النور انٹرنیشنل
لاہور : H-102 گلبرگ III، نزد فردوس مارکیٹ، لاہور
فون نمبر : 0336-4033045, 042-35881169, 042-35851301
کراچی : گراؤنڈ فلور کراچی بیچ ریزیڈنسی نزد بلاول ہاؤس، کلفٹن بلاک III، کراچی
فون نمبر : 0336-4033034 - 021-35292341-42
فیصل آباد : A-121 فیصل ٹاؤن، ویسٹ کینال روڈ، فیصل آباد
فون نمبر : 03364033050, 041-8759191
ای میل : sales@alnoorpk.com
ویب سائٹ : ww.alnoorpk.com
فیس بک : Nighat Hashmi, Alnoor International

فہرست

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

ابتدائیہ

قرآن مجید کوانسان کے قلب وذہن اور زندگی میں اُتارنے لے لیے اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے جو طریقے اختیار کیے ہیں، اُن میں سے ایک اہم طریقہ سوال وجواب کا ہے۔ مثلاً سورۃ المدثر میں اللہ تعالیٰ سوال کرتے ہیں:

﴿وَمَاۤ اَدۡرٰىكَ مَا سَقَرُ﴾

''اور تمہیں کس نے خبر دی کے دوزخ کیا ہے؟'' (27)

پھر اگلی ہی آیات میں جواب دیا جاتا ہے:

﴿لَا تُبۡقِیۡ وَ لَا تَذَرُ ۚ﴿۲۸﴾ لَوَّاحَۃٌ لِّلۡبَشَرِ ۚ﴿۲۹﴾ عَلَیۡہَا تِسۡعَۃَ عَشَرَ ﴿۳۰﴾﴾

''نہ وُہ باقی رکھے گی اور نہ وُہ چھوڑے گی۔ کھال کو جھلسا دینے والی ہے۔ اُس پر انیس فرشتہ مقرر ہیں''

سورۃ البلد میں اللہ تعالیٰ خود ہی سوال اُٹھا کر جواب دیتے ہیں:

﴿وَ مَاۤ اَدۡرٰىكَ مَا الۡعَقَبَۃُ ﴿ؕ۱۲﴾ فَکُّ رَقَبَۃٍ ﴿ۙ۱۳﴾ اَوۡ اِطۡعٰمٌ فِیۡ یَوۡمٍ ذِیۡ مَسۡغَبَۃٍ ﴿ۙ۱۴﴾ یَّتِیۡمًا ذَا مَقۡرَبَۃٍ ﴿ۙ۱۵﴾
اَوۡ مِسۡکِیۡنًا ذَا مَتۡرَبَۃٍ ﴿ؕ۱۶﴾ ثُمَّ کَانَ مِنَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ تَوَاصَوۡا بِالصَّبۡرِ وَ تَوَاصَوۡا بِالۡمَرۡحَمَۃِ ﴿ؕ۱۷﴾﴾

''اور تم کیا جانو کہ کیا ہے وہ دشوار گزار گھاٹی؟ کسی گردن کا چھڑانا یا کسی بھوک والے دن کھانا کھلانا،
کسی رشتے دار یتیم کو یا خاک نشین محتاج کو، پھر یہ کہ وُہ اُن لوگوں میں ہو جو ایمان لائے اور اجنہوں
نے ایک دوسرے کو صبر کی وصیت کی اور ایک دوسرے کو رحم کرنے کی نصیت کی''

سوال آدھا علم ہے۔ سوال جب اُٹھایا جاتا ہے تو ذہن متوجہ ہو جاتا ہے پھر جب جواب آتا ہے تو اس کا اثر گہرا ہوتا ہے۔ نبی ﷺ کثرت سے اس طریقے کو استعمال فرماتے تھے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے، انہوں نے بیان کیا:

قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: أَيُّكُمْ مَالُ وَارِثِهِ أَحَبُّ إِلَيْهِ مِنْ مَالِهِ؟

قَالُوا: يَا رَسُولَ اللَّهِ مَا مِنَّا أَحَدٌ إِلَّا مَالُهُ أَحَبُّ إِلَيْهِ؟

قَالَ: فَإِنَّ مَالَهُ مَا قَدَّمَ، وَمَالُ وَارِثِهِ مَا أَخَّرَ (صحیح بخاری:6442)

نبی ﷺ نے فرمایا: ''تم میں سے کون ہے جسے اپنے مال سے زیادہ اپنے وارث کا مال پیارا ہو؟''

انہوں نے عرض کیا: ''یارسول اللہ ﷺ! ہم میں سے کوئی بھی ایسا نہیں جس کو اپنا مال زیادہ پیارا نہ ہو۔''

آپ ﷺ نے فرمایا:

''بے شک اُس کا مال وہ ہے جو اس نے آگے بھیجا (یعنی اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کیا)

اور اس نے جو (مال) پیچھے چھوڑا، وہ اس کے وارث کا مال ہے۔''

ہر آیات میں غور وفکر کے بہت سے پہلو ہوتے ہیں لیکن انسان عام طور پر انہیں نظرانداز کر کے گزر جاتا ہے۔ یہ پہلو سوال کی صورت میں سامنے آئیں تو انسان رُک کر سوچتا ہے۔ سوال و جواب کے انداز میں سیکھنا زیادہ آسان ہو جاتا ہے۔ انسان کو سوالوں کے جواب مل جائیں تو اطمینان ہو جاتا ہے اور دل جمتا ہے۔

قران حکیم کو سوال و جواب کی صورت میں **قرآناً عجبًا** کے نام سے مرتب کرنے کی کوشش کی ہے۔ ہر آیات کے اہم پہلوؤں کو سوال کی صورت میں اُٹھایا ہے اور نکات (Points) کی صورت میں ان کا جواب قرآن حکیم ہی سے لینے کی کوشش کی ہے۔ میں نے تجربہ کیا ہے کہ اس طرح اہم نکات (Tips) پر آجاتے ہیں، وہ نکات جن پر انسان عام طور یا تو سوچتا نہیں یا پھر ویسے ہی گزر جاتا ہے۔

قرآن مجید کو اِس انداز میں پڑھ کر ہر وہ شخص فائدہ اُٹھا سکتا ہے جو قرآن کے راستے کا مسافر بننا چاہتا ہے۔ اگرچہ سوال و جواب کے طریقے سے شعور بیدار ہوتا ہے لیکن ایک انسان کا علم محدود ہے، سمجھ محدود ہے، فرشتوں کی بات کو سامنے رکھیں تو اپنے علم کی حقیقت سامنے آتی ہے۔

﴿سُبۡحٰنَکَ لَا عِلۡمَ لَنَاۤ اِلَّا مَا عَلَّمۡتَنَا ؕ اِنَّکَ اَنۡتَ الۡعَلِیۡمُ الۡحَکِیۡمُ﴾

''آپ پاک ہیں جو آپ نے ہمیں سکھایا ہے اس کے سوا ہمیں کچھ علم نہیں

یقیناً آپ ہی سب کچھ جاننے والے، کمال حکمت والے ہیں'' (البقرہ:32)

میں ان سب افراد کی بہت ممنون ہوں جن لوگوں نے اس کاوش کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے میں میری مدد کی۔ قارئین سے درخواست ہے غلطیوں کی نشاندہی ضرور کریں۔ اگر اس سے کوئی بھلائی نصیب ہو تو اسے اللہ تعالیٰ کرم سمجھ لیں، آخرت کی فکر لاحق ہو جائے تو دعاؤں میں یاد رکھیں۔ اللہ تعالیٰ میری خطاؤں سے درگزر فرمائیں

دُعاؤں کی طلب گار

نگہت ہاشمی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

رکوع نمبر 1

﴿قَالَ اَلَمۡ اَقُلۡ لَّکَ اِنَّکَ لَنۡ تَسۡتَطِیۡعَ مَعِیَ صَبۡرًا﴾

''اُس نے کہا: ''کیا میں نے آپ سے کہا نہیں تھا کہ آپ میرے ساتھ ہرگز صبر نہ کرسکو گے'' (75)

سوال 1: ﴿قَالَ اَلَمۡ اَقُلۡ لَّکَ اِنَّکَ لَنۡ تَسۡتَطِیۡعَ مَعِیَ صَبۡرًا﴾ ''اُس نے کہا: ''کیا میں نے آپ سے کہا نہیں تھا کہ آپ میرے ساتھ ہرگز صبر نہ کرسکو گے'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) سیدنا خضر علیہ السلام نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو ایک بار پھر شرط یاد دلائی اور کہا کہ آپ وعدہ خلافی کر رہے ہیں۔ ﴿قَالَ اَلَمۡ اَقُلۡ لَّکَ اِنَّکَ لَنۡ تَسۡتَطِیۡعَ مَعِیَ صَبۡرًا﴾ اُس نے کہا: ''کیا میں نے آپ سے کہا نہیں تھا کہ آپ میرے ساتھ ہرگز صبر نہ کرسکو گے۔''

(2) پہلی بار سیدنا موسیٰ علیہ السلام کا اعتراض بھول چوک کا نتیجہ تھا۔ دوسری مرتبہ کا اعتراض صبر نہ کرسکنے کی وجہ سے تھا۔

(3) رب العزت نے صبر کے بارے فرمایا: ﴿وَلَمَنۡ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِکَ لَمِنۡ عَزۡمِ الۡاُمُوۡرِ﴾ ''اور یقیناً جو صبر کرے اور معاف کردے، تو بلاشبہ یہ یقیناً بڑی ہمت کے کاموں میں سے ہے۔'' (الشوریٰ:43)

(4) انصار کے کچھ لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا تو آپ ﷺ نے انہیں (مال) دیا اس کے بعد پھر انہوں نے سوال کیا تو آپ ﷺ نے پھر (مال) دیا یہاں تک کہ جو مال آپ ﷺ کے پاس تھا اب وہ ختم ہوگیا۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر میرے پاس مال و دولت ہو تو میں اسے بچا کر نہیں رکھوں گا مگر جو شخص سوال کرنے سے بچتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اسے سوال کرنے سے محفوظ ہی رکھتا ہے اور جو شخص بے نیازی برتتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے بے نیاز بنا دیتا ہے اور جو شخص اپنے اوپر زور ڈال کر بھی صبر کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اسے صبر و استقلال دے دیتا ہے اور کسی کو بھی صبر سے زیادہ بہتر اور اس سے زیادہ بے پایاں خیر نہیں ملی۔ (صبر تمام نعمتوں سے بڑھ کر ہے) (بخاری:1469)

﴿قَالَ اِنۡ سَاَلۡتُکَ عَنۡ شَیۡءٍۭ بَعۡدَھَا فَلَا تُصٰحِبۡنِیۡ ۚ قَدۡ بَلَغۡتَ مِنۡ لَّدُنِّیۡ عُذۡرًا﴾

''موسیٰ نے کہا: ''اس کے بعد اگر میں آپ سے کسی چیز کے بارے میں پوچھوں تو آپ مجھے ساتھ نہ رکھیں، یقیناً آپ میری طرف سے عُذر کو پہنچ گئے ہیں'' (76)

سوال 1: ﴿قَالَ اِنۡ سَاَلۡتُکَ عَنۡ شَیۡءٍۭ بَعۡدَھَا فَلَا تُصٰحِبۡنِیۡ ۚ قَدۡ بَلَغۡتَ مِنۡ لَّدُنِّیۡ عُذۡرًا﴾ ''موسیٰ نے کہا: ''اس کے بعد اگر میں آپ سے کسی چیز کے بارے میں پوچھوں تو آپ مجھے ساتھ نہ رکھیں، یقیناً آپ میری طرف سے عُذر کو پہنچ گئے ہیں'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1)﴿قَالَ﴾ سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے کہا۔

(2)﴿اِنۡ سَاَلۡتُكَ عَنۡ شَیۡءٍۭ بَعۡدَهَا﴾ ''اس کے بعد اگر میں آپ سے کسی چیز کے بارے میں پوچھوں'' یعنی اس بار کے بعد اگر میں نے آپ سے کسی چیز کے بارے میں سوال کیا۔

(3)﴿فَلَا تُصٰحِبۡنِیۡ﴾ ''تو آپ مجھے ساتھ نہ رکھیں'' سیدنا موسیٰ علیہ السلام اس بار معذرت کے ساتھ خود ہی سزا بھی تجویز کر لیتے ہیں کہ اگر اب میں نے وعدہ خلافی کی تو آپ مجھے اپنی صحبت کے شرف سے محروم کر دیجئے گا۔

(4)﴿قَدۡ بَلَغۡتَ مِنۡ لَّدُنِّیۡ عُذۡرًا﴾ ''یقیناً آپ میری طرف سے عُذر کو پہنچ گئے ہیں'' مجھے اس پر اعتراض نہیں ہوگا اور اب آپ کو میری جانب سے معقول عذر مل گیا ہے۔

(5) سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے نقل کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب دعا فرماتے تو پہلے اپنے آپ سے ابتدا فرماتے اور کہتے: اللہ کی رحمت ہو ہم پر اور موسیٰ پر۔ پھر فرمایا: ''اگر وہ صبر کر لیتے تو وہ اپنے صاحب (خضر علیہ السلام) سے بہت سے عجائب دیکھتے، لیکن انھوں نے خود ہی کہہ دیا: ''موسیٰ نے کہا: ''اس کے بعد اگر میں آپ سے کچھ پوچھوں تو آپ مجھے ساتھ نہ رکھیں۔ آپ میری طرف سے عذر کی حد کو پہنچ گئے ہیں۔'' (ابوداؤد: 3984)

﴿فَانۡطَلَقَا ۫ حَتّٰۤی اِذَاۤ اَتَیَاۤ اَهۡلَ قَرۡیَةِ ۣ اسۡتَطۡعَمَاۤ اَهۡلَهَا فَاَبَوۡا اَنۡ یُّضَیِّفُوۡهُمَا فَوَجَدَا فِیۡهَا جِدَارًا یُّرِیۡدُ اَنۡ یَّنۡقَضَّ فَاَقَامَهٗ ؕ قَالَ لَوۡ شِئۡتَ لَتَّخَذۡتَ عَلَیۡهِ اَجۡرًا﴾

''چنانچہ وہ دونوں چل پڑے حتیٰ کہ وہ دونوں ایک بستی والوں کے پاس آئے، انہوں نے اس کے باشندوں سے کھانا طلب کیا تو اُنہوں نے انکار کر دیا کہ وہ ان کی مہمان نوازی کریں، پھر ان دونوں نے اس بستی میں ایک دیوار پائی جو چاہتی تھی کہ گر جائے تو اس نے اُسے سیدھا کر دیا۔ موسیٰ نے کہا: ''اگر آپ چاہتے تو اس پر کچھ اُجرت لے لیتے'' (77)

سوال 1: فَانۡطَلَقَا ۫ حَتّٰۤی اِذَاۤ اَتَیَاۤ اَهۡلَ قَرۡیَةِ ۣ اسۡتَطۡعَمَاۤ اَهۡلَهَا فَاَبَوۡا اَنۡ یُّضَیِّفُوۡهُمَا فَوَجَدَا فِیۡهَا جِدَارًا یُّرِیۡدُ اَنۡ یَّنۡقَضَّ فَاَقَامَهٗ ؕ قَالَ لَوۡ شِئۡتَ لَتَّخَذۡتَ عَلَیۡهِ اَجۡرًا﴾ ''چنانچہ وہ دونوں چل پڑے حتیٰ کہ وہ دونوں ایک بستی والوں کے پاس آئے، انہوں نے اس کے باشندوں سے کھانا طلب کیا تو اُنہوں نے انکار کر دیا کہ وہ ان کی مہمان نوازی کریں، پھر ان دونوں نے اس بستی میں ایک دیوار پائی جو چاہتی تھی کہ گر جائے تو اس نے اُسے سیدھا کر دیا۔ موسیٰ نے کہا: ''اگر آپ چاہتے تو اس پر کچھ اُجرت لے لیتے'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1)﴿فَانۡطَلَقَا ۫ حَتّٰۤی اِذَاۤ اَتَیَاۤ اَهۡلَ قَرۡیَةِ ۣ اسۡتَطۡعَمَاۤ اَهۡلَهَا﴾ ''چنانچہ وہ دونوں چل پڑے حتیٰ کہ وہ دونوں ایک بستی

والوں کے پاس آئے انہوں نے اس کے باشندوں سے کھانا طلب کیا'' سیدنا موسیٰ اور سیدنا خضر تیسری بار جا رہے ہیں۔ چلتے چلتے ایک بستی میں پہنچے جس کے رہنے والے بخیل تھے۔ انہوں نے بستی والوں سے مہمان کے طور پر ٹھہرنے کی درخواست کی۔

(2)﴿فَاَبَوۡا اَنۡ يُّضَيِّفُوۡهُمَا فَوَجَدَا فِيۡهَا جِدَارًا يُّرِيۡدُ اَنۡ يَّنۡقَضَّ﴾ ''تو اُنہوں نے انکار کر دیا کہ وہ ان کی مہمان نوازی کریں پھر ان دونوں نے اس بستی میں ایک دیوار پائی جو چاہتی تھی کہ گر جائے''بستی والوں نے ان کی مہمان نوازی کرنے سے انکار کر دیا۔انہوں نے بستی میں ایک دیوار کو دیکھا جو جھکی ہوئی تھی اور گرنے ہی والی تھی۔

(3)﴿فَاَقَامَهٗ﴾ '' تو اس نے اُسے سیدھا کر دیا'' سیدنا خضر نے اس دیوار کو اپنے ہاتھوں سے سیدھا کر دیا۔ یہ ان کی ایک کرامت تھی۔ موسیٰ علیہ السلام سے رہا نہ گیا۔(4) اور وہ بول پڑے ﴿قَالَ﴾ ''انہوں نے کہا''۔

(5)﴿لَوۡ شِئۡتَ لَتَّخَذۡتَ عَلَيۡهِ اَجۡرًا﴾ ''اگر آپ چاہتے تو اس پر کچھ اُجرت لے لیتے'' آپ کو دیوار سیدھی کرنے کی اجرت لینی چاہئے تھی۔ اگر آپ چاہتے تو ان سے اجرت طلب کر لیتے۔

(6) خضر کے طرز عمل میں سبق یہ ہے کہ سچے اہل ایمان کا دوسروں سے سلوک جوابی سلوک نہیں ہوتا بلکہ ہر حال میں حق کے مطابق ہوتا ہے۔

سوال 2: مہمان نوازی کے بارے میں شریعت کیا تلقین کرتی ہے؟

جواب: (1) مہمان نوازی کے بارے میں شریعت کا موقف بڑا مضبوط ہے اور اسے ایمان کا تقاضا قرار دیا گیا ہے۔

(2) سیدنا ابو شریح عدوی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میرے کانوں نے سنا اور میری آنکھوں نے دیکھا، جس وقت کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو آدمی اللہ تعالیٰ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو تو اُسے چاہیے کہ وہ اپنے مہمان کا اکرام کرے اور اس کی خاطر تواضع کرے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! مہمان کی خاطر تواضع کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: ایک دن اور ایک رات (تو اس کی خوب خدمت کرے) اور تین دنوں تک اس کی مہمان نوازی کرے، اس کے بعد وہ اس پر صدقہ ہے اور آپ نے فرمایا: جو آدمی اللہ تعالیٰ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو اُسے چاہیے کہ وہ خیر کی بات کہے یا وہ خاموش رہے۔ (صحیح مسلم 4513)

(3) سیدنا ابو شریح خزاعی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مہمان نوازی تین دنوں تک ہے اور اس کی خاطر تواضع ایک دن اور ایک رات تک اور کسی مسلمان آدمی کے لیے حلال نہیں کہ وہ اپنے بھائی کے پاس اتنی دیر قیام کرے کہ وہ اسے گناہ گار کر دے۔ صحابہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! وہ اس کو کیسے گناہ گار کر دے گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ آدمی اس کے پاس ٹھہرے (اور اتنی دیر تک ٹھہرا رہے) کہ اس کے پاس اس کی مہمان نوازی کے لیے کچھ نہ بچے۔'' (صحیح مسلم:4514)

(4) سیدنا عقبہ بن عامر سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ہم نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! بے شک آپ ہمیں بھیجتے ہیں تو ہم ایک ایسی قوم کے پاس جا کر اترتے ہیں جو کہ ہماری مہمان نوازی نہیں کرتے تو اس بارے میں آپ کا کیا حکم ہے؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

ہمیں فرمایا: اگر تم کسی ایسی قوم کے پاس اترو تو اگر وہ تمہاری (اسی طرح خدمت کریں) جس طرح کہ ایک مہمان کی ضیافت کی جاتی ہے تو تم اسے قبول کرلو اور اگر وہ اس طرح نہ کریں تو پھر ان سے ضیافت کا اس قدر حق (سامان) لے لو جتنا ان پر ایک مہمان کا حق ہوتا ہے۔" (صحیح مسلم:4516)

﴿قَالَ هٰذَا فِرَاقُ بَيْنِيْ وَبَيْنِكَ ۚ سَاُنَبِّئُكَ بِتَاْوِيْلِ مَا لَمْ تَسْتَطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا﴾

"اُس نے کہا: "یہ میرے اور آپ کے درمیان جدائی ہے، میں جلد ہی آپ کو ان باتوں کی اصل حقیقت بتاؤں گا جن پر آپ صبر نہیں کر سکے" (78)

سوال1: ﴿قَالَ هٰذَا فِرَاقُ بَيْنِيْ وَبَيْنِكَ ۚ سَاُنَبِّئُكَ بِتَاْوِيْلِ مَا لَمْ تَسْتَطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا﴾ "اُس نے کہا: "یہ میرے اور آپ کے درمیان جدائی ہے، میں جلد ہی آپ کو ان باتوں کی اصل حقیقت بتاؤں گا جن پر آپ صبر نہیں کر سکے" اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿قَالَ﴾ سیدنا خضر نے کہا۔

(2) ﴿هٰذَا فِرَاقُ بَيْنِيْ وَبَيْنِكَ﴾ "یہ میرے اور آپ کے درمیان جدائی ہے" سیدنا خضر علیہ السلام نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو توجہ دلائی کہ وہ اپنی شرط پوری نہیں کر سکے، جس کا انہوں نے وعدہ کیا تھا۔ اس پر سیدنا خضر علیہ السلام نے معذرت کر لی اور کہا اب تم سے جدائی کا وقت آ گیا ہے، کیونکہ بچے کے قتل کے وقت تم نے یہ شرط خود ہی لگائی تھی کہ اگر اب سوال کروں تو ساتھ نہ رکھنا۔ اس شرط کی رو سے اب آپ میں اور مجھ میں جدائی ہے۔ میں آپ کو اپنے ساتھ نہیں رکھ سکتا، نہ عذر باقی رہا، نہ مصاحبت کی کوئی وجہ۔

﴿اَمَّا السَّفِيْنَةُ فَكَانَتْ لِمَسٰكِيْنَ يَعْمَلُوْنَ فِي الْبَحْرِ فَاَرَدْتُّ اَنْ اَعِيْبَهَا وَكَانَ وَرَآءَهُمْ مَّلِكٌ يَّاْخُذُ كُلَّ سَفِيْنَةٍ غَصْبًا﴾

"رہی کشتی، تو وہ چند مسکینوں کی تھی جو سمندر میں کام کرتے تھے، چنانچہ میں نے ارادہ کیا کہ میں اسے عیب دار کر دوں اور ان کے آگے ایک ایسا بادشاہ تھا جو زبردستی ہر کشتی چھین لیتا تھا" (79)

سوال1: ﴿اَمَّا السَّفِيْنَةُ فَكَانَتْ لِمَسٰكِيْنَ يَعْمَلُوْنَ فِي الْبَحْرِ فَاَرَدْتُّ اَنْ اَعِيْبَهَا وَكَانَ وَرَآءَهُمْ مَّلِكٌ يَّاْخُذُ كُلَّ سَفِيْنَةٍ غَصْبًا﴾ "رہی کشتی، تو وہ چند مسکینوں کی تھی جو سمندر میں کام کرتے تھے، چنانچہ میں نے ارادہ کیا کہ میں اسے عیب دار کر دوں اور ان کے آگے ایک ایسا بادشاہ تھا جو زبردستی ہر کشتی چھین لیتا تھا" اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿اَمَّا السَّفِيْنَةُ فَكَانَتْ لِمَسٰكِيْنَ يَعْمَلُوْنَ فِي الْبَحْرِ﴾ "رہی کشتی، تو وہ چند مسکینوں کی تھی جو سمندر میں کام کرتے تھے" سیدنا خضر علیہ السلام نے کشتی کا تختہ اکھاڑنے کی وجہ بتائی جس کو سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے بظاہر برا کام سمجھا تھا اور اس پر سیدنا خضر علیہ السلام کو ٹوکا

تھا۔وہ اندرونی مصلحت جو سیدنا خضر علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے بتائی، وہ انہوں نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو بھی بتادی۔انہوں نے کہا کہ جس کشتی کے میں نے تختے اکھاڑے تھے وہ چند غریب لوگوں کی تھی، جو سمندر میں کام کرتے تھے۔

(2)﴿فَاَرَدْتُّ اَنْ اَعِیْبَهَا وَكَانَ وَرَآءَهُمْ مَّلِكٌ یَّاْخُذُ كُلَّ سَفِیْنَةٍ غَصْبًا﴾ ''چنانچہ میں نے ارادہ کیا کہ میں اسے عیب دار کردوں اور ان کے آگے ایک ایسا بادشاہ تھا جو زبردستی ہر کشتی چھین لیتا تھا'' اور آگے ایک ایسے بادشاہ کا علاقہ تھا جو ہر کشتی کو زبردستی چھین لیتا تھا۔میں نے اسے اس لیے عیب دار کر دیا تا کہ چھوٹے سے نقصان کی وجہ سے بڑے نقصان سے محفوظ ہو جائیں۔یعنی عیب دار ہونے کی وجہ سے ظالم بادشاہ کے ہاتھوں غریبوں کی کشتی بچ جائے۔

(3)سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ اس طرح قرأت فرمایا کرتے تھے: ''اور ان کے آگے ایک بادشاہ تھا جو ہر صحیح کشتی غصب کر لیتا تھا۔'' (بخاری:4725)

(4)اس سے یہ سبق ملتا ہے کہ حادثات سے بددل نہیں ہونا چاہیے۔اللہ تعالیٰ کی رضا پر راضی ہو جائیں تو ضرور انسان کو وہ فائدہ نظر آجاتا ہے جو بظاہر چھپا ہوا ہوتا ہے لیکن اپنے وقت پر ظاہر ہو جاتا ہے۔

﴿وَاَمَّا الْغُلٰمُ فَكَانَ اَبَوٰهُ مُؤْمِنَیْنِ فَخَشِیْنَآ اَنْ یُّرْهِقَهُمَا طُغْیَانًا وَّ كُفْرًا﴾

''اور رہا لڑکا، تو اس کے والدین مومن تھے، چنانچہ ہمیں اندیشہ ہوا کہ وہ ان دونوں کو سرکشی اور کفر میں پھنسا دے گا'' (80)

سوال1:﴿وَاَمَّا الْغُلٰمُ فَكَانَ اَبَوٰهُ مُؤْمِنَیْنِ فَخَشِیْنَآ اَنْ یُّرْهِقَهُمَا طُغْیَانًا وَّ كُفْرًا﴾ ''اور رہا لڑکا، تو اس کے والدین مومن تھے، چنانچہ ہمیں اندیشہ ہوا کہ وہ ان دونوں کو سرکشی اور کفر میں پھنسا دے گا'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿وَاَمَّا الْغُلٰمُ فَكَانَ اَبَوٰهُ مُؤْمِنَیْنِ﴾ ''اور رہا لڑکا، تو اس کے والدین مومن تھے'' اور جہاں تک اس لڑکے کا تعلق ہے جس کو میں نے قتل کر دیا تھا۔اس کے بارے میں انہوں نے واضح کیا کہ اس کے والدین مومن تھے۔

(2)سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے نقل کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ لڑکا جسے خضر علیہ السلام نے قتل کیا تھا، یہ روز اول ہی سے کافر پیدا ہوا تھا۔(مسلم:2661)

(3)﴿فَخَشِیْنَآ اَنْ یُّرْهِقَهُمَا طُغْیَانًا وَّ كُفْرًا﴾ ''چنانچہ ہمیں اندیشہ ہوا کہ وہ ان دونوں کو سرکشی اور کفر میں پھنسا دے گا'' سیدنا خضر علیہ السلام نے لڑکے کے بارے میں بتایا کہ بظاہر تو وہ واجب القتل نہ تھا لیکن مستقبل خطرناک تھا۔اس کے نفس کے اندر برائیوں کے ایسے بیج ڈالے جا چکے تھے کہ وہ زندہ رہتا تو والدین کی نافرمانی کرتا اس لیے ہم نے چاہا کہ اس کے بدلے میں اللہ تعالیٰ ایسی اولاد دے جو اخلاق میں بھی بہتر ہو اور جس سے صلہ رحمی کی بھی توقع ہو۔

(4)اس لڑکے کی تقدیر میں تھا کہ اگر وہ بالغ ہو جاتا تو اپنے والدین کو کفر اور سرکشی کے لیے مجبور کرتا۔سیدنا خضر علیہ السلام کو یہ ڈر لگا کہ یا تو

والدین فطری محبت کی وجہ سے یا ضرورت کے ہاتھوں مجبور ہونے کی وجہ سے کفر یا سرکشی پر مجبور ہو جائیں گے۔اس بچے کے بارے میں مجھے علم تھا اس لیے اس کے والدین کے دین کی حفاظت کے لیے اس کو قتل کر دیا۔

(5)اس سے بڑھ کر اور کیا فائدہ ہو سکتا ہے اگرچہ بچے کو قتل کرنے میں والدین کے لیے تکلیف اور ان کی نسل کا خاتمہ ہے،لیکن اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ وہ انہیں اس سے بہتر اولاد عطا فرمائے گا۔

﴿فَاَرَدۡنَاۤ اَنۡ یُّبۡدِلَهُمَا رَبُّهُمَا خَیۡرًا مِّنۡهُ زَكٰوةً وَّاَقۡرَبَ رُحۡمًا﴾

''تو ہم نے چاہا کہ ان دونوں کا رب ان دونوں کو اس کا بہترین بدل عطا فرمائے جو پاکیزگی میں اس سے بہتر ہو اور رحمت میں زیادہ قریب ہو''(81)

سوال1:﴿فَاَرَدۡنَاۤ اَنۡ یُّبۡدِلَهُمَا رَبُّهُمَا خَیۡرًا مِّنۡهُ زَكٰوةً وَّاَقۡرَبَ رُحۡمًا﴾''تو ہم نے چاہا کہ ان دونوں کا رب ان دونوں کو اس کا بہترین بدل عطا فرمائے جو پاکیزگی میں اس سے بہتر ہو اور رحمت میں زیادہ قریب ہو''اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿فَاَرَدۡنَاۤ اَنۡ یُّبۡدِلَهُمَا رَبُّهُمَا خَیۡرًا مِّنۡهُ زَكٰوةً وَّاَقۡرَبَ رُحۡمًا﴾''تو ہم نے چاہا کہ ان دونوں کا رب ان دونوں کو اس کا بہترین بدل عطا فرمائے جو پاکیزگی میں اس سے بہتر ہو اور رحمت میں زیادہ قریب ہو''یعنی اللہ تعالیٰ اس کے بدلے میں ایسا بیٹا عطا فرمائے،جو نیک پاک اور صلہ رحمی کرنے والا ہو گا کیونکہ وہ بچہ جس کو قتل کر دیا گیا تھا اگر بالغ ہو جاتا تو وہ والدین کا سخت نافرمان ہوتا اور وہ ان کو کفر اور سرکشی پر مجبور کر دیتا۔(تفسیر سعدی:1541/2)

(2)﴿زَكٰوةً﴾''پاکیزگی میں''یعنی دین اور اخلاق میں۔

سوال2:اس واقعے سے ہمیں کیا اسباق ملتے ہیں؟

جواب:(1)اس واقعے سے یہ سبق ملتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی ہر جگہ مدد کرتا ہے حتیٰ کہ ایسے معاملے میں بھی جس کا انسان کو علم ہی نہیں ہوتا کہ وہ اپنے رب سے دُعا ہی کر سکے۔(2)انسان کو ہمیشہ اللہ تعالیٰ سے خیر کی اُمید رکھنی چاہیے۔

(3)انسان کو اپنے رب کے علم پر اعتماد کرنا چاہیے کہ وہ کلی علم رکھتا ہے اور انسان جزوی علم کی وجہ سے جان نہیں پاتا۔انسان کو صبر اور شکر کا رویہ اختیار کرنا چاہیے۔قتال کی مثال دیتے ہوئے رب العزت نے اپنے علم کے بارے میں فرمایا:﴿كُتِبَ عَلَيۡكُمُ الۡقِتَالُ وَهُوَ كُرۡهٌ لَّكُمۡ‌ۚ وَعَسٰۤى اَنۡ تَكۡرَهُوۡا شَيۡـئًا وَّهُوَ خَيۡرٌ لَّكُمۡ‌ۚ وَعَسٰۤى اَنۡ تُحِبُّوۡا شَيۡـئًا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمۡ‌ؕ وَاللّٰهُ يَعۡلَمُ وَاَنۡتُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَ﴾''تم پر قتال فرض کر دیا گیا حالانکہ وہ تمہارے لیے ناپسندیدہ ہے اور ہو سکتا ہے کہ تم کوئی چیز ناپسند کرو اور وہ تمہارے لیے بہتر ہو اور ہو سکتا ہے کہ تم کوئی چیز پسند کرو حالانکہ وہ تمہارے لئے بدتر ہو اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے تم نہیں جانتے۔''(البقرہ:216)

﴿وَاَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلٰمَيْنِ يَتِيْمَيْنِ فِي الْمَدِيْنَةِ وَكَانَ تَحْتَهٗ كَنْزٌ لَّهُمَا وَكَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا ۚ فَاَرَادَ رَبُّكَ اَنْ يَّبْلُغَآ اَشُدَّهُمَا وَيَسْتَخْرِجَا كَنْزَهُمَا ۖ رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ۚ وَمَا فَعَلْتُهٗ عَنْ اَمْرِيْ ۭ ذٰلِكَ تَاْوِيْلُ مَا لَمْ تَسْطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا﴾

''اور رہی وہ دیوار، تو وہ شہر کے دو یتیم لڑکوں کی تھی اور اس کے نیچے ان دونوں کے لیے ایک خزانہ تھا اور ان دونوں کا باپ ایک نیک آدمی تھا چنانچہ تمہارے رب نے ارادہ کیا کہ وہ دونوں اپنی جوانی کو پہنچیں اور اپنا خزانہ نکالیں، تمہارے رب کی طرف سے رحمت تھی اور میں نے اپنی مرضی سے ایسا نہیں کیا۔ ان باتوں کی اصل حقیقت یہ ہے جس پر آپ صبر نہ کر سکے'' (82)

سوال 1: ﴿وَاَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلٰمَيْنِ يَتِيْمَيْنِ فِي الْمَدِيْنَةِ وَكَانَ تَحْتَهٗ كَنْزٌ لَّهُمَا وَكَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا﴾ ''اور رہی وہ دیوار، تو وہ شہر کے دو یتیم لڑکوں کی تھی اور اس کے نیچے ان دونوں کے لیے ایک خزانہ تھا اور ان دونوں کا باپ ایک نیک آدمی تھا'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَاَمَّا الْجِدَارُ﴾ ''اور رہی وہ دیوار'' یعنی جس دیوار کو میں نے سیدھا کیا تھا۔

(2) ﴿فَكَانَ لِغُلٰمَيْنِ يَتِيْمَيْنِ فِي الْمَدِيْنَةِ وَكَانَ تَحْتَهٗ كَنْزٌ لَّهُمَا وَكَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا﴾ ''تو وہ شہر کے دو یتیم لڑکوں کی تھی اور اس کے نیچے ان دونوں کے لیے ایک خزانہ تھا اور ان دونوں کا باپ ایک نیک آدمی تھا'' یعنی ان کا حال ان پر رافت و رحمت کا تقاضا کرتا تھا۔ کیونکہ وہ دونوں بہت چھوٹے تھے اور باپ سے محروم تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے باپ کی نیکی کی بنا پر ان کی حفاظت فرمائی۔

(تفسیر سعدی: 1541/2)

سوال 2: ﴿فَاَرَادَ رَبُّكَ اَنْ يَّبْلُغَآ اَشُدَّهُمَا وَيَسْتَخْرِجَا كَنْزَهُمَا ۖ رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ﴾ ''چنانچہ تمہارے رب نے ارادہ کیا کہ وہ دونوں اپنی جوانی کو پہنچیں اور اپنا خزانہ نکالیں، تمہارے رب کی طرف سے رحمت تھی'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿فَاَرَادَ رَبُّكَ اَنْ يَّبْلُغَآ اَشُدَّهُمَا وَيَسْتَخْرِجَا كَنْزَهُمَا﴾ ''چنانچہ تمہارے رب نے ارادہ کیا کہ وہ دونوں اپنی جوانی کو پہنچیں اور اپنا خزانہ نکالیں'' اس میں اشارہ کہ ان یتیم بچوں کے لئے مدفون خزانے کی حفاظت کا سامان بذریعہ خضر علیہ السلام اس لئے کرایا گیا تھا کہ ان یتیم بچوں کا باپ کوئی مرد صالح اللہ کے نزدیک مقبول تھا، اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس کی مراد پوری کرنے اور اس کی اولاد کو فائدہ پہنچانے کا یہ انتظام فرمایا۔ محمد بن منکدر فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ایک بندے کی نیکی اور صلاحیت کی وجہ سے اس کی اولاد اور اولاد کی اولاد اور اس کے خاندان کی اور آس پاس کے مکانات کی حفاظت فرماتے ہیں۔ (مظہری) (تفسیر معارف القرآن: 621،622/5)

(2) ﴿رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ﴾ ''تمہارے رب کی طرف سے رحمت تھی'' سیدنا خضر نے کہا کہ میں نے جو کام بھی کیے ہیں، یہ آپ کے رب کی رحمت ہے جس سے اس نے اپنے بندے خضر کو نوازا ہے۔ (3) اللہ تعالیٰ نیک لوگوں کی اولاد کی حفاظت فرماتا ہے۔

سوال3: ﴿وَمَا فَعَلۡتُهٗ عَنۡ اَمۡرِیۡ ؕ ذٰلِكَ تَاۡوِیۡلُ مَا لَمۡ تَسۡطِعۡ عَّلَیۡهِ صَبۡرًا ﴾ ''اور میں نے اپنی مرضی سے ایسا نہیں کیا۔ ان باتوں کی اصل حقیقت یہ ہے جس پر آپ صبر نہ کر سکے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَمَا فَعَلۡتُهٗ عَنۡ اَمۡرِیۡ ﴾ ''اور میں نے اپنی مرضی سے ایسا نہیں کیا'' یعنی میں نے ان میں سے کوئی کام محض اپنے ارادے سے نہیں کیا، یہ تو اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کا حکم تھا۔

(2) سیدنا خضر علیہ السلام کی وضاحتوں سے یہ پتہ چلتا ہے کہ علم نبوت اور تکوینی علم میں فرق ہے۔

(3) تکوینی علم اللہ تعالیٰ کا غیبی نظام ہے۔ اس کا علم اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔ سیدنا خضر علیہ السلام کو یہ علم اللہ تعالیٰ کی طرف سے دیا گیا۔

(4) میں نے سارے کام بہ الہام الٰہی سرانجام دیئے۔

(5) مطلب یہ کہ ان بظاہر خلاف شریعت افعال میں سے کوئی سا کام بھی میری ذاتی رائے یا اجتہاد کا نتیجہ نہیں، سب الہامات الٰہی ہی کے تابع ہوئے ہیں۔ (6) نتیجہ یہ نکلا کہ بڑے سے بڑا اصاحب باطن بھی خلاف احکام شریعت ظاہری نہیں جا سکتا۔ (تفسیر ماجدی: 148/3)

(7) ﴿ذٰلِكَ ﴾ ''ان باتوں کی'' یعنی یہ جو میں نے آپ کے سامنے ان باتوں کی حقیقت بیان کی ہے۔

(8) ﴿تَاۡوِیۡلُ مَا لَمۡ تَسۡطِعۡ عَّلَیۡهِ صَبۡرًا ﴾ ''ان باتوں کی اصل حقیقت یہ ہے جس پر آپ صبر نہ کر سکے۔''

سوال4: سیدنا خضر علیہ السلام اور سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے قصے سے کیا فوائد ملتے ہیں؟

جواب: (1) اس قصے سے علم اور طلب علم کی لیے رحلت کی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔ نیز یہ کہ طلب علم اہم ترین معاملہ ہے۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے طلب علم کے لیے عظیم سفر کیا اور مشکلات برداشت کیں۔ بنی اسرائیل کو تعلیم دینے اور ان کی راہ نمائی کے لیے ان کے پاس بیٹھنا ترک کر کے علم میں اضافے کے لیے سفر کیا۔

(2) اس قصے سے مستفاد ہوتا ہے کہ ابتداء سب سے اہم کام سے ہونی چاہیے۔ انسان کا علم اور اس کے علم میں اضافہ کرنا اس کو ترک کرنے اور علم حاصل کیے بغیر تعلیم میں مشغول رہنے سے زیادہ اہمیت کا حامل ہے۔ مگر دونوں امور کا یکجا ہونا زیادہ کامل ہے۔

(3) سفر و حضر میں کام کاج اور راحت کے حصول کے لیے خادم رکھنا جائز ہے جیسا کہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے کیا تھا۔

(4) اگر کوئی شخص طلب علم یا جہاد وغیرہ کے لیے سفر کرتا ہے اور مصلحت کے تقاضے کے مطابق وہ اپنے مقصد اور منزل کے بارے میں بتاتا ہے تو یہ اس کو چھپانے سے بہتر ہے کیونکہ اس کو ظاہر کرنے میں بہت سے فوائد ہیں مثلاً اس کی سفر کی تیاری، سامان مہیا کرنے، اس کام کو دیکھ بھال کر احسن طریقے سے سرانجام دینے کا اہتمام اور اس جلیل القدر عبادت کے لیے شوق کا اظہار وغیرہ جیسا کہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے کہا: ﴿لَاۤ اَبۡرَحُ حَتّٰۤی اَبۡلُغَ مَجۡمَعَ الۡبَحۡرَیۡنِ اَوۡ اَمۡضِیَ حُقُبًا ﴾ ''میں باز نہیں آؤں گا حتیٰ کہ میں دونوں دریاؤں کے سنگم پر پہنچ جاؤں یا میں زمانہ دراز تک چلتا ہی رہوں گا۔'' (الکہف: 60) اور جیسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ تبوک کا ارادہ فرمایا تو صحابہ کو اس کے بارے میں آگاہ فرمایا دیا

تھا حالانکہ ایسے امور میں توریہ کرنا آپ کی عادت مبارکہ تھی۔ یہ چیز مصلحت کے تابع ہے۔

(5) اس سے ثابت ہوتا ہے کہ شر اور اس کے اسباب کو اس لحاظ سے شیطان کی طرف منسوب کرتے ہیں کہ وہ بہکاتا ہے اور شر کو مزین کرتا ہے۔ اگرچہ خیر و شر ہر چیز اللہ تعالیٰ کی قضا وقدر سے واقع ہوتی ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے خادم نے کہا۔ ﴿وَمَآ اَنْسٰنِيْهُ اِلَّا الشَّيْطٰنُ اَنْ اَذْكُرَهٗ﴾ ''شیطان نے مجھے اس کا تذکرہ کرنا بھلا دیا۔'' (الکھف:63)

(6) انسان کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنی طبیعت کے تقاضوں مثلاً بھوک اور پیاس وغیرہ کے بارے میں اطلاع دے۔ جبکہ اس میں صداقت ہو اور اس میں (اللہ تعالیٰ اور تقدیر پر) ناراضگی کے اظہار کا کوئی پہلو نہ ہو۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ﴿لَقَدْ لَقِيْنَا مِنْ سَفَرِنَا هٰذَا نَصَبًا﴾ ''بلاشبہ ہم نے آج کے اس سفر میں بڑی تھکاوٹ پائی ہے۔'' (الکھف:62)

(7) خادم کا ذہین وفطین اور سمجھدار ہونا پسندیدہ ہے تاکہ انسان اپنے مطلوبہ ارادوں کی بہتر طریقے سے تکمیل کر سکے۔

(8) انسان کا اپنے خادم کو اپنے کھانے سے اور اپنے ساتھ بٹھا کر کھلانا مستحب ہے۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے قول سے بس یہی ظاہر ہوتا ہے۔ فرمایا: ﴿اٰتِنَا غَدَآءَنَا﴾ ''لاؤ ہمارے پاس ہمارا کھانا۔'' (الکھف:62) یہ اضافت سب کی طرف سے ہے کہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام اور ان کے خادم نے اکٹھے کھانا کھایا۔

(9) اس واقعے سے ظاہر ہوتا ہے کہ بندے پر اللہ تعالیٰ کے احکام کو قائم کرنے کے مطابق اللہ تعالیٰ کی مدد نازل ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے حکم کی موافقت کرنے والے کی جو مدد کی جاتی ہے، وہ کسی اور کی نہیں کی جاتی۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ﴿لَقَدْ لَقِيْنَا مِنْ سَفَرِنَا هٰذَا نَصَبًا﴾ ''ہمیں اپنے اس سفر میں بہت تھکاوٹ لاحق ہوگئی ہے۔'' (الکھف:62) یہ دریاؤں کے سنگم سے متجاوز سفر کی طرف اشارہ ہے دریاؤں کے سنگم سے قبل سیدنا موسیٰ نے تھکاوٹ کی شکایت نہیں کی۔ حالانکہ وہ بہت طویل سفر تھا کیونکہ یہی حقیقی سفر تھا (لیکن اللہ تعالیٰ کی مدد کی وجہ سے وہ محسوس نہیں ہوا) رہا دریاؤں کے سنگم کے بعد والا سفر تو ظاہر ہے وہ سفر کا کچھ حصہ یعنی دن کا ایک حصہ تھا۔ کیونکہ جب انہوں نے چٹان پر بیٹھ کر آرام کیا تھا وہاں مچھلی غائب ہوئی تھی۔ ظاہر ہے انہوں نے وہاں چٹان کے پاس ہی رات بسر کی۔ پھر اگلی صبح سفر پر روانہ ہوئے۔ حتیٰ کہ جب صبح کے کھانے کا وقت ہوا۔ سیدنا موسیٰ نے اپنے خادم سے کہا۔ ﴿اٰتِنَا غَدَآءَنَا﴾ ''ہمارے لیے کھانا لاؤ۔'' (الکھف:62) یہاں آ کر خادم کو یاد آیا کہ اس مقام پر مچھلی کے غائب ہونے کا ذکر کرنا بھول گیا۔ جوان کی منزل اور مقصود سفر تھا۔ (لیکن اس تھوڑے سے سفر سے انہیں تھکاوٹ ہوگئی تھی)۔

(10) اللہ تعالیٰ کا وہ بندہ جس سے انہوں نے ملاقات کی تھی نبی نہیں تھا بلکہ ایک صالح بندہ تھا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسے عبودیت کی صفت سے موصوف کیا ہے اور یہ بھی ذکر کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو رحمت اور علم سے نوازا تھا۔ مگر رسالت اور نبوت کا ذکر نہیں فرمایا۔ اگر جناب خضر نبی ہوتے تو اللہ تعالیٰ ان کی نبوت کا ضرور ذکر کرتا۔ جیسا کہ دوسرے انبیاء اور مرسلین کے بارے میں ذکر کیا ہے۔ جہاں تک قصے کے

آخر میں ان کے اس قول ﴿وَمَا فَعَلْتُهٗ عَنْ اَمْرِیْ﴾ "اور میں نے اپنی مرضی سے ایسا نہیں کیا۔" (الکہف:82) کا تعلق ہے تو یہ ان کے نبی ہونے کی دلیل نہیں۔ یہ تو الہام وتحدیث کی طرف اشارہ ہے۔ جیسا کہ غیر انبیاء کو الہام سے نوازا جاتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّ مُوْسٰٓى اَنْ اَرْضِعِيْهِ﴾ "ہم نے موسیٰ کی ماں کی طرف الہام کیا کہ اس کو دودھ پلا۔" (القصص:7) اسی طرح ارشاد ہے: ﴿وَاَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِيْ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا﴾ "آپ کے رب نے شہد کی مکھی کی طرف وحی کی کہ وہ پہاڑوں میں اپنے چھتے بنائے۔ (سورہ النحل:68)

(11) وہ علم جو اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو عطا کرتا ہے اس کی دو اقسام ہیں۔ (i) علم اکتسابی۔ جسے بندہ اپنی جدوجہد اور اجتہاد سے حاصل کرتا ہے۔ (ii) علم لدنی۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس پر بھی کرم نوازی کرتا ہے اسے یہ علم عطا فرماتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

﴿وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا﴾ "اور ہم نے انہیں اپنی طرف سے خاص علم نوازا ہے۔" (سورہ الکہف:65)

(12) ان آیات سے مستفاد ہوتا ہے کہ معلم کے ساتھ ادب کے ساتھ پیش آنا چاہیے اور متعلم کو چاہیے کہ وہ نہایت لطیف طریقے سے معلم سے مخاطب ہو۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے سیدنا خضر سے اس طرح عرض کی تھی۔ ﴿هَلْ اَتَّبِعُكَ عَلٰٓى اَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا﴾ "کیا میں آپ کے پیچھے آسکتا ہوں تاکہ آپ مجھے اس بھلائی میں سے سکھائیں جو آپ کو سکھائی گئی ہے؟" (الکہف:66) چنانچہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے ملاطفت اور مشاورت کے اسلوب میں بات کی۔ گویا عرض کی کہ کیا آپ مجھے اجازت عنایت فرمائیں گے یا نہیں اور ساتھ ہی اقرار کیا کہ وہ متعلم ہیں۔ بے ادب اور متکبر لوگوں کا رویہ اس کے برعکس ہوتا ہے جو معلم پر یہ ظاہر نہیں کرتے کہ وہ اس کے علم کے محتاج ہیں بلکہ وہ دعویٰ کرتے ہیں کہ حصول علم میں وہ ایک دوسرے کی مدد کر رہے ہیں بلکہ بسا اوقات ان میں سے بعض تو یہ سمجھتے ہیں کہ وہ اپنے معلم کو تعلیم دے رہے ہیں۔ ایسا شخص سخت جاہل ہے۔ معلم کے سامنے تذلیل اور انکساری اور معلم کے علم کا محتاج ہونے کا اظہار متعلم کے لیے بہت فائدہ مند چیز ہے۔

(13) اس قصے سے مستفادہ ہوتا ہے کہ ایک عالم اور صاحب فضیلت شخص کو بھی علم حاصل کرتے وقت تواضع اور انکساری کا اظہار کرنا چاہیے چاہے اس کا استاد اس سے درجے میں کم تر ہی ہو۔ کیونکہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام سیدنا خضر علیہ السلام سے بلاشبہ افضل تھے۔

(14) اس واقعے سے یہ بھی استنباط ہوتا ہے کہ عالم فاضل شخص کسی چیز میں مہارت حاصل کرنے کے لیے، جس میں وہ ماہر نہیں، اس شخص سے علم حاصل کرے جو اس علم میں مہارت رکھتا ہے اگرچہ وہ علم وفضل میں اس سے بدرجہا کم تر کیوں نہ ہو۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام اولوالعزم رسولوں میں شمار ہوتے ہیں۔ جن کو اللہ تعالیٰ نے وہ علم عطا کیا جو دوسروں کو عطا نہیں کیا۔ مگر یہ خاص علم جو سیدنا خضر کے پاس تھا آپ اس سے محروم تھے اس لیے اس علم کو سیکھنے کی خواہش ظاہر کی۔ بناء بریں ایک محدث وفقیہ کے لیے مناسب نہیں جبکہ وہ صرف ونحو وغیرہ میں کم مایہ ہو کہ وہ اس شخص سے علم سیکھنے کی کوشش نہ کرے جو اس میں ماہر ہے اگرچہ وہ محدث اور فقیہ نہ ہو۔

(15) ان آیات کریمہ سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ علم اور دیگر فضائل کی اضافت اللہ تعالیٰ کی طرف کرنی چاہیے۔ اس کا اقرار کرنا چاہیے اور اس کا شکر بھی ادا کرنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمۡتَ رُشۡدًا﴾ ''آپ مجھے سکھائیں اس میں سے جو آپ کو سکھایا گیا۔'' (الکہف:66) یعنی اس علم سے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو سکھایا ہے۔

(16) علم نافع وہ علم ہے جو خیر کی طرف راہ نمائی کرے ہر وہ علم جس میں رشد و ہدایت اور خیر کی طرف راہنمائی ہو، شر کے راستے سے ڈرایا گیا، یا ان مقاصد کے حصول کا وسیلہ ہو، وہ علم نافع ہے۔ اس کے علاوہ دیگر علوم یا تو وہ نقصان دے ہوتے ہیں یا ان میں کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ جیسے فرمایا: ﴿تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمۡتَ رُشۡدًا﴾ ''کہ آپ مجھے اس بھلائی میں سے سکھائیں جو آپ کو سکھائی گئی۔'' (الکہف:66)

(17) اس واقعے سے مستفادہ ہوتا ہے کہ جس شخص میں عالم اور علم کی صحبت کے لیے قوت صبر اور حسن ثبات نہیں وہ علم حاصل کرنے کا اہل نہیں۔ جو صبر سے محروم ہے وہ علم حاصل نہیں کر سکتا۔ جو شخص صبر کو کام میں لاتا ہے اور اس کا التزام کرتا ہے وہ جس امر میں بھی کوشش کرے گا اس کو حاصل کر لے گا۔ سیدنا خضر نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام سے معذرت کرتے ہوئے اس مانع کا ذکر کیا تھا جو ان کے لیے حصول علم میں مانع تھا اور وہ تھا جناب خضر کی معیت میں ان کا عدم صبر۔

(18) اس قصے سے ثابت ہوا کہ حصول صبر کا سب سے بڑا سبب اس امر میں اس کا علم و آگہی ہے جس میں صبر کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ پس جو شخص اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتا، نہ اس کے غرض و غایت اس کے نتیجہ، اس کے فوائد و ثمرات کا اسے علم ہے وہ صبر کے اسباب سے بے بہرہ ہے اور اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَ كَيۡفَ تَصۡبِرُ عَلٰى مَا لَمۡ تُحِطۡ بِهٖ خُبۡرًا﴾ ''جس چیز کے بارے میں آپ کو کوئی خبر نہ ہو۔ آپ اس کے بارے میں کیسے صبر کر سکتے ہیں؟'' (الکہف:68) پس جناب خضر نے اس چیز کے بارے میں عدم علم کو بے صبری کا سبب قرار دیا۔

(19) اس قصے سے مستنبط ہوتا ہے جب تک کسی چیز کے مقصد اور اس بات کی معرفت حاصل نہ ہو جائے کہ اس سے کیا مراد ہے اس وقت تک اس پر خوب غور و فکر کیا جائے اور اس پر حکم لگانے میں جلدی نہ کی جائے۔

(20) اس قصے سے مستفاد ہوتا ہے کہ مستقبل میں واقع ہونے والے بندوں کے افعال کو مشیت الٰہی سے معلق کیا جائے۔ جب بندہ کسی چیز کے بارے میں کہے کہ وہ مستقبل میں یہ کام کرے گا تو اس کے ساتھ ان شاء اللہ ''اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا'' ضرور کہے۔

(21) کسی چیز کے فعل کا عزم، اس فعل کے قائم مقام نہیں۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے کہا تھا۔ ﴿سَتَجِدُنِيۡۤ اِنۡ شَآءَ اللّٰهُ صَابِرًا﴾ ''اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو آپ مجھے صابر پائیں گے۔'' (الکہف:69) پس انہوں نے اپنے نفس کو صبر پر مجبور کیا مگر صبر نہ کر سکے۔

(22) اس آیات کریمہ سے مستفاد ہوتا ہے کہ اگر معلم اس امر میں مصلحت سمجھتا ہو کہ متعلم بعض چیزوں کے متعلق سوال میں ابتداء نہ کرے، جب تک کہ معلم خود اسے ان چیزوں سے واقف نہ کرائے۔۔۔ تو مصلحت ہی کی پیروی کی جائے۔ مثلاً اگر معلم سمجھے کہ متعلم کم فہم ہے یا معلم متعلم کو زیادہ باریک سوال کرنے سے روک دے جب کہ اس کے علاوہ دیگر امور زیادہ اہم ہوں یا متعلم کا ذہن اس کا ادراک نہ کر سکتا ہو، یا

وہ کوئی ایسا سوال کرے جو زیر بحث موضوع سے متعلق نہ ہو۔

(23) اس سے مستفاد ہوتا ہے کہ ایسی حالت میں سمندر میں سفر کرنا جائز ہے جبکہ خوف نہ ہو۔

(24) اس سے یہ بھی مستفاد ہوتا ہے کہ بھول جانے والے شخص کا اس کے نسیان کی بناء پر حقوق اللہ اور حقوق العباد میں کوئی مواخذہ نہیں اور اس کی دلیل سیدنا موسیٰ علیہ السلام کا یہ قول ہے: ﴿لَا تُؤَاخِذۡنِیۡ بِمَا نَسِیۡتُ﴾ ''جو میں بھول گیا اس پر مجھے نہ پکڑیں۔'' (الکھف:73)

(25) انسان کو چاہیے کہ وہ لوگوں کے اخلاق اور معاملات میں عفو سے کام لے۔ ان کے ساتھ نرم رویہ رکھے۔ ان کو ایسے امور کا مکلف نہ کرے جن کی وہ طاقت نہیں رکھتے یا ان پر شاق گزرتے ہوں یا ایسا کرنا ان پر ظلم کا باعث ہو کیونکہ یہ چیز نفرت اور اکتاہٹ کا باعث بنتی ہے بلکہ وہ طریقہ اختیار کرے جو آسان ہوتا کہ اس کا کام آسان ہو جائے۔

(26) تمام امور میں ان کے ظاہر پر حکم لگایا جاتا ہے مال اور خون وغیرہ کے دنیاوی معاملات میں ان کے ظاہر کے متعلق فیصلہ کیا جاتا ہے اس لیے سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے خضر کے کشتی میں سوراخ کرنے اور بچے کے قتل کرنے پر نکیر فرمائی کیونکہ یہ دونوں ایسے امور ہیں جو بظاہر منکر ہیں۔ جناب خضر کی مصاحبت کے علاوہ کوئی اور صورت حال ہوتی تو سیدنا موسیٰ علیہ السلام خاموش نہ رہ سکے تھے۔ اس لیے انہوں نے اس پر عام معاملات کے مطابق حکم لگانے میں جلدی کی اور اس عارض کی طرف التفات نہ کیا جو آپ پر صبر اور انکار میں عدم عجلت کو واجب کرتا ہے۔

(27) اس قصے سے ایک نہایت جلیل القدر قاعدہ مستنبط ہوتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ ''چھوٹی برائی کے ارتکاب کے ذریعے سے بڑی برائی کا سدباب کیا جائے'' اور چھوٹی مصلحت کو ضائع کر کے بڑی مصلحت کی رعایت رکھی جائے۔ معصوم بچے کا قتل یقیناً بہت بڑی برائی ہے۔ مگر اس کے زندہ رہنے سے ماں باپ کا دین کے بارے میں فتنے میں مبتلا ہونا زیادہ بڑی برائی ہے، بچہ کا قتل نہ ہونا اور اس کا باقی رہنا اگرچہ بظاہر نیکی ہے مگر اس کے والدین کے دین و ایمان کا باقی رہنا زیادہ بڑی نیکی ہے۔ اسی وجہ سے خضر علیہ السلام نے اس بچے کو قتل کیا تھا۔ بظاہر بچے کو قتل کیا تھا۔ اس قاعدے کے بہت فوائد اور بہت سے فروع ہیں جن کو شمار نہیں کیا جا سکتا۔ پس تمام مصالح اور مفاسد جو ایک دوسرے سے متصادم ہوتے ہیں سب اسی زمرے میں آتے ہیں۔

(28) اس واقعے سے ایک اور جلیل القدر قاعدہ مستنبط ہوتا ہے۔ وہ یہ کہ کسی شخص کے مال میں دوسرے شخص کا ایسا عمل جو کسی مصلحت یا ازالہ مفسدہ کی خاطر ہو وہ جائز ہے، خواہ وہ بغیر اجازت ہی کیوں نہ ہو، خواہ اس سے کسی کے مال میں کچھ اتلاف ہی کیوں نہ واقع ہو۔ جیسے جناب خضر علیہ السلام نے کشتی میں سوراخ کر کے اس میں عیب ڈال دیا تھا اس طرح وہ اس ظالم بادشاہ کے ہاتھوں غصب ہونے سے بچ گئی۔ اسی طرح کسی شخص کے گھر یا مال کے ڈوبنے یا آگ لگنے کی صورت میں کچھ مال کو تلف کر کے باقی مال کو بچانے کے لیے ایسا کرنا مشروع ہے۔ اسی طرح سے اگر کوئی ظالم شخص کسی دوسرے کے مال کو غصب کرنا چاہتا ہے، کوئی دوسرا شخص جو مال کا مالک نہیں، اصل مالک کی اجازت کے بغیر، مال کا کچھ حصہ ظالم اور غاصب شخص کو دے کر باقی مال کو بچا لے تو ایسا کرنا جائز ہے۔

(29)اس سے ثابت ہوتا ہے کہ سمندر میں کام کرنا اسی طرح جائز ہے جس طرح خشکی میں۔ارشادفرمایا:﴿يَعۡمَلُوۡنَ فِي الۡبَحۡرِ﴾ ''جوسمندر میں کام کرتے تھے۔'' (سورہ الکہف:79) اور یہ فرمانے کے بعد ان کے عمل پر نکیر نہیں فرمائی۔

(30) کبھی کبھی یہ بھی ہوتا ہے کہ مسکین کچھ مال رکھتا ہے مگر وہ اس کے لیے کافی نہیں ہوتا اس لیے وہ مسکین کے نام کے اطلاق سے خارج نہیں ہوتا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ ان مساکین کے پاس ایک کشتی تھی۔

(31)اس واقعے سے مستفاد ہوتا ہے کہ قتل بہت بڑا گناہ ہے۔اس بچے کے قتل کے بارے میں سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:﴿لَقَدۡ جِئۡتَ شَيۡـًٔا نُّكۡرًا﴾ ''آپ نے ایک بہت برا کام کیا۔'' (الکہف:74)

(32)اس واقعے سے ظاہر ہوتا ہے کہ قصاص کے طور پر قتل کرنا برائی نہیں۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔﴿بِغَيۡرِ نَفۡسٍ﴾ ''بغیر کسی جان کے۔'' (الکہف:74)

(33)اس آیت کریمہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کی جان اور مال کی حفاظت کرتا ہے۔

(34)اس آیت کریمہ سے مستفاد ہوتا ہے کہ صالحین یا ان کے متعلقین کی خدمت کرنا کسی اور کی خدمت کرنے سے افضل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان یتیموں کے مدفون خزانے کو باہر نکالنے اور پھر ان کی دیوار تعمیر کر دینے میں علت بیان فرمائی کہ ان کا باپ ایک صالح شخص تھا۔

(35)اس واقعے سے ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں الفاظ استعمال کرتے وقت ادب کو ملحوظ رکھنا چاہیے۔چنانچہ جناب خضر نے کشتی کو عیب دار کرنے کے فعل کی اضافت اپنی طرف کی﴿فَاَرَدۡتُّ اَنۡ اَعِيۡبَهَا﴾ ''میں نے چاہا کہ اسے عیب دار کر دوں'' (الکہف:79) اور خیر کی اضافت اللہ تعالیٰ کی طرف فرمائی۔﴿فَاَرَادَ رَبُّكَ اَنۡ يَّبۡلُغَاۤ اَشُدَّهُمَا وَيَسۡتَخۡرِجَا كَنۡزَهُمَا ۖ رَحۡمَةً مِّنۡ رَّبِّكَ﴾ (الکہف:82)

اور جیسا کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا:﴿وَاِذَا مَرِضۡتُ فَهُوَ يَشۡفِيۡنِ﴾ کہ جب میں بیمار ہوتا ہوں تو وہی مجھے شفا دیتا ہے۔ (الشعراء:80)

اور جنات نے کہا۔﴿وَّاَنَّا لَا نَدۡرِيۡۤ اَشَرٌّ اُرِيۡدَ بِمَنۡ فِي الۡاَرۡضِ اَمۡ اَرَادَ بِهِمۡ رَبُّهُمۡ رَشَدًا﴾ ''اور ہم نہیں جانتے کہ زمین پر رہنے والوں کے لیے کوئی برا ارادہ کیا گیا ہے۔یا ان کے رب نے ان کے بارے میں کوئی اچھا ارادہ کیا ہے۔'' (الجن:10) حالانکہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی قضاء وقدر سے ہوتا ہے۔

(36) کسی شخص کے لیے مناسب نہیں کہ وہ کسی بھی حال میں اپنے ساتھی سے علیحدہ ہو جائے۔یا اس کی صحبت کو ترک کر دے جب تک کہ اس کی سرزنش نہ کرے اور اس کا عذر نہ سن لے۔جیسا کہ سیدنا خضر نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کیا۔

(37)ان امور میں جو ناجائز نہیں ایک ساتھی کی دوسرے ساتھی سے موافقت کرنا مطلوب اور دوستی کی بقا کا سبب ہے۔اسی طرح سے عدم موافقت رشتہ دوستی کے منقطع ہونے کا سبب ہے۔ (تفسیر سعدی:1548-1541)

رکوع نمبر 2

﴿وَيَسۡـَٔلُوۡنَكَ عَنۡ ذِى الۡقَرۡنَيۡنِ ؕ قُلۡ سَاَتۡلُوۡا عَلَيۡكُمۡ مِّنۡهُ ذِكۡرًا﴾

''اور وہ آپ سے ذوالقرنین کے بارے میں پوچھتے ہیں۔آپ کہہ دیں کہ اُس کا کچھ حال جلد ہی میں تمہارے سامنے پڑھ کر سناؤں گا'' (83)

سوال 1: ﴿وَيَسۡـَٔلُوۡنَكَ عَنۡ ذِى الۡقَرۡنَيۡنِ﴾ ''اور وہ آپ سے ذوالقرنین کے بارے میں پوچھتے ہیں'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَيَسۡـَٔلُوۡنَكَ عَنۡ ذِى الۡقَرۡنَيۡنِ﴾ ''اور وہ آپ سے ذوالقرنین کے بارے میں پوچھتے ہیں'' ذوالقرنین کے لفظی معنی ہیں دوسینگوں والا یعنی وہ بادشاہ جو دوسینگوں والے کے نام سے مشہور تھا۔

(2) سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تبع کے بارے میں، میں نہیں جانتا کہ آیا وہ نبی تھے یا نہیں اور (اسی طرح) ذوالقرنین کے بارے میں بھی میں نہیں جانتا کہ وہ نبی تھے یا نہیں اور (اسی طرح) میں حدود کے بارے میں بھی نہیں جانتا کہ وہ گناہ کرنے والے کے لیے کفارہ ہیں یا نہیں۔'' (مستدرک حاکم: 104۔تفسیر طبری: 23278)

(3) قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک مقتدر اور نامور بادشاہ تھا۔اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا اور منصف مزاج تھا۔اس کی سلطنت خاصی وسیع تھی اور ذوالقرنین کے لغوی معنی تو ''دوسینگوں والا'' ہے مگر اس کا معنی یہ نہیں ہے کہ فی الواقع اس کے سر پر دوسینگ تھے بلکہ اس لحاظ سے ذوالقرنین کہا جاتا تھا کہ اس کی سلطنت کا علاقہ کچھ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے ایک مینڈھا ہو اور اس کے سر پر دوسینگ ہوں۔آیت 86 میں الفاظ ﴿قلنا یذا القرنین﴾ سے بعض لوگوں نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ وہ نبی بھی تھا لیکن اکثریت اس کی نبوت کی قائل نہیں۔کیونکہ یہ الفاظ اثبات انبیاء کے لیے کافی نہیں ہیں اس کی تائید میں قرآن سے کافی شواہد مل جاتے ہیں مثلاً سیدہ مریم نبیہ نہیں تھی تاہم فرشتہ یا فرشتے ان کے پاس آئے اور ہم کلام ہوئے۔ام موسیٰ بھی نبیہ نہیں تھیں۔مولانا مودودی رحمہ اللہ نے بائبل کے مطالعہ کے بعد یہ تحقیق پیش کی کہ ذوالقرنین کا اطلاق ایرانی فرمانروا خورس پر ہی ہوسکتا ہے جس کا عروج 549 ق م کے قریب شروع ہوا اس نے چند سال کے عرصہ میں میڈیا (الجبال) اور لیڈیا (اشیاء کوچک) کی سلطنتوں کو مسخر کرنے کے بعد 539 ق م میں بابل کو فتح کر لیا تھا جس کے بعد کوئی طاقت اس کی راہ میں مزاحم نہ رہی۔اس کی فتوحات کا سلسلہ سندھ اور سغد (موجودہ ترکستان) سے لے کر ایک طرف مصر اور لیبیا تک اور دوسری طرف تھریس اور مقدونیہ تک وسیع ہو گیا تھا اور شمال میں اس کی سلطنت کو کاکیشیا (قفقاز) اور خوارزم تک پھیل گئی تھی۔عملاً اس وقت کی پوری مہذب دنیا اس کی تابع فرمان تھی۔اور صاحب تفسیر حقانی کی تحقیق یہ ہے کہ ذوالقرنین ایران کا نہیں بلکہ عرب کے کسی علاقے کا باشندہ

ہوسکتا ہے اور یمن کے حمیری خاندان کا بادشاہ تھا۔ دلیل یہ ہے کہ ذوالقرنین عربی لفظ ہے۔ فارسی یا ایرانی نہیں۔ علاوہ ازیں یمن کے بادشاہ زمانہ قدیم میں ذو کے ساتھ ملقب ہوا کرتے تھے جیسے ذونواس، ذوالنون، ذورعین، ذویزن وغیرہ وغیرہ۔ ایسے ہی ذوالقرنین بھی ہے۔ ابوریحان البیرونی اس کا نام ابوکرب بن عیر بن افریقس حمیری بتاتے ہیں۔ اس کا اصل نام صعب تھا اور یہ تبع اول کا بیٹا تھا اور یہی وہ ذوالقرنین ہے جس کا ذکر قرآن مجید میں آیا ہے۔ اس کے بعد اس کا بیٹا ذوالمنار البرہنہ، اس کے بعد اس کا بیٹا افریقس، اس کے بعد اس کا بھائی ذوالاذعار تھا۔ (تیسیر القرآن:654,655/2)

(4) حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ: ذوالقرنین نبی نہ تھے اور نہ فرشتہ بلکہ وہ ایک انسان تھے۔ وہ اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے تھے۔ اور اللہ تعالیٰ نے بھی ان کو محبوب رکھا۔ (فتح الباری 295/6)

(5) یہاں ذوالقرنین سے کوئی بھی مراد ہو قرآن نے جس انداز سے اس کا ذکر کیا ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ اپنی عظیم الشان فتوحات اور عدل وانصاف کی وجہ سے نہ صرف عہد رسالت کے یہود کے درمیان ایک معروف شخصیت تھی بلکہ مشرکین عرب بھی اس کے حال سے واقف تھے کیونکہ قدیم شعرائے عرب نے اپنے اشعار میں اس کا تذکرہ کیا ہے۔ (کبیر) (تفسیر اشرف الحواشی:364/1)

(6) ﴿قُلْ سَاَتْلُوْا عَلَيْكُمْ مِّنْهُ ذِكْرًا﴾ ''آپ کہہ دیں کہ اُس کا کچھ حال جلد ہی میں تمہارے سامنے پڑھ کر سناؤں گا'' مکّہ کے کافروں نے اہل کتاب کے پاس قاصد بھیجے تھے کہ وہ ان سے ایسی باتیں پوچھ کر آئیں جن سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا امتحان لیا جائے۔ اس کے جواب میں رب العزت نے ذوالقرنین کے بارے میں خبر دی کہ میں تمہیں اس کے ایسے واقعات سناؤں گا جن میں نصیحت اور عبرت ہے۔

﴿اِنَّا مَكَّنَّا لَهٗ فِي الْاَرْضِ وَاٰتَيْنٰهُ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ سَبَبًا﴾

''یقیناً ہم نے اسے زمین میں اقتدار دیا تھا اور ہم نے اُسے ہر چیز سے کچھ سامان دیا تھا'' (84)

سوال 1: ﴿اِنَّا مَكَّنَّا لَهٗ فِي الْاَرْضِ وَاٰتَيْنٰهُ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ سَبَبًا﴾ ''یقیناً ہم نے اسے زمین میں اقتدار دیا تھا اور ہم نے اُسے ہر چیز سے کچھ سامان دیا تھا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿اِنَّا مَكَّنَّا لَهٗ فِي الْاَرْضِ﴾ ''یقیناً ہم نے اسے زمین میں اقتدار دیا تھا'' یعنی ہم نے ذوالقرنین کو بادشاہت عطا کی اور زمین کے کثیر حصے میں اس کے حکم کو نافذ کیا اور لوگوں کو اس کا پیروکار بنایا۔

(2) ﴿وَاٰتَيْنٰهُ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ سَبَبًا﴾ ''اور ہم نے اُسے ہر چیز سے کچھ سامان دیا تھا'' اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُسے ہر قسم کے وسائل دیئے تھے جن کی وجہ سے ذوالقرنین فتوحات کے قابل ہوا۔ (i) سبب کے معانی رسی ہیں اس سے مراد ذریعہ اور وسیلہ بھی ہے۔ یہاں سبب سے مراد وہ ساز وسامان اور وسائل ہیں جن سے کام لے کر ذوالقرنین نے فتوحات حاصل کیں اور ظالم حکمرانوں کو کیفر کردار تک پہنچایا۔ (ii) سبب کے معانی راستے کے ہیں اس سے مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے وسائل سے مزید وسائل مہیا کیے۔ اللہ تعالیٰ نے

اس کو وہ اسباب عطا کیے تھے جن کی وجہ سے وہ ہر اس مقام پر پہنچا جہاں وہ پہنچنا چاہتا تھا۔ جن کے ذریعے سے اس نے شہروں پر غلبہ حاصل کیا اور دور دراز علاقوں تک پہنچ گیا۔ (3) ہر شخص کو اسباب مہیا نہیں ہوتے اور نہ ہر شخص اسباب مہیا کرنے کی قدرت رکھتا ہے۔

(4) داخلی اور خارجی طور پر یہ اسباب نہایت قوی تھے جن کی بنا پر اس کے پاس ایک عظیم فوج تیار ہو گئی جو اپنی عددی قوت، سامان حرب اور نظم کے اعتبار سے ایک بہت بڑی فوج تھی۔ اس فوج کی مدد سے اس نے اپنے دشمنوں پر غلبہ حاصل کیا اور زمین کے مشرق و مغرب اور اس کے دور دراز گوشوں تک پہنچنے کی سہولت حاصل ہوئی۔ (تفسیر سعدی: 1549/2)

﴿فَاَتۡبَعَ سَبَبًا﴾

''چنانچہ ذوالقرنین کچھ سامان لے کر چلا'' (85)

سوال 1: ﴿فَاَتۡبَعَ سَبَبًا﴾ ''چنانچہ ذوالقرنین کچھ سامان لے کر چلا'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿فَاَتۡبَعَ سَبَبًا﴾ ''چنانچہ ذوالقرنین کچھ سامان لے کر چلا'' اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُسے ایسے وسائل عطا کیے جن سے اُس نے مزید وسائل مہیا کیے جیسے لوہے سے مختلف ہتھیار اور دوسرے خام مواد سے بہت سی اشیاء بنائی جاتی ہیں۔

(2) ذوالقرنین ایک راہ پر لگ گئے یعنی مشرق و مغرب کی درمیانی راہ پر ایک طرف کو چل پڑے یعنی مغرب کی سمت کو چل پڑے۔

(مختصر ابن کثیر: 1114/2) کیونکہ سبب کا ایک مطلب راستہ بھی ہے۔

﴿حَتّٰٓى اِذَا بَلَغَ مَغۡرِبَ الشَّمۡسِ وَجَدَهَا تَغۡرُبُ فِىۡ عَيۡنٍ حَمِئَةٍ وَّوَجَدَ عِنۡدَهَا قَوۡمًا ؕ قُلۡنَا يٰذَا الۡقَرۡنَيۡنِ اِمَّاۤ اَنۡ تُعَذِّبَ وَاِمَّاۤ اَنۡ تَتَّخِذَ فِيۡهِمۡ حُسۡنًا﴾

''یہاں تک کہ جب وہ سورج غروب ہونے کے مقام تک جا پہنچا، اُس نے سورج کو پایا کہ وہ ایک دلدل والے چشمے میں ڈوب رہا ہے اور اُس کے پاس ایک قوم کو پایا۔ ہم نے کہا: ''اے ذوالقرنین! یا تم انہیں سزا دو یا ان کے بارے میں تم نیک سلوک اختیار کرو'' (86)

سوال 1: ﴿حَتّٰٓى اِذَا بَلَغَ مَغۡرِبَ الشَّمۡسِ وَجَدَهَا تَغۡرُبُ فِىۡ عَيۡنٍ حَمِئَةٍ وَّوَجَدَ عِنۡدَهَا قَوۡمًا﴾ ''یہاں تک کہ جب وہ سورج غروب ہونے کے مقام تک جا پہنچا، اُس نے سورج کو پایا کہ وہ ایک دلدل والے چشمے میں ڈوب رہا ہے اور اُس کے پاس ایک قوم کو پایا'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿حَتّٰٓى اِذَا بَلَغَ مَغۡرِبَ الشَّمۡسِ﴾ ''یہاں تک کہ جب وہ سورج غروب ہونے کے مقام تک جا پہنچا'' ذوالقرنین زمین کی منزلیں اور نشانات طے کرتے ہوئے مغربی سمت چلتے رہے۔ چلتے چلتے انتہائے مغرب تک پہنچ گئے یعنی زمین کی مغربی سمت کی انتہا تک کیونکہ مغرب آسمان تک پہنچنا ناممکن ہے۔ (مختصر ابن کثیر: 1114/2)

(2)﴿وَجَدَهَا تَغْرُبُ فِيْ عَيْنٍ حَمِئَةٍ﴾ ''اُس نے سورج کو پایا کہ وہ ایک دلدل والے چشمے میں ڈوب رہا ہے'' اس نے دیکھا کہ سورج بحر محیط میں ڈوب رہا ہے۔اس سے مراد وہ جگہ ہے جہاں آخری آبادی تھی۔وہاں گہرے پانی کا چشمہ یا سمندر تھا جو سیاہ محسوس ہوتا تھا اور لگتا تھا کہ سورج اس میں غروب ہو رہا ہے۔(3) ہر وہ شخص جو ساحل پر کھڑا ہو، سورج کو سمندر میں ڈوبتا دیکھے گا۔

(4)﴿عَيْنٍ﴾ سے مراد چشمہ یا سمندر ہے۔

(5)(i) اس سے مراد ایسا ساحل ہے جہاں کوئی دریا سمندر میں آ کر گرتا تھا۔ایسے مقامات پر گھاس، کیچڑ اور سیاہ دلدل جمع ہو جاتی ہے۔ ایسے مقامات پر تالاب بھی ہوتے ہیں جو چشموں کی طرح نظر آتے ہیں۔(ii) اس سے مراد ایسا مقام ہے جہاں آخری آبادی تھی وہاں گہرے پانی کا چشمہ یا سمندر تھا جو سیاہ محسوس ہوتا تھا اور لگتا تھا کہ سورج اس میں غروب ہو رہا ہے۔(iii) کہا یہ جاتا ہے کہ ذوالقرنین مغرب کی طرف فتوحات کرتے ہوئے ایشیا مائنر تک پہنچ گیا جہاں Agean Sea ایجین سمندر کا سیاہ پانی خشکی کو الگ کر رہا ہے۔یہاں کوئی سمندر کی طرف دیکھے تو اُسے یوں ہی لگتا ہے کہ سورج سیاہ پانی میں ڈوب رہا ہے۔یہ وہ مقام تھا جہاں تک ذوالقرنین پہنچا۔

(6)﴿وَّوَجَدَ عِنْدَهَا قَوْمًا﴾ ''اور اُس کے پاس ایک قوم کو پایا'' مغرب کی سمت میں ذوالقرنین نے ایک قوم دیکھی یعنی آباد شہر پایا جس کے بارہ ہزار دروازے تھے۔اگر شہر کے باشندوں کا شور و غوغا نہ ہوتا تو لوگ سورج ڈوبتے وقت اس کے ڈوبنے کی آواز سن لیتے۔بنی نوع انسان کی یہ ایک عظیم قوم تھی۔ہم نے ذوالقرنین کو اس قوم پر غالب کیا۔ان کا بادشاہ بنایا۔ذوالقرنین کو فتح دی اور انہیں اختیار دیا کہ اگر چاہو تو قتل اور گرفتار کرو۔چاہو تو احسان رکھ کر یا فدیہ لے کر چھوڑ دو۔(مختصر ابن کثیر:1114/2)

سوال2:﴿قُلْنَا يٰذَا الْقَرْنَيْنِ اِمَّآ اَنْ تُعَذِّبَ وَاِمَّآ اَنْ تَتَّخِذَ فِيْهِمْ حُسْنًا﴾ ''ہم نے کہا: ''اے ذوالقرنین! یا تم انہیں سزا دو یا ان کے بارے میں تم نیک سلوک اختیار کرو'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿قُلْنَا﴾ سے بعض علماء نے ذوالقرنین کی نبوت پر استدلال کیا ہے۔

(2) کچھ لوگوں کا خیال کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کے ذریعے ذوالقرنین سے کہا۔

(3) اللہ تعالیٰ نے ذوالقرنین کو اختیار دیا کہ ﴿اِمَّآ اَنْ تُعَذِّبَ﴾ ''یا تم انہیں سزا دو'' یعنی خواہ انہیں قتل کرو، قیدی بنالو، عذاب میں مبتلا کرو۔

(4)﴿وَاِمَّآ اَنْ تَتَّخِذَ فِيْهِمْ حُسْنًا﴾ ''یا ان کے بارے میں تم نیک سلوک اختیار کرو'' یعنی اگر چاہو تو احسان کرو یا فدیہ لے کر چھوڑ دو۔

سوال3: ذوالقرنین کو دو امور میں سے ایک کا انتخاب کرنے کا اختیار دینے میں کیا حکمت تھی؟

جواب:(1) ذوالقرنین کو دو امور میں سے ایک کا انتخاب کرنے کا اختیار اس لئے دیا گیا کہ وہ کفار یا فساق کی قوم تھی۔

(2) اگر وہ غیر فاسق مومن ہوتے تو ان کو عذاب دینے کی اجازت نہ دی جاتی۔

(3) ذوالقرنین کو سیاست شرعیہ کا کچھ حصہ ملا تھا جس کے ذریعے سے اس نے اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ایسے کام کیے جن پر وہ مدح و ستائش کا

مستحق ٹھہرا چنانچہ اس نے کہا کہ میں ان کو دو قسموں میں تقسیم کروں گا۔(تفسیر سعدی:1550/2)

(4) یعنی عدل کروں گا ہر ایک کو اس کے طرزِ عمل کے مطابق بدلہ دوں گا۔

﴿قَالَ اَمَّا مَنۡ ظَلَمَ فَسَوۡفَ نُعَذِّبُهٗ ثُمَّ يُرَدُّ اِلٰى رَبِّهٖ فَيُعَذِّبُهٗ عَذَابًا نُّكۡرًا﴾

''ذوالقرنین نے کہا:''جس نے ظلم کیا تو ہم جلد ہی اُسے سزا دیں گے پھر وہ اپنے رب کی طرف پلٹایا جائے گا،

تو وہ اُسے عذاب دے گا، برا عذاب'' (87)

سوال1:﴿قَالَ اَمَّا مَنۡ ظَلَمَ فَسَوۡفَ نُعَذِّبُهٗ ثُمَّ يُرَدُّ اِلٰى رَبِّهٖ فَيُعَذِّبُهٗ عَذَابًا نُّكۡرًا﴾''ذوالقرنین نے کہا:''جس نے ظلم کیا تو ہم جلد ہی اُسے سزا دیں گے پھر وہ اپنے رب کی طرف پلٹایا جائے گا، تو وہ اُسے عذاب دے گا، برا عذاب'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿قَالَ﴾''ذوالقرنین نے کہا'' ذوالقرنین نے اپنے خاص لوگوں سے کہا۔

(2)﴿اَمَّا مَنۡ ظَلَمَ﴾''جس نے ظلم کیا'' یعنی جس نے کفر کیا یا اپنے رب سے شرک کیا۔

(3)﴿فَسَوۡفَ نُعَذِّبُهٗ﴾''تو ہم جلد ہی اُسے سزا دیں گے'' یعنی وہ قتل کر دیا جائے گا۔(جامع البیان:20/16)

(4)﴿ثُمَّ يُرَدُّ اِلٰى رَبِّهٖ فَيُعَذِّبُهٗ عَذَابًا نُّكۡرًا﴾''پھر وہ اپنے رب کی طرف پلٹایا جائے گا، تو وہ اُسے عذاب دے گا، برا عذاب'' پھر جب وہ لوٹ کر اللہ تعالیٰ کے پاس جائیں گے تو وہ انہیں عذاب عظیم دے گا اور وہ نکر ہے اور وہ جہنم کا عذاب ہے۔(جامع البیان:20/16)

(5) ذوالقرنین نے واضح کیا کہ کافروں اور مشرکوں کو دو سزائیں ملیں گی ایک سزا دنیا میں اور دوسری آخرت میں۔

سوال2: ذوالقرنین نے اپنی حکومت کا منشور دیا جو ایک صالح حکومت کا منشور ہے، اس کو مختصراً بیان کریں؟

جواب:(1) ذوالقرنین نے اپنی حکومت کا منشور دینے کے بعد واضح کیا کہ سب کے ساتھ ایک جیسا برتاؤ نہیں ہوگا۔ صالح افراد کی حوصلہ افزائی ہوگی اور ظالموں کی پکڑ دھکڑ اور سزا کا سلسلہ جاری ہوگا۔

(2) ایک صالح حکومت کا منشور:(i) صالح افراد کی حوصلہ افزائی اُن کے لیے سہولت اور اچھی جزا۔(ii) ظالموں اور حد سے گزرنے والوں پر سختی اُن کی پکڑ دھکڑ اور سزا کا سلسلہ جاری ہوگا۔

(3) صالح حکومت کے منشور کی وجہ سے معاشرے کے نیک افراد کی حوصلہ افزائی اور احسان کا بدلہ احسان سے ملے اور مجرموں اور ظالموں کی بے عزتی ہو اور انہیں سزا ملے تو عام افراد کا میلان اصلاح کی طرف ہو جاتا ہے۔

(4) جس حکومت میں چور، ڈاکو اور ظالم راہ پالیں اور ان کی عزت ہو اور حاکموں کے قریب ہوں تو صالح لوگوں کے خلاف حکومت اعلان جنگ کر دیتی ہے اور ان کی بیخ کنی کا سلسلہ جاری ہو جاتا ہے۔ ایسی حکومت اور عوام کا میلان فساد کی طرف ہو جاتا ہے اور معاشرے میں

بُرائی نیکی پر غالب آجاتی ہے۔

﴿وَاَمَّا مَنۡ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهٗ جَزَآءَ ۨالۡحُسۡنٰى ۚ وَسَنَقُوۡلُ لَهٗ مِنۡ اَمۡرِنَا يُسۡرًا﴾

''اور رہاں وہ جو ایمان لایا اور اُس نے نیک عمل کیے تو اس کے لیے اچھی جزا ہے اور ہم جلد ہی اس کے لئے اپنے کام میں آسانی کا حکم دیں گے'' (88)

سوال 1: ﴿وَاَمَّا مَنۡ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهٗ جَزَآءَ ۨالۡحُسۡنٰى﴾ ''اور رہاں وہ جو ایمان لایا اور اُس نے نیک عمل کیے تو اس کے لیے اچھی جزا ہے'' آیت کے اس حصے کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَاَمَّا مَنۡ اٰمَنَ﴾ ''اور رہاں وہ جو ایمان لایا'' ذوالقرنین نے کہا جس نے ہماری بات مان لی اور اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آیا۔

(2) ﴿وَعَمِلَ صَالِحًا﴾ ''اور اُس نے نیک عمل کیے'' یعنی اس نے توحید اختیار کر لی اور نیک اعمال کرتا رہا۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں لگا رہا۔

(3) ﴿فَلَهٗ جَزَآءَ ۨالۡحُسۡنٰى﴾ ''تو اس کے لیے اچھی جزا ہے'' یعنی اللہ تعالیٰ کے پاس اس کا اچھا بدلہ ہے اور وہ جنت ہے۔ جزا یعنی ایمان لانے اور اپنے رب کی اطاعت کرنے پر ثواب ہے۔ (جامع البیان: 20/16)

(4) ذوالقرنین نے کہا کہ ہم بھی اسے اپنے کاموں میں سہولت دیں گے۔ اس سے مراد ان کے ساتھ بہتر سلوک، ان کی عزت، اُن کی مدد اور اُن کے لیے آسانیاں ہیں۔

سوال 2: ﴿وَسَنَقُوۡلُ لَهٗ مِنۡ اَمۡرِنَا يُسۡرًا﴾ ''اور ہم جلد ہی اس کے لئے اپنے کام میں آسانی کا حکم دیں گے'' آیت کے اس حصے کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿وَسَنَقُوۡلُ لَهٗ مِنۡ اَمۡرِنَا يُسۡرًا﴾ ''اور ہم جلد ہی اس کے لئے اپنے کام میں آسانی کا حکم دیں گے'' یعنی ہم اس سے اچھا سلوک کریں گے۔ ہم اس سے نرم بات اور آسان معاملہ کریں گے۔ یہ بات اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ وہ ذوالقرنین نیک بادشاہوں، اولیا کے صالحین اور عدل کرنے والوں میں سے تھا کیونکہ اس نے اللہ تعالیٰ کی رضا کی موافقت کرتے ہوئے ہر شخص کے ساتھ وہی معاملہ کیا جس کے وہ لائق تھا۔ (تفسیر سعدی: 1550/2)

﴿ثُمَّ اَتۡبَعَ سَبَبًا﴾

''پھر وہ کچھ سامان کے ساتھ چلا'' (89)

سوال 1: ﴿ثُمَّ اَتۡبَعَ سَبَبًا﴾ ''پھر وہ کچھ سامان کے ساتھ چلا'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿ثُمَّ اَتۡبَعَ سَبَبًا﴾ ''پھروہ کچھ سامان کے ساتھ چلا'' یہ ذوالقرنین کی دوسری مہم تھی جوکہ مغرب سے مشرق کی طرف تھی۔
(2) راستے میں جوبھی قوم پڑی اس کوزیر کرتے ہوئے آگے بڑھتے رہے، انہیں توحید کی دعوت بھی دیتے جاتے تھے۔ اگر کوئی دعوت توحید قبول کرلیتا تو خیر ورنہ انہیں ذلیل وخوار کرتے ،ان کا مال اور تمام سامان لوٹ لیتے اوران سے لشکر کی خدمت اور سامان رسد فراہم کرتے تاکہ آنے والی قوم کی سرکوبی کی جاسکے۔(مختصر ابن کثیر:1115/2)

﴿حَتّٰۤی اِذَا بَلَغَ مَطۡلِعَ الشَّمۡسِ وَجَدَهَا تَطۡلُعُ عَلٰی قَوۡمٍ لَّمۡ نَجۡعَلۡ لَّهُمۡ مِّنۡ دُوۡنِهَا سِتۡرًا﴾

''حتیٰ کہ جب وہ سورج طلوع ہونے کی جگہ تک پہنچا تواس نے اسے ایسی قوم پر طلوع ہوتے ہوئے پایا
جس کے لیے ہم نے سورج کے آگے کوئی پردہ نہیں بنایا'' (90)

سوال1:﴿حَتّٰۤی اِذَا بَلَغَ مَطۡلِعَ الشَّمۡسِ وَجَدَهَا تَطۡلُعُ عَلٰی قَوۡمٍ لَّمۡ نَجۡعَلۡ لَّهُمۡ مِّنۡ دُوۡنِهَا سِتۡرًا﴾ ''حتیٰ کہ جب وہ سورج طلوع ہونے کی جگہ تک پہنچا تواس نے اسے ایسی قوم پر طلوع ہوتے ہوئے پایا جس کے لیے ہم نے سورج کے آگے کوئی پردہ نہیں بنایا تھا'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿حَتّٰۤی اِذَا بَلَغَ مَطۡلِعَ الشَّمۡسِ﴾ ''حتیٰ کہ جب وہ سورج طلوع ہونے کی جگہ تک پہنچا'' یعنی جب وہ دنیا کی انتہائی مشرقی سمت پہنچے۔
(2)﴿وَجَدَهَا تَطۡلُعُ عَلٰی قَوۡمٍ لَّمۡ نَجۡعَلۡ لَّهُمۡ مِّنۡ دُوۡنِهَا سِتۡرًا﴾ ''تواس نے اسے ایسی قوم پر طلوع ہوتے ہوئے پایا جس کے لیے ہم نے سورج کے آگے کوئی پردہ نہیں بنایا تھا'' مشرق کی جانب ذوالقرنین نے ایسی قوم دیکھی جوگھروں میں رہنے کی بجائے میدانوں اورصحراؤں میں رہتی تھی۔
(3) یعنی وہ وحشی اور غالباً خانہ بدوش قوم مکان ولباس وغیرہ کی صنعتوں سے ناآشنا تھی۔ دھوپ سے بچنے کو نہ مکان تھا، نہ کپڑا۔(تفسیر ماجدی:156/3)
(4) اس سے مراد یہ ہے کہ قوم لباس سے بھی آزاد تھی اور گھروں میں بھی نہیں رہتی تھی۔ سورج اوران کے درمیان آڑ نہیں تھی یعنی سورج ان کے ننگے جسموں پر طلوع ہوتا تھا۔
(5) ان کے قد پست، رنگ سرخ اور گھر غار تھے اور عام خوراک مچھلی تھی۔(مختصر ابن کثیر:1115/2)

﴿کَذٰلِکَ ؕ وَ قَدۡ اَحَطۡنَا بِمَا لَدَیۡهِ خُبۡرًا﴾

''ایسے ہی تھااور ذوالقرنین کے پاس جوبھی تھاہم نے اُس کا علم سے احاطہ کررکھا تھا'' (91)

سوال1:﴿کَذٰلِکَ ؕ وَ قَدۡ اَحَطۡنَا بِمَا لَدَیۡهِ خُبۡرًا﴾ ''ایسے ہی تھااور ذوالقرنین کے پاس جوبھی تھاہم نے اُس کا علم سے احاطہ

کررکھا تھا‘‘اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿كَذٰلِكَ﴾ ’’ایسے ہی تھا‘‘یعنی واقعہ ایسا ہی ہوا۔

(2)﴿وَقَدْ اَحَطْنَا بِمَا لَدَيْهِ خُبْرًا﴾ ’’اور ذوالقرنین کے پاس جو بھی تھا ہم نے اُس کا علم سے احاطہ کرر کھا تھا‘‘ہمیں ذوالقرنین کی تمام باتوں کا علم ہے، ہم اس کے اور اس کے لشکریوں کے تمام حالات سے خبردار ہیں، ہم سے ان کی کوئی بات بھی چھپی نہیں ہوئی تھی۔خواہ کتنا ہی لشکر اور جگہ جگہ زمین پر پھیلا ہوا ہی کیوں نہ ہو، رب العزت نے فرمایا:﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَخْفٰى عَلَيْهِ شَيْءٌ﴾ ’’بلاشبہ اللہ تعالیٰ وہ ہے جس سے کچھ بھی چھپا نہیں رہتا۔‘‘ (آل عمران:5)

(3) یعنی ذوالقرنین کے پاس جو بھلائی اور عظیم اسباب تھے اور جہاں کہیں وہ جاتا تھا سب اللہ تعالیٰ کے علم میں تھا۔

﴿ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا﴾

’’پھر وہ کچھ سامان لے کر چلا‘‘(92)

سوال1:﴿ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا﴾ ’’پھر وہ کچھ سامان لے کر چلا‘‘اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)’’پھر وہ کچھ سامان لے کر چلا‘‘اس سے مراد یہ ہے کہ اب اس کا رُخ کسی اور طرف ہو گیا۔

(2)اس سے مراد ذوالقرنین کی تیسری مہم ہے۔(3) یہ مشرق اور مغرب کے درمیان مشرق سے شمال کی طرف گیا۔

﴿حَتّٰٓى اِذَا بَلَغَ بَيْنَ السَّدَّيْنِ وَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمَا قَوْمًا ۙ لَّا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ قَوْلًا﴾

’’حتیٰ کہ جب وہ دو پہاڑوں کے درمیان میں پہنچا تو اس نے ان دونوں سے اُس طرف ایک قوم دیکھی جو قریب نہیں تھے کہ وہ کوئی بات سمجھیں‘‘(93)

سوال1:﴿حَتّٰٓى اِذَا بَلَغَ بَيْنَ السَّدَّيْنِ وَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمَا قَوْمًا ۙ لَّا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ قَوْلًا﴾ ’’حتیٰ کہ جب وہ دو پہاڑوں کے درمیان میں پہنچا تو اس نے ان دونوں سے اُس طرف ایک قوم دیکھی جو قریب نہیں تھے کہ وہ کوئی بات سمجھیں‘‘اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿حَتّٰٓى اِذَا بَلَغَ بَيْنَ السَّدَّيْنِ﴾ ’’حتیٰ کہ جب وہ دو پہاڑوں کے درمیان میں پہنچا‘‘اصحاب تفسیر کہتے ہیں کہ وہ مشرق سے شمال کی طرف روانہ ہوا اور دو پہاڑوں کے درمیان پہنچا اور یہ دونوں اس زمانے میں معروف تھے۔یہ دائیں بائیں دو بندوں کی مانند دو پہاڑی سلسلے تھے اور دونوں پہاڑ یاجوج وماجوج اور لوگوں کے درمیان رکاوٹ تھے۔(تفسیر سعدی:155/2)

(2)اس سے مراد وہ گھاٹی تھی جو دونوں پہاڑوں کے درمیان تھی۔

(3)﴿وَجَدَ مِنۡ دُوۡنِہِمَا قَوۡمًا﴾ ”تو اس نے ان دونوں سے اُس طرف ایک قوم دیکھی“ (i) تیسری مہم میں ذوالقرنین کو ایسے لوگ ملے جو وحشی قسم کے تھے۔ (ii) جن کا دوسری قوموں سے میل جول نہیں تھا۔ (iii) جو اپنی زبان کے ماسوا کوئی زبان سمجھ نہیں پاتے تھے۔

(4) اللہ تبارک وتعالیٰ نے ذوالقرنین کو ایسے علمی اسباب مہیا کر رکھے تھے جن کی بنا پر وہ اجنبی قوم کی زبان سمجھ سکتا تھا، ان سے بات چیت کر سکتا تھا اور وہ اس سے بات کر سکتے تھے۔ (تفسیر سعدی:1552)

﴿قَالُوۡا یٰذَا الۡقَرۡنَیۡنِ اِنَّ یَاۡجُوۡجَ وَمَاۡجُوۡجَ مُفۡسِدُوۡنَ فِی الۡاَرۡضِ فَهَلۡ نَجۡعَلُ لَكَ خَرۡجًا عَلٰۤی اَنۡ تَجۡعَلَ بَیۡنَنَا وَبَیۡنَهُمۡ سَدًّا﴾

”ان لوگوں نے کہا: ”اے ذوالقرنین! یقیناً یاجوج اور ماجوج زمین میں فساد پھیلانے والے ہیں پھر کیا ہم آپ کے لیے کوئی آمدنی طے کریں کہ آپ اُن کے اور ہمارے درمیان ایک دیوار بنا دیں؟“ (94)

سوال 1: ﴿قَالُوۡا یٰذَا الۡقَرۡنَیۡنِ اِنَّ یَاۡجُوۡجَ وَمَاۡجُوۡجَ مُفۡسِدُوۡنَ فِی الۡاَرۡضِ فَهَلۡ نَجۡعَلُ لَكَ خَرۡجًا عَلٰۤی اَنۡ تَجۡعَلَ بَیۡنَنَا وَبَیۡنَهُمۡ سَدًّا﴾ ”ان لوگوں نے کہا: ”اے ذوالقرنین! یقیناً یاجوج اور ماجوج زمین میں فساد پھیلانے والے ہیں پھر کیا ہم آپ کے لیے کوئی آمدنی طے کریں کہ آپ اُن کے اور ہمارے درمیان ایک دیوار بنا دیں؟“ اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1)﴿قَالُوۡا یٰذَا الۡقَرۡنَیۡنِ﴾ ”ان لوگوں نے کہا: ”اے ذوالقرنین!“ جو لوگ کوئی اور زبان نہیں سمجھتے تھے اُنھوں نے ذوالقرنین سے کیسے بات کی ہوگی؟ (i) ہوسکتا ہے کہ اس بات چیت کے لیے کسی ترجمان کی خدمات لی گئی ہوں۔ (ii) ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ذوالقرنین کو جو خصوصی وسائل عطا کیے تھے ان میں مختلف زبانوں کا علم بھی ہو۔

(2) ان لوگوں نے ذوالقرنین کے پاس شکایت کرتے ہوئے کہا۔

(3)﴿اِنَّ یَاۡجُوۡجَ وَمَاۡجُوۡجَ﴾ ”یقیناً یاجوج اور ماجوج“ یاجوج ماجوج آدم علیہ السلام کی نسل کے دو بڑے گروہ تھے۔ (i) یاجوج ماجوج دو قومیں ہیں۔ (ii) ان کی تعداد دوسری انسانی نسلوں کے مقابلے میں زیادہ ہوگی۔ (iii) یاجوج ماجوج سے جہنم کو بھرا جائے گا۔

(4)﴿مُفۡسِدُوۡنَ فِی الۡاَرۡضِ﴾ ”زمین میں فساد پھیلانے والے ہیں۔“ یعنی وہ قتل وغارت گری اور لوٹ مار کے ذریعے زمین میں فساد پھیلاتے ہیں۔

(5)﴿فَهَلۡ نَجۡعَلُ لَكَ خَرۡجًا عَلٰۤی اَنۡ تَجۡعَلَ بَیۡنَنَا وَبَیۡنَهُمۡ سَدًّا﴾ ”پھر کیا ہم آپ کے لیے کوئی آمدنی طے کریں کہ آپ اُن کے اور ہمارے درمیان ایک دیوار بنا دیں؟“ (i) وحشی قوم نے جب یہ دیکھا کہ ذوالقرنین فاتح ہے اور قوت اور ٹیکنالوجی سے واقف ہے تو اُنھوں نے درخواست کی کہ یاجوج ماجوج کے حملوں سے بچنے کے لیے بند تعمیر کر دے۔ (ii) وہ خود یہ بند تعمیر نہیں کر سکتے تھے اور نہ وہ فساد کا

دفاع کرنے کی اہلیت رکھتے تھے اس لیے وہ چاہتے تھے کہ ٹیکس دے کر غارت گرانہ حملوں سے بچ سکیں۔

(6) یہ آیت کریمہ دلالت کرتی ہے کہ وہ بند بنانے پر خود قدرت نہ رکھتے تھے اور انہیں علم تھا کہ ذوالقرنین یہ دیوار تعمیر کرواسکتا ہے پس انہوں نے ذوالقرنین کو اجرت دینے کی پیشکش کی تا کہ وہ ان کے لئے دیوار تعمیر کروادے اور انہوں نے ذوالقرنین کو وہ سبب بھی بتادیا جو دیوار تعمیر کرنے کا داعی تھا۔اور وہ تھا یاجوج ماجوج کا ان کے علاقے میں مار دھاڑ کرنا اور فساد پھیلانا۔(تفسیر سعدی:1552/2)

﴿قَالَ مَا مَكَّنِّي فِيهِ رَبِّي خَيْرٌ فَأَعِينُونِي بِقُوَّةٍ أَجْعَلْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ رَدْمًا﴾

''ذوالقرنین نے کہا:''جن چیزوں میں میرے رب نے مجھے اقتدار بخشا ہے وہی بہتر ہے، چنانچہ تم اپنی قوت سے میری مدد کرو میں اُن کے اور تمہارے درمیان ایک مضبوط بند بنادوں گا'' (95)

سوال1: ﴿قَالَ مَا مَكَّنِّي فِيهِ رَبِّي خَيْرٌ فَأَعِينُونِي بِقُوَّةٍ أَجْعَلْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ رَدْمًا﴾ ''ذوالقرنین نے کہا: ''جن چیزوں میں میرے رب نے مجھے اقتدار بخشا ہے وہی بہتر ہے، چنانچہ تم اپنی قوت سے میری مدد کرو میں اُن کے اور تمہارے درمیان ایک مضبوط بند بنادوں گا'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿قَالَ﴾ ''ذوالقرنین نے کہا'' ذوالقرنین نے جواب دیا۔

(2)﴿مَا مَكَّنِّي فِيهِ رَبِّي خَيْرٌ﴾ ''جن چیزوں میں میرے رب نے مجھے اقتدار بخشا ہے وہی بہتر ہے'' یعنی میرے رب جو بھلائی مجھے عطا کی وہ اس سے بہتر ہے جو تم مجھے دینا چاہتے ہو۔

(3)(i) ذوالقرنین نے رب کے دیئے ہوئے کو اپنے لیے کافی قرار دیا۔(ii) ذوالقرنین نے اپنی حکومت کے مقاصد کا اعلان کیا تھا کہ زمین سے ظلم اور فساد کو ختم کردینا چاہتے ہیں چنانچہ اسی مقصد کی خاطر اس نے بلا معاوضہ بند بنا کر دینا منظور کرلیا۔

(4)﴿فَأَعِينُونِي بِقُوَّةٍ﴾ ''چنانچہ تم اپنی قوت سے میری مدد کرو'' ذوالقرنین نے ماہرین، مزدوروں اور کام کرنے والوں اور تعمیراتی سامان کا مطالبہ کیا تھا جیسا کہ سلیمان علیہ السلام فرمایا:

(5)﴿فَلَمَّا جَاءَ سُلَيْمَانَ قَالَ أَتُمِدُّونَنِ بِمَالٍ فَمَا آتَانِيَ اللَّهُ خَيْرٌ مِّمَّا آتَاكُم بَلْ أَنتُم بِهَدِيَّتِكُمْ تَفْرَحُونَ﴾ ''سو جب وہ سلیمان کے پاس آیا تو اُس نے کہا: ''کیا میری مدد تم لوگ مال سے کرنا چاہتے ہو؟ جو اللہ تعالیٰ نے مجھے دیا ہے وہ اُس سے بہتر ہے جو اُس نے تمہیں دیا ہے بلکہ تم ہی اپنے تحفے سے خوش ہوتے ہو۔(النمل:36)

(6) یعنی میں چاہتا ہوں کہ تم افرادی قوت، تعمیری چیزوں اور محنت مزدوری کے ذریعے میری مدد کرو۔﴿أَجْعَلْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ رَدْمًا﴾ ''میں اُن کے اور تمہارے درمیان ایک مضبوط بند بنادوں گا'' میں تمہارے لئے دیوار بنوادوں گا یعنی ایسی رکاوٹ جس کو عبور کر کے وہ تم پر حملہ آور نہیں ہوسکیں گے۔

﴿اٰتُوۡنِیۡ زُبَرَ الۡحَدِیۡدِ ؕ حَتّٰۤی اِذَا سَاوٰی بَیۡنَ الصَّدَفَیۡنِ قَالَ انۡفُخُوۡا ؕ حَتّٰۤی اِذَا جَعَلَہٗ نَارًا ۙ قَالَ اٰتُوۡنِیۡۤ اُفۡرِغۡ عَلَیۡہِ قِطۡرًا ﴾

’’میرے پاس لوہے کے بڑے بڑے ٹکڑے لاؤ‘‘ یہاں تک کہ جب اس نے ان دونوں پہاڑوں کے درمیانی حصے کو برابر کر دیا تو کہا: ’’دھونکو‘‘ یہاں تک کہ جب اس نے اسے آگ بنا دیا تو کہا: ’’مجھے لا کر دو کہ اس پر میں پگھلا ہوا تانبا انڈیل دوں‘‘ (96)

سوال 1: ﴿اٰتُوۡنِیۡ زُبَرَ الۡحَدِیۡدِ ؕ حَتّٰۤی اِذَا سَاوٰی بَیۡنَ الصَّدَفَیۡنِ قَالَ انۡفُخُوۡا ؕ حَتّٰۤی اِذَا جَعَلَہٗ نَارًا ۙ قَالَ اٰتُوۡنِیۡۤ اُفۡرِغۡ عَلَیۡہِ قِطۡرًا ﴾ ’’میرے پاس لوہے کے بڑے بڑے ٹکڑے لاؤ‘‘ یہاں تک کہ جب اس نے ان دونوں پہاڑوں کے درمیانی حصے کو برابر کر دیا تو کہا: ’’دھونکو‘‘ یہاں تک کہ جب اس نے اسے آگ بنا دیا تو کہا: ’’مجھے لا کر دو کہ اس پر میں پگھلا ہوا تانبا انڈیل دوں‘‘ اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿اٰتُوۡنِیۡ زُبَرَ الۡحَدِیۡدِ﴾ ’’میرے پاس لوہے کے بڑے بڑے ٹکڑے لاؤ‘‘ ذوالقرنین نے کہا کہ تم میرے لئے لوہے کی چادریں لے آؤ تو وہ لوگ لوہے کے بڑے بڑے تختے لے آئے۔

(2) ﴿حَتّٰۤی اِذَا سَاوٰی بَیۡنَ الصَّدَفَیۡنِ﴾ ’’یہاں تک کہ جب اس نے ان دونوں پہاڑوں کے درمیانی حصے کو برابر کر دیا‘‘ پھر جب ذوالقرنین نے لوہے کی دیوار چنوائی۔ اس سے مراد دو پہاڑوں کے درمیان کا خلا تھا جسے لوہے کی چادروں سے پُر کر دیا گیا۔ جب یہ دیوار طول وعرض میں پہاڑوں کی چوٹیوں تک پہنچ گئی۔

(3) ﴿قَالَ انۡفُخُوۡا ؕ حَتّٰۤی اِذَا جَعَلَہٗ نَارًا﴾ ’’تو کہا: ’’دھونکو‘‘ یہاں تک کہ جب اس نے اسے آگ بنا دیا‘‘ یعنی بہت بڑا الاؤ جلاؤ۔ اس کے لئے بڑی بڑی دھونکنی استعمال کرو تا کہ آگ کی تپش بہت شدید ہو جائے اور تانبہ اچھی طرح پگھل جائے۔ جب تانبا پگھل گیا جس کو وہ فولاد کے تختوں کے درمیان ڈالنا چاہتا تھا۔ (تفسیر سعدی: 1552/2)

(4) ﴿قَالَ اٰتُوۡنِیۡۤ اُفۡرِغۡ عَلَیۡہِ قِطۡرًا﴾ ’’تو کہا: ’’مجھے لا کر دو کہ اس پر میں پگھلا ہوا تانبا انڈیل دوں۔‘‘ (i) ذوالقرنین نے بند کو مضبوط کرنے کے لیے لوہے کے اندر خاص مقدار میں تانبا ملایا۔ (ii) یہ طریقہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے ذوالقرنین کو سکھایا پھر اپنی کتاب میں بتایا۔ ذوالقرنین نے پگھلا ہوا تانبہ دیوار پر ڈالا جس سے دیوار بہت مضبوط ہوگئی یوں دیوار سے ادھر والے لوگ یاجوج اور ماجوج کی تباہ کاریوں سے محفوظ ہو گئے۔ (تفسیر سعدی: 1552/2)

﴿فَمَا اسۡطَاعُوۡۤا اَنۡ یَّظۡہَرُوۡہُ وَ مَا اسۡتَطَاعُوۡا لَہٗ نَقۡبًا﴾

’’پھر نہ ان میں یہ طاقت رہی کہ وہ اس پر چڑھیں اور نہ وہ اس میں سوراخ کر سکے‘‘ (97)

سوال1:﴿فَمَا اسْطَاعُوْٓا اَنْ يَّظْهَرُوْهُ وَمَا اسْتَطَاعُوْا لَهٗ نَقْبًا﴾ ''پھر نہ ان میں یہ طاقت رہی کہ وہ اس پر چڑھیں اور نہ وہ اس میں سوراخ کر سکے'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿فَمَا اسْطَاعُوْٓا اَنْ يَّظْهَرُوْهُ﴾ ''پھر نہ ان میں یہ طاقت رہی کہ وہ اس پر چڑھیں'' یاجوج ماجوج کے لیے پہاڑی درّے پر باندھے جانے والے بند کی وجہ سے انسانی آبادیوں میں آنا اور پس ماندہ قوم پر غلبہ پانا ممکن نہ رہا۔

(2) یعنی وہ اس دیوار پر چڑھنے کی قدرت نہیں رکھتے تھے کیونکہ یہ بہت بلند تھی۔

(3)﴿وَمَا اسْتَطَاعُوْا لَهٗ نَقْبًا﴾ ''اور نہ وہ اس میں سوراخ کر سکے'' یہ مضبوط بند کی وجہ سے ہوا جو لوہے اور پیتل کو پگھلا کر بنایا گیا تھا۔ اس میں سوراخ کرنا ممکن نہ رہا تھا۔

(4) بعض روایات کے مطابق یہ دیوار 50 میل لمبی 29 فٹ اونچی اور 10 فٹ چوڑی تھی اور اس دیوار کا فائدہ بھی اسی صورت میں ہو سکتا تھا کہ اس کی بلندی بھی کم از کم دونوں اطراف کی بلندی کے برابر تو ہو۔ اتنی بلندی کی وجہ سے اس کے اوپر چڑھا بھی نہ جا سکتا تھا اور لوہے کی تعمیر شدہ دیوار ہونے کی وجہ سے اس میں شگاف بھی نہیں ہو سکتا تھا۔ جب یہ دیوار تعمیر ہوگئی تو ذوالقرنین نے اللہ تعالیٰ کا شکر یہ ادا کیا۔ جس نے یہ دیوار بنانے اور لوگوں کو آئے دن کی پریشانی سے نجات دلانے کی توفیق بخشی مگر ساتھ ہی لوگوں کو یہ بھی بتا دیا کہ یہ دیوار اگرچہ بہت مضبوط اور مستحکم ہے مگر یہ لازوال نہیں جو چیز بھی بنی ہے بالآخر فنا ہونے والی ہے۔ (تیسیر القرآن:659/2)

﴿قَالَ هٰذَا رَحْمَةٌ مِّنْ رَّبِّيْ ۚ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ رَبِّيْ جَعَلَهٗ دَكَّآءَ ۚ وَكَانَ وَعْدُ رَبِّيْ حَقًّا﴾

''ذوالقرنین نے کہا: ''یہ میرے رب کی ایک رحمت ہے، چنانچہ جب میرے رب کا وعدہ آئے گا تو وہ اسے ریزہ ریزہ کردے گا، اور میرے رب کا وعدہ ہمیشہ سے سچا ہے'' (98)

سوال1:﴿قَالَ هٰذَا رَحْمَةٌ مِّنْ رَّبِّيْ ۚ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ رَبِّيْ جَعَلَهٗ دَكَّآءَ ۚ وَكَانَ وَعْدُ رَبِّيْ حَقًّا﴾ ''ذوالقرنین نے کہا: ''یہ میرے رب کی ایک رحمت ہے، چنانچہ جب میرے رب کا وعدہ آئے گا تو وہ اسے ریزہ ریزہ کردے گا، اور میرے رب کا وعدہ ہمیشہ سے سچا ہے'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿قَالَ هٰذَا رَحْمَةٌ مِّنْ رَّبِّيْ﴾ ''ذوالقرنین نے کہا: ''یہ میرے رب کی ایک رحمت ہے'' ذوالقرنین نے دیوار بنانے کے بعد لوگوں سے کہا: یہ میرے رب کی لوگوں پر عظیم رحمت ہے کہ اس نے ان کے اور ان کے دشمنوں یعنی یاجوج ماجوج کے درمیان رکاوٹ پیدا کردی۔ اب وہ فساد پھیلانے کے لئے دیوار کی اس جانب نہیں آ سکتے۔

(2) ذوالقرنین نے علم اور ٹیکنالوجی پر غرور نہیں کیا۔ اُس نے اللہ تعالیٰ کو یاد کیا، اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔ جس رب نے توفیق دی تھی اُس نے اس کو اسی کی طرف لوٹا دیا۔ اُس نے اپنی قوت کی بجائے رب کی قوت کی طرف رجوع کیا۔ اُس نے اپنے کام اللہ تعالیٰ کے حوالے کیے اور

قیامت کے دن کو یاد کیا جب سب ریزہ ریزہ ہو جائے گا لہٰذا اُسے اس کام میں اللہ تعالیٰ کی رحمت کے سوا کچھ نظر نہ آیا۔

(3) یہ صالح خلفاء کا حال ہے، جب اللہ تعالیٰ انہیں جلیل القدر نعمتوں سے نوازتا ہے تو ان کے شکر، اللہ تعالیٰ کی نعمت کے اقرار اور اعتراف میں اضافہ ہو جاتا ہے جیسا کہ سیدنا سلمان علیہ السلام نے کیا تھا جب اتنی دور سے ملکہ سبا کا تخت ان کی خدمت میں حاضر کیا گیا تھا تو اللہ تعالیٰ کی نعمت کا اقرار کرتے ہوئے انہوں نے کہا تھا ﴿هٰذَا مِنۡ فَضۡلِ رَبِّيۡ ۖ لِيَبۡلُوَنِيۡٓ ءَاَشۡكُرُ اَمۡ اَكۡفُرُ﴾ ''یہ میرے رب کے فضل میں سے ہے تاکہ وہ مجھے آزمائے کہ میں شکر کرتا ہوں یا ناشکری؟'' اس کے برعکس جابر، متکبر اور زمین پر عام غالب لوگوں کو بڑی بڑی نعمتیں اور زیادہ متکبر اور مغرور بنا دیتی ہیں جیسا کہ قارون، جس کو اللہ تعالیٰ نے اتنے بڑے خزانے عطا کیے تھے کہ ان کی کنجیاں ایک طاقت ور جماعت اٹھاتی تھی، کہا تھا: ﴿اِنَّمَآ اُوۡتِيۡتُهٗ عَلٰى عِلۡمٍ عِنۡدِيۡ﴾ ''بلاشبہ یہ مجھے ایک علم کی بنا پر ہی دیا گیا ہے جو میرے پاس ہے۔'' (القصص:5)

(4) ﴿فَاِذَا جَآءَ وَعۡدُ رَبِّيۡ﴾ ''چنانچہ جب میرے رب کا وعدہ آئے گا'' رب کے وعدے سے مراد قیامت کے قریب یاجوج ماجوج کا ظہور ہے۔ (i) صحیح حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے تھوڑے سے سوراخ کو فتنے کے قریب ہونے سے تعبیر کیا۔ (بخاری:3168) (ii) یاجوج ماجوج ہر روز اس دیوار کو کھودتے ہیں اور کل کے لیے چھوڑ دیتے ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ کی مشیت ہوگی کہ وہ نکل آئیں تو پھر وہ ان شاء اللہ کہہ کر کھو دیں گے پھر وہ اس سے نکلنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ زمین میں فساد پھیلائیں گے۔ قلعہ بند ہو جائیں گے۔ آسمانوں پر تیر پھینکیں گے اور وہ خون آلود ہو جائیں گے۔ بالآخر اُن کی گدیوں پر ایسا کیڑا پیدا ہوگا۔ جس سے وہ ہلاک ہو جائیں گے۔ (ترمذی:3153/ صحیحہ البانی:1735)

(5) سیدنا نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ یاجوج ماجوج کا ظہور سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے بعد ان کی موجودگی میں ہوگا۔ (مسلم)

(6) سیدنا حذیفہ بن اسید غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہمارے پاس نبی کریم ﷺ تشریف لائے اور ہم باہم گفتگو کر رہے تھے تو آپ ﷺ نے فرمایا: تم کس بات کا تذکرہ کر رہے ہو؟ انہوں نے عرض کیا: ہم قیامت کا تذکرہ کر رہے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: وہ ہرگز قائم نہ ہوگی یہاں تک کہ تم اس سے پہلے دس علامات دیکھ لو گے۔ پھر دھوئیں، دجال، دابۃ الارض، سورج کے مغرب سے طلوع ہونے اور سیدنا عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کے نازل ہونے اور یاجوج و ماجوج اور تین جگہوں کے دھنسنے، ایک دھنسنا مشرق میں اور ایک دھنسنا مغرب میں اور ایک دھنسنا جزیرۃ العرب میں ہونے اور آخر میں یمن سے آگ نکلنے کا ذکر فرمایا، جو لوگوں کو جمع ہونے کی جگہ کی طرف لے جائے گی۔ (مسلم)

(7) ﴿حَتّٰٓى اِذَا فُتِحَتۡ يَاۡجُوۡجُ وَمَاۡجُوۡجُ وَهُمۡ مِّنۡ كُلِّ حَدَبٍ يَّنۡسِلُوۡنَ ﴿۹۶﴾ وَاقۡتَرَبَ الۡوَعۡدُ الۡحَقُّ فَاِذَا هِيَ شَاخِصَةٌ اَبۡصَارُ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا ؕ يٰوَيۡلَنَا قَدۡ كُنَّا فِيۡ غَفۡلَةٍ مِّنۡ هٰذَا بَلۡ كُنَّا ظٰلِمِيۡنَ ﴿۹۷﴾﴾ حتیٰ کہ جب یاجوج اور ماجوج کھول دیے جائیں گے اور وہ ہر بلندی سے دوڑ پڑیں گے۔ اور وہ سچا وعدہ قریب آ جائے گا اچانک ان لوگوں کی نگاہیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی جنہوں نے کفر کیا، ہائے ہماری بربادی! یقیناً ہم اس سے غفلت میں تھے بلکہ ہم ہی ظالم تھے۔ (الانبیاء:96,97)

(8) ﴿جَعَلَهٗ دَكَّآءَ﴾ ''تو وہ اسے ریزہ ریزہ کر دے گا'' یعنی اس مضبوط اور مستحکم دیوار کو گرا کر منہدم کر دے گا اور وہ زمین کے ساتھ برابر

ہوجائے گی۔(تفسیر سعدی:1553/2)

(9)﴿وَكَانَ وَعْدُ رَبِّي حَقًّا﴾''اور میرے رب کا وعدہ ہمیشہ سے سچا ہے۔''یعنی جب میرے رب کا سچا وعدہ آئے گا تو وہ اسے زمین دوز بنادے گا۔(مختصر ابن کثیر:1117/2)

سوال2:ذوالقرنین کے کیا خصائل ہیں؟

جواب:اس آیت پر ذوالقرنین کا ان لوگوں سے خطاب بھی ختم ہوجاتا ہے اور قصہ ذوالقرنین بھی۔اس میں محض کفار مکہ کے سوال کا جواب ہی نہیں دیا گیا بلکہ یہ بتایا گیا ہے کہ ذوالقرنین ایک بہت بڑا فاتح اور شان وشوکت والا بادشاہ ہونے کے باوجود توحید اور آخرت کا قائل تھا۔عدل وانصاف کے علاوہ فیاضی سے کام لیتا تھا۔نرمی کا برتاؤ کرتا تھا،تمہاری طرح کم ظرف نہ تھا کہ معمولی قسم کی سرداریاں پا کر اکڑ بیٹھے ہو اور دوسروں کو حقیر سمجھتے ہو۔(تیسیر القرآن:659/2)

سوال3:سدذوالقرنین کہاں واقع ہے؟

جواب:رہی یہ بات کہ سدذوالقرنین کہاں واقع ہے؟تو اس میں بھی اختلاف ہے کیونکہ آج تک ایسی پانچ دیواریں واقع ہوچکی ہیں جو مختلف بادشاہوں نے مختلف ادوار میں جنگجو قوموں کے حملہ سے بچاؤ کی خاطر بنوائی تھیں۔ان میں سے زیادہ مشہور دیوار چین ہے۔یہ دیوار سب سے زیادہ لمبی ہے اور اس کی لمبائی کا اندازہ بارہ سومیل سے لے کر پندرہ سومیل تک کیا گیا ہے۔یہ دیوار عجائب روز میں شامل ہوتی ہے اور اب تک موجود ہے اور اسے چی وانگئی فغفور چین نے اندازاً235ق م میں تعمیر کروایا تھا اور سدذوالقرنین وہ دیوار ہے جو جبل الطائی کے کسی درہ کو کیے ہوئے ہے جس کا ابن خلدون نے بھی ذکر کیا ہے اور اکثر مورخین اسلام اس کو سدیاجوج بھی کہتے ہیں جبل الطائی منچوریا اور منگولیا میں حائل ہے اور اسی پہاڑ کے بیچ میں ایک درہ کشادہ تھا جہاں یاجوج ماجوج کی قومیں حملہ آور ہوتی تھیں۔اس درے کو ذوالقرنین حمیری بادشاہ نے بند کروایا تھا اور یہ دیوار اب تک موجود ہے۔(تیسیر القرآن:656/2)

سوال4:یاجوج ماجوج کے بارے میں نبی ﷺ نے کیا راہ نمائی فرمائی ہے؟

جواب:(1)سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا بے شک یاجوج اور ماجوج ہر روز کھودتے ہیں(اس میں سوراخ کرنا چاہتے ہیں)جب قریب ہوتا کہ سورج کی روشنی ان کو دکھائی دے۔(اس قدر پتلی تہہ دیوار کی رہ جاتی ہے اس سے معلوم ہوا کہ یاجوج اور ماجوج ظلمات میں ہیں اور سورج کی روشنی سد کی وجہ سے ان تک نہیں پہنچتی)تو جو شخص ان کا سردار ہوتا ہے وہ کہتا ہے اب گھر چلو آ کر کھودیں گے پھر اللہ تعالیٰ رات کو ویسا ہی مضبوط کردیتا جیسے وہ تھے جب ان کے نکلنے کا وقت آئے گا اور اللہ تعالیٰ یہ چاہے گا کہ ان کو لوگوں پر چھوڑ دے۔لوگوں پر تو وہ(عادت کے موافق)سد کو کھودیں گے جب قریب ہوگا کہ سورج کی روشنی دیکھیں اس وقت ان کا سردار کہے گا اب لوٹ چلو کل اللہ تعالیٰ چاہے تو اس کو کھود ڈالو گے اور ان شاء اللہ کا لفظ کہیں گے۔اس دن وہ لوٹ کر جائیں گے اور اسی حال پر رہے گی جیسے وہ

چھوڑ جائیں گے (درست نہ ہوگی) آخر وہ اس کو کھود کر نکل آئیں گے اور پانی سب پی جائیں گے اور لوگ ان سے بھاگ کر اپنے قلعوں میں چلے جائیں گے وہ اپنے تیر آسمان کی طرف ماریں گے تیر خون میں لپٹے ہوئے اوپر سے لوٹیں گے (بحکم الٰہی وہ کہیں گے ہم نے زمین والوں کو تو مغلوب کیا اور آسمان والوں پر بھی غالب ہوئے پھر اللہ تعالیٰ ان کی گدیوں میں ایک کیڑا پیدا کرے گا وہ ان کو مار ڈالے گا۔ نبی ﷺ نے فرمایا؛ قسم اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے بے شک زمین کے جانور (چارپایہ) موٹے ہو جائیں گے اور چربی دار، ان کے گوشت کھا کر۔ (ابن ماجہ:4080)

(2) زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے روایت کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ ان کے پاس گھبرائے ہوئے داخل ہوئے، آپ فرمارہے تھے کہ تباہی ہے عربوں کے لئے اس برائی سے جو قریب آچکی ہے۔ آج یاجوج وماجوج کی دیوار سے اتنا کھل گیا ہے اور آپ نے اپنے انگوٹھے اور اس کے قریب والی انگلی کو ملا کو ایک حلقہ بنایا۔ اتنا سن کر زینب بنت جحش نے بیان کیا کہ میں نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ تو کیا ہم اس کے باوجود ہلاک ہو جائیں گے کہ ہم میں نیک، صالح لوگ بھی زندہ ہوں گے؟ نبی ﷺ نے فرمایا کہ ہاں جب بدکاری بہت بڑھ جائے گی۔ (بخاری:7135)

(3) سیدنا نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک صبح رسول اللہ ﷺ نے دجال کا ذکر کیا تو آپ ﷺ نے کی کبھی تحقیر کی اور کبھی بڑا کر کے بیان فرمایا یہاں تک کہ ہم نے گمان کیا کہ وہ کھجوروں کے ایک جھنڈ میں ہے پس جب ہم شام کو آپ ﷺ کے پاس حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے ہم سے اس بارے میں معلوم کر لیا تو فرمایا: تمہارا کیا حال ہے؟ ہم نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! آپ ﷺ نے صبح دجال کا ذکر کیا اور اس میں آپ ﷺ نے کبھی تحقیر کی اور کبھی اس فتنہ کو بڑا کر کے بیان کیا، یہاں تک کہ ہم نے گمان کیا کہ وہ کھجوروں کے ایک جھنڈ میں ہے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: میں تمہارے بارے میں دجال کے علاوہ دوسرے فتنوں کا زیادہ خوف کرتا ہوں۔ اگر وہ میری موجودگی میں ظاہر ہو گیا تو تمہارے بجائے میں اس کا مقابلہ کروں گا اور اگر میری غیر موجودگی میں ظاہر ہوا تو ہر شخص خود اس سے مقابلہ کرنے والا ہوگا اور اللہ ہر مسلمان پر میرا خلیفہ اور نگہبان ہوگا۔ بے شک (دجال) نوجوان، گھنگریالے بالوں والا اور پھولی ہوئی آنکھ والا ہوگا۔ گویا کہ میں اسے عبدالعزیٰ بن قطن کے ساتھ تشبیہ دیتا ہوں۔ پس تم میں سے جو کوئی اسے پالے تو چاہیے کہ اس پر سورۃ کہف کی ابتدائی آیات کی تلاوت کرے۔ بے شک اس کا خروج شام اور عراق کے درمیان سے ہوگا۔ پھر وہ اپنے دائیں اور بائیں جانب فساد برپا کرے گا۔ اے اللہ کے بندو! ثابت قدم رہنا۔ ہم نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! وہ زمین میں کتنا عرصہ رہے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: چالیس دن اور ایک دن سال کے برابر اور ایک دن مہینہ کے برابر اور ایک دن ہفتہ کے برابر ہوگا اور باقی ایام تمہارے عام دنوں کے برابر ہوں گے۔ ہم نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! وہ دن جو سال کے برابر ہوگا کیا اس میں ہمارے لیے ایک دن کی نمازیں پڑھنا کافی ہوگا آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں بلکہ تم ایک سال کی نمازوں کا اندازہ کر لینا۔ ہم نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! اس کی زمین

میں چلنے کی تیزی کیا ہوگی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اس بارش کی طرح جسے ہوا دھکیل رہی ہو۔ پس وہ ایک قوم کے پاس آئے گا اور انہیں دعوت دے گا تو وہ اس پر ایمان لے آئیں گے اور اس کی دعوت قبول کر لیں گے۔ پھر وہ آسمان کو حکم دے گا تو وہ بارش برسائے گا اور زمین سبزا اُگائے گی اور اسے چرنے والے جانور شام کے وقت آئیں گے تو ان کے کوہان پہلے سے لمبے، تھن بڑے اور کوکھیں تنی ہوں گی۔ پھر وہ ایک اور قوم کے پاس جائے گا اور انہیں دعوت دے گا۔ وہ اس کے قول کو رد کر دیں گے۔ تو وہ ان سے واپس لوٹ آئے گا۔ پس وہ قحط زدہ ہو جائیں گے کہ ان کے پاس دن کے مالوں میں سے کچھ بھی نہ رہے گا۔ پھر وہ ایک بنجر زمین اور ویران زمین کے پاس سے گزرے گا اور اسے کہے گا کہ اپنے خزانے کو نکال دے زمین کے خزانے اس کے پاس آئیں گے جیسے شہد کی مکھیاں اپنے سرداروں کے پاس آتی ہیں۔ پھر وہ ایک کڑیل اور کامل الشباب آدمی کو بلائے گا اور اسے تلوار مار کر اس کے دو ٹکڑے کر دے گا اور دونوں ٹکڑوں کو علیحدہ علیحدہ کر کے ایک تیر کی مسافت پر رکھ دے گا۔ پھر وہ اس (مردہ) کو آواز دے گا تو وہ زندہ ہو کر چمکتے ہوئے چہرے کے ساتھ ہنستا ہوا آئے گا۔ دجال کے اسی فعل کے دوران اللہ تعالیٰ عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کو بھیجے گا وہ دمشق کے مشرق میں سفید منارے کے پاس زرد رنگ کے حلے پہنے ہوئے دو فرشتوں کے کندھوں پر ہاتھ رکھے ہوئے اتریں گے جب وہ اپنے سر کو جھکائیں گے تو اس سے قطرے گریں گے اور جب اپنے سر کو اٹھائیں گے تو اس سے سفید موتیوں کی طرح قطرے ٹپکیں گے اور جو کافر بھی اس کی خوشبو سونگھے گا وہ مرے بغیر نہ رہ سکے گا اور ان کی خوشبو وہاں تک پہنچے گی جہاں تک ان کی نظر جائے گی پس سیدنا مسیح علیہ السلام (دجال کو) طلب کریں گے اسے باب لد پر پائیں گے تو اسے قتل کر دیں گے۔ پھر عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کے پاس وہ قوم آئے گی جسے اللہ نے دجال سے محفوظ رکھا تھا پس عیسیٰ علیہ السلام ان کے چہروں کو صاف کریں گے اور انہیں جنت میں ملنے والے ان کے درجات بتائیں گے۔ پس اسی دوران سیدنا عیسیٰ علیہ السلام پر اللہ رب العزت وحی نازل فرمائیں گے کہ تحقیق! میں نے اپنے ایسے بندوں کو نکالا ہے کہ کسی کو ان کے ساتھ لڑنے کی طاقت نہیں پس آپ میرے بندوں کو حفاظت کے لیے طور کی طرف لے جائیں اور اللہ تعالیٰ یاجوج ماجوج کو بھیجے گا اور وہ ہر اُونچائی سے نکل پڑیں گے۔ ان کی اگلی جماعتیں بحیرہ طبریہ پر سے گزریں گی اور اس کا سارا پانی پی جائیں گی اور ان کی آخری جماعتیں گزریں گی تو کہیں گی کہ اس جگہ کسی وقت پانی موجود تھا اللہ کے نبی عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھی محصور ہو جائیں گے، یہاں تک کہ ان میں کسی ایک کے لیے بیل کی سری بھی تم میں سے کسی ایک کے لیے آج کل کے سو دینار سے افضل و بہتر ہوگی۔ پھر اللہ کے نبی عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھی اللہ سے دُعا کریں گے تو اللہ تعالیٰ یاجوج وماجوج کی گردنوں میں ایک کیڑا پیدا کرے گا۔ وہ ایک جان کی موت کی طرح سب کے سب ایک لخت مر جائیں گے۔ پھر اللہ کے نبی عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھی زمین کی طرف اُتریں گے تو زمین میں ایک بالشت کی جگہ بھی یاجوج ماجوج کی علامات اور بدبو سے انہیں خالی نہ ملے گی۔ پھر اللہ کے نبی عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھی دُعا کریں گے تو اللہ تعالیٰ اونٹوں کی گردنوں کے برابر پرندے بھیجیں گے جو انہیں اٹھا کر لے جائیں گے اور جہاں اللہ چاہے وہ انہیں پھینک دیں گے پھر اللہ تعالیٰ بارش بھیجے گا جس سے ہر مکان خواہ وہ مٹی کا ہو یا بالوں کا آئینہ کی طرح صاف

ہو جائے گا اور زمین مثل باغ یا حوض کے ڈھل جائے گی۔ پھر زمین سے کہا جائے گا: اپنے پھل کو اُگا دے اور اپنی برکت کو لوٹا دے۔ پس ان دنوں ایسی برکت ہوگی کہ ایک انار کو ایک پوری جماعت کھائے گی اور اس کے چھلکے میں سایہ حاصل کرے گی اور دودھ میں اتنی برکت دی جائے گی کہ ایک دودھ دینے والی گائے قبیلہ کے لوگوں کے لیے کافی ہو جائے گی اور ایک دودھ دینے والی اونٹنی ایک بڑی جماعت کے لیے کافی ہوگی اور ایک دودھ دینے والی بکری پورے گھرانے کے لیے کفایت کر جائے گی۔ اسی دوران اللہ تعالیٰ ایک پاکیزہ ہوا بھیجے گا جو لوگوں کی بغلوں کے نیچے تک پہنچ جائے گی۔ پھر ہر مسلمان اور ہر مومن کی روح قبض کر لی جائے گی اور بدلوگ باقی رہ جائیں گے۔ جو گدھوں کی طرح کھلے بندوں جماع کریں گے۔ پس انہیں پر قیامت قائم ہوگی۔ (مسلم:2937)

(4) سیدنا عبداللہ بن عمرو نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں آپ ﷺ ارشاد فرمایا: یاجوج ماجوج آدم کی اولاد سے ہیں اگر وہ آبادیوں میں بھیج دیئے جاتے تو لوگوں کے اسباب زندگی اور معیشت برباد کر دیتے۔ (مجمع الزوائد 13/8 کتاب الفتن، رقم الحدیث:12571)

(5) سیدنا ابنِ حرملہ کہتے ہیں کہ رسول ﷺ نے خطبہ میں ارشاد فرمایا لوگ کہہ رہے ہو کہ اب دشمن نہیں رہا حالانکہ تم لوگ ہمیشہ اپنے دشمنوں سے جہاد کرتے رہو گے حتی کہ یاجوج ماجوج نکل آئیں گے، چھوٹے چہرے والے، چھوٹی آنکھوں والے اور سرخی مائل سیاہ بالوں والے ہر بلندی سے دوڑتے ہوئے آئیں گے ان کے چہرے چمڑا ابھری ڈھال جیسے موٹے ہوں گے۔ (احمد، طبرانی)

(6) سیدنا ابو سعید خدری نے بیان کیا کہ رسول ﷺ نے فرمایا: اللہ پاک قیام کے دن سیدنا آدم سے فرمائے گا اے آدم! وہ عرض کریں گے میں حاضر ہوں اے رب! تیری فرمانبرداری کے لئے، پروردگار آواز سے پکارے گا (یا فرشتہ پروردگار کی طرف سے آواز دے گا) اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے کہ اپنی اولاد میں سے دوزخ کا جتھا نکالو وہ عرض کریں گے اے پروردگار! دوزخ کا جتھا کتنا نکالوں حکم ہوگا (راوی نے کہا میں سمجھتا ہوں) ہر ہزار آدمیوں میں سے نو سو ننانوے (گویا ہزار میں ایک جنتی ہوگا) یہ ایسا سخت وقت ہوگا کہ پیٹ والی کا حمل گر جائے گا اور بچہ فکر کے مارے بوڑھا ہو جائے گا (یعنی جو بچپن میں مرا ہو) تو قیامت کے دن لوگوں کو ایسا دیکھے گا جیسے وہ نشے میں متوالے ہو رہے ہیں حالانکہ ان کو نشہ نہ ہوگا بلکہ اللہ تعالیٰ کا عذاب ایسا سخت ہوگا (یہ حدیث جو صحابہ حاضر تھے ان پر سخت گزری ان کے چہرے مارے ڈر کے بدل گئے اس وقت نبی ﷺ نے ان کی تسلی کے لئے فرمایا (تم اتنا کیوں ڈرتے ہو۔) اگر یاجوج ماجوج کی جو کافر ہیں نسل تم سے ملائی جائے تو ان میں سے نو سو ننانوے کے مقابل تم میں سے ایک آدمی پڑے گا غرض تم حشر کے دن دوسرے لوگوں کی نسبت (جو دوزخی ہوں گے) ایسے ہوں گے جیسے سفید بیل کے جسم پر ایک بال کالا ہوتا ہے یا جیسے بیل کے جسم پر ایک دو بال سفید ہوتے ہیں اور مجھ کو اُمید ہے کہ تم سارے جنتیوں کا چوتھائی حصہ ہو گے (باقی تین حصوں میں اور سب امتیں ہوں گی) یہ سن کر ہم نے اللہ اکبر کہا پھر آپ نے فرمایا نہیں بلکہ تم ایک تہائی ہو گے پھر ہم نے نعرہء تکبیر بلند کیا پھر فرمایا نہیں بلکہ تم آدھا حصہ ہو گے (آدھے حصے میں اور امتیں ہوں گی ہم نے پھر نعرہء تکبیر بلند کیا۔ (بخاری:4741)

(7) ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: یاجوج اور ماجوج کھول دیئے جائیں گے (ان کی سد ٹوٹ جائے گی)۔ پھر وہ نکلیں گے جیسے اللہ نے فرمایا ''اور وہ ہر بلندی سے دوڑ پڑیں گے۔'' وہ ساری زمین میں پھیل جائیں گے اور مسلمان ان سے علیحدہ رہیں گے یہاں تک کہ جو مسلمان باقی ہوں گے وہ اپنے شہروں اور قلعوں میں چلے جائیں گے اور اپنے چرانے کے جانور بھی ساتھ لے جائیں گے یاجوج ماجوج کا یہ حال ہوگا کہ ان کے لوگ ایک نہر پر سے گزریں گے اور اس کا سارا پانی پی ڈالیں گے یہاں تک کہ پانی کا ایک قطرہ نہ رہے گا اور ان میں سے کوئی یہ کہے گا کہ یہاں کبھی پانی تھا اور زمین پر وہ غالب ہو جائیں گے یہاں تک کہ ان میں سے ایک کہے گا اب زمین والوں سے تو ہم فارغ ہوئے (کوئی ہمارا مقابل نہ رہا) اب آسمان والوں سے لڑیں گے۔ آخر ان میں سے ایک اپنا حربہ آسمان کی طرف پھینکے گا وہ خون میں رنگا ہوا لوٹ کر گرے گا۔ وہ کہیں گے ہم نے آسمان والوں کو بھی مار ڈالا۔ خیر یہ لوگ اسی حال میں ہوں گے کہ اللہ عزوجل چند جانور ٹڈی کے کیڑوں کی طرح بھیجے گا (نغف کی طرح۔ نغف اس کیڑے کو کہتے ہیں جو اونٹ کی ناک میں پڑ جاتا ہے تو وہ ہلاک ہو جاتا ہے) یہ کیڑے ان کی گردنوں کو کاٹیں گے یا گردن میں گھس جائیں گے وہ سب ٹڈیوں کی طرح یک بارگی مر جائیں گے۔ ایک پر ایک پڑا ہوگا اور مسلمان صبح کو اپنے شہروں اور قلعوں میں ان کی آواز نہیں سنیں گے۔ وہ کہیں گے ہم میں سے کون ہے جو اپنی جان پر کھیلے یعنی اپنی جان کی پرواہ نہ کرے اور جا کر دیکھے کہ یاجوج ماجوج کیا کرتے ہیں۔ آخر مسلمانوں میں سے ایک شخص نکلے گا یا اترے گا (قلعہ سے) یہ سمجھ کر کہ وہ مجھ کو ضرور مار ڈالیں گے دیکھے گا تو وہ مردہ ہوں گے۔ وہ دوسرے مسلمانوں کو پکارے گا: اے بھائیو خوش ہو جاؤ تمہارے دشمن مر گئے۔ یہ سن کر سب مسلمان نکلیں گے اور اپنے جانوروں کو چرنے چھوڑ دیں گے (جو مدت سے بچارے بند ہوں گے) ان کے چرنے کو کچھ نہ ہوگا سوائے یاجوج ماجوج کے گوشت کے وہ ان کا گوشت کھا کر خوب موٹے ہوں گے جیسے کبھی کوئی گھاس کھا کر موٹے ہوئے تھے۔'' (ابن ماجہ: 4079)

﴿وَتَرَكْنَا بَعْضَهُمْ يَوْمَئِذٍ يَّمُوْجُ فِيْ بَعْضٍ وَّنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَجَمَعْنٰهُمْ جَمْعًا﴾

''اور اس دن ہم ان میں سے بعض کو چھوڑ دیں گے کہ وہ ایک دوسرے میں گھس جائیں اور صُور میں پھونک دیا جائے گا

پھر ہم ان سب کو ایک جگہ جمع کریں گے، پوری طرح جمع کرنا'' (99)

سوال 1: ﴿وَتَرَكْنَا بَعْضَهُمْ يَوْمَئِذٍ يَّمُوْجُ فِيْ بَعْضٍ وَّنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَجَمَعْنٰهُمْ جَمْعًا﴾ ''اور اس دن ہم ان میں سے بعض کو چھوڑ دیں گے کہ وہ ایک دوسرے میں گھس جائیں اور صُور میں پھونک دیا جائے گا پھر ہم ان سب کو ایک جگہ جمع کریں گے، پوری طرح جمع کرنا'' آیت کے اس حصے کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَتَرَكْنَا بَعْضَهُمْ يَوْمَئِذٍ يَّمُوْجُ فِيْ بَعْضٍ﴾ ''اور اس دن ہم ان میں سے بعض کو چھوڑ دیں گے کہ وہ ایک دوسرے

میں گھس جائیں' جب یاجوج ماجوج کا ظہور ہوگا یعنی جب وہ اپنے علاقوں سے نکل کر حملہ آور ہوں گے تو اپنی کثرت اور ساری زمین پر پھیل جانے کی وجہ سے سمندر کی موجوں کی طرح ایک دوسرے سے گتھم گتھا ہوں گے۔ جیسا کہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:﴿حَتّٰٓى إِذَا فُتِحَتْ يَأْجُوجُ وَمَأْجُوجُ وَهُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ يَّنْسِلُوْنَ﴾ یہاں تک کہ جب یاجوج اور ماجوج کھول دیئے جائیں گے اور وہ ہر بلندی سے دوڑ پڑیں گے۔ (الانبیاء: 96)

(2) اس سے مراد یہ بھی ہے کہ جب لوگ قیامت کے دن اکٹھے ہوں گے تو تعداد کی زیادتی، زلزلوں اور دہشت اور اضطراب کی وجہ سے ایک دوسرے کو دھکم پیل کر رہے ہوں گے۔ جیسا کہ رب العزت نے فرمایا:﴿وَّنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَجَمَعْنٰهُمْ جَمْعًا﴾ ''اور صور میں پھونک دیا جائے گا پھر ہم ان سب کو ایک جگہ جمع کریں گے، پوری طرح جمع کرنا''۔

سوال 2:﴿وَّنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَجَمَعْنٰهُمْ جَمْعًا﴾ ''اور صور میں پھونک دیا جائے گا پھر ہم ان سب کو ایک جگہ جمع کریں گے، پوری طرح جمع کرنا'' آیت کے اس حصے کی وضاحت کریں؟

جواب: (1)﴿وَّنُفِخَ فِي الصُّوْرِ﴾ ''اور صور میں پھونک دیا جائے گا'' یعنی جب سیدنا اسرافیل صور پھونکیں گے تو اللہ تعالیٰ تمام روحوں کو جسموں میں واپس لوٹا دیں گے۔ پھر سب لوگوں کو میدان قیامت میں جمع کرے گا تا کہ ان کے اعمال کا حساب کتاب لیا جائے اور ان کو ان کے اعمال کی جزا دی جائے۔

(2) سیدنا عبداللہ بن عمر بن عاص سے روایت ہے کہ ایک گنوار نبی ﷺ کے پاس آیا اور پوچھا کہ صور کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ایک نرسنگا ہے۔ قیامت کے دن اس میں پھونکا جائے گا۔ (ترمذی: 2430)

(3) سیدنا ابی سعید سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں کیونکر آرام کرسکتا ہوں اور صاحب قرن یعنی اسرافیل قرن کو منہ میں لیے اور کان لگائے ہوئے ہے کہ کب پھونکنے کا حکم ہو سو پھونک دے۔ یہ امر اصحاب رسول ﷺ پر سخت گزرا پس آپ ﷺ نے فرمایا: تم کہو﴿حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا﴾ ''یعنی ہم کو اللہ تعالیٰ کافی ہے اور اچھا وکیل ہے اللہ پر ہم نے توکل کیا۔''

(ترمذی: 2431) (جامع البیان: 38/16)

(4)﴿فَجَمَعْنٰهُمْ جَمْعًا﴾ ''پھر ہم ان سب کو ایک جگہ جمع کریں گے، پوری طرح جمع کرنا'' پھر اللہ تعالیٰ تمام انسانوں کو میدان حشر میں جمع کریں گے۔ رب العزت نے فرمایا:﴿قُلْ إِنَّ الْأَوَّلِيْنَ وَالْآخِرِيْنَ (٤٩) لَمَجْمُوْعُوْنَ إِلٰى مِيْقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ (٥٠)﴾ ''آپ کہہ دیں بلاشبہ پہلے اور پچھلے۔ ایک معلوم دن کے مقررہ وقت پر یقیناً جمع کیے جانے والے ہیں''۔ (الواقعہ: 49,50)

(5)﴿وَيَوْمَ نُسَيِّرُ الْجِبَالَ وَتَرَى الْأَرْضَ بَارِزَةً وَّحَشَرْنٰهُمْ فَلَمْ نُغَادِرْ مِنْهُمْ أَحَدًا﴾ اور جس دن ہم پہاڑوں کو چلائیں گے اور آپ زمین کو بالکل صاف میدان دیکھیں گے اور ہم ان سب کو جمع کریں گے، چنانچہ ہم ان میں سے کسی کو نہ چھوڑیں گے۔ (الکہف: 47)

﴿وَّعَرَضْنَا جَهَنَّمَ يَوْمَئِذٍ لِّلْكٰفِرِيْنَ عَرْضًا﴾

''اور اُس دن جہنم کو ہم کافروں کے سامنے لائیں گے، پوری طرح سامنے لانا'' (100)

سوال 1: ﴿وَّعَرَضْنَا جَهَنَّمَ يَوْمَئِذٍ لِّلْكٰفِرِيْنَ عَرْضً﴾ ''اور اُس دن جہنم کو ہم کافروں کے سامنے لائیں گے، پوری طرح سامنے لانا'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَّعَرَضْنَا جَهَنَّمَ يَوْمَئِذٍ لِّلْكٰفِرِيْنَ عَرْضً﴾ ''اور اُس دن جہنم کو ہم کافروں کے سامنے لائیں گے، پوری طرح سامنے لانا''، یعنی جہنم میں جانے سے پہلے جہنم کا عذاب دیکھ لیں گے۔ ان کے افعال کی جزا ہے کہ انہیں جہنم میں جانے سے پہلے انتہائی قلق ہوگا کیونکہ انہیں جہنم میں جانے سے پہلے اس کا یقین آ جائے گا۔ (2) رب العزت نے فرمایا ﴿فَاِذَا جَآءَتِ الطَّآمَّةُ الْكُبْرٰى ﴿٣٤﴾ يَوْمَ يَتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ مَا سَعٰى ﴿٣٥﴾ وَبُرِّزَتِ الْجَحِيْمُ لِمَنْ يَّرٰى ﴿٣٦﴾﴾ ''پھر جب ہر چیز پر چھا جانے والی بہت بڑی مصیبت آ جائے گی۔ جس دن انسان یاد کرے گا جو اس نے کوشش کی اور ہر شخص کے لیے جو دیکھتا ہے، اس پر جہنم ظاہر کر دی جائے گی۔ (النازعات: 34,36)

(3) سیدنا عدی بن حاتم طائی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے کہا کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں موجود تھا کہ دو شخص آئے ایک فقر و فاقہ کی شکایت لیے ہوئے تھا اور دوسرے کو راستوں کے غیر محفوظ ہونے کی شکایت تھی۔ اس پر رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جہاں تک راستوں کے غیر محفوظ ہونے کا تعلق ہے تو بہت جلد ایسا زمانہ آنے والا ہے کہ جب ایک قافلہ مکہ سے کسی محافظ کے بغیر نکلے گا۔ (اور اسے راستے میں کوئی خطرہ نہ ہوگا) اور رہا فقر و فاقہ تو قیامت اس وقت تک نہیں آئے گی جب تک (مال و دولت کی کثرت کی وجہ سے یہ حال نہ ہو جائے کہ) ایک شخص اپنا صدقہ لے کر تلاش کرے لیکن کوئی اسے لینے والا نہ ملے۔ پھر اللہ تعالیٰ کے سامنے ایک شخص اس طرح کھڑا ہوگا کہ اس کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کوئی پردہ نہ ہوگا اور نہ ترجمانی کے لیے کوئی ترجمان ہوگا۔ پھر اللہ تعالیٰ اس سے پوچھے گا کہ کیا میں نے دنیا میں تجھے مال نہیں دیا تھا؟ وہ کہے گا کہ ہاں دیا تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ پوچھے گا کہ کیا میں نے تمہارے پاس پیغمبر نہیں بھیجا تھا؟ وہ کہے گا کہ ہاں بھیجا تھا۔ پھر وہ شخص اپنے دائیں طرف دیکھے گا تو آگ کے سوا اور کچھ نظر نہیں آئے گا پھر بائیں طرف دیکھے گا تو ادھر بھی آگ ہی آگ ہوگی۔ پس تمہیں جہنم سے ڈرنا چاہیے خواہ ایک کھجور کے ٹکڑے ہی (کا صدقہ کر کے اس سے اپنا بچاؤ کر سکو) اگر یہ بھی میسر نہ آ سکے تو اچھی بات ہی منہ سے نکالو۔ (صحیح بخاری: 1413)

(4) سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جہنم کو قیامت والے دن لایا جائے گا، اس کی ستر ہزار لگامیں ہوں گی اور ہر لگام پر ستر ہزار فرشتے ہوں گے جو اسے کھینچ رہے ہوں گے۔ (مسلم: 2842)

﴿الَّذِيْنَ كَانَتْ اَعْيُنُهُمْ فِيْ غِطَآءٍ عَنْ ذِكْرِيْ وَكَانُوْا لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَمْعًا﴾

''وہ لوگ جن کی آنکھیں میرے ذکر سے پردے میں تھیں اور وہ سننے کی استطاعت نہیں رکھتے تھے''(101)

سوال1:﴿الَّذِيْنَ كَانَتْ اَعْيُنُهُمْ فِيْ غِطَآءٍ عَنْ ذِكْرِيْ وَكَانُوْا لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَمْعًا﴾ ''وہ لوگ جن کی آنکھیں میرے ذکر سے پردے میں تھیں اور وہ سننے کی استطاعت نہیں رکھتے تھے'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿الَّذِيْنَ كَانَتْ اَعْيُنُهُمْ فِيْ غِطَآءٍ عَنْ ذِكْرِيْ﴾ ''وہ لوگ جن کی آنکھیں میرے ذکر سے پردے میں تھیں'' یعنی یہ لوگ قرآن حکیم سے روگردانی کرتے تھے۔رب العزت نے فرمایا:﴿وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا فِيْٓ اَكِنَّةٍ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ وَفِيْٓ اٰذَانِنَا وَقْرٌ وَّمِنْۢ بَيْنِنَا وَبَيْنِكَ حِجَابٌ فَاعْمَلْ اِنَّنَا عٰمِلُوْنَ﴾ ''اور اُنہوں نے کہا کہ ہمارے دل اس سے پردے میں ہیں جس کی تم ہمیں دعوت دیتے ہو اور ہمارے کانوں میں بوجھ ہے اور ہمارے اور تمہارے درمیان ایک حجاب ہے، پھر تم عمل کرو، یقیناً ہم بھی عمل کرنے والے ہیں۔''(حم سجدہ:5)

(2) جو لوگ دنیا میں اللہ تعالیٰ کے ذکر سے بہرے ہوتے ہیں، اس کی نشانیاں دیکھنے سے اندھے ہوتے ہیں نہ وہ ہدایت حاصل کر سکتے ہیں نہ حق کی پیروی کر سکتے ہیں۔

(3) رب العزت نے فرمایا:﴿وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ﴾ اور جو شخص رحمان کے ذکر سے اندھا بن جاتا ہے ہم اُس کے لیے ایک شیطان مقرر کر دیتے ہیں۔ چنانچہ وہی اُس کا ساتھی بن جاتا ہے۔(الزخرف:36)

(4) ان کی آنکھوں پر پردے پڑے ہوئے ہیں۔جیسا کہ فرمایا:﴿خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ ۭ وَعَلٰٓى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ ۡ وَّلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ﴾ ''اللہ تعالیٰ نے اُن کے دلوں اور ان کے کانوں پر مہر لگادی ہے اور اُن کی آنکھوں پر پردہ ہے اور اُن کے لیے بہت بڑا عذاب ہے۔(البقرہ:7)

(5) جو لوگ دُنیا میں رہتے ہوئے ان آنکھوں سے اصلی حقیقت کو نہیں دیکھ پاتے وہ اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل ہو جاتے ہیں۔

(6)﴿وَكَانُوْا لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَمْعًا﴾ ''اور وہ سننے کی استطاعت نہیں رکھتے تھے'' یعنی وہ اللہ تعالیٰ کی آیات کو جو ایمان تک پہنچاتی ہیں، قرآن اور رسول کے ساتھ بغض رکھنے کی وجہ سے سن نہیں سکتے کیونکہ بغض رکھنے والا شخص جس کے خلاف بغض رکھتا ہے اس کی بات کو غور سے سن نہیں سکتا ہے۔ جب وہ علم اور بھلائی کے راستوں سے محجوب ہو جاتا ہے تب ان کے پاس سننے کے لئے کان ہوتے ہیں نہ دیکھنے کے لئے آنکھیں اور نہ سمجھنے کے لئے عقل نافع۔ پس انہوں نے اللہ تعالیٰ سے کفر کیا، اس کی آیات کا انکار کیا اور اس کے رسولوں کو جھٹلایا۔ اس لئے وہ جہنم کے مستحق ٹھہرے جو بہت برا ٹھکانہ ہے۔(تفسیر سعدی:1555/2)

رکوع نمبر 3

﴿اَفَحَسِبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنْ يَّتَّخِذُوْا عِبَادِيْ مِنْ دُوْنِيْٓ اَوْلِيَآءَ ۭ
اِنَّآ اَعْتَدْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِيْنَ نُزُلًا﴾

''تو کیا جن لوگوں نے کفر کیا انہوں نے یہ گمان کیا کہ وہ میرے سوا میرے بندوں کو کارساز بنالیں گے۔

یقیناً ہم نے کافروں کے لیے جہنم کو بطور میزبانی تیار کر رکھا ہے''(102)

سوال1: ﴿اَفَحَسِبَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡۤا اَنۡ یَّتَّخِذُوۡا عِبَادِیۡ مِنۡ دُوۡنِیۡۤ اَوۡلِیَآءَ﴾ ''تو کیا جن لوگوں نے کفر کیا انہوں نے یہ گمان کیا کہ وہ میرے سوا میرے بندوں کو کارساز بنالیں گے'' آیت کے اس حصے کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿اَفَحَسِبَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡۤا اَنۡ یَّتَّخِذُوۡا عِبَادِیۡ مِنۡ دُوۡنِیۡۤ اَوۡلِیَآءَ﴾ ''کیا جن لوگوں نے کفر کیا انہوں نے یہ گمان کیا کہ وہ میرے سوا میرے بندوں کو کارساز بنالیں گے'' ﴿عِبَادِیۡ﴾ سے مراد ہیں: (i) فرشتے۔(ii)۔ مسیح علیہ السلام، عزیر علیہ السلام۔(iii) نیک بندے جن کو مشکل کشا اور حاجت روا سمجھا جاتا ہے۔

(2) یہ مشرکین اور کافروں کے دعوے کے بطلان کی دلیل ہے جنہوں نے بعض انبیائے کرام اور اولیاء اللہ کو اللہ تعالیٰ کا شریک بنادیا، وہ ان کی عبادت کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ یہ اولیائے کرام ان کے مددگار رہوں گے جو ان کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نجات دلائیں گے اور ثواب عطا کریں گے، حالانکہ انہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں سے کفر کیا ہے۔ ﴿وَیَوۡمَ یَحۡشُرُہُمۡ جَمِیۡعًا ثُمَّ یَقُوۡلُ لِلۡمَلٰٓئِکَۃِ اَہٰۤؤُلَآءِ اِیَّاکُمۡ کَانُوۡا یَعۡبُدُوۡنَ ﴿۴۰﴾ قَالُوۡا سُبۡحٰنَکَ اَنۡتَ وَلِیُّنَا مِنۡ دُوۡنِہِمۡ ۚ بَلۡ کَانُوۡا یَعۡبُدُوۡنَ الۡجِنَّ ۚ اَکۡثَرُہُمۡ بِہِمۡ مُّؤۡمِنُوۡنَ ﴿۴۱﴾﴾ ''اور جس دن وہ تمام انسانوں کو جمع کرے گا پھر وہ فرشتوں سے کہے گا: ''کیا یہ لوگ تمہاری ہی عبادت کرتے تھے؟'' وہ کہیں گے: ''پاک ہے تیری ذات، اُن کی بجائے آپ ہی ہمارے دوست ہیں بلکہ وہ تو جنوں کی عبادت کرتے تھے، ان کے اکثر اُن ہی پر ایمان لانے والے تھے۔'' (سبا:40,41) ﴿قُلِ ادۡعُوا الَّذِیۡنَ زَعَمۡتُمۡ مِّنۡ دُوۡنِہٖ فَلَا یَمۡلِکُوۡنَ کَشۡفَ الضُّرِّ عَنۡکُمۡ وَلَا تَحۡوِیۡلًا﴾ ''آپ کہہ دیں جنہیں تم اللہ تعالیٰ کے سوا کچھ سمجھتے ہو اُنہیں پکار دیکھو چنانچہ نہ وہ تم سے تکلیف دور کرنے کا اختیار رکھتے ہیں اور نہ ہی بدلنے کا۔'' (بنی اسرائیل:56) ﴿وَلَا یَمۡلِکُ الَّذِیۡنَ یَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِہِ الشَّفَاعَۃَ اِلَّا مَنۡ شَہِدَ بِالۡحَقِّ وَہُمۡ یَعۡلَمُوۡنَ﴾ ''اور اُس کے سوا جن کو یہ لوگ پکارتے ہیں وہ کسی سفارش کا اختیار نہیں رکھتے مگر جو حق کے ساتھ گواہی دیں اور وہ علم بھی رکھتے ہوں۔'' (الزخرف:86) اور اس قسم کی دیگر آیات جن میں اللہ تعالیٰ ذکر فرماتا ہے کہ جو کوئی اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر کسی کو ولی و مددگار بناتا ہے تاکہ وہ اس کی مدد کرے اور اس سے موالات رکھے وہ گمراہ ہے، وہ خائب و خاسر ہے اس کی امید پوری نہیں ہوگی اور نہ اپنے مقصد کو پاسکے گا۔ (تفسیر سعدی:2/1555,1556)

سوال2: اللہ تعالیٰ نے یہاں کس مقصد کے لیے سوال کیا ہے؟

جواب: (1) اللہ تعالیٰ نے یہ سوال زجر و توبیخ کے لیے کیا ہے۔

(2) اللہ تعالیٰ نے اس سوال کے توسط سے یہ سمجھایا ہے کہ مجھے چھوڑ کر میرے بندوں کی عبادت کرکے اُن کی حمایت سے تم میرے عذاب

سے نہیں بچ سکتے۔(3) اللہ تعالیٰ نے یہ سمجھایا ہے کہ غیر اللہ پر اعتماد جھوٹا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے سوا دُنیا میں کسی کا کوئی اختیار نہیں۔

(4) اللہ تعالیٰ نے یہ سمجھایا ہے کہ بچانے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے جس کی حمایت کو انہوں نے گم کر دیا ہے۔

سوال3:﴿اِنَّاۤ اَعۡتَدۡنَا جَهَنَّمَ لِلۡكٰفِرِيۡنَ نُزُلًا﴾ ''یقیناً ہم نے کافروں کے لیے جہنم کو بطور میز بانی تیار کر رکھا ہے'' آیت کے اس حصے کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)''یقیناً ہم نے کافروں کے لیے جہنم کو بطور میز بانی تیار کر رکھا ہے'' یعنی ہم نے کفار کی ضیافت اور مہمانی کے لئے جہنم تیار کر رکھی ہے۔پس کیا بدترین قیام گاہ ان کا مسکن ہے اور کیا بدترین جہنم ان کی مہمانی ہے!(تفسیر سعدی:1555,1556/2)

(2)﴿وَاتَّخَذُوۡا مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لِّيَكُوۡنُوۡا لَهُمۡ عِزًّا ۝٨١ كَلَّا ؕ سَيَكۡفُرُوۡنَ بِعِبَادَتِهِمۡ وَيَكُوۡنُوۡنَ عَلَيۡهِمۡ ضِدًّا ۝٨٢﴾ اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کے سوا معبود بنائے ہیں تاکہ وہ اُن کے لیے باعث عزت ہوں۔ ہرگز نہیں! جلد ہی وہ ان کی عبادت کا انکار کر دیں گے اور اِن کے خلاف مدمقابل ہو جائیں گے۔(مریم:81,82)

(3) سیدہ ام سلمہ اور سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے ایک گرجے کا ذکر کیا، جسے انھوں نے حبشہ میں دیکھا تھا، اس میں تصویریں تھیں، جن کا ذکر انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے بھی کیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ان لوگوں میں جب کوئی نیک آدمی فوت ہو جاتا تھا تو وہ اس کی قبر پر مسجد (عبادت گاہ) تعمیر کرتے تھے اور اس میں یہ تصویریں بناتے تھے، قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے ہاں یہ لوگ مخلوقات میں سے بدترین ہوں گے۔(بخاری:427)

﴿قُلۡ هَلۡ نُنَبِّئُكُمۡ بِالۡاَخۡسَرِيۡنَ اَعۡمَالًا﴾

''آپ کہہ دیں کیا ہم تمہیں بتائیں جو لوگ اپنے اعمال میں سب سے زیادہ خسارے والے ہیں''(103)

سوال1:﴿قُلۡ هَلۡ نُنَبِّئُكُمۡ بِالۡاَخۡسَرِيۡنَ اَعۡمَالًا﴾ ''آپ کہہ دیں کیا ہم تمہیں بتائیں جو لوگ اپنے اعمال میں سب سے زیادہ خسارے والے ہیں'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)''آپ کہہ دیں کیا ہم تمہیں بتائیں جو لوگ اپنے اعمال میں سب سے زیادہ خسارے والے ہیں'' اللہ رب العزت نے اپنے نبی ﷺ سے کہا کہ لوگوں سے سوال کر کے ان کو تنبیہ کر دو ''کیا میں تمہیں بتاؤں، کون لوگ اپنے اعمال میں سب سے زیادہ خسارے والے ہیں۔

(2) مصعب بن سعد بن ابی وقاص نے بیان کیا کہ میں نے اپنے والد (سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ) سے آیت ﴿قُلۡ هَلۡ نُنَبِّئُكُمۡ بِالۡاَخۡسَرِيۡنَ اَعۡمَالًا﴾ کے متعلق سوال کیا کہ ان سے کون لوگ مراد ہیں۔ کیا ان سے خوارج مراد ہیں؟ انہوں نے کہا کہ نہیں اس سے

مراد یہود ونصاریٰ ہیں۔یہود نے تو محمد ﷺ کی تکذیب کی اور نصاریٰ نے جنت کا انکار کیا اور کہا کہ اس میں کھانے پینے کی کوئی چیز نہیں ملے گی اور خوارج وہ ہیں جنہوں نے اللہ کے عہد و میثاق کو توڑا۔سیدنا سعد رضی اللہ عنہ انہیں فاسق کہا کرتے تھے۔(صحیح بخاری:4728)

﴿اَلَّذِیْنَ ضَلَّ سَعْیُهُمْ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَهُمْ یَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ یُحْسِنُوْنَ صُنْعًا﴾

''وہ لوگ جن کی محنت دنیا کی زندگی میں ہی کھوگئی اور وہ سمجھتے رہے کہ یقیناً وہ ایک اچھا کام کررہے ہیں''(104)

سوال1:﴿اَلَّذِیْنَ ضَلَّ سَعْیُهُمْ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَهُمْ یَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ یُحْسِنُوْنَ صُنْعًا﴾''وہ لوگ جن کی محنت دنیا کی زندگی میں ہی کھوگئی اور وہ سمجھتے رہے کہ یقیناً وہ ایک اچھا کام کررہے ہیں''اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿اَلَّذِیْنَ ضَلَّ سَعْیُهُمْ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا﴾''وہ لوگ جن کی محنت دنیا کی زندگی میں ہی کھوگئی''یعنی انہوں نے جو بھی عمل کیا سب باطل ہوکر رائیگاں گیا اور وہ سمجھتے ہیں کہ وہ اچھے کام کررہے ہیں۔تب ان اعمال کا کیا حال ہوگا جن کے بارے میں وہ خود بھی جانتے ہیں کہ یہ باطل ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے ساتھ عداوت ہے؟پس یہ کون لوگ ہیں جن کے اعمال رائیگاں گئے،جو قیامت کے روز خود ان کے اہل وعیال سب خائب وخاسر ہوئے۔آگاہ رہو،یہ تو کھلا خسارہ ہے۔(تفسیر سعدی:2/1556)

(2)اس سے مراد ہے کہ انسان کی ساری ہمت،قوت اور طاقت ان ہی کاموں میں صرف ہوجاتی ہے۔انسان کے پاس کچھ اور کرنے کے لیے کوشش باقی ہی نہیں رہتی۔(3)انسان کا وقت اُن ہی کاموں میں گم ہوجاتا ہے۔

(4)انسان کا مال جن کاموں میں کوشش کرنے کے لیے لگتا ہے وہیں اس کی کوشش گم ہوجاتی ہے۔

(5)ایسے لوگوں کے اعمال کے بارے میں رب العزت نے فرمایا:﴿وَقَدِمْنَآ اِلٰی مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا﴾''اور ہم اُن کے ہر عمل کی طرف آئیں گے جو انہوں نے کوئی بھی عمل کیا تھا تو ہم اُسے اُڑتی ہوئی خاک بنادیں گے۔''(الفرقان:23)

(6)﴿وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْٓا اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍۭ بِقِیْعَةٍ یَّحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ مَآءً ؕ حَتّٰۤی اِذَا جَآءَهٗ لَمْ یَجِدْهُ شَیْـًٔا وَّوَجَدَ اللّٰهَ عِنْدَهٗ فَوَفّٰىهُ حِسَابَهٗ ؕ وَاللّٰهُ سَرِیْعُ الْحِسَابِ﴾''اور جن لوگوں نے کفر کیا ہے اُن کے اعمال صحرا میں سراب جیسے ہیں۔جس کو پیاسا پانی خیال کرتا ہے حتیٰ کہ جب وہاں آیا تو اس نے اس کو کچھ بھی نہ پایا اور اپنے پاس اللہ تعالیٰ کو موجود پایا پھر اللہ تعالیٰ نے اسے اس کا پورا حساب چکا دیا اور اللہ تعالیٰ بہت جلد حساب لینے والا ہے۔''(النور:39)

(7)﴿مَثَلُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ اَعْمَالُهُمْ كَرَمَادِ ِۨاشْتَدَّتْ بِهِ الرِّیْحُ فِیْ یَوْمٍ عَاصِفٍ ؕ لَا یَقْدِرُوْنَ مِمَّا كَسَبُوْا عَلٰی شَیْءٍ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِیْدُ﴾''جن لوگوں نے اپنے رب سے کفر کیا ان کے اعمال کی مثال اُس راکھ کی طرح ہے جس پر ایک آندھی والے دن میں تند ہوا چل پڑے جو بھی انہوں نے کمایا تھا اس میں سے وہ کسی پر قادر نہیں ہوں گے یہی دور کی گمراہی ہے۔''(ابراہیم:18)

سوال 2: انسان کی کوششیں دنیا میں کیسے گم ہو جاتی ہیں؟

جواب: (1) انسان کوشش اُسی چیز کے لیے کرتا ہے جس کا اُسے فائدہ نظر آتا ہے۔

(2) دُنیا کی زندگی میں انسان کو مال کا فائدہ نظر آتا ہے اس لیے ساری کوششیں مال کمانے میں گم ہو جاتی ہے۔

(3) دُنیا میں انسان کو ہر وہ کام بہت بڑا نظر آتا ہے جس کی وجہ سے اُسے عزت مل جائے لہٰذا اُس کی کوشش عزت کے حصول میں گم ہو جاتی ہے۔

(4) انسان دولت اور عزت کے لیے تعلیم حاصل کرنے میں کوششوں کو گم کر دیتا ہے۔

(5) انسان دولت اور عزت کے لیے بزنس کرنے میں، گھر بنانے میں، تعلقات بنانے میں اپنی کوشش گم کر دیتا ہے۔

(6) کوشش کا جب کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوتا تو وہ کوشش گم ہو جاتی ہے۔

(7) کوشش سے انسان جب سیدھے راستے پر نہیں آتا تو کوشش سیدھے راستے پر نہیں ہوتی۔ اس کا مطلب یہی ہے کہ کوشش کہیں اور لگ رہی ہے اور ایسی لگی ہے کہ گم ہی ہو گئی ہے۔ اب نہ وقت ہے سیدھے راستے پر آنے کا، نہ صلاحیت رہ گئی سیدھے راستے پر آنے کی، نہ مال ہے سیدھے راستے پر لگانے کے لیے کیونکہ سب کچھ تو دُنیا کے لیے لگ گیا اور یوں کوشش دُنیا کے لیے گم ہو گئی۔

سوال 3: ﴿وَهُمۡ يَحۡسَبُوۡنَ اَنَّهُمۡ يُحۡسِنُوۡنَ صُنۡعًا﴾ ”اور وہ سمجھتے رہے کہ یقیناً وہ ایک اچھا کام کر رہے ہیں“ اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ”اور وہ سمجھتے رہے کہ یقیناً وہ ایک اچھا کام کر رہے ہیں“ انسان جب غافل ہو جاتا ہے تو اُسے یہ سمجھ نہیں آتی کہ اس کی کوشش ضائع جا رہی ہے۔

(2) انسان جب دیکھتا ہے کہ اس کی کوشش کا نتیجہ دولت اور عزت کی صورت میں سامنے آ رہا ہے تو وہ خود کو کامیاب سمجھنے لگتا ہے۔

(3) انسان جب یہ دیکھتا ہے کہ آخرت کے لیے کوششیں چھوڑ کر دُنیا بنانے سے اُس کا کچھ نہیں بگڑا تو وہ سمجھ لیتا ہے سب اچھا ہے۔

﴿اُولٰٓئِكَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمۡ وَلِقَآئِهٖ فَحَبِطَتۡ اَعۡمَالُهُمۡ فَلَا نُقِيۡمُ لَهُمۡ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ وَزۡنًا﴾

”یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب کی آیات کے ساتھ اور اس کی ملاقات کے ساتھ کفر کیا،
تو اُن کے سارے اعمال ضائع ہو گئے، چنانچہ قیامت کے دن ہم اُن کے لیے کوئی وزن قائم نہیں کریں گے“ (105)

سوال 1: ﴿اُولٰٓئِكَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمۡ وَلِقَآئِهٖ فَحَبِطَتۡ اَعۡمَالُهُمۡ فَلَا نُقِيۡمُ لَهُمۡ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ وَزۡنًا﴾ ”یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب کی آیات کے ساتھ اور اس کی ملاقات کے ساتھ کفر کیا، تو اُن کے سارے اعمال ضائع ہو

گئے، چنانچہ قیامت کے دن ہم اُن کے لیے کوئی وزن قائم نہیں کریں گے'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ وَلِقَآئِهٖ﴾ ''یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے اپنے رب کی آیات کے ساتھ اور اس کی ملاقات کے ساتھ کفر کیا'' یعنی جن لوگوں نے دنیا میں قرآن کی آیات اور اس کی توحید کے دلائل نہ مانے اور آخرت کی تصدیق نہ کی، نہ اس کے فرشتوں کو مانا، نہ کتابوں کو، نہ رسولوں کو تو۔

(2) ﴿فَحَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ﴾ ''تو اُن کے سارے اعمال ضائع ہو گئے'' ان کے انکار کی وجہ سے ان کے سارے اعمال ضائع ہو جائیں گے۔

(3) ﴿فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا﴾ ''چنانچہ قیامت کے دن ہم اُن کے لیے کوئی وزن قائم نہیں کریں گے'' ان کے اعمال کا کوئی وزن نہیں ہوگا کیونکہ وہ خیر خواہی اور بھلائی سے خالی تھے۔

(4) وزن کا فائدہ تو نیکیوں اور برائیوں کے مقابلے کے وقت ہوتا ہے تا کہ راجح اور مرجوح کو دیکھا جا سکے اور ان لوگوں کے پاس تو نیکیاں سرے سے ہیں ہی نہیں کیونکہ ان میں نیکیوں کے معتبر ہونے کی شرط معدوم ہے اور وہ ہے ایمان۔ رب العزت کا فرمان ہے: ﴿وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا يَخٰفُ ظُلْمًا وَّلَا هَضْمًا﴾ ''اور جو نیک عمل کرے گا اور وہ مومن بھی ہو تو نہ وہ کسی ناانصافی سے ڈرے گا اور نہ کسی حق تلفی سے۔'' (طٰہٰ:112) لیکن ان اعمال کو شمار کیا جائے گا اور وہ اپنے اعمال کا اقرار کریں گے اور وہ گواہوں کے سامنے ذلیل و رسوا ہوں گے اور پھر ان اعمال کی پاداش میں انہیں عذاب دیا جائے گا۔ (تفسیر سعدی:2/1557)

(5) ﴿فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ ۙ فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ ۙ وَاَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ ۙ فَاُمُّهٗ هَاوِيَةٌ ۙ وَمَآ اَدْرٰكَ مَاهِيَهْ ۙ نَارٌ حَامِيَةٌ﴾ تو جس شخص کے پلڑے بھاری ہوں گے۔ وہ پسندیدہ زندگی میں ہوگا۔ اور جس شخص کے پلڑے ہلکے ہوں گے۔ تو اُس کا ٹھکانہ گہری کھائی ہوگا۔ اور تم کیا جانو کیا ہے وہ؟ وہ بھڑکتی ہوئی آگ ہے۔ (القارعۃ:6,11)

(6) ﴿فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فِيْ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ ۝ تَلْفَحُ وُجُوْهَهُمُ النَّارُ وَهُمْ فِيْهَا كٰلِحُوْنَ ۝﴾ ''پھر وہ شخص جس کے پلڑے بھاری ہوں گے تو وہی لوگ کامیاب ہیں۔ اور وہ شخص جس کے پلڑے ہلکے ہوں گے تو وہی لوگ ہیں جنہوں نے اپنی جانوں کو خسارے میں ڈالا، وہ جہنم میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔ اُن کے چہروں کو آگ جھلسا دے گی اور اس میں وہ جبڑے نکالنے والے ہوں گے۔ (المومنون:102,104)

(7) سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کسی مومن پر ایک نیکی کے معاملہ میں بھی ظلم نہیں کرے گا، اسے اس کا بدلہ دنیا میں بھی دے گا اور آخرت میں بھی دے گا اور کافر کو اس کی نیکیوں کا بدلہ جو اس نے اللہ کے لیے کی ہوں گی، دنیا ہی میں دے دیا جائے گا، پھر جب وہ آخرت میں پہنچے گا تو اس کے پاس کوئی نیکی نہیں رہے گی کہ جس کا اسے بدلہ دیا جائے۔ (مسلم:2808)

(8) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بلاشبہ قیامت کے دن ایک بہت بھاری بھر کم موٹا تازہ شخص آئے گا

لیکن وہ اللہ کے نزدیک مچھر کے پَر کے برابر بھی کوئی قدر نہیں رکھے گا اور فرمایا کہ پڑھو ﴿فَلَا نُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا﴾
''قیامت کے دن ہم ان کا کوئی وزن نہ کریں گے۔'' (بخاری:4729)

(9) سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کتنے قیام کرنے والے ہیں کہ جنہیں اپنے قیام سے سوائے بیداری کے اور کچھ نہیں ملتا (یعنی اجر وثواب نہیں ملتا) اور کتنے ہی روزہ دار ہیں کہ جنہیں اپنے روزوں سے سوائے بھوک (وپیاس) کے اور کچھ نہیں ملتا۔'' (ابن حبان:3481)

سوال2: اللہ تعالیٰ کی آیات اور ملاقات کا انکار کرنے والوں کے اعمال کیوں ضائع ہو جاتے ہیں؟

جواب: (1) آخرت کو چھوڑ کر صرف دُنیا کی زندگی کے مسائل کو دیکھنا دراصل اللہ تعالیٰ کے نقشے کے خلاف اپنا نقشہ بنانا ہے اور انسان جب اللہ تعالیٰ کے مقابلے پر آجائے تو کامیاب نہیں ہو سکتا۔

(2) اللہ تعالیٰ کے نزدیک کامیابی کا معیار آخرت کی کامیابی ہے ایسی حالت میں دُنیا کے مال اور عزت کو ترقی سمجھنا اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے پروگرام کے مقابلے میں اپنا پروگرام بنانا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں انسانی پروگرام کامیاب نہیں ہو سکتے۔

(3) جب دُنیا کے لیے کوشش کی جاتی ہے تو بظاہر دولت اور عزت کی وجہ سے یوں لگتا ہے سب اچھا ہے لیکن ان سارے اعمال کا قیامت کے دن چونکہ کوئی وزن نکلنے والا نہیں اس وجہ سے یہ اعمال ضائع ہونے والے ہیں۔

سوال3: انسان اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے نقشے کے مقابلے میں اپنی زندگی کا کوئی اور نقشہ کیوں بناتا ہے؟

جواب: (1) جو لوگ اپنا ذہن دُنیا کی طرف لگا لیتے ہیں انہیں آخرت کے لیے دی جانے والی کوئی دلیل اپیل نہیں کرتی۔

(2) جو لوگ عزت اور دولت کو سبھی کچھ سمجھتے ہیں انہیں آخرت کی نشانیاں متاثر نہیں کرتیں لہٰذا وہ جنت کو نہیں دُنیا کی دولت اور عزت کو اپنا معیار بنا لیتے ہیں۔

سوال4: انسان جب زندگی کا اپنا خود ساختہ نقشہ بنا لیتا ہے تو اُس کے اُس عمل کو اللہ تعالیٰ کیا عنوان دیتے ہیں؟

جواب: اللہ تعالیٰ ایسے عمل کو کفر قرار دیتے ہیں۔

﴿ذٰلِكَ جَزَآؤُهُمْ جَهَنَّمُ بِمَا كَفَرُوْا وَاتَّخَذُوْٓا اٰيٰتِيْ وَرُسُلِيْ هُزُوًا﴾

''یہ جہنم ان کا بدلہ ہے کیونکہ انہوں نے کفر کیا اور میری آیتوں اور میرے رسولوں کا مذاق بنایا'' (106)

سوال1: ﴿ذٰلِكَ جَزَآؤُهُمْ جَهَنَّمُ بِمَا كَفَرُوْا وَاتَّخَذُوْٓا اٰيٰتِيْ وَرُسُلِيْ هُزُوًا﴾ ''یہ جہنم ان کا بدلہ ہے کیونکہ انہوں نے کفر کیا اور میری آیتوں اور میرے رسولوں کا مذاق بنایا'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ذٰلِكَ جَزَآؤُهُمْ جَهَنَّمُ بِمَا كَفَرُوْا﴾ ''یہ جہنم ان کا بدلہ ہے کیونکہ انہوں نے کفر کیا'' یعنی ان کے اعمال کا بدلہ ہے کہ

ان کے اعمال ضائع کر دیئے گئے، ان کے اعمال کا کوئی وزن نہیں کیونکہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی آیات کا انکار کیا۔

(2) اور میری آیتوں اور میرے رسولوں کا مذاق بنایا'' یعنی میری طرف سے آنے والی وحی کا، میری آیات کا اور میرے رسولوں کا مذاق اڑایا۔

(3) اللہ تعالیٰ کی آیات کی تعظیم کرنا فرض ہے، اس کے رسولوں پر ایمان لانا اور اللہ کی آیات کو قائم کرنا فرض ہے (انہوں نے یہ فرض پورا نہیں کیا بلکہ اس کا مذاق بنایا۔ اس لیے وہ اوندھے منہ جہنم میں گرائے جائیں گے۔

(4) رب العزت نے فرمایا: ﴿وَاِذَا عَلِمَ مِنْ اٰيٰتِنَا شَيْئًا ۨاتَّخَذَهَا هُزُوًا ۭ اُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ﴾ ''اور جب ہماری آیات میں سے کچھ بھی جان لیتا ہے تو وہ اُس کا مذاق بنا لیتا ہے، یہی لوگ ہیں جن کے لئے توہین آمیز عذاب ہے۔'' (الجاثیہ:9)

(5) ﴿ثُمَّ كَانَ عَاقِبَةَ الَّذِيْنَ اَسَاۗءُوا السُّوْۗآٰى اَنْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَكَانُوْا بِهَا يَسْتَهْزِءُوْنَ﴾ ''پھر جن لوگوں نے بُرے کام کیے تھے، اُن کا انجام بہت ہی بُرا ہوا کیونکہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی آیات کو جھٹلایا تھا اور وہ اُن کا مذاق اُڑاتے تھے۔'' (الروم:10)

(6) ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ ڰ وَّيَتَّخِذَهَا هُزُوًا ۭ اُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ﴾ اور لوگوں میں سے کوئی ہے جو غافل کر دینے والی بات خریدتا ہے تاکہ وہ علم کے بغیر ہی (لوگوں کو) اللہ تعالیٰ کے راستے سے بہکا دے اور اس (اللہ تعالیٰ کی راہ) کا مذاق بنائے، یہی لوگ ہیں جن کے لیے رسوا کن عذاب ہے۔ (لقمان:6)

(7) سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ایک شخص پہلے عیسائی تھا' پھر وہ اسلام میں داخل ہو گیا۔ اس نے سورۃ البقرہ اور سورۃ آل عمران پڑھ لی تھی۔ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا منشی بن گیا لیکن پھر وہ شخص مرتد ہو کر عیسائی ہو گیا اور کہنے لگا محمد کے لیے میں نے جو کچھ لکھ دیا ہے اس کے سوا اس کو کچھ بھی نہیں معلوم۔ پھر اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس کی موت واقع ہو گئی۔ اور اس کے آدمیوں نے اسے دفن کر دیا۔ جب صبح ہوئی تو انہوں نے دیکھا کہ اس کی لاش قبر سے نکل کر زمین کے اوپر پڑی ہے۔ عیسائی لوگوں نے کہا یہ محمد اور اس کے ساتھیوں کا کام ہے اس نے اس کا دین چھوڑ دیا ہے۔ چنانچہ دوسری قبر انہوں نے کھودی جو بہت زیادہ گہری تھی لیکن جب صبح ہوئی تو پھر لاش باہر تھی۔ اس مرتبہ بھی انہوں نے یہی کہا کہ محمد اور اس کے ساتھیوں کا کام ہے چونکہ ان کا دین اس نے چھوڑ دیا تھا اس لیے اس کی قبر کھود کر اس نے اس کی لاش باہر پھینک دی ہے۔ پھر انہوں نے قبر کھودی۔ اور جتنی گہری ان کے بس میں تھی کر کے اسے اس کے اندر ڈال دیا لیکن صبح ہوئی تو پھر لاش باہر تھی۔ اب انہیں یقین آیا کہ یہ کسی انسان کا کام نہیں (بلکہ یہ میت عذاب خداوندی کا شکار ہے) چنانچہ انھوں نے اسے یوں ہی (زمین پر) ڈال دیا۔ (صحیح بخاری:3617)

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنّٰتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا﴾

''یقیناً جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے نیکیاں کیں، اُن کی میزبانی کے لیے فردوس کی جنتیں ہیں'' (107)

سوال 1: ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنّٰتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا﴾ ''یقیناً جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے نیکیاں کیں، اُن کی میزبانی کے لیے فردوس کی جنتیں ہیں'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾''یقیناً جولوگ ایمان لائے''یعنی جولوگ دل سے ایمان لائے۔

(2)﴿وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ﴾''اور جنہوں نے نیکیاں کیں،''اوردل اور زبان سے نیکیاں کرنے میں مصروف رہے۔

(3)(i)ایمان اور عمل صالح کی زندگی اختیار کرنا محض زبانی طور پر ممکن نہیں ہوتا۔(ii)انسان نظر آنے والی جنت (دولت اور عزت) کو چھپی ہوئی جنت کے لیے چھوڑ کر قربانی دیتا ہے۔(iii)جب انسان دلیل سے حق کو پہچانتا ہےاور اپنی زندگی اُس راستے پر ڈال دیتا ہے جب کہ ایسا کرنے کے لیے اُس پر کوئی دباؤ نہیں ہوتا اور دوسری طرف ظاہری نتائج مختلف ہوتے ہیں یعنی جولوگ دُنیا کی خاطر کوشش کرتے ہیں وہ دُنیا میں اُن کے نتائج عملی طور پر دولت اور عزت کی صورت دیکھ رہے ہوتے ہیں اور حق کے راستے پر چلنے والوں پر دباؤ بھی ڈال رہے ہوتے ہیں تو ایسی صورت میں دباؤ کا مقابلہ کرنا ،نظر آنے والی زینت کے مقابلے میں حق کو اختیار کرنا معرفت کا ثبوت ہے۔اس کا انعام یہی کہ ہمیشہ کے باغوں میں ایسے لوگوں کو داخل کردیا جائے۔

(4)رب العزت نے ان لوگوں کو بشارت دی ہے:﴿كَانَتْ لَهُمْ جَنّٰتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا﴾''اُن کی میزبانی کے لیے فردوس کی جنتیں ہیں''انہیں ان کے ایمان اور نیک اعمال کے مطابق جنت الفردوس یعنی جنت کا بلند ترین ،افضل اور بہترین درجہ دیا جائے گا۔اور یہ ثواب ان لوگوں کے لیے ہے جنہوں نے اپنے ایمان کی تکمیل کی اور وہ انبیاء اور مقربین ہیں۔

(5)جنت الفردوس ان لوگوں کے لیے مہمانی اور ضیافت کی جگہ ہے جنہوں نے ایمان لانے کے بعد نیک عمل کیے اس ضیافت سے بڑی، زیادہ عظیم اور زیادہ جلیل القدر کون سی ضیافت ہوسکتی ہے جو قلب وروح اور بدن کے لئے ہر نعمت پر مشتمل ہے۔اس میں ہر وہ نعمت موجود ہے جس کی نفس خواہش کریں گے اور آنکھیں لذت حاصل کریں گی،مثلاً خوبصورت گھر،سرسبز باغات،پھل دار درخت،سحر انگیز گیت،گاتے ہوئے پرندے،لذیذ ماکولات ومشروبات،خوبصورت بیویاں،خدمت گزار لڑکے،بہتی ہوئی نہریں،دلکش مناظر،حسی اور معنوی حسن وجمال اور ہمیشہ رہنے والی نعمتیں۔اس سے بھی افضل اور جلیل القدر نعمت،رحمن کا تقرب،اس کی رضا کا حصول جو کہ جنت کی سب سے بڑی نعمت ہے۔اللہ تعالیٰ کے دیدار اور رؤف ورحیم کے کلام سے لطف اندوز ہونا۔اللہ کی قسم!یہ ضیافت کتنی جلیل القدر کتنی خوبصورت،ہمیشہ رہنے والی اور کتنی کامل ہوگی۔یہ ضیافت اس سے بہت بڑی ہے کہ مخلوق میں سے کوئی اس کا وصف بیان کرسکے، یا دلوں میں اس کے تصور کا گزر ہوسکے۔اگر بندوں کو ان میں سے جو کچھ نعمتوں کا حقیقی علم حاصل ہو کر ان کے دلوں میں جاگزیں ہوجائے تو دل شوق سے اڑنے لگیں گے،جدائی کے درد سے روح لخت لخت ہوجائے گی اور بندے اکیلے اکیلے اور گروہ در گروہ اس کی طرف کھنچے چلے آئیں گے۔وہ اس کے مقابلے میں دنیائے فانی اور اس کی ختم ہوجانے والی لذات کو کبھی بھی ترجیح نہیں دیں گے۔وہ اپنے اوقات کو ضائع نہیں کریں گے کہ یہ اوقات خسارے اور ناکامی کا باعث بنیں کیونکہ اس جنت کا ایک لمحہ دنیا کی ہزاروں سال کی نعمتوں کے برابر ہے۔مگر حقیقت حال یہ ہے کہ غفلت نے گھیر رکھا ہے،ایمان کمزور پڑ گیا اور ارادہ اضمحلال کا شکار ہوگیا ہے،پس اس کا نتیجہ وہی نکلا جو نکلنا چاہیے تھا۔فلا حول ولا قوة

الا باللہ العلی العظیم (تفسیر سعدی:1558/2)

(6) جنت کے سب سے اعلیٰ اور بلند درجے کا نام جنت الفردوس ہے جس کے باغات کے درخت گھنے، پر بہار اور خوش منظر ہیں۔ آپ ﷺ نے مسلمانوں سے فرمایا کہ جب بھی اللہ تعالیٰ سے سوال کرو تو جنت الفردوس کا سوال کیا کرو۔ (بخاری، کتاب الجہاد)

(7) ﴿قَدۡ اَفۡلَحَ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۱﴾ الَّذِيۡنَ هُمۡ فِىۡ صَلَاتِهِمۡ خَاشِعُوۡنَ ﴿۲﴾ وَالَّذِيۡنَ هُمۡ عَنِ اللَّغۡوِ مُعۡرِضُوۡنَ ﴿۳﴾ وَالَّذِيۡنَ هُمۡ لِلزَّكٰوةِ فَاعِلُوۡنَ ﴿۴﴾ وَالَّذِيۡنَ هُمۡ لِفُرُوۡجِهِمۡ حٰفِظُوۡنَ ﴿۵﴾ اِلَّا عَلٰٓى اَزۡوَاجِهِمۡ اَوۡ مَا مَلَكَتۡ اَيۡمَانُهُمۡ فَاِنَّهُمۡ غَيۡرُ مَلُوۡمِيۡنَ ﴿۶﴾ فَمَنِ ابۡتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الۡعٰدُوۡنَ ﴿۷﴾ وَالَّذِيۡنَ هُمۡ لِاَمٰنٰتِهِمۡ وَعَهۡدِهِمۡ رَاعُوۡنَ ﴿۸﴾ وَالَّذِيۡنَ هُمۡ عَلٰى صَلَوٰتِهِمۡ يُحَافِظُوۡنَ ﴿۹﴾ اُولٰٓئِكَ هُمُ الۡوٰرِثُوۡنَ ﴿۱۰﴾ الَّذِيۡنَ يَرِثُوۡنَ الۡفِرۡدَوۡسَ ؕ هُمۡ فِيۡهَا خٰلِدُوۡنَ ﴿۱۱﴾﴾ ''یقیناً مومن کامیاب ہو گئے۔ وہی جو اپنی نماز میں عاجزی کرنے والے ہیں۔ اور وہی جو لغویات سے منہ موڑنے والے ہیں۔ اور وہی جو زکوٰۃ کو ادا کرنے والے ہیں۔ اور وہی جو اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں۔ سوائے اپنی بیویوں کے یا جن کے مالک ان کے دائیں ہاتھ بنے تو یقیناً وہ ملامت کیے ہوئے نہیں ہیں۔ پھر جو اس کے علاوہ کچھ اور ڈھونڈیں تو وہی حد سے بڑھنے والے ہیں۔ اور وہی جو اپنی امانتوں اور اپنے عہد کی رعایت کرنے والے ہیں۔ اور وہی جو اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ یہی لوگ وارث ہیں۔ جو فردوس کے وارث ہوں گے، وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔'' (المومنون:1،11)

(8) سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسول پر ایمان لائے اور نماز پڑھے اور رمضان کے روزے رکھے، اللہ تعالیٰ کے ذمہ یہ وعدہ ہے کہ وہ اس کو جنت میں داخل کر دے گا، خواہ وہ جہاد فی سبیل اللہ کرے (یا نہ کرے) بلکہ جس سرزمین میں پیدا ہوا ہو وہیں بیٹھا رہے۔'' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی کہ یا رسول اللہ! کیا ہم لوگوں میں اس بات کو مشہور نہ کر دیں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''جنت میں سو درجے ہیں وہ اللہ تعالیٰ نے جہاد فی سبیل اللہ کرنے والوں کے لیے تیار کیے ہیں، ہر دو درجوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہے جتنا آسمان و زمین کے درمیان ہے۔ پس جب تم اللہ تعالیٰ سے دعا مانگو تو اس سے فردوس طلب کرو کیونکہ وہ جنت کا افضل اور اعلیٰ حصہ ہے۔'' مجھے خیال ہے کہ نبی ﷺ نے (یہ بھی اس کے بعد) فرمایا: ''اس کے (یعنی جنت الفردوس کے) اوپر رحمٰن کا عرش ہے اور وہیں سے (یعنی جنت الفردوس سے) جنت کی نہریں جاری ہوئی ہیں۔ (بخاری:7423)

(9) سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حارثہ رضی اللہ عنہ بدر کے دن شہید ہو گئے، وہ ابھی نوعمر تھے، ان کی والدہ محترمہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئیں، کہنے لگیں، اے اللہ کے رسول! آپ جانتے ہیں کہ حارثہ سے مجھ کو کتنی محبت تھی، اب اگر وہ جنت میں ہے تو میں صبر کروں گی اور ثواب کی امید رکھوں گی، لیکن اگر وہ کسی اور حال میں ہے تو پھر آپ دیکھیں گے کہ میں کیا کرتی ہوں (یعنی اس کے لیے کتنا روتی ہوں)؟ آپ نے فرمایا: ''تم پر افسوس! کیا وہاں کوئی ایک جنت ہے؟ وہاں تو بہت سی جنتیں ہیں اور تمھارا بیٹا تو فردوس میں ہے۔''

(بخاری:3982)

(10)﴿اِنَّ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اِنَّا لَا نُضِيۡعُ اَجۡرَ مَنۡ اَحۡسَنَ عَمَلًا ۚ﴿۳۰﴾ اُولٰٓـئِكَ لَهُمۡ جَنّٰتُ عَدۡنٍ تَجۡرِىۡ مِنۡ تَحۡتِهِمُ الۡاَنۡهٰرُ يُحَلَّوۡنَ فِيۡهَا مِنۡ اَسَاوِرَ مِنۡ ذَهَبٍ وَّيَلۡبَسُوۡنَ ثِيَابًا خُضۡرًا مِّنۡ سُنۡدُسٍ وَّاِسۡتَبۡرَقٍ مُّتَّكِـئِيۡنَ فِيۡهَا عَلَى الۡاَرَآئِكِ‌ ؕ نِعۡمَ الثَّوَابُ‌ ؕ وَحَسُنَتۡ مُرۡتَفَقًا ﴿۳۱﴾﴾ بے شک جولوگ ایمان لائے اور جنہوں نے نیکیاں کی ہیں، یقیناً ہم ایسے لوگوں کا اجر ضائع نہیں کرتے جو اچھے کام کریں۔ یہی لوگ ہیں جن کے لیے اَبدی جنتیں ہیں جن کے نیچے سے نہریں بہتی ہیں، وہاں انہیں سونے کے کنگن پہنائے جائیں گے اور وہ باریک اور دبیز ریشم کے سبز کپڑے پہنیں گے، اس میں تختوں پر ٹیک لگائے بیٹھے ہوں گے اچھا بدلہ ہے اور اچھی آرام گاہ ہے! (الکھف:30,31)

﴿خٰلِدِيۡنَ فِيۡهَا لَا يَبۡغُوۡنَ عَنۡهَا حِوَلًا﴾

''وہ اُن میں ہمیشہ رہیں گے، ان سے جگہ بدلنا نہ چاہیں گے'' (108)

سوال1:﴿خٰلِدِيۡنَ فِيۡهَا لَا يَبۡغُوۡنَ عَنۡهَا حِوَلًا﴾ ''وہ اُن میں ہمیشہ رہیں گے، ان سے جگہ بدلنا نہ چاہیں گے'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1)﴿خٰلِدِيۡنَ فِيۡهَا﴾ ''وہ اُن میں ہمیشہ رہیں گے'' جنتی جنت میں ہمیشہ رہیں گے اور وہاں سے منتقل نہ ہونا چاہیں گے۔ جنت کو چھوڑ کر وہ کوئی اور جگہ پسند نہ کریں گے۔ انہیں جنت ہی سے پیار ہوگا وہ ان کا مرغوب اور من بھاتا گھر ہوگا۔

(2)﴿لَا يَبۡغُوۡنَ عَنۡهَا حِوَلًا﴾ ''ان سے جگہ بدلنا نہ چاہیں گے'' انسان ایک جگہ رہتے رہتے اکتا جاتا ہے لیکن جنت ہی ایسا راحت کدہ ہوگا کہ دائمی رہنے کے باوجود بھی دل اس سے نہ کبھی اکتائے گا اور نہ کوئی جنتی جنت سے منتقل ہونا چاہے گا۔ (اللّٰھم ارزقنا الفردوس) آمین۔ (مختصر ابن کثیر:1120/2)

سوال2: انسان تبدیلی کو پسند کرتا ہے پھر جنت سے جگہ تبدیل کرنا کیوں نہ چاہے گا؟

جواب: انسان تبدیلی کو پسند کرتا ہے اور ایک جگہ مسلسل رہنا اُسے غمگین کر دیتا ہے ایسے میں ہمیشہ رہنے والی جنت کا تصور انسان کو کیسے تسکین دے سکتا ہے؟ (1) جنت کی خاص بات یہ ہے کہ جنت میں تبدیلی کی ضرورت نہیں ہوگی۔

(2) تبدیلی کی ضرورت وہاں ہوتی ہے جہاں کسی چیز میں کوئی نقص ہو۔

(3) جنت سے اُونچا کوئی معیار نہیں جہاں تک انسان نے پہنچنا ہو اور اس معیار کے لیے تبدیلی کی ضرورت ہو۔

(4) جنت سے آگے کوئی منزل نہیں ہے۔ جنت کامل ہے اور انسان کاملیت تک پہنچنا چاہتا ہے انسان کے ذوق کی تسکین جنت کے سوا کسی اور مقام پر نہیں ہوسکتی۔

(5) جنت جا کر انسان تغیر اور تبدیلی کی خواہش نہ رکھے گا۔ اس لیے جنت سے زیادہ تسکین دینے والی کوئی چیز نہیں ہوسکتی۔

(6) جنت میں کامل حسن ہوگا جس کی وجہ سے اُکتاہٹ نہیں ہوگی۔

(7) جنت سے زیادہ کوئی جگہ بہتر نہیں ہوگی اس لیے کہیں منتقل ہونے کی خواہش نہیں ہوگی۔

﴿قُلۡ لَّوۡ کَانَ الۡبَحۡرُ مِدَادًا لِّکَلِمٰتِ رَبِّیۡ لَنَفِدَ الۡبَحۡرُ قَبۡلَ اَنۡ تَنۡفَدَ کَلِمٰتُ رَبِّیۡ وَلَوۡ جِئۡنَا بِمِثۡلِہٖ مَدَدًا﴾

"آپ کہہ دیں کہ اگر میرے رب کے کلمات کے لئے سمندر سیاہی ہوجائیں، وہ بھی میرے رب کے کلمات ختم ہونے سے پہلے یقیناً ختم ہوجائیں گے چاہے ہم اسی کے برابر اور سیاہی لے آئیں" (109)

سوال 1: ﴿قُلۡ لَّوۡ کَانَ الۡبَحۡرُ مِدَادًا لِّکَلِمٰتِ رَبِّیۡ لَنَفِدَ الۡبَحۡرُ قَبۡلَ اَنۡ تَنۡفَدَ کَلِمٰتُ رَبِّیۡ وَلَوۡ جِئۡنَا بِمِثۡلِہٖ مَدَدًا﴾ "آپ کہہ دیں کہ اگر میرے رب کے کلمات کے لئے سمندر سیاہی ہوجائیں، وہ بھی میرے رب کے کلمات ختم ہونے سے پہلے یقیناً ختم ہوجائیں گے چاہے ہم اسی کے برابر اور سیاہی لے آئیں" اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿قُلۡ﴾ "آپ کہہ دیں" رب العزت نے محمد رسول اللہ ﷺ کو حکم دیا ہے کہ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کی عظمت اور اس کی لامحدود صفات کے بارے میں بندوں کو بتادیجیے۔

(2) ﴿لَّوۡ کَانَ الۡبَحۡرُ﴾ "اگر سمندر ہوجائیں" یعنی دنیا میں موجود سارے سمندر۔

(3) ﴿مِدَادًا لِّکَلِمٰتِ رَبِّیۡ﴾ "سیاہی میرے رب کے کلمات کے لئے" یعنی سارے سمندر روشنائی بن جائیں جن سے رب کے کلمات اور اس کی حکمتیں اور دلائل لکھے جائیں۔

(4) ﴿لَنَفِدَ الۡبَحۡرُ﴾ یقیناً ختم ہوجائیں گے سمندر" تو سمندروں کی سیاہی ختم ہوجائے گی۔

(5) ﴿قَبۡلَ اَنۡ تَنۡفَدَ کَلِمٰتُ رَبِّیۡ﴾ "میرے رب کے کلمات ختم ہونے سے پہلے" یعنی رب کے کلمے باقی رہ جائیں گے۔

(6) ﴿وَلَوۡ جِئۡنَا بِمِثۡلِہٖ مَدَدًا﴾ "چاہے ہم اسی کے برابر اور سیاہی لے آئیں" اگرچہ اس میں کئی اور سمندر شامل کردیئے جائیں۔

(7) رب العزت نے فرمایا: ﴿وَلَوۡ اَنَّ مَا فِی الۡاَرۡضِ مِنۡ شَجَرَۃٍ اَقۡلَامٌ وَّالۡبَحۡرُ یَمُدُّہٗ مِنۡۢ بَعۡدِہٖ سَبۡعَۃُ اَبۡحُرٍ مَّا نَفِدَتۡ کَلِمٰتُ اللّٰہِ ؕ اِنَّ اللّٰہَ عَزِیۡزٌ حَکِیۡمٌ﴾ "اور اگر واقعتاً روئے زمین کے تمام درختوں کی قلمیں ہوں اور تمام سمندر اس کی سیاہی ہوں، اس کے بعد سات سمندر اور ہوں تب بھی اللہ تعالیٰ کی باتیں ختم نہ ہوں گی، یقیناً اللہ تعالیٰ سب پر غالب، بڑی حکمت والا ہے۔" (لقمان:27)

(8) یہ معانی کو ذہن کے قریب تر کرنے کا ایک اسلوب ہے کیونکہ یہ تمام اشیاء مخلوق ہیں اور تمام مخلوقات ختم ہونے والی ہیں اور اللہ تعالیٰ

کا کلام اس کی جملہ صفات میں شمار ہوتا ہے اور اس کی صفات غیر مخلوق ہیں جن کی کوئی حد و انتہا نہیں۔ پس جتنی بھی عظمتیں اور وسعتیں ہیں، جن کا تصور دلوں میں آ سکتا ہے، اللہ تعالیٰ ان سب سے بڑھ کر ہے۔ اسی طرح اللہ تبارک وتعالیٰ کی باقی صفات کا معاملہ ہے، مثلاً: اللہ تعالیٰ کا علم، اس کی حکمت، اس کی قدرت اور اس کی رحمت اگر زمین اور آسمان کی مخلوق میں سے تمام اولین و آخرین کے علم کو اکٹھا کر لیا جائے تو وہ اللہ تعالیٰ کے لامحدود علم کے مقابلے میں اتنا ہی قلیل ہے جتنا ایک چڑیا کی چونچ میں وہ پانی جو وہ ایک سمندر سے لیتی ہے۔ اس قطرہ آب کو جو نسبت عظیم سمندر سے ہے، وہی نسبت عام انسانوں کی صفت کو اللہ کی عظیم صفات سے ہے۔ یہ اس لیے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ عظیم لامحدود اور کامل صفات کا مالک ہے اور وہ ہر چیز کی انتہا اللہ ہی کے پاس ہے۔ (تفسیر سعدی:1559/2)

سوال 2: کلمات سے کیا مراد ہے؟

جواب: (1) کلمات سے مراد اللہ تعالیٰ کا علم کلی ہے۔

(2) اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کے دلائل ہیں جس کا عقلیں احاطہ نہیں کر سکتیں۔ رب کی ذات کے دلائل ختم نہیں ہو سکتے چاہے سارے سمندر ختم ہو جائیں چاہے سارے درخت ختم ہو جائیں جن کی قلمیں بنائی جائیں اور قلمیں گھس جائیں۔

(3) جب ہر چیز ختم ہو جائے تو اللہ تعالیٰ کی ذات کی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے کلمات کو بھی باقی دکھایا ہے۔

(4) کلمات سے مراد اللہ تعالیٰ کے کارنامے، کمالات اور عجائبات قدرت ہیں اور یہ لامتناہی اور بے حد حساب ہیں جن میں ہر آن مزید وسعت بھی ہوتی رہتی ہے اور سمندر یا سمندروں کا پانی خواہ کتنا ہی کثیر مقدار میں ہو بہرحال اس کی ایک حد ہے اور ایک محدود چیز سے کیا مقابلہ ہو سکتا ہے لہٰذا سمندروں کی سیاہی تو ختم ہو سکتی ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے کلمات ختم نہیں ہو سکتے۔ (تیسیر القرآن)

﴿قُلۡ اِنَّمَاۤ اَنَا بَشَرٌ مِّثۡلُكُمۡ يُوۡحٰۤى اِلَىَّ اَنَّمَاۤ اِلٰهُكُمۡ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَمَنۡ كَانَ يَرۡجُوۡا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلۡيَعۡمَلۡ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشۡرِكۡ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖۤ اَحَدًا﴾

”آپ فرما دیں کہ میں تمہارے جیسا ہی ایک انسان ہوں، میری طرف وحی کی جاتی ہے کہ یقیناً تمہارا معبود صرف ایک ہی معبود ہے، چنانچہ جو کوئی اپنے رب کی ملاقات کی اُمید رکھتا ہے تو لازم ہے کہ وہ نیک عمل کرے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی ایک کو شریک نہ کرے۔“ (110)

سوال 1: ﴿قُلۡ اِنَّمَاۤ اَنَا بَشَرٌ مِّثۡلُكُمۡ يُوۡحٰۤى اِلَىَّ اَنَّمَاۤ اِلٰهُكُمۡ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَمَنۡ كَانَ يَرۡجُوۡا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلۡيَعۡمَلۡ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشۡرِكۡ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖۤ اَحَدًا﴾ ”آپ فرما دیں کہ میں تمہارے جیسا ہی ایک انسان ہوں، میری طرف وحی کی جاتی ہے کہ یقیناً تمہارا معبود صرف ایک ہی معبود ہے، چنانچہ جو کوئی اپنے رب کی ملاقات کی اُمید رکھتا ہے تو لازم ہے کہ وہ نیک عمل

کرے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی ایک کو شریک نہ کرے'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1)﴿قُلْ﴾ ''آپ فرما دیں'' اللہ رب العزت نے نبی ﷺ سے فرمایا کہ رسالت کو جھٹلانے والے مشرکوں سے آپ کہہ دیجئے۔

(2)﴿اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ﴾ ''کہ میں تمہارے جیسا ہی ایک انسان ہوں'' یعنی میں تو تمہارے جیسا انسان ہوں میرے پاس نہ علم غیب ہے، نہ خزانے، نہ اللہ تعالیٰ کے اقتدار کا کوئی حصہ میرے پاس ہے۔ میں معبود نہیں ہوں رب کے بندوں میں سے ایک بندہ ہوں۔

(3) رب العزت نے فرمایا:﴿وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰٓى اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا﴾ اور جب لوگوں کے پاس ہدایت آ گئی تو انہیں کسی چیز نے نہیں روکا کہ وہ ایمان لائیں اس کے سوا کہ انہوں نے کہا کہ کیا اللہ تعالیٰ نے ایک انسان کو رسول بنا کر بھیجا ہے؟ (بنی اسرائیل:94)

(4) سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی ﷺ نے نماز پڑھائی۔ ابراہیم (ایک راوی) نے کہا کہ مجھے معلوم نہیں کہ نماز میں زیادتی ہوئی یا کمی، پھر جب آپ ﷺ نے سلام پھیرا تو آپ ﷺ سے کہا گیا کہ یا رسول اللہ! کیا نماز میں کوئی نیا حکم آیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: آخر کیا بات ہے؟ لوگوں نے کہا کہ آپ ﷺ نے اتنی اتنی رکعتیں پڑھی ہیں۔ یہ سن کر آپ نے نے اپنے دونوں پاؤں پھیرے اور قبلہ کی طرف منہ کر لیا اور (سہو کے) دو سجدے کیے۔ اور سلام پھیرا۔ پھر ہماری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ نماز میں کوئی نیا حکم نازل ہوا ہوتا تو میں تمہیں پہلے ہی ضرور کہہ دیتا لیکن میں تو تمہارے ہی جیسا آدمی ہوں، جس طرح تم بھولتے ہو میں بھی بھول جاتا ہوں۔ اس لیے جب میں بھول جایا کروں تو تم مجھے یاد دلایا کرو اور اگر کسی کو نماز میں شک ہو جائے تو اس وقت ٹھیک بات سوچ لے اور اسی کے مطابق نماز پوری کرے پھر سلام پھیر کر دو سجدے (سہو کے) کر لے۔'' (صحیح بخاری:401)

(5) سیدنا رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ کے نبی ﷺ جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو لوگ کھجوروں کو قلم لگا رہے تھے یعنی کھجوروں کو گابھن کر رہے تھے تو آپ ﷺ نے فرمایا: تم لوگ کیا کر رہے ہو؟ انہوں نے کہا: ہم لوگ اسی طرح کرتے چلے آئے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا: اگر تم اس طرح نہ کرو تو شاید تمہارے لیے یہ بہتر ہو انہوں نے اس طرح کرنا چھوڑ دیا تو کھجوریں کم ہو گئیں۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے آپ ﷺ اس بارے میں سے ذکر کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: میں ایک انسان ہوں جب میں تمہیں کوئی دین کی بات کا حکم دوں تو تم اس کو اپنا لو اور جب میں اپنی رائے سے کسی چیز کے بارے میں بتاؤں تو میں بھی ایک انسان ہی ہوں۔ سیدنا عکرمہ رضی اللہ عنہ (ایک راوی) کہتے ہیں یا اسی طرح کچھ اور آپ ﷺ نے فرمایا۔'' (صحیح مسلم:6127)

(6) سیدنا ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: ''بلاشبہ میں ایک انسان ہوں، تم میرے پاس اپنے جھگڑے لاتے ہو۔ ممکن ہے تم میں سے بعض اپنے مقدمہ کو پیش کرنے میں فریق ثانی کے مقابلہ میں زیادہ چرب زبان ہو اور میں تمہاری بات سن کر فیصلہ کر دوں تو جس شخص کے لئے میں اس کے بھائی (فریق مخالف) کا کوئی حق دلا دوں۔ چاہیے کہ وہ اسے نہ لے کیونکہ یہ آگ کا ایک ٹکڑا ہے

جو میں اسے دیتا ہوں''۔(صحیح بخاری:7169)

(7)﴿یُوۡحٰۤی اِلَیَّ اَنَّمَاۤ اِلٰـهُكُمۡ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ﴾''میری طرف وحی کی جاتی ہے کہ یقیناً تمہارا معبود صرف ایک ہی معبود ہے''یعنی مجھے تم پر یہ فضیلت حاصل ہے کہ اللہ تعالیٰ میری طرف وحی کرتا ہے اور جلیل ترین وحی یہ ہے کہ اس نے تمہیں آگاہ کیا ہے کہ تمہارا معبود ایک ہے، یعنی اس کا کوئی شریک نہیں اور نہ کوئی ذرہ بھر عبادت کا مستحق ہے اور میں تمہیں ان اعمال کی دعوت دیتا ہوں جو تمہیں اللہ تعالیٰ کے قریب اور اس ثواب سے بہرہ ور کرتے ہیں اور تم سے اللہ تعالیٰ کے عذاب کو دور کرتے ہیں۔(تفسیر سعدی:1560/2)

(8) جس شخص کو یہ خیال ہو کہ میں جھوٹا ہوں وہ قرآن جیسا قرآن لے آئے میں نے تم کو ماضی کی باتیں بتادیں اور اصحاب کہف کا واقعہ اور ذوالقرنین کے حالات سنائے تو میں عالم الغیب تو نہیں ہوں۔تم جیسا ایک انسان ہوں۔اگر وحی کے ذریعے اللہ تعالیٰ مجھے باتوں کی خبر نہ دیتا تو مجھے گزرے ہوئے واقعات کا علم کیسے ہوتا لہٰذا جس طرح میرے بتائے ہوئے ماضی کے واقعات سچے ہیں ٹھیک اسی طرح میں تمہیں خبر دیتا ہوں کہ میں جس معبود کی طرف بلا رہا ہوں وہ ایک ہی ہے۔اس کا کوئی شریک نہیں۔(مختصر ابن کثیر:1121/2)

سوال2:﴿فَمَنۡ كَانَ يَرۡجُوۡا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلۡيَعۡمَلۡ عَمَلًا صَالِحًـا وَّلَا يُشۡرِكۡ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖۤ اَحَدًا﴾''چنانچہ جو کوئی اپنے رب کی ملاقات کی اُمید رکھتا ہے تو لازم ہے کہ وہ نیک عمل کرے، اور اپنے رب کی عبادت میں کسی ایک کو شریک نہ کرے'' آیت کے اس حصے کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿فَمَنۡ كَانَ يَرۡجُوۡا لِقَآءَ رَبِّهٖ﴾''چنانچہ جو کوئی اپنے رب کی ملاقات کی اُمید رکھتا ہے''یعنی جو اپنے رب کی ملاقات کا خوف رکھتا ہو اور اپنی مصیبتوں پر اللہ تعالیٰ کو نگران سمجھتا ہو اور اس کی اطاعت کے کاموں پر اس سے ثواب کی امید رکھتا ہو۔(جامع البیان:51/16)

(2) جو اپنے رب سے ثواب اور نیک صلہ کا امیدوار ہو تو اسے عمل صالح کرنے پڑیں گے۔(مختصر ابن کثیر:1121/2)

(3)﴿فَلۡيَعۡمَلۡ عَمَلًا صَالِحًـا﴾''تو لازم ہے کہ وہ نیک عمل کرے''اس سے مراد وہ اعمال ہیں جو واجب اور مستحب ہیں۔(تفسیر سعدی:1560/2)

(4) عمل صالح وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے حکم اور رسول اللہ ﷺ کے طریقہ سنت کے مطابق ہو۔

(5) وہ اللہ تعالیٰ کے لیے عبادت کو خالص کرلے، اور ربوبیت میں اس کو ایک جانے۔(جامع البیان:50/16)

(6)﴿وَّلَا يُشۡرِكۡ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖۤ اَحَدًا﴾''اور اپنے رب کی عبادت میں کسی ایک کو شریک نہ کرے''ایک شخص نے رحمت عالم سے پوچھا کہ میں بہت سے نیک عمل اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے بھی کرتا ہوں اور مجھے یہ بھی پسند ہے کہ لوگ میری نیکیاں بھی دیکھ لیں آپ ﷺ نے کوئی جواب نہیں دیا۔پھر یہ آیت اتری(ابن ابی حاتم)

(7) یعنی اپنے اعمال میں ریا سے کام نہ لے بلکہ اس کے اعمال خالص اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے ہوں۔یہی وہ چیز ہے جو اخلاص اور اتباع کی جامع ہے اور اسی سے مطلوب ثواب حاصل ہوسکتا ہے۔اس طریقے کے سوا دیگر طریقوں کو اختیار کرنے والے لوگ اپنی دنیا وآخرت

میں خائب وخاسر لوگ ہیں۔ جو اپنے آقا و مولا کے قرب اور اس کے حصول سے محروم ہوں گے۔ (تفسیر سعدی: 1560/2)

(8) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''میں شریکوں میں سب سے زیادہ شرک سے بے پرواہ ہوں۔ جس نے کوئی ایسا عمل کیا جس میں اس نے میرے ساتھ غیر کو شریک کیا تو میں اس کو اور اس کے شریک کو چھوڑ دیتا ہوں۔''

(صحیح مسلم: 7475) (9) سیدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے کہ یہ سب سے آخری آیت ہے جو نبی پر اتری۔ (ابن کثیر: 302)

ایاتها ۹۸ ۱۹ سُوْرَةُ مَرْيَمَ مَكِّيَّةٌ ۴۴ ركوعاتها ٦

سوال 1: یہ سورت کہاں نازل ہوئی؟ اس میں کتنے رکوع اور کتنی آیات ہیں؟

جواب: یہ مکی سورت ہے۔ یہ 6 رکوع اور 98 آیات پر مشتمل ہے۔

سوال 2: مصحف میں ترتیب اور نزولی ترتیب کے اعتبار سے اس کا کیا نمبر ہے؟

جواب: مصحف میں ترتیب کے اعتبار سے 19 ویں اور نزولی ترتیب کے اعتبار سے 44 ویں نمبر ہے۔

رکوع نمبر 4

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

﴿كٓهٰيٰعٓصٓ﴾

''کھیعص'' (1)

سوال 1: ﴿كٓهٰيٰعٓصٓ﴾ اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: یہ حروف مقطعات ہیں۔ ان کے معانی اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔

﴿ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدَهٗ زَكَرِيَّا﴾

''ذکر ہے آپ کے رب کی رحمت کا، اپنے بندے زکریا پر'' (2)

سوال 1: ﴿ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدَهٗ زَكَرِيَّا﴾ ''ذکر ہے آپ کے رب کی رحمت کا، اپنے بندے زکریا پر'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ''ذکر ہے آپ کے رب کی رحمت کا، اپنے بندے زکریا پر'' یعنی یہ اللہ تعالیٰ کی اس رحمت کا بیان ہے جو اس نے اپنے بندے

زکریا پر کی۔(2)سیدنا زکریا اللہ تعالیٰ کے پیغمبر تھے۔اُن کا تعلق بنی اسرائیل سے تھا۔

(3)سیدہ مریم علیہا السلام کی والدہ کے بہنوئی تھے۔(4)پیشے کے اعتبار سے بڑھئی تھے۔

(5)اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کو سیدنا زکریا کی زندگی میں مجسم کر کے دکھایا ہے۔

(6)اللہ رب العزت نے سیدنا زکریا کے حالات اور ان کے صالح اعمال اور عمدہ صفات کا تذکرہ فرمایا ہے تاکہ عبرت حاصل کرنے والے عبرت حاصل کریں اور پیروی کرنے والے ان کی زندگی کا بغور مطالعہ کریں تاکہ پیروی کرنا ممکن ہوجائے۔

(7)اللہ تعالیٰ نے سیدنا زکریا کے بیان کے توسط سے اپنے دوستوں پر رحمت اور اس کے حصول کے اسباب اور اللہ تعالیٰ کی محبت، اس کے ذکر کی کثرت، اس کی معرفت اور اس تک پہنچانے والے اسباب کی دعوت دی ہے۔

(8)اللہ تعالیٰ نے سیدنا زکریا کو اسرائیلیوں میں سے نبی بنایا۔انہوں نے اپنی ذمہ داریوں کو بحسن وخوبی ادا کیا۔انہوں نے رب کے بندوں کو رب کی طرف بلایا اور انہیں وحی کی تعلیم دی۔اپنی زندگی میں اور اپنی موت کے بعد تک کے لیے ان کے ساتھ خیر خواہی کی۔حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف بلانے والے کو ایسی ہی خیر خواہی کے جذبے کے لیے کوشاں رہنا چاہیے۔

﴿اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ نِدَآءً خَفِيًّا﴾

''جب اُس نے اپنے رب کو چپکے چپکے پکارا''(3)

سوال1:﴿اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ نِدَآءً خَفِيًّا﴾''جب اُس نے اپنے رب کو چپکے چپکے پکارا''اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ نِدَآءً خَفِيًّا﴾''جب اُس نے اپنے رب کو چپکے چپکے پکارا''نادیٰ کے معنی ہیں دعا کی اور رغبت سے پکارا۔ (المحرر الوجیز:4/4)

(2)سیدنا زکریا علیہ السلام نے گوشہ تنہائی میں اپنے رب سے اخلاص کے ساتھ دعا کی، دل کی بات کھول کر سامنے رکھی اور قربت کی حالت میں رب کو پکارا۔

سوال2:سیدنا زکریا نے چھپی دعا کیوں کی تھی؟

جواب:(1)رب العزت نے فرمایا:﴿اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً ۭ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ﴾''تم اپنے رب کو گڑگڑا کر اور چپکے چپکے سے پکارو، یقیناً وہ حد سے گزرنے والوں سے محبت نہیں کرتا۔''(الاعراف:55)

(2)چھپی دعا اخلاص پر مبنی ہوتی ہے اور ریاکاری سے دور ہوتی ہے۔(تفسیر المراغی:29/6)

سوال3:دعا کا دین میں کیا مقام ہے؟انبیاء نے کیسے دعائیں کیں؟

جواب:(1)دعا مومن کا ہتھیار ہے۔

(2)﴿اَمَّنۡ یُّجِیۡبُ الۡمُضۡطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَیَكۡشِفُ السُّوۡٓءَ وَیَجۡعَلُكُمۡ خُلَفَآءَ الۡاَرۡضِ ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ قَلِیۡلًا مَّا تَذَكَّرُوۡنَ﴾ ''یا وہ جو بے قرار کی دعا قبول کرتا ہے جب وہ اُسے پکارتا ہے؟ اور وہ تکلیف دور کرتا ہے اور تمہیں زمین کا جانشین بناتا ہے؟ کیا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے؟ تم بہت کم نصیحت حاصل کرتے ہو۔'' (النمل:62)

(3) ایک شخص رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: ''یارسول اللہ! آپ ہمیں کس چیز کی طرف دعوت دیتے ہیں؟'' آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ''اللہ تعالیٰ کی طرف جو اکیلا ہے، جس کا کوئی شریک نہیں، جب تم کسی مشکل میں ہوتے ہو تو تمہاری مشکل کشائی کرتا ہے، جنگلوں میں راہ بھول کر اسے پکارتے ہو تو تمہاری راہ نمائی کرتا ہے، جب تمہاری کوئی چیز کھو جائے اور اس سے مانگو تو تمہیں لوٹا دیتا ہے، جب قحط سالی میں اس سے دعائیں مانگو تو موسلا دھار بارشیں برساتا ہے۔'' (مسند احمد)

(4) قرآن مجید نے ہمارے سامنے انبیاء کرام علیہم السلام کی بہت سی مثالیں رکھی ہیں کہ انہوں نے مصیبت پریشانی اور آزمائش کے وقت اللہ تعالیٰ کو پکارا اور اللہ تعالیٰ نے ان کی مصیبت اور تکلیف دور فرمائی۔ سیدنا یونس علیہ السلام اپنی قوم کو عذاب کی خبر دے کر چلے گئے خود ایک بھری ہوئی کشتی میں سوار ہوئے۔ بوجھ کی زیادتی کی وجہ سے قرعہ ڈالا گیا تو سیدنا یونس علیہ السلام کے نام نکلا' چنانچہ انہیں سمندر میں چھلانگ لگانی پڑی۔ جہاں ایک مچھلی نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے انہیں نگل لیا' تب سیدنا یونس علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کو پکارنا شروع کیا۔

(5) رب العزت کا سیدنا یونس علیہ السلام کے بارے میں فرمان ہے: ﴿وَذَا النُّوۡنِ اِذۡ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ اَنۡ لَّنۡ نَّقۡدِرَ عَلَیۡهِ فَنَادٰی فِی الظُّلُمٰتِ اَنۡ لَّاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنۡتَ سُبۡحٰنَكَ ۖ اِنِّیۡ كُنۡتُ مِنَ الظّٰلِمِیۡنَ (۸۷) فَاسۡتَجَبۡنَا لَهٗ ۙ وَنَجَّیۡنٰهُ مِنَ الۡغَمِّ ؕ وَكَذٰلِكَ نُـنۡجِی الۡمُؤۡمِنِیۡنَ (۸۸)﴾ اور مچھلی والے کو جب وہ غصے سے بھرا ہوا چلا گیا، پس اُس نے سمجھا کہ ہم اس پر ہرگز قابو نہ پاسکیں گے تو اُس نے اندھیروں میں پکارا: ''کہ آپ کے سوا کوئی معبود نہیں، آپ پاک ہیں، یقیناً میں ہی ظالموں میں سے تھا۔'' چنانچہ ہم نے اُس کی دُعا قبول کی اور ہم نے اسے غم سے نجات دی اور ہم مومنوں کو اسی طرح نجات دیتے ہیں۔ (الانبیاء:87,88)

(6)﴿فَلَوۡلَاۤ اَنَّهٗ كَانَ مِنَ الۡمُسَبِّحِیۡنَ (143) لَلَبِثَ فِیۡ بَطۡنِهٖۤ اِلٰی یَوۡمِ یُبۡعَثُوۡنَ (144)﴾ ''یقیناً پھر اگر وہ تسبیح کرنے والوں میں نہ ہوتا۔ یقیناً وہ اُس دن تک مچھلی کے پیٹ میں رہتا جب وہ لوگ اُٹھائے جائیں گے۔'' (الصفت:143,144)

﴿قَالَ رَبِّ اِنِّیۡ وَهَنَ الۡعَظۡمُ مِنِّیۡ وَاشۡتَعَلَ الرَّاۡسُ شَیۡبًا وَّلَمۡ اَكُنۡۢ بِدُعَآئِكَ رَبِّ شَقِیًّا﴾

''زکریا نے کہا: ''اے میرے رب! یقیناً میری ہڈیاں کمزور ہوگئی ہیں اور سر بڑھاپے سے شعلے مارنے لگا ہے اور اے میرے رب! میں آپ کو پکارنے میں کبھی نامراد نہیں رہا'' (4)

سوال 1:﴿قَالَ رَبِّ اِنِّیۡ وَهَنَ الۡعَظۡمُ مِنِّیۡ وَاشۡتَعَلَ الرَّاۡسُ شَیۡبًا وَّلَمۡ اَكُنۡۢ بِدُعَآئِكَ رَبِّ شَقِیًّا﴾ ''زکریا نے کہا: ''اے میرے رب! یقیناً میری ہڈیاں کمزور ہوگئی ہیں اور سر بڑھاپے سے شعلے مارنے لگا ہے اور اے میرے رب! میں آپ

کو پکارنے میں کبھی نامراد نہیں رہا‘‘ اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) جب انہوں نے اپنے آپ کو کمزور ہوتے ہوئے دیکھا تو انہیں اس بات کا خدشہ لاحق ہوا کہ وہ اس حال میں وفات پا جائیں گے کہ بندوں کو ان کے رب کی طرف دعوت دینے اور ان کے ساتھ خیر خواہی کرنے میں ان کی نیابت کرنے والا کوئی نہ ہوگا۔ تو انہوں نے اپنے رب کے پاس اپنی ظاہری اور باطنی کمزوری کا شکوہ کیا اور اسے چپکے چپکے پکارا تا کہ یہ دعا اخلاص کے لحاظ سے اکمل و افضل ہو۔ (تفسیر سعدی: 1561/2)

(2) ﴿قَالَ رَبِّ إِنِّي وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّي﴾ ’’زکریا نے کہا: ’’اے میرے رب! یقیناً میری ہڈیاں کمزور ہوگئی ہیں‘‘ ہڈیاں ڈھیلی پڑ جائیں تو سارا جسم ڈھیلا پڑ جاتا ہے ہڈیوں پر ہی جسم کا ڈھانچہ کھڑا ہوتا ہے۔

(3) ﴿وَاشْتَعَلَ الرَّأْسُ شَيْبًا﴾ ’’اور سر بڑھاپے سے شعلے مارنے لگا ہے‘‘ اس سے مراد ہے کہ جیسے لکڑی کو آگ لگتی ہے ایسے ہی سر کو سفیدی کی آگ لگی ہوئی ہے اور سر تیزی سے اُس کی لپیٹ میں ہے۔ عنقریب اس میں کوئی سیاہ بال نہ رہے گا۔

(4) کیونکہ بڑھاپا ضعف اور کمزوری کی دلیل، موت کا ایلچی اور اس سے ڈرانے والا ہے۔ سیدنا زکریا علیہ السلام نے اپنے ضعف اور عجز کو اللہ کی طرف وسیلہ بنایا اور اللہ تعالیٰ کے ہاں یہ محبوب ترین وسیلہ ہے کیونکہ یہ بندے کے اپنی قوت و اختیار سے براءت اور دل کے اللہ تعالیٰ کی قوت و اختیار پر بھروسہ کرنے کے اظہار پر دلالت کرتا ہے۔ (تفسیر سعدی: 1561/2)

(5) ﴿وَلَمْ أَكُنْ بِدُعَائِكَ رَبِّ شَقِيًّا﴾ ’’اور اے میرے رب! میں آپ کو پکارنے میں کبھی نامراد نہیں رہا‘‘ اپنے رب کے سامنے سیدنا زکریا علیہ السلام نے اپنی کمزوری کو رکھ کر یہ بتایا ہے کہ میں آپ کی رحمت سے نا اُمید نہیں ہوں۔

(6) یعنی اے میرے رب! تو نے کبھی بھی میری دعا کو قبولیت سے محروم کر کے مجھے خائب و خاسر نہیں کیا بلکہ تو مجھے ہمیشہ عزت و اکرام سے نوازتا اور میری دعا کو قبول کرتا رہا ہے۔ تیرا لطف و کرم ہمیشہ مجھ پر سایہ فگن رہا اور تیرے احسانات مجھ تک پہنچتے رہے۔ یہ سیدنا زکریا علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور اپنی گزشتہ دعاؤں کی قبولیت کو بارگاہ الٰہی میں بطور وسیلہ پیش کیا۔ پس سیدنا زکریا علیہ السلام نے اس ہستی سے سوال کیا جس نے ماضی میں ان کو احسانات سے نوازا کہ وہ آئندہ بھی انہیں اپنی عنایات سے نوازے۔ (تفسیر سعدی: 1561/2)

(7) اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ سچی دُعا کیا ہے۔ (i) یہ دعا اس یقین کا اظہار ہے کہ سارے اختیارات اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں۔ اسی کے دینے سے ملے گا، وہ نہ دے تو کچھ نہ ملے گا۔ (ii) اس دُعا کا رُخ اللہ تعالیٰ کی طرف ہے جو حیرت انگیز طور پر پوری ہوگئی۔

﴿وَإِنِّي خِفْتُ الْمَوَالِيَ مِنْ وَرَاءِي وَكَانَتِ امْرَأَتِي عَاقِرًا فَهَبْ لِي مِنْ لَدُنْكَ وَلِيًّا﴾

’’اور یقیناً میں اپنے پیچھے اپنے رشتے داروں سے خوف رکھتا ہوں اور شروع سے میری بیوی بانجھ ہے،

سو آپ مجھے اپنے پاس سے ایک وارث عطا فرمائیں‘‘ (5)

سوال 1: ﴿وَإِنِّي خِفْتُ الْمَوَالِيَ مِنْ وَرَاءِي وَكَانَتِ امْرَأَتِي عَاقِرًا فَهَبْ لِي مِنْ لَدُنْكَ وَلِيًّا﴾ ’’اور یقیناً میں اپنے

پیچھے اپنے رشتے داروں سے خوف رکھتا ہوں اور شروع سے میری بیوی بانجھ ہے، سو آپ مجھے اپنے پاس سے ایک وارث عطا فرمائیں' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1)﴿وَاِنِّیۡ خِفۡتُ الۡمَوَالِیَ مِنۡ وَّرَآءِیۡ﴾ ''اور یقیناً میں اپنے پیچھے اپنے رشتے داروں سے خوف رکھتا ہوں'' سیدنا زکریا علیہ السلام کو خوف تھا کہ اگر میرا کوئی وارث نہ ہوا جو اس مشن کو آگے پہنچائے اور میرے رشتہ داروں میں کوئی اس مشن کا اہل نہیں تو کہیں رشتے دار حق سے دُور نہ ہو جائیں۔

(2) یعنی مجھے خدشہ ہے کہ میری موت کے بعد بنی اسرائیل پر کون مقرر ہوگا؟ وہ تیرے دین کو اس طرح قائم نہیں کر سکیں گے جس طرح قائم کرنے کا حق ہے اور وہ تیرے بندوں کو تیری طرف دعوت نہیں دیں گے۔ اس سے ظاہر ہے کہ سیدنا زکریا علیہ السلام کو بنی اسرائیل میں کوئی ایسا آدمی نظر نہیں آرہا تھا جس میں یہ لیاقت ہو کہ وہ ان کی دینی سربراہی کی ذمہ داری اٹھا سکے۔

(3) اس سے سیدنا زکریا علیہ السلام کی شفقت اور خیر خواہی کا اظہار ہوتا ہے نیز اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے، کہ آپ کو بیٹے کی طلب عام لوگوں کے مانند نہ تھی، جس میں مجرد دنیاوی مصلحتیں مقصود ہوتی ہیں۔ آپ کی طلب تو صرف دینی مصالح کی بنا پر تھی آپ کو خدشہ تھا کہ کہیں دین ضائع نہ ہو جائے اور آپ کسی دوسرے کو اس منصب کا اہل نہیں سمجھتے تھے سیدنا زکریا علیہ السلام کا گھرانہ مشہور دینی گھرانوں میں سے تھا اور رسالت و نبوت کا گھر شمار ہوتا تھا اور اس گھرانے سے ہمیشہ بھلائی کی امید رکھی جاتی تھی، اس لئے سیدنا زکریا علیہ السلام نے دعا کی کہ وہ انہیں بیٹا عطا کرے جو ان کے بعد دینی ذمہ داریوں کا بوجھ اٹھا سکے۔ (تفسیر سعدی: 1561,1562/2)

(4)﴿وَكَانَتِ امۡرَاَتِیۡ عَاقِرًا﴾ ''اور شروع سے میری بیوی بانجھ ہے'' یعنی میری بیوی بانجھ ہے اور میں خود بوڑھا ہو گیا ہوں۔

(5)﴿فَهَبۡ لِیۡ مِنۡ لَّدُنۡكَ وَلِیًّا﴾ ''سو آپ مجھے اپنے پاس سے ایک وارث عطا فرمائیں'' یعنی میری نبوت کا بھی وارث ہو اور آل یعقوب کا بھی وارث ہو۔

(6) ''اپنے پاس سے'' سے مراد ہے کہ ظاہری اسباب ختم ہو چکے ہیں لیکن اپنے خاص فضل سے مجھے خود عطا فرما دے۔ ایک اور مقام پر ان کی دعا کا تذکرہ ہے۔ ﴿هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهٗ ۚ قَالَ رَبِّ هَبۡ لِیۡ مِنۡ لَّدُنۡكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ۚ اِنَّكَ سَمِيۡعُ الدُّعَآءِ﴾ ''وہیں زکریا نے اپنے رب کو پکارا، اس نے کہا: ''اے میرے رب! مجھے اپنے پاس سے پاکیزہ اولاد عطا فرما بلاشبہ تو ہی دُعا کا خوب سننے والا ہے۔'' (آل عمران: 38) اور سورہ الانبیاء میں فرمایا: ﴿وَزَكَرِيَّآ اِذۡ نَادٰى رَبَّهٗ رَبِّ لَا تَذَرۡنِیۡ فَرۡدًا وَّاَنۡتَ خَيۡرُ الۡوٰرِثِيۡنَ﴾ ''اور زکریا کو جب اس نے اپنے رب کو پکارا: ''اے میرے رب! آپ مجھے اکیلا نہ چھوڑنا اور آپ سب وارثوں میں سے بہترین ہیں۔'' (الانبیاء: 89)

﴿يَّرِثُنِیۡ وَيَرِثُ مِنۡ اٰلِ يَعۡقُوۡبَ ۖ وَاجۡعَلۡهُ رَبِّ رَضِيًّا﴾

''جو میرا بھی وارث ہو اور آلِ یعقوب کا بھی اور اے میرے رب! اسے پسندیدہ انسان بنا'' (6)

سوال1:﴿يَّرِثُنِيْ وَيَرِثُ مِنْ اٰلِ يَعْقُوْبَ ۖ وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا﴾ ''جو میرا بھی وارث ہو اور آلِ یعقوب کا بھی اور اے میرے رب! اسے پسندیدہ انسان بنا'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿يَّرِثُنِيْ وَيَرِثُ مِنْ اٰلِ يَعْقُوْبَ﴾ ''جو میرا بھی وارث ہو اور آلِ یعقوب کا بھی وارث ہو'' اس سے مراد یہ ہے کہ مجھے ایسا لائق بیٹا مل جائے جو میرا اور پیغمبرانہ مشن کا وارث ہو۔

(2) ﴿وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا﴾ ''اور اے میرے رب! اسے پسندیدہ انسان بنا'' یعنی اسے نیک بندہ بنا جس سے تو راضی ہو اور تو اسے اپنے بندوں کا محبوب بنا دے۔ غرضیکہ سیدنا زکریا علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے صالح بیٹے کی دعا کی جو ان کے مرنے کے بعد باقی رہے، جوان کا ولی اور وارث بنے، اللہ تعالیٰ اور اس کی مخلوق کے نزدیک نہایت پسندیدہ اور نبی ہو۔ یہ اولاد کی بہترین صفات ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ کی اپنے بندے پر بے پایاں رحمت ہے کہ اسے ایسا نیک بیٹا عطا کرے جو مکارم اخلاق اور قابل ستائش عادات کا جامع ہو۔ (تفسیر سعدی: 1562/2)

(3) سیدنا زکریا علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے پیغمبر تھے وہ جانتے تھے کہ اس کائنات کی اصل حقیقت اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ وہ چاہتے تھے کہ رب کائنات کا پسندیدہ بیٹا مل جائے گا تو میرے لیے مضبوط سہارا ہو گا، صدقہ جاریہ ہو گا۔

﴿يٰزَكَرِيَّآ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمِ ۨ اسْمُهٗ يَحْيٰى لَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ سَمِيًّا﴾

''اے زکریا! یقیناً ہم آپ کو ایک لڑکے کی بشارت دیتے ہیں جس کا نام یحییٰ ہو گا، اس سے پہلے ہم نے اس کا کوئی ہم نام نہیں بنایا'' (7)

سوال1:﴿يٰزَكَرِيَّآ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمِ ۨ اسْمُهٗ يَحْيٰى ۙ لَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ سَمِيًّا﴾ ''اے زکریا! یقیناً ہم آپ کو ایک لڑکے کی بشارت دیتے ہیں جس کا نام یحییٰ ہو گا، اس سے پہلے ہم نے اس کا کوئی ہم نام نہیں بنایا'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿يٰزَكَرِيَّآ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمِ ۨ اسْمُهٗ يَحْيٰى﴾ ''اے زکریا! یقیناً ہم آپ کو ایک لڑکے کی بشارت دیتے ہیں جس کا نام یحییٰ ہو گا'' اللہ رب العزت نے سیدنا زکریا علیہ السلام کو خوشخبری سنائی کہ آپ کی دعا قبول ہوئی۔

(2) سیدنا زکریا کو بتایا گیا کہ آپ کے ہاں بیٹے کی ولادت ہو گی جس کا نام یحییٰ ہو گا۔

(3) ﴿لَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ سَمِيًّا﴾ ''اس سے پہلے ہم نے اس کا کوئی ہم نام نہیں بنایا'' یعنی اس سے پہلے کسی شخص کا نام یحییٰ نہیں رکھا گیا۔

(4) رب العزت نے فرمایا: ﴿هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهٗ ۚ قَالَ رَبِّ هَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ۚ اِنَّكَ سَمِيْعُ الدُّعَآءِ ﴿۳۸﴾ فَنَادَتْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَهُوَ قَآئِمٌ يُّصَلِّيْ فِي الْمِحْرَابِ ۙ اَنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيٰى مُصَدِّقًا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَسَيِّدًا وَّحَصُوْرًا وَّنَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۳۹﴾﴾ ''وہیں زکریا نے اپنے رب کو پکارا، اس نے کہا: ''اے میرے رب! مجھے اپنے پاس سے پاکیزہ اولاد عطا فرما بلاشبہ تو ہی دُعا کا خوب سننے والا ہے۔ چنانچہ فرشتوں نے اس کو آواز دی جب کہ وہ عبادت خانے میں کھڑے نماز ادا کر رہے تھے:

''بے شک اللہ تعالیٰ آپ کو یحییٰ کی خوش خبری دیتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے ایک کلمے (عیسیٰ) کی تصدیق کرنے والا اور سردار اور اپنے اوپر بہت ضبط رکھنے والا ہوگا اور نیک لوگوں میں سے نبی ہوگا۔'' (آل عمران:38,39) (5) سیدنا یحییٰ اسم بمسمیٰ تھے۔

(6) یعنی اس سے پہلے کسی کا یہ نام نہیں رکھا گیا اور یہ احتمال بھی ہے کہ اس کے معنی یہ ہوں سیدنا یحییٰ علیہ السلام سے پہلے آپ جیسا کوئی نہیں بنایا، تب یہ ان کی کاملیت اور اوصاف حمیدہ سے ان کے متصف ہونے کی بشارت ہے، نیز یہ کہ سیدنا یحییٰ علیہ السلام اپنے سے پہلے تمام لوگوں پر فوقیت رکھتے ہیں۔ مگر اس احتمال کے مطابق، اس عموم میں سے سیدنا ابراہیم، سیدنا موسیٰ اور سیدنا نوح علیہ السلام اور ان جیسے دیگر انبیاء کرام کو مخصوص کرنا ہوگا جو قطعی طور پر سیدنا یحییٰ علیہ السلام سے افضل ہیں۔ (تفسیر سعدی:1563/2)

﴿قَالَ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّكَانَتِ امْرَاَتِيْ عَاقِرًا وَّقَدْ بَلَغْتُ مِنَ الْكِبَرِ عِتِيًّا﴾

''زکریا نے کہا: ''اے میرے رب! میرے لیے لڑکا کیسے ہوگا؟ جب کہ میری بیوی شروع سے بانجھ ہے اور میں بڑھاپے کی آخری حد تک پہنچ گیا ہوں'' (8)

سوال 1: ﴿قَالَ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّكَانَتِ امْرَاَتِيْ عَاقِرًا وَّقَدْ بَلَغْتُ مِنَ الْكِبَرِ عِتِيًّا﴾ ''زکریا نے کہا: ''اے میرے رب! میرے لیے لڑکا کیسے ہوگا؟ جب کہ میری بیوی شروع سے بانجھ ہے اور میں بڑھاپے کی آخری حد تک پہنچ گیا ہوں۔'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿قَالَ﴾ ''زکریا نے کہا:'' جب سیدنا زکریا کی دعا قبول ہوگئی اور بیٹے کی بشارت ملی تو تعجب کرتے ہوئے کہنے لگے۔

(2) ﴿رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ﴾ ''اے میرے رب! میرے لیے لڑکا کیسے ہوگا؟ یعنی ان حالات میں کہ جذبہ قوی ہے، بیٹے کی شدید خواہش ہے مگر ظاہری اسباب مفقود ہیں تعجب سے انہوں نے کہا۔

(3) ﴿وَّكَانَتِ امْرَاَتِيْ عَاقِرًا﴾ ''جب کہ میری بیوی شروع سے بانجھ ہے'' یعنی میری بیوی شروع سے ہی اولاد پیدا کرنے کے قابل نہیں اور اب تو وہ بوڑھی ہو چکیں۔

(4) ﴿وَّقَدْ بَلَغْتُ مِنَ الْكِبَرِ عِتِيًّا﴾ ''اور میں بڑھاپے کی آخری حد تک پہنچ گیا ہوں۔'' اور ادھر صورت حال یہ ہے کہ میری ہڈیاں خشک ہو چکیں، اعضاء کمزور ہوگئے، میں صحبت کرنے کے قابل بھی نہیں رہا۔

(5) یعنی بڑھاپے میں بانجھ جوڑے کے یہاں اولاد کا جنم لینا حیرت انگیز عمل ہے۔

﴿قَالَ كَذٰلِكَ ۚ قَالَ رَبُّكَ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ وَّقَدْ خَلَقْتُكَ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ تَكُ شَيْـًٔا﴾

''کہا ایسا ہی ہوگا، آپ کے رب نے فرمایا کہ مجھ پر وہ بہت آسان ہے اور یقیناً میں اس سے پہلے آپ کو پیدا کر چکا ہوں

حالانکہ آپ کچھ بھی نہ تھے'' (9)

سوال 1: ﴿قَالَ كَذٰلِكَ ۚ قَالَ رَبُّكَ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ وَّقَدۡ خَلَقۡتُكَ مِنۡ قَبۡلُ وَلَمۡ تَكُ شَيۡـًٔا﴾ ''کہا ایسا ہی ہوگا، آپ کے رب نے فرمایا کہ مجھ پر وہ بہت آسان ہے اور یقیناً میں اس سے پہلے آپ کو پیدا کر چکا ہوں حالانکہ آپ کچھ بھی نہ تھے'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿قَالَ كَذٰلِكَ ۚ قَالَ رَبُّكَ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ﴾ ''کہا ایسا ہی ہوگا، آپ کے رب نے فرمایا کہ مجھ پر وہ بہت آسان ہے'' فرشتوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے بیٹا دینے کا فیصلہ کر لیا ہے اور اب ایسے ہی ہوگا اور یہ اللہ تعالیٰ کے لیے مشکل نہیں جو رب بانجھ عورت کو اولاد کے قابل نہیں رہنے دیتا۔ اس کے لیے اولاد کے قابل بنانا مشکل کام نہیں۔ پھر جو رب عدم سے وجود میں لا سکتا ہے وہ ظاہری اسباب کے بغیر بیٹا عطا کر سکتا ہے۔

(2) یعنی اللہ تعالیٰ کی قدرت اسباب کے بغیر وجود میں لا سکتی ہے اس لیے یہ اس کے لیے بہت آسان ہے۔

(3) ﴿وَّقَدۡ خَلَقۡتُكَ مِنۡ قَبۡلُ وَلَمۡ تَكُ شَيۡـًٔا﴾ ''اور یقیناً میں اس سے پہلے آپ کو پیدا کر چکا ہوں حالانکہ آپ کچھ بھی نہ تھے۔'' یعنی اللہ تعالیٰ کی قدرت کو اپنے وجود میں دیکھو، تمہارا نام و نشان تک نہ تھا پھر اس نے پیدا کیا جیسا کہ رب العزت نے فرمایا: ﴿هَلۡ اَتٰى عَلَى الۡاِنۡسَانِ حِيۡنٌ مِّنَ الدَّهۡرِ لَمۡ يَكُنۡ شَيۡـًٔا مَّذۡكُوۡرًا﴾ ''کیا انسان پر زمانے میں سے کوئی وقت ایسا بھی آیا ہے جب وہ قابلِ ذکر چیز ہی نہ تھا؟ (الدھر: 1)

﴿قَالَ رَبِّ اجۡعَلۡ لِّيۡۤ اٰيَةً ؕ قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَ لَيَالٍ سَوِيًّا﴾

''زکریا نے کہا: ''اے میرے رب! آپ میرے لیے کوئی نشانی مقرر فرمائیں۔'' اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''تیرے لیے نشانی یہ ہے کہ تندرست ہوتے ہوئے تین راتیں لوگوں سے بات نہ کرے گا'' (10)

سوال 1: ﴿قَالَ رَبِّ اجۡعَلۡ لِّيۡۤ اٰيَةً ؕ قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَ لَيَالٍ سَوِيًّا﴾ ''زکریا نے کہا: ''اے میرے رب! آپ میرے لیے کوئی نشانی مقرر فرمائیں۔'' اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''تیرے لیے نشانی یہ ہے کہ تندرست ہوتے ہوئے تین راتیں لوگوں سے بات نہ کرے گا'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿قَالَ رَبِّ اجۡعَلۡ لِّيۡۤ اٰيَةً﴾ ''زکریا نے کہا: ''اے میرے رب! آپ میرے لیے کوئی نشانی مقرر فرمائیں۔'' سیدنا زکریا نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اے میرے رب! مجھے اس وعدے کی کوئی نشانی بتا دیں تاکہ میرے دل کو اطمینان ہو۔

(2) یہ اللہ تعالیٰ کی بشارت میں شک نہیں ہے بلکہ ویسے ہی ہے جیسے سیدنا ابراہیم نے فرمایا تھا: ﴿وَاِذۡ قَالَ اِبۡرٰهٖمُ رَبِّ اَرِنِيۡ كَيۡفَ تُحۡيِ الۡمَوۡتٰى ؕ قَالَ اَوَلَمۡ تُؤۡمِنۡ ؕ قَالَ بَلٰى وَلٰكِنۡ لِّيَطۡمَئِنَّ قَلۡبِيۡ ؕ قَالَ فَخُذۡ اَرۡبَعَةً مِّنَ الطَّيۡرِ فَصُرۡهُنَّ اِلَيۡكَ ثُمَّ اجۡعَلۡ

عَلٰى كُلِّ جَبَلٍ مِّنۡهُنَّ جُزۡءًا ثُمَّ ادۡعُهُنَّ يَاۡتِيۡنَكَ سَعۡيًا ؕ وَاعۡلَمۡ اَنَّ اللّٰهَ عَزِيۡزٌ حَكِيۡمٌ﴾ اور جب ابراہیم علیہ السلام نے کہا: ''اے میرے رب! مجھے دکھا کہ تو مُردوں کو کیسے زندہ کرے گا؟'' اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''اور کیا تو یقین نہیں رکھتا؟'' اُس نے کہا: ''کیوں نہیں؟ لیکن اس لیے کہ میرا دل مطمئن ہو جائے۔'' اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''تو پرندوں میں سے چار لے کر انہیں اپنے سے مانوس کرو پھر ہر پہاڑ پر ان کا ایک ٹکڑا رکھ دو پھر انہیں بلاؤ وہ تمہاری طرف بھاگتے چلے آئیں گے۔'' اور جان لو کہ یقیناً اللہ تعالیٰ سب پر غالب، کمال حکمت والا ہے۔ (البقرہ:260)

(3) نشانی مانگنے کی وجہ دل کا اطمینان تھا تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کر سکیں۔

(4)﴿قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَ لَيَالٍ سَوِيًّا﴾ ''اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''تیرے لیے نشانی یہ ہے کہ تندرست ہوتے ہوئے تین راتیں لوگوں سے بات نہ کرے گا۔'' اللہ تعالیٰ نے نشانی بتا دی کہ تم تین دن تک کسی سے بات نہیں کر پاؤ گے حالانکہ نہ تمہیں کوئی نقص لاحق ہوگا، نہ بیماری، نہ تم گونگے ہوگے بلکہ تم صحیح سلامت اور تندرست ہوگے۔ لیکن بولنے سے عاجز ہوگے۔ اور سیدنا زکریا کو اللہ تعالیٰ کی قدرت کی دلیل مل گئی وہ کلام سے عاجز ہو گئے۔ لوگوں سے تو کلام نہیں کر سکتے تھے مگر تسبیح اور ذکر کر سکتے تھے۔ سبحان اللہ

(5) اسی کا تذکرہ سورت آل عمران میں ملتا ہے﴿قَالَ رَبِّ اَنّٰى يَكُوۡنُ لِىۡ غُلٰمٌ وَّقَدۡ بَلَغَنِىَ الۡكِبَرُ وَامۡرَاَتِىۡ عَاقِرٌ ؕ قَالَ كَذٰلِكَ اللّٰهُ يَفۡعَلُ مَا يَشَآءُ (۴۰) قَالَ رَبِّ اجۡعَلۡ لِّىۡۤ اٰيَةً ؕ قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ اِلَّا رَمۡزًا ؕ وَاذۡكُرۡ رَّبَّكَ كَثِيۡرًا وَّسَبِّحۡ بِالۡعَشِىِّ وَالۡاِبۡكَارِ (۴۱)﴾ ''زکریا نے کہا: ''اے میرے رب! میرے ہاں بیٹا کیسے ہوگا حالانکہ یقیناً مجھ تک بڑھاپا آپہنچا ہے اور میری بیوی بانجھ ہے؟'' (اللہ تعالیٰ نے) فرمایا: ''اسی طرح اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے وہ کرتا ہے۔'' زکریا نے کہا: ''اے میرے رب! میرے لیے کوئی نشانی بتا دیں،'' (اللہ تعالیٰ نے) فرمایا: ''آپ کے لیے نشانی یہ ہے کہ تین دن تک لوگوں سے کچھ اشاروں کے سوا باتیں نہ کر سکو گے اور اپنے رب کو کثرت سے یاد کرو اور صبح و شام اس کی تسبیح بیان کرو۔'' (آل عمران:40,41)

﴿فَخَرَجَ عَلٰى قَوۡمِهٖ مِنَ الۡمِحۡرَابِ فَاَوۡحٰۤى اِلَيۡهِمۡ اَنۡ سَبِّحُوۡا بُكۡرَةً وَّعَشِيًّا﴾

''تو وہ اپنے کمرہ عبادت سے نکل کر اپنی قوم کے پاس آیا، پس ان کی طرف اشارہ کیا کہ صبح و شام تسبیح کرو'' (11)

سوال 1:﴿فَخَرَجَ عَلٰى قَوۡمِهٖ مِنَ الۡمِحۡرَابِ فَاَوۡحٰۤى اِلَيۡهِمۡ اَنۡ سَبِّحُوۡا بُكۡرَةً وَّعَشِيًّا﴾ ''تو وہ اپنے کمرہ عبادت سے نکل کر اپنی قوم کے پاس آیا، پس ان کی طرف اشارہ کیا کہ صبح و شام تسبیح کرو'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1)﴿فَخَرَجَ عَلٰى قَوۡمِهٖ مِنَ الۡمِحۡرَابِ﴾ ''تو وہ اپنے کمرہ عبادت سے نکل کر اپنی قوم کے پاس آیا'' سیدنا زکریا محراب سے یعنی کمرہ عبادت سے نکل کر باہر لوگوں کے پاس آئے جہاں انہیں بیٹے کی بشارت ملی تھی۔

(2)﴿فَاَوۡحٰۤى اِلَيۡهِمۡ اَنۡ سَبِّحُوۡا بُكۡرَةً وَّعَشِيًّا﴾ ''پس ان کی طرف اشارہ کیا کہ صبح و شام تسبیح کرو'' سیدنا زکریا نے لوگوں کو اشارے سے کہا کہ میری طرح آپ لوگ بھی صبح و شام اللہ تعالیٰ کی پاکیزگی بیان کرتے رہو اور اس عظیم نعمت پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو کیونکہ سیدنا یحییٰ

کی پیدائش میں سب لوگوں کے حق میں دینی مصلحت تھی۔

﴿يٰيَحۡيٰى خُذِ الۡكِتٰبَ بِقُوَّةٍ ؕ وَاٰتَيۡنٰهُ الۡحُكۡمَ صَبِيًّا﴾

''اے یحیٰی! کتاب کو مضبوطی سے پکڑو' اور ہم نے اسے بچپن میں دین کی سمجھ عطا کی تھی'' (12)

سوال1:﴿يٰيَحۡيٰى خُذِ الۡكِتٰبَ بِقُوَّةٍ ؕ وَاٰتَيۡنٰهُ الۡحُكۡمَ صَبِيًّا﴾ ''اے یحیٰی! کتاب کو مضبوطی سے پکڑو' اور ہم نے اسے بچپن میں دین کی سمجھ عطا کی تھی'' آیت کے اس حصے کی وضاحت کریں؟

جواب:(1) اللہ تعالیٰ کی بشارت کے مطابق سیدنا یحیٰی کی ولادت ہوئی اور یہ ان کے شباب اور ان کی عمدہ تربیت پر دلیل ہے کہ رب العزت نے حکم دیا۔

(2)﴿يٰيَحۡيٰى خُذِ الۡكِتٰبَ بِقُوَّةٍ﴾ ''اے یحیٰی! کتاب کو مضبوطی سے پکڑو' یعنی اللہ تعالیٰ کی کتاب کو قوت، کوشش، محنت اور شوق سے پکڑے رکھیں۔ اللہ تعالیٰ کی کتاب کو قوت سے پکڑنے کے لیے اس کے الفاظ اور ان کے معنی کی گہرائی کو سمجھیں، اس پر عمل کرنے کے لیے، اس کے احکامات کو سمجھیں۔ پوری محنت کوشش اور شوق سے ہر حکم پر اسی طرح عمل پیرا ہوں جیسا کہ رب العزت نے حکم دیا اور نواہی سے مکمل طور پر اجتناب کریں۔ یہ ہے کتاب اللہ کو قوت سے کامل طور پر پکڑنا۔ سیدنا یحیٰی نے اللہ تعالیٰ کے حکم کی مکمل طور پر تعمیل کی۔ انہوں نے کتاب اللہ کو حفظ کیا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں ایسی ذہانت عطا فرمائی تھی جو کسی اور کو نہ دی تھی۔ اور انہوں نے کتاب اللہ کو مضبوطی سے پکڑنے کا حق ادا کر دیا۔ الٰہی ہمیں بھی کتاب اللہ کو مضبوطی سے تھامنے کی توفیق عطا فرمانا۔ آمین

سوال2:﴿وَاٰتَيۡنٰهُ الۡحُكۡمَ صَبِيًّا﴾ ''اور ہم نے اسے بچپن میں دین کی سمجھ عطا کی تھی'' آیت کے اس حصے کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)''اور ہم نے اسے بچپن میں دین کی سمجھ عطا کی تھی''حکم سے مراد عقل وشعور، دانائی، اللہ تعالیٰ کے احکامات کا فہم، نبوت، علم وعمل کا یکجا ہونا مراد ہے۔ امام شوکانی کی رائے میں حکم میں ساری باتیں ہی داخل ہیں۔

(2) اللہ رب العزت نے انہیں بچپن ہی سے انہیں اپنے احکامات اور ان کی حکمتوں کی سمجھ عطا فرمائی انہیں علم، فہم، عزم، نیکیوں کا شوق، رغبت اور ان کے حصول کے لیے محنت اور انتہائی کوشش کرنے کے جذبے بھی کچھ عطا کر دیا تھا۔

(4) سیدنا یحیٰی چھوٹے تھے تو بچوں نے انہیں کھیلنے کے لیے بلایا تو انہوں نے کہا ہم کھیلنے کے لیے پیدا نہیں کیے گئے۔ (تفسیر مراغی:33/6)

﴿وَّحَنَانًا مِّنۡ لَّدُنَّا وَزَكٰوةً ؕ وَكَانَ تَقِيًّا﴾

''اور اپنی جناب سے اسے نرم دلی اور پاکیزگی عطا کی تھی اور وہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا تھا'' (13)

سوال1:﴿وَّحَنَانًا مِّنۡ لَّدُنَّا وَزَكٰوةً ؕ وَكَانَ تَقِيًّا﴾ ''اور اپنی جناب سے اسے نرم دلی اور پاکیزگی عطا کی تھی اور وہ اللہ تعالیٰ

سے ڈرنے والا تھا'' آیت کے اس حصے کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿وَّحَنَانًا مِّنۡ لَّدُنَّا﴾ ''اور اپنی جناب سے اسے نرم دلی عطا کی تھی'' حنان سے مراد رحمت، رافت، شفقت، نرم دلی اور مہربانی ہے۔

(2) سیدنا یحییٰ کو نرم دلی کے لیے تکلیف نہیں کرنی پڑی انہیں فطرت ثانیہ کے طور پر ہی نرم دلی عطا کی گئی جس کی وجہ سے ان کے حالات کی اصلاح ہوئی، ان کے اعمال اور معاملات درست اور آسان ہوئے۔نرم دلی انبیاء کی بنیادی صفات میں سے ہے اور مبلغ کی بنیادی ضرورت ہے۔

(3) نرم دلی کی وجہ سے معاملات آسان ہو جاتے ہیں، لوگوں کے دلوں میں گہری محبت پیدا ہو جاتی ہے، لوگ داعی کی طرف کھنچے چلے آتے ہیں اور اس کے گرد جمع ہو جاتے ہیں۔رب العزت نے نبی ﷺ کے لیے فرمایا:﴿فَبِمَا رَحۡمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنۡتَ لَهُمۡ ۚ وَلَوۡ كُنۡتَ فَظًّا غَلِيۡظَ الۡقَلۡبِ لَانۡفَضُّوۡا مِنۡ حَوۡلِكَ ۖ فَاعۡفُ عَنۡهُمۡ وَاسۡتَغۡفِرۡ لَهُمۡ وَشَاوِرۡهُمۡ فِى الۡاَمۡرِ ۚ فَاِذَا عَزَمۡتَ فَتَوَكَّلۡ عَلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الۡمُتَوَكِّلِيۡنَ﴾ ''پس اللہ تعالیٰ کی بڑی رحمت ہی کی وجہ سے آپ ان کے لیے نرم ہو گئے ہیں اور اگر آپ بدخُلق اور سخت دل ہوتے تو یقیناً وہ آپ کے آس پاس سے منتشر ہو جاتے، سو آپ انہیں معاف کر دیں اور اُن کے لئے بخشش مانگیں اور معاملات میں ان سے مشورہ کریں، پھر جب آپ پختہ ارادہ کرلیں تو اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کریں، بلاشبہ اللہ تعالیٰ بھروسہ کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔'' (آل عمران:159)

(4) ﴿لَقَدۡ جَآءَكُمۡ رَسُوۡلٌ مِّنۡ اَنۡفُسِكُمۡ عَزِيۡزٌ عَلَيۡهِ مَا عَنِتُّمۡ حَرِيۡصٌ عَلَيۡكُمۡ بِالۡمُؤۡمِنِيۡنَ رَءُوۡفٌ رَّحِيۡمٌ﴾ ''بلاشبہ تمہارے پاس یقیناً تم ہی میں سے ایک عظیم رسول آیا ہے اُس پر گراں ہے جو تم مشقت میں پڑو، تم پر بہت حرص رکھنے والا ہے، مومنوں پر بہت شفقت کرنے والا، نہایت مہربان ہے۔'' (التوبہ:128)

(5) اس اخلاقی وصف کی تعلیم نبی ﷺ نے لوگوں کو دی۔آپ ﷺ نے فرمایا: نرمی جس چیز میں ہو اس کو زینت دیتی ہے اور جس چیز سے الگ کر لی جاتی ہے اس کو بدنما بنا دیتی ہے۔(صحیح مسلم کتاب البر والصلۃ)

(6)﴿وَزَكٰوةً﴾ ''اور پاکیزگی عطا کی تھی'' زکوٰۃ سے مراد پاکیزگی، طہارت، پاک دامنی، گناہوں اور آفتوں سے پاکیزگی، دل اور عقل کی پاکیزگی ہے۔ابن عباس نے زکوٰۃ کا ترجمہ برکت سے کیا ہے (مختصر ابن کثیر:1125/2) یعنی اللہ تعالیٰ نے انہیں باعث برکت بنایا، زندگی بھر نیک رہے، گناہوں سے کنارہ کشی کی اللہ تعالیٰ نے سیدنا یحییٰ کو گناہوں اور آفتوں سے پاک کیا تھا جس کی وجہ سے وہ برے اخلاق، بری صفات سے پاک ہو گئے اور اخلاق حسنہ اور صفات حمیدہ کے حامل ہو گئے۔

(7)﴿وَكَانَ تَقِيًّا﴾ ''اور وہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا تھا'' وہ اللہ تعالیٰ کے احکامات کی تعمیل کرنے والے اور نواہی کو ترک کرنے والے تھے۔

(8) متقی انسان اللہ تعالیٰ سے ثواب کی امید رکھ کر اس کی اطاعت کرتا ہے اور اس کے عذاب کے خوف سے اس کے نواہی سے رکتا ہے۔

(9) جو مومن تقویٰ اختیار کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کا ولی اور اہل جنت میں سے ہوتا ہے۔

(10) نبی ﷺ لوگوں کوتقویٰ کی وصیت کرتے تھے۔سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جہاں بھی رہو اللہ سے ڈرو، برائی کے بعد (جوتم سے ہوجائے) بھلائی کرو جو برائی کو مٹادے۔اورلوگوں کے ساتھ حسن اخلاق سے پیش آؤ۔(جامع ترمذی:1987)

(11) سیدنا عامر بن سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اپنے اونٹوں میں (موجود) تھے کہ اسی دوران ان کا بیٹا عمر آیا تو جب سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے اسے دیکھا تو فرمایا: میں سوار کے شر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتا ہوں تو جب وہ اترا تو سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کہنے لگے کہ کیا آپ اونٹ اور بکریوں میں رہنے لگے ہیں اورلوگوں کو چھوڑ دیا اور وہ ملک کی خاطر جھگڑ رہے ہیں تو سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے ان کے سینے پر ہاتھ مارا اور فرمایا: خاموش ہوجا میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے اس بندے سے پیار کرتا ہے جو پرہیز گار اور غنی ہے اور ایک کونے میں چھپ کر بیٹھا ہے (یعنی شہرت اور نمود و نمائش سے اجتناب کرنے والا ہو)۔(صحیح مسلم:7432)

﴿وَّبَرًّا بِوَالِدَيۡهِ وَلَمۡ يَكُنۡ جَبَّارًا عَصِيًّا﴾

''اور اپنے والدین سے نیکی کرنے والا تھا اور سرکش، نافرمان نہیں تھا'' (14)

سوال 1: ﴿وَّبَرًّا بِوَالِدَيۡهِ وَلَمۡ يَكُنۡ جَبَّارًا عَصِيًّا﴾ ''اور اپنے والدین سے نیکی کرنے والا تھا اور سرکش، نافرمان نہیں تھا'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَّبَرًّا بِوَالِدَيۡهِ﴾ ''اور اپنے والدین سے نیکی کرنے والا تھا'' اللہ تعالیٰ نے سیدنا یحییٰ کی صفات میں سے ایک اور پیدائشی صفت کی وضاحت فرمائی ہے کہ وہ اپنے والدین سے حسن سلوک کرنے والے، ان کی اطاعت اور خدمت کرنے والے تھے۔وہ اپنے قول اور فعل سے حسن سلوک کرتے تھے۔ان سے کبھی برائی اور ترش روئی سے پیش نہیں آتے تھے۔

(2) ﴿وَلَمۡ يَكُنۡ جَبَّارًا عَصِيًّا﴾ ''اور سرکش، نافرمان نہیں تھا'' سیدنا یحییٰ علیہ السلام سرکش، خودسر اور نافرمان نہیں تھے۔یعنی نہ تو ان کے اندر تکبر تھا، نہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت سے روگردانی کرنے والے تھے۔وہ اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے بندوں کے مقابلے میں بڑا نہیں سمجھتے تھے۔والدین کے سامنے عاجزی اور تواضع اختیار کرتے تھے۔وہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے حضور جھکنے والے تھے۔وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے بندوں کے حقوق ادا کرنے والے تھے۔اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں ہر طرح کے معاملات میں سلامتی عطا کی گئی تھی۔

﴿وَسَلٰمٌ عَلَيۡهِ يَوۡمَ وُلِدَ وَيَوۡمَ يَمُوۡتُ وَيَوۡمَ يُبۡعَثُ حَيًّا﴾

''اور سلام اس پر جس دن وہ پیدا ہوا اور جس دن وہ مرے گا اور جس روز زندہ کر کے اٹھایا جائے گا'' (15)

سوال 1: ﴿وَسَلٰمٌ عَلَيۡهِ يَوۡمَ وُلِدَ وَيَوۡمَ يَمُوۡتُ وَيَوۡمَ يُبۡعَثُ حَيًّا﴾ ''اور سلام اس پر جس دن وہ پیدا ہوا اور جس دن وہ مرے گا اور جس روز زندہ کر کے اٹھایا جائے گا'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)''اور سلام اس پر جس دن وہ پیدا ہوا اور جس دن وہ مرے گا اور جس روز زندہ کر کے اٹھایا جائے گا'' اللہ تعالیٰ نے تین وحشت کے مواقع پر سلامتی کی خبر دی ہے جو شیطان اور اس کے شر اور اللہ تعالیٰ کے عذاب سے سلامتی کی خبر ہے اور یہ کہ وہ دار السلام یعنی جنت میں ہیں۔

(2) انسان کی زندگی کے تین وحشت ناک مواقع ہیں ایک جب وہ پیدا ہوتا ہے دوسرے جب اسے موت آتی ہے تیسرے جب اسے قبر سے زندہ کر کے اٹھایا جائے گا۔کسی شاعر نے کہا''تیری ماں نے تجھے جنم دیا تو تو رو رہا تھا چیخ رہا تھا اور تیرے آس پاس لوگ خوشی سے ہنس رہے تھے۔تو اپنے لیے کوشش کر کہ جب تیرے مرنے کے دن وہ رو رہے ہوں تو خوش ہو اور ہنس رہا ہو۔''

(3) تینوں مواقع پر اللہ تعالیٰ نے سیدنا یحییٰ کو پر امن سلامتی کا پیغام عطا فرما کر ان کو عزت کی اور حوصلہ افزائی فرمائی۔(ابن جریر)

(4) نبی ﷺ نے فرمایا: قیامت کے دن ہر شخص جب اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرے گا تو گناہ گار ہوگا کوئی ایسا شخص نہیں ہوگا جو گناہوں سے بچا ہو مگر یحییٰ گناہوں سے پاک اور صاف ہوں گے۔آپ نے کبھی کوئی گناہ کیا ہی نہیں اور نہ آپ کے دل میں کبھی کسی عورت کا تصور آیا۔(عبدالرزاق)

(5) اللہ تعالیٰ کی رحمتیں ہوں سیدنا یحییٰ اور ان کے والد اور تمام انبیاء پر۔رب العزت سے دعا ہے ہمیں انبیاء کے پیروکاروں میں شامل فرمائے یقیناً وہ کریم ہے، سخی ہے کرم کرنے والا ہے۔

رکوع نمبر 5

﴿وَاذۡكُرۡ فِي الۡكِتٰبِ مَرۡيَمَ ۘ اِذِ انۡتَبَذَتۡ مِنۡ اَهۡلِهَا مَكَانًا شَرۡقِيًّا﴾

''اور اس کتاب میں مریم کا ذکر کرو، جب کہ وہ اپنے گھر والوں سے الگ ہو کر مشرقی جانب چلی گئی''(16)

سوال1:﴿وَاذۡكُرۡ فِي الۡكِتٰبِ مَرۡيَمَ﴾''اور اس کتاب میں مریم کا ذکر کرو''سیدہ مریم کا قرآن مجید میں جو ذکر خیر آیا ہے، اس کو وضاحت سے بیان کریں؟

جواب:(1)﴿وَاذۡكُرۡ فِي الۡكِتٰبِ﴾''اور اس کتاب میں ذکر کرو''یعنی قرآن مجید میں ذکر کرو۔﴿مَرۡيَمَ﴾مریم کا۔یہ سیدہ مریم کی سب سے بڑی فضیلت ہے کہ اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب میں ان کے نام اور ان کے حالات کا ذکر ہے جس کو دنیا کے گوشے گوشے کے مسلمان تلاوت کرتے ہیں۔قرآن مجید میں جہانوں کے بادشاہ نے ان کی مدح و ثناء کی ہے یہ ان کے اعمال حسنہ اور زندگی کی کمال درجے کی جدوجہد کی جزا ہے۔

(2) سیدہ مریم داؤد کے خاندان میں عمران کی بیٹی تھیں۔جو ایک پاکیزہ اسرائیلی گھرانہ تھا۔ان کی پیدائش سے پہلے ان کی والدہ نے نذر مانی تھی کہ اپنے پیٹ کا بچہ رب کی نذر کر دوں گی پھر جب بیٹی نے جنم لیا تو پریشان ہو گئیں لیکن اللہ تعالیٰ نے اُس بیٹی کو بھی قبول کر لیا یوں پہلی بچی ہیکل کی نذر کی گئی۔

(3) رب العزت نے فرمایا: ﴿اِذْ قَالَتِ امْرَاَتُ عِمْرٰنَ رَبِّ اِنِّیْ نَذَرْتُ لَكَ مَا فِیْ بَطْنِیْ مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّیْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ﴿۳۵﴾ فَلَمَّا وَضَعَتْهَا قَالَتْ رَبِّ اِنِّیْ وَضَعْتُهَاۤ اُنْثٰی ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا وَضَعَتْ ؕ وَلَیْسَ الذَّكَرُ كَالْاُنْثٰی ۚ وَاِنِّیْ سَمَّیْتُهَا مَرْیَمَ وَاِنِّیْۤ اُعِیْذُهَا بِكَ وَذُرِّیَّتَهَا مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ﴿۳۶﴾﴾ جب عمران کی بیوی نے کہا: ''اے میرے رب! جو میرے پیٹ میں ہے، میں نے نذر مانی ہے کہ تیرے لیے آزاد چھوڑا ہوا ہوگا۔ پس آپ مجھ سے قبول فرمائیں، یقیناً آپ سب کچھ سننے والے، سب کچھ جاننے والے ہیں۔'' پھر جب اس نے بچے کو جنم دیا تو کہا: ''اے میرے رب! میں نے تو لڑکی کو جنم دیا'' حالانکہ اللہ تعالیٰ خوب جانتا تھا جو اس نے جنم دیا'' اور لڑکا تو لڑکی جیسا نہیں ہوتا، اور بلاشبہ میں نے اس کا نام مریم رکھا ہے اور یقیناً میں اس کو اور اس کی اولاد کو شیطان مردود سے تیری پناہ میں دیتی ہوں۔'' (آل عمران: 35،36)

(4) سیدہ مریم علیہا السلام وہ خاتون ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے ایک بڑی خدمت کے لیے منتخب کیا۔ انہیں بن باپ کے بچہ عطا کیا اور یوں وہ اللہ تعالیٰ کے نبی سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ بنیں۔ سیدہ مریم قوم کے سردار کی بیٹی تھیں مگر وہ ان کی پیدائش کے وقت وفات پا چکے تھے۔ سیدہ مریم کی والدہ سیدہ حنّہ نے نذر مانی تھی تو رب نے ان کی بیٹی کو قبول کرلیا اور ان کی عمدہ طریقے سے پرورش کی اور سیدنا زکریا کو ان کا سرپرست بنایا۔ رب العزت نے فرمایا: ﴿فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُوْلٍ حَسَنٍ وَّاَنْۢبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا ۙ وَّكَفَّلَهَا زَكَرِیَّا ؕ كُلَّمَا دَخَلَ عَلَیْهَا زَكَرِیَّا الْمِحْرَابَ ۙ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا ۚ قَالَ یٰمَرْیَمُ اَنّٰی لَكِ هٰذَا ؕ قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ یَرْزُقُ مَنْ یَّشَآءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ﴾ ''سو اس کے رب نے اسے اچھی قبولیت کے ساتھ قبول فرمایا اور اس کی بہترین پرورش کی اور زکریا کو اس کا سرپرست بنایا۔ زکریا جب کبھی اس کے پاس عبادت خانے میں آتے اس کے پاس رزق پاتے، وہ پوچھتے مریم! یہ تیرے پاس کہاں سے آیا؟ وہ کہتیں یہ اللہ تعالیٰ کے پاس سے ہے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے بے حساب رزق عطا فرماتا ہے۔ (آل عمران: 37) ان کی کفالت کی ذمہ داری کے لیے معزز ترین قوم میں سے بہت سے افراد کی خواہش تھی کہ اللہ تعالیٰ کے لیے آزاد کی گئی بیٹی کی پرورش کا شرف اسے ملے لہٰذا قرعہ اندازی کی گئی تو یہ شرف سیدنا زکریا کے حصے میں آیا۔ رب العزت نے فرمایا ﴿ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَیْبِ نُوْحِیْهِ اِلَیْكَ ؕ وَمَا كُنْتَ لَدَیْهِمْ اِذْ یُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ اَیُّهُمْ یَكْفُلُ مَرْیَمَ ۪ وَمَا كُنْتَ لَدَیْهِمْ اِذْ یَخْتَصِمُوْنَ﴾ یہ غیب کی کچھ خبریں ہیں جو ہم آپ کی طرف وحی کر رہے ہیں ورنہ آپ ان کے پاس موجود نہیں تھے جب وہ اپنے قلم ڈال رہے تھے کہ ان میں سے کون مریم کی سرپرستی کرے گا اور نہ ہی آپ اس وقت ان کے پاس تھے جب وہ جھگڑ رہے تھے۔ (آل عمران: 44) قرعہ اندازی کے نتیجے میں سیدنا زکریا علیہ السلام سرپرست تسلیم کر لیے گئے۔ یہ ان کا شرعی حق بھی تھا اور قرعہ اندازی سے ثابت بھی ہو گیا۔ یوں سیدہ مریم ہیکل کے دربار میں پرورش پانے لگیں۔ سیدنا زکریا ان کی عبادت گزاریوں اور رب کی کرم نوازیوں کو دیکھتے۔ جیسا کہ رب العزت نے فرمایا ﴿كُلَّمَا دَخَلَ عَلَیْهَا زَكَرِیَّا الْمِحْرَابَ ۙ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا ۚ قَالَ یٰمَرْیَمُ اَنّٰی لَكِ هٰذَا ؕ قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ یَرْزُقُ مَنْ یَّشَآءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ ﴿۳۷﴾﴾ زکریا جب

کبھی اس کے پاس عبادت خانے میں آتے اس کے پاس رزق پاتے، وہ پوچھتے مریم! یہ تیرے پاس کہاں سے آیا؟ وہ کہتیں یہ اللہ تعالیٰ کے پاس سے ہے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے بے حساب رزق عطا فرماتا ہے۔ (آل عمران:37)

(5) سیدنا زکریا نے سیدہ مریم کے لیے مسجد میں ایک جگہ مقرر کر دی تھی جہاں ان کے سوا کوئی نہیں جاتا تھا۔ وہ وہاں دن رات عبادت میں مشغول رہتی تھیں حتیٰ کہ ان کی عبادت گزاری ضرب المثل بن گئی۔ سیدہ مریم مسجد کی خدمت کے فرائض بھی انجام دیتی تھیں۔ ان کی کریمانہ عادات اور اعلیٰ صفات لوگوں میں مشہور ہو گئیں۔ سیدنا زکریا جب کبھی حجرہ عبادت میں تشریف لے جاتے تو انہیں بے موسم کے پھل دیکھ کر حیرت ہوتی تھی گرمیوں میں سردیوں کے پھل اور سردیوں میں گرمیوں کے پھل موجود ہوتے تھے جب کہ ان دنوں میں پھلوں کو محفوظ رکھنے کے انتظامات بھی نہیں ہوتے تھے۔ سیدنا زکریا ان سے پوچھتے تھے اے مریم تیرے پاس یہ رزق کہاں سے آیا ہے؟ وہ جواب دیتیں اللہ تعالیٰ کے پاس سے۔ یقیناً وہ جس کو چاہتا ہے بے حساب رزق دیتا ہے۔ کرامت دیکھ کر سیدنا زکریا علیہ السلام کے دل میں بیٹے کی خواہش پیدا ہوئی حالانکہ وہ بہت بوڑھے ہو چکے تھے۔ قرآن مجید میں یوں ہے ﴿هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهُ ۖ قَالَ رَبِّ هَبْ لِي مِن لَّدُنكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ۖ إِنَّكَ سَمِيعُ الدُّعَاءِ﴾ وہیں زکریا نے اپنے رب کو پکارا، اس نے کہا: ''اے میرے رب! مجھے اپنے پاس سے پاکیزہ اولاد عطا فرما بلاشبہ تو ہی دُعا کا خوب سننے والا ہے۔'' (آل عمران:38)

(6) سیدہ مریم کا تمام خواتین عالم کے مقابلے میں انتخاب: اللہ رب العزت نے سیدہ مریم کو چن لیا، انہیں پاک کیا اور دنیا بھر کی عورتوں میں سے اس شرف کے لیے انہیں منتخب کیا کہ ان کے ذریعے اللہ تعالیٰ بغیر باپ کے بچہ پیدا کرنے کی قدرت کا اظہار کرے گا اور انہیں سیدنا عیسیٰ کی خوشخبری دی کہ وہ معزز نبی ہوں گے جو مستقبل میں بنی اسرائیل کے رسول اور ان کے راہ نما بننے والے تھے اور انہیں توحید کی دعوت دینے والے تھے۔

(7) رب العزت نے سیدہ مریم علیہا السلام کو حکم دیا کہ وہ کثرت سے عبادت، رکوع اور سجدوں میں مشغول رہیں تا کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے معزز مقام پانے کی مستحق ہوں اور اس نعمت پر اس کا شکر ادا کریں۔ اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں وہ بہت طویل قیام کرتی تھیں۔ اللہ تعالیٰ ان پر اور ان کے والدین پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے۔ رب العزت نے فرمایا: ﴿وَإِذْ قَالَتِ الْمَلَائِكَةُ يَا مَرْيَمُ إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَاكِ وَطَهَّرَكِ وَاصْطَفَاكِ عَلَىٰ نِسَاءِ الْعَالَمِينَ ﴿٤٢﴾ يَا مَرْيَمُ اقْنُتِي لِرَبِّكِ وَاسْجُدِي وَارْكَعِي مَعَ الرَّاكِعِينَ ﴿٤٣﴾﴾ ''اور جب فرشتوں نے کہا: اے مریم! یقیناً اللہ تعالیٰ نے آپ کو برگزیدہ بنایا ہے اور آپ کو پاک کیا ہے اور سب جہانوں کی عورتوں پر آپ کو منتخب کیا ہے۔ اے مریم! اپنے رب کی اطاعت کرو، سجدے کرو اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو۔'' (آل عمران:42,43)

(8) سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''چار خواتین تمام جہانوں کی عورتوں سے افضل ہیں: مریم بنت عمران، فرعون کی بیوی آسیہ، خدیجہ بنت خویلد اور فاطمہ بنت رسول ﷺ۔'' (مسند احمد:2/368)

(9) سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: ''جب آپ نے جھک کر نبی کریم ﷺ کی بات سنی تھی تو آپ کیوں رو پڑی تھیں اور پھر کیوں ہنس دی تھیں؟'' سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ''نبی کریم ﷺ نے فرمایا تھا کہ آپ اسی بیماری میں وفات پا جائیں گے۔ اس پر مجھے رونا آ گیا پھر میں جھکی تو آپ نے فرمایا کہ گھر کے افراد میں سب سے پہلے میں (فوت ہو کر) آپ سے جاملوں گی اور یہ بتایا کہ میں مریم بنت عمران کے سوا تمام خواتین جنت کی سردار ہوں گی تب میں ہنس دی۔'' (بخاری:6285,6286)

(10) اس سے معلوم ہوا کہ مذکورہ بالا چار خواتین میں سے سیدہ مریم اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا درجہ زیادہ ہے۔ سیدنا ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مردوں میں تو بہت سے افراد کامل ہوئے۔ عورتوں میں صرف فرعون کی بیوی آسیہ اور سیدہ مریم بنت عمران کامل ہوئیں۔ عائشہ رضی اللہ عنہا دوسری عورتوں سے اس طرح افضل ہیں جس طرح ثرید دوسرے تمام کھانوں سے افضل ہوتا ہے۔'' (بخاری:3769)

(11) کمال سے مراد غالباً اپنے اپنے دور میں کمال کا حصول ہے کیونکہ ان دونوں خواتین نے ہونے والے نبیوں کی پرورش کی۔ سیدہ آسیہ نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی پرورش کی۔ سیدہ مریم علیہا السلام نے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی پرورش کی۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس امت میں کوئی خاتون کمال کے اس درجے کو نہیں پہنچ سکتی۔ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا اور فاطمہ رضی اللہ عنہا باکمال ہیں۔ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں بعثت سے پہلے پندرہ سال اور بعثت کے بعد دس سال گزارے۔ اپنی تمام دولت اللہ تعالیٰ کی راہ میں قربان کر دی اور مشکلات کے دور میں آپ کی دلجوئی فرمائی۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو اپنی بہنوں پر یہ افضلیت حاصل ہے کہ انہیں نبی ﷺ کی وفات کا صدمہ برداشت کرنا پڑا جب کہ آپ کی دوسری بہنیں نبی ﷺ کی زندگی میں فوت ہو چکی تھیں۔ سیدنا عائشہ رضی اللہ عنہا کو یہ شرف حاصل ہے۔ کہ آپ کو نبی کریم ﷺ کی محبت میں سے وافر حصہ ملا تھا۔ آپ کے سوا کوئی ام المومنین کنواری ہونے کی حالت میں نبی ﷺ کے نکاح میں نہیں آئیں۔ جب منافقوں نے آپ ﷺ کی عزت پر انگشت نمائی کی تو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں آپ کی برأت نازل فرمائی۔ آپ رسول اللہ ﷺ کی رحلت کے بعد پچاس سال زندہ رہیں۔ اس دوران میں آپ قرآن وسنت کی تبلیغ میں مشغول رہیں۔ مشکل شرعی مسائل میں آپ فتووں کے ذریعے سے امت کی راہ نمائی فرماتی رہیں اور اختلاف پیدا ہونے کی صورت میں صلح کرواتی رہیں۔ اس لیے بعض علمائے کرام نے ام المومنین سیدنا عائشہ کو ام المومنین سیدنا خدیجہ سمیت تمام امہات المومنین سے افضل قرار دیا ہے۔ تاہم سیدہ خدیجہ اور سیدہ عائشہ کو ایک دوسرے سے افضل قرار دینے کے مسئلہ میں خاموشی ہی بہتر ہے۔ (قصص الانبیاء:597,603)

سوال 2: ﴿اِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ اَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا﴾ ''جب کہ وہ اپنے گھر والوں سے الگ ہو کر مشرقی جانب چلی گئی۔'' آیت کے اس حصے کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿اِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ اَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا﴾ ''جب کہ وہ اپنے گھر والوں سے الگ ہو کر مشرقی جانب چلی گئی'' یعنی جب وہ اپنے گھر والوں سے جدا ہو کر۔

(2)﴿مَكَانًا شَرۡقِيًّا﴾ ''مشرقی جانب چلی گئی۔'' یعنی قدیم ہیکل کے مشرقی حصے میں گوشہ نشین ہوگئی تھیں۔

﴿فَاتَّخَذَتۡ مِنۡ دُوۡنِهِمۡ حِجَابًا ۗ فَاَرۡسَلۡنَاۤ اِلَيۡهَا رُوۡحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا﴾

''پھر اُس نے اُن کی طرف سے ایک پردہ بنالیا تو ہم نے اُس کے پاس اپنے خاص فرشتے کو بھیجا
تو اُس کے لیے اُس نے پورے انسان کی شکل اختیار کی'' (17)

سوال 1:﴿فَاتَّخَذَتۡ مِنۡ دُوۡنِهِمۡ حِجَابًا ۗ فَاَرۡسَلۡنَاۤ اِلَيۡهَا رُوۡحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا﴾ پھر اُس نے اُن کی طرف سے ایک پردہ بنالیا تو ہم نے اُس کے پاس اپنے خاص فرشتے کو بھیجا تو اُس کے لیے اُس نے پورے انسان کی شکل اختیار کی'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿فَاتَّخَذَتۡ مِنۡ دُوۡنِهِمۡ حِجَابًا﴾ ''پھر اُس نے اُن کی طرف سے ایک پردہ بنالیا'' (i) سیدہ مریم علیہا السلام یہ علیحدگی اور حجاب اس مقصد کے لیے تھا تاکہ وہ لوگوں سے الگ تھلگ رہیں انہیں یکسوئی حاصل رہے۔(ii) یہ پردہ اس مقصد کے لیے بھی تھا تاکہ وہ کسی کو نظر نہ آئیں۔(iii) یہ پردہ حیض سے پاکیزگی کے لیے بھی تھا۔اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ وہ کنواری اور کم سن ہونے کے باوجود پاکیزہ تھیں اور اپنی تنہائی سے مطمئن تھیں۔

(2) یعنی ایک پردہ ڈال لیا تھا جو لوگوں کی ملاقات سے مانع تھا۔سیدہ مریم علیہا السلام کا گوشہ نشیں ہونا، پردہ لٹکا کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لئے الگ تھلگ ہوجانا، اخلاص، خشوع وخضوع اور اللہ تعالیٰ کے لئے تذلل کی حالت میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت دراصل اس ارشادالٰہی کی تعمیل ہے۔﴿وَاِذۡ قَالَتِ الۡمَلٰٓـئِكَةُ يٰمَرۡيَمُ اِنَّ اللّٰهَ اصۡطَفٰكِ وَطَهَّرَكِ وَاصۡطَفٰكِ عَلٰى نِسَآءِ الۡعٰلَمِيۡنَ يٰمَرۡيَمُ اقۡنُتِىۡ لِرَبِّكِ وَاسۡجُدِىۡ وَارۡكَعِىۡ مَعَ الرّٰكِعِيۡنَ﴾ اور جب فرشتوں نے کہا: اے مریم! یقیناً اللہ تعالیٰ نے آپ کو برگزیدہ بنایا ہے اور آپ کو پاک کیا ہے اور سب جہانوں کی عورتوں پر آپ کو منتخب کیا ہے۔اے مریم! اپنے رب کی اطاعت کرو، سجدے کرو اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو۔(آل عمران:43،42)

(3)﴿فَاَرۡسَلۡنَاۤ اِلَيۡهَا رُوۡحَنَا﴾ ''تو ہم نے اُس کے پاس اپنے خاص فرشتے کو بھیجا۔'' روح سے مراد سیدنا جبرائیل علیہ السلام ہیں۔

(4)﴿فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا﴾ ''تو اُس کے لیے اُس نے پورے انسان کی شکل اختیار کی'' اللہ تعالیٰ نے سیدنا جبرائیل علیہ السلام کو مکمل انسانی شکل میں بھیجا تھا۔یعنی ایک خوبصورت اور حسین وجمیل مرد کی شکل میں ظاہر ہوئے، جس میں کوئی عیب تھا نہ نقص، کیونکہ سیدہ مریم علیہا السلام، جبریل علیہ السلام کو ان کی اصل شکل میں دیکھنے کی متحمل نہ تھیں۔جب مریم علیہا السلام نے جبریل علیہ السلام کو اس حال میں دیکھا، جبکہ وہ اپنے گھر سے علیحدہ اور لوگوں سے الگ ہوکر گوشہ نشیں ہوگئی تھیں اور عزیز ترین لوگوں، یعنی اپنے گھر والوں سے بھی پردہ کرلیا تھا۔تو ڈر گئیں کہ وہ مرد ہے کہیں وہ

ان کے بارے میں کوئی برا ارادہ نہ رکھتا ہو اور کہیں وہ ان کے ساتھ برائی سے پیش نہ آئے۔ (تفسیر سعدی: 1567/2)

﴿قَالَتْ اِنِّيْٓ اَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْكَ اِنْ كُنْتَ تَقِيًّا﴾

''مریم نے کہا: ''یقیناً میں تجھ سے رحمن کی پناہ مانگتی ہوں اگر تو اللہ تعالیٰ سے ڈر جانے والا ہے'' (18)

سوال 1: ﴿قَالَتْ اِنِّيْٓ اَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْكَ اِنْ كُنْتَ تَقِيًّا﴾ ''مریم نے کہا: ''یقیناً میں تجھ سے رحمن کی پناہ مانگتی ہوں اگر تو اللہ تعالیٰ سے ڈر جانے والا ہے۔'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿قَالَتْ﴾ ''مریم نے کہا'' (i) سیدہ مریم علیہا السلام نے جب بے دھڑک ایک مرد کو اندر داخل ہوتے دیکھا تو گھبرا اُٹھیں کہ کہیں یہ بُری نیت سے نہ آیا ہو۔ (ii) سیدہ مریم کا گھبرا اُٹھنا فطری امر تھا جس پاکباز عبادت گزار لڑکی کے کمرے میں اچانک نوجوان داخل ہو جائے تو وہ یقیناً گھبرا جائے گی اور اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرے گی۔ (iii) سیدہ مریم علیہا السلام سیدنا جبرائیل سے ڈر گئیں کہ کہیں وہ ان کے ساتھ برائی سے پیش نہ آئیں اس لیے انہوں نے اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگتے ہوئے کہا۔

(2) ﴿اِنِّيْٓ اَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ﴾ ''یقیناً میں تجھ سے رحمن کی پناہ مانگتی ہوں'' انہوں نے کہا میں اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتی ہوں اور اس کی رحمت کے سائے تلے آتی ہوں کہ تو مجھے نقصان نہ پہنچائے۔ (جامع البیان: 74/16)

(3) ﴿اِنْ كُنْتَ تَقِيًّا﴾ ''اگر تو اللہ تعالیٰ سے ڈر جانے والا ہے'' یعنی اگر تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہو اور عمل کرتے ہو اور تمہارے دل میں کچھ بھی خوف ہے تو میں اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتی ہوں۔

(4) (i) سیدہ مریم علیہا السلام نے اس مرد کے شعور کو بیدار کیا کہ اللہ تعالیٰ موجود ہے وہ دیکھ رہا ہے۔ یہ جگہ اللہ تعالیٰ کے علم سے باہر نہیں۔ (ii) سیدہ مریم علیہا السلام پاکباز دوشیزہ تھیں اُن کو جنین کی حالت میں ہیکل کی نذر کر دیا تھا اُن کی اچھی تربیت ہوئی تھی اُن کی کفالت ایک پاکباز شخص نے کی وہ پاک ماحول میں رہنے والی تھیں اُن کے لیے تقویٰ ہی سب سے اہم چیز تھی اس لیے اُنہوں نے اُسی کا واسطہ دیا۔ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے اللہ تعالیٰ کا خوف بیدار ہو سکتا ہے لیکن شرط یہ ہے کہ جس کے سامنے ذکر کیا جائے وہ متقی ہو۔ تقویٰ کی بیداری سے انسان شیطانی وسوسوں اور شہوت کی اُکساہٹوں سے بچ جاتا ہے۔

(5) سیدہ مریم علیہا السلام کا خوف تھا اور یہ عفت کے بلند ترین درجے پر تھا اور اس کے اسباب سے بعد کی دلیل ہے یہ عفت خاص طور پر جبکہ تمام اسباب جمع ہوں اور گناہ سے کوئی مانع بھی موجود نہ ہو۔ بہترین عمل ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس کی ستائش کی۔ ﴿وَمَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرٰنَ الَّتِيْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهِ مِنْ رُّوْحِنَا وَصَدَّقَتْ بِكَلِمٰتِ رَبِّهَا وَكُتُبِهٖ وَكَانَتْ مِنَ الْقٰنِتِيْنَ﴾ ''اور عمران کی بیٹی مریم کی مثال بیان کی، جس نے اپنی شرم گاہ کی حفاظت کی تو چنانچہ ہم نے اُس میں اپنی رُوح پھونک دی اور اُس نے اپنے رب کی باتوں اور اُس کی کتابوں کی تصدیق کی اور وہ فرماں برداروں میں سے تھی۔'' (التحریم: 12) ﴿وَالَّتِيْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا

﴿فِيهَا مِن رُّوحِنَا وَجَعَلْنٰهَا وَابْنَهَا آيَةً لِّلْعٰلَمِينَ﴾ ''اور وہ عورت جس نے اپنی عصمت کی حفاظت کی تھی تو ہم نے اس میں اپنی روح میں سے پھونکا اور ہم نے اسے اور اس کے بیٹے کو جہانوں کے لیے نشانی بنا دیا۔'' (انبیاء:91) (سعدی:2/1567)

﴿قَالَ اِنَّمَآ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا﴾

''فرشتے نے کہا: ''یقیناً میں تو تیرے رب کا بھیجا ہوا ہوں تاکہ میں تجھے ایک پاکیزہ لڑکا دوں'' (19)

سوال 1: ﴿قَالَ اِنَّمَآ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا﴾ فرشتے نے کہا: ''یقیناً میں تو تیرے رب کا بھیجا ہوا ہوں تاکہ میں تجھے ایک پاکیزہ لڑکا دوں'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿قَالَ﴾ ''فرشتے نے کہا'' فرشتے نے جواب دیا۔

(2) ﴿اِنَّمَآ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ﴾ ''یقیناً میں تو تیرے رب کا بھیجا ہوا ہوں'' کہ میرے بارے میں آپ کا گمان درست نہیں میں تو آپ کے رب کا قاصد ہوں، آپ کے رب نے مجھے بھیجا ہے۔ اور میرا کام تو آپ کے بارے میں رب کے حکم کو نافذ کرتا ہے۔

(3) ﴿لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا﴾ ''تاکہ میں تجھے ایک پاکیزہ لڑکا دوں'' یہ بیٹے اور اس کی پاکبازی کی بہت بڑی خوش خبری ہے کیونکہ تمام پاکیزگی تمام بری عادات سے تطہیر اور قابل تعریف اوصاف کے حامل ہونے کی دلیل ہے۔

(4) فرشتے نے کہا کہ مجھے تو آپ کے پاس بھیجا گیا ہے کہ میں آپ کو ایک پاکیزہ بیٹا دوں۔

﴿قَالَتْ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ وَّلَمْ اَكُ بَغِيًّا﴾

''مریم نے کہا: ''میرے یہاں لڑکا کیسے ہوگا؟ اور مجھے کسی انسان نے چھوا تک نہیں اور میں کبھی بدکار نہ تھی'' (20)

سوال 1: ﴿قَالَتْ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ وَّلَمْ اَكُ بَغِيًّا﴾ مریم نے کہا: ''میرے یہاں لڑکا کیسے ہوگا؟ اور مجھے کسی انسان نے چھوا تک نہیں اور میں کبھی بدکار نہ تھی'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿قَالَتْ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ وَّلَمْ اَكُ بَغِيًّا﴾ ''مریم نے کہا: ''میرے یہاں لڑکا کیسے ہوگا؟ اور مجھے کسی انسان نے چھوا تک نہیں اور میں کبھی بدکار نہ تھی۔'' سیدہ مریم علیہا السلام کو فرشتے کی بات پر تعجب ہوا تو انہوں نے سوال کیا کہ میرے ہاں بیٹا کیسے ہو سکتا ہے جب کہ نہ تو میرا کوئی شوہر ہے اور نہ ہی میں بے حیائی پر آمادہ ہو سکتی ہوں، نہ آج تک مجھے کسی انسان نے چھوا، نہ ہی میں فاحشہ عورت ہوں (نعوذ باللہ)

(2) یہ الفاظ بھی ظاہر کرتے ہیں کہ یہ عطا ظاہری اسباب کے بغیر ہوگی اس لیے سیدہ مریم علیہا السلام کا خوف دُور ہو گیا۔

(3) سیدنا جبرائیل علیہ السلام نے یہ واضح کر دیا تھا کہ میں تیرے رب کا رسول ہوں اور رسول پیغام دینے کے لیے آتا ہے اس لیے بھی خوف دُور

ہو گیا۔ اس سوال یہ پتہ چلتا ہے کہ سیدہ مریم علیہا السلام مرد اور عورت کے ملاپ کے ماسوا کسی اور صورت پیدائش پر یقین نہیں رکھتی تھیں۔

﴿قَالَ كَذٰلِكِ ۚ قَالَ رَبُّكِ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ ۚ وَلِنَجْعَلَهٗٓ اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَرَحْمَةً مِّنَّا ۚ وَكَانَ اَمْرًا مَّقْضِيًّا﴾

''فرشتے نے کہا کہ ایسا ہی ہوگا، تیرے رب نے کہا ہے کہ وہ مجھ پر تو بہت آسان ہے اور تا کہ ہم اسے لوگوں کے لیے ایک نشانی اور اپنی جانب سے ایک رحمت بنا دیں اور ہمیشہ سے یہ ایک طے شدہ کام ہے۔'' (21)

سوال 1: ﴿قَالَ كَذٰلِكِ ۚ قَالَ رَبُّكِ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ ۚ وَلِنَجْعَلَهٗٓ اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَرَحْمَةً مِّنَّا ۚ وَكَانَ اَمْرًا مَّقْضِيًّا﴾ ''فرشتے نے کہا کہ ایسا ہی ہوگا، تیرے رب نے کہا ہے کہ وہ مجھ پر تو بہت آسان ہے اور تا کہ ہم اسے لوگوں کے لیے ایک نشانی اور اپنی جانب سے ایک رحمت بنا دیں اور ہمیشہ سے یہ ایک طے شدہ کام ہے'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿قَالَ كَذٰلِكِ﴾ ''فرشتے نے کہا کہ ایسا ہی ہوگا'' فرشتے نے سیدہ مریم علیہا السلام کو جواب دیا کہ ایسا ہی ہوگا یعنی تم سے بیٹا پیدا ہوگا اگرچہ تمہارا شوہر نہ ہو اور تم پاک دامن ہی رہو کیونکہ اللہ تعالیٰ تو ہر چیز پر قادر ہے اور اس پر ہر کام آسان ہے۔ (مختصر ابن کثیر: 1127/2)

(2) ﴿قَالَ رَبُّكِ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ﴾ ''تیرے رب نے کہا ہے کہ وہ مجھ پر تو بہت آسان ہے'' اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے اس کے لیے کوئی کام مشکل نہیں۔

(3) اللہ تعالیٰ اسباب کا محتاج نہیں ہے اس لیے جو چیز ہمارے لیے معجزہ ہے وہ اس کے لیے مشکل نہیں ہے۔

(4) ﴿وَلِنَجْعَلَهٗٓ اٰيَةً لِّلنَّاسِ﴾ ''اور تا کہ ہم اسے لوگوں کے لیے ایک نشانی بنا دیں'' (i) اللہ تعالیٰ نے سیدنا مریم علیہا السلام نے اس بچے کو اپنی تخلیق کی نشانی بنا دیا اور یہ ثابت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارادہ، قدرت اور مشیت بے قید ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سیدنا آدم علیہ السلام کو مرد اور عورت کے بغیر پیدا کیا یہ پہلی صورت ہے جو انسان جانتے ہیں۔ (ii) اللہ تعالیٰ نے سیدہ حوا علیہا السلام کو صرف مرد سے پیدا کر کے دوسری صورت بھی واضح کر دی تھی۔ (iii) اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام اور حوا علیہا السلام سے ساری نسل انسانی کا سلسلہ چلا دیا تیسری نشانی تھی۔

(5) اللہ تعالیٰ نے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے توسط سے یہ چوتھی نشانی دکھا دی کہ بغیر مرد کے بھی اللہ تعالیٰ بچے کو تخلیق کر سکتا ہے۔

(6) اللہ تعالیٰ پیدائش کی ہر قسم پر کمال درجے کی قدرت اور کمال درجے کا غلبہ رکھتے ہیں، یقیناً اللہ تعالیٰ کے سوا نہ کوئی معبود ہے نہ رب۔

(7) یہ بچہ یعنی سیدنا عیسیٰ علیہ السلام ایک اور اعتبار سے بھی سارے جہان والوں کے لیے نشانی ہوں گے کہ وہ لوگوں سے بچپن (گہوارے) میں بھی باتیں کریں گے۔ اللہ تعالیٰ انہیں اپنی رحمت اور اپنا نبی بنائیں گے، وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اور توحید کی دعوت دیں گے۔ جیسا کہ فرمایا:

﴿اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ اسْمُهُ الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَجِيْهًا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿٤٥﴾ وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا وَّمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿٤٦﴾﴾ ''جب فرشتوں نے کہا: ''اے مریم!

یقیناً اللہ تعالیٰ آپ کو اپنی طرف سے ایک کلمے کی خوش خبری دیتا ہے، اس کا نام مسیح عیسیٰ ابن مریم ہوگا، وہ دنیا و آخرت میں بہت مرتبے والا اور مقرب بندوں میں سے ہوگا اور وہ گود میں بھی اور اُدھیڑ عمر میں بھی لوگوں سے باتیں کرے گا اور وہ نیک لوگوں میں سے ہوگا۔'' (آل عمران: 46,45)

(8) یہ سیدنا جبرائیل کے کلام کا اختتام ہے انہوں نے سیدہ مریم کو یہ خبر دی کہ کام اللہ تعالیٰ کے علم اور قدرت اور اس کی مشیت و تقدیر میں طے پا چکا ہے اور حق تعالیٰ رحمت عالم ﷺ کو اس کی خبر دے رہے ہیں، اس سے کنایہ روح پھونک دینا ہے قرآن میں ہے: ﴿وَمَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرٰنَ الَّتِىٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهِ مِنْ رُّوْحِنَا وَصَدَّقَتْ بِكَلِمٰتِ رَبِّهَا وَ كُتُبِهٖ وَكَانَتْ مِنَ الْقٰنِتِيْنَ﴾ ''اور عمران کی بیٹی مریم کی مثال بیان کی، جس نے اپنی شرم گاہ کی حفاظت کی تو چنانچہ ہم نے اُس میں اپنی رُوح پھونک دی اور اُس نے اپنے رب کی باتوں اور اُس کی کتابوں کی تصدیق کی اور وہ فرماں برداروں میں سے تھی۔'' (التحریم: 12) ﴿وَالَّتِىٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهَا مِنْ رُّوْحِنَا وَجَعَلْنٰهَا وَابْنَهَآ اٰيَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ﴾ ''اور وہ عورت جس نے اپنی عصمت کی حفاظت کی تھی تو ہم نے اس میں اپنی روح میں سے پھونکا اور ہم نے اسے اور اس کے بیٹے کو جہانوں کے لیے نشانی بنا دیا۔'' (الانبیاء: 91) یعنی اللہ تعالیٰ اس کام کا عزم کر چکا ہے اس کے بغیر کوئی چارہ نہیں۔ (ابن کثیر: 1127/1128)

(9) وہ نشانی اللہ تعالیٰ کی قدرت پر دلالت کرے، نیز اس امر پر بھی کہ اسباب کی کوئی مستقل تاثیر نہیں، ان میں تاثیر صرف اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے ہے۔ پس وہ اپنے بندوں کو بعض اسباب کے خلاف خارق عادت واقعات کا مشاہدہ کراتا ہے تاکہ وہ اسباب پر نہ ٹھہر جائیں اور مسبب الاسباب اور ان کو مقدر کرنے والی ہستی کے افعال میں غور و فکر ترک نہ کریں۔ (تفسیر سعدی: 1567,1568/2)

(10) ﴿وَرَحْمَةً مِّنَّا﴾ ''اور اپنی جانب سے ایک رحمت بنا دیں'' یہ واقعہ پہلے بنی اسرائیل کے لیے رحمت بنا پھر سارے انسانوں کے لیے رحمت بنا۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے یہاں مراد اللہ تعالیٰ کی پہچان ہے جس کی وجہ سے لوگ اللہ تعالیٰ کی بندگی کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی رضا تلاش کرتے ہیں۔

(11) تاکہ ہم اس کو خود اس کے لئے، اس کی والدہ کے لئے اور تمام لوگوں کے لئے رحمت بنائیں۔ ان کو خود اپنے لئے رحمت ہونا اس بنا پر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنی وحی کے لئے مختص کیا اور آپ کو اپنی عنایات سے نوازا جس طرح اس نے اولوالعزم انبیاء و مرسلین کو نوازا۔ آپ کی والدہ کے لئے آپ کا رحمت ہونا یہ ہے کہ آپ کی وجہ سے آپ کی والدہ کو فخر، ثنائے حسن اور بڑے بڑے اخروی فوائد حاصل ہوئے۔ لوگوں کے لئے آپ کا رحمت ہونا یہ ہے کہ ان پر اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی نعمت یہ ہے کہ اس نے ان کے اندر اپنا رسول مبعوث کیا جو ان پر اللہ تعالیٰ کی آیات تلاوت کرتا ہے، ان کو پاک کرتا ہے اور ان کو کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے، وہ اس پر ایمان لاتے ہیں، اس کی اطاعت کرتے ہیں اور وہ دنیا و آخرت کی سعادت سے بہرہ ور ہوتے ہیں۔ (تفسیر سعدی: 1567,1568/2)

(12)﴿وَكَانَ اَمْرًا مَّقْضِيًّا﴾ ''اور ہمیشہ سے یہ ایک طے شدہ کام ہے'': (i) اس سے مراد یہ ہے کہ یہ معجزانہ پیدائش تو اللہ تعالیٰ کے علم اور اس کی قدرت کے مطابق طے شدہ ہے۔ (ii) اس کا یہ مطلب بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ فیصلہ بدلا نہیں جاسکتا، ہو کر رہے گا۔

(13) یعنی سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش اللہ تعالیٰ کا حتمی فیصلہ تھا، اس کا نافذ ہونا اٹل تھا۔ لہٰذا سیدنا جبرائیل علیہ السلام نے سیدہ مریم کے گریبان میں پھونک ماردی اور سیدہ مریم علیہا السلام اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر راضی ہوگئیں۔

﴿فَحَمَلَتْهُ فَانْتَبَذَتْ بِهٖ مَكَانًا قَصِيًّا﴾

''پھر مریم نے اس بچے کا حمل اُٹھالیا تو وہ اس کے ساتھ الگ ہو کر ایک دور کی جگہ چلی گئی'' (22)

سوال 1: ﴿فَحَمَلَتْهُ فَانْتَبَذَتْ بِهٖ مَكَانًا قَصِيًّا﴾ ''پھر مریم نے اس بچے کا حمل اُٹھالیا تو وہ اس کے ساتھ الگ ہو کر ایک دور کی جگہ چلی گئی'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿فَحَمَلَتْهُ﴾ ''پھر مریم نے اس بچے کا حمل اُٹھالیا'' سیدہ مریم علیہا السلام کو حمل ٹھہر گیا، سیدہ مریم علیہا السلام کے حمل کے بارے میں قرآن حکیم میں تذکرہ نہیں ہے۔

(2) سیدنا جبرائیل علیہ السلام نے سیدہ مریم علیہا السلام کے دامن یا گریبان میں پھونک ماری اور وہ حمل سے ہوگئیں۔

(3) حمل قرار پانے کے بعد سیدہ مریم علیہا السلام کو یہ سمجھ نہیں آتا تھا کہ لوگوں سے کیا کہیں کیونکہ انہیں علم تھا کہ وہ سچی بات بھی نہیں مانیں گے جب انہیں قوم کی طرف سے زنا کے الزام کا خطرہ محسوس ہوا تو ان سے علیحدہ ہوگئیں۔

(4) ﴿فَانْتَبَذَتْ بِهٖ مَكَانًا قَصِيًّا﴾ ''تو وہ اس کے ساتھ الگ ہو کر ایک دور کی جگہ چلی گئی'' (i) سیدہ مریم علیہا السلام بیت اللحم کے مقام پر چلی گئیں تھیں۔ (ii) حاملہ ہونا آزمائش ہے لیکن کنواری لڑکی کا حاملہ ہونا بہت بڑی آزمائش ہے اس لیے وہ خاموشی سے ہیکل سے نکلیں اور دُور کے مقام پر چلی گئیں۔ (iii) سیدہ مریم علیہا السلام پہلی بار علیحدہ ہو کر چھپ گئیں تھیں کیونکہ انہیں اپنے اخلاق اور تربیت کی فکر تھی یہ صرف اُن کا خفیہ مسئلہ تھا اور چھپا رہ سکتا تھا۔ دوسری بار کی علیحدگی کو خفیہ نہیں رکھا جاسکتا تھا انہیں جسمانی تکلیف کے ساتھ شدید نفسیاتی تکلیف لاحق تھی۔

(5) ایک روایت میں ہے کہ یہ مقام بیت المقدس سے آٹھ میل دور تھا ایک حدیث میں ہے کہ ولادت عیسیٰ کی جگہ بیت اللحم ہے۔ (نسائی، بیہقی)

﴿فَاَجَآءَهَا الْمَخَاضُ اِلٰى جِذْعِ النَّخْلَةِ ۚ قَالَتْ يٰلَيْتَنِيْ مِتُّ قَبْلَ هٰذَا وَكُنْتُ نَسْيًا مَّنْسِيًّا﴾

''پھر دردِ زہ اسے کھجور کے ایک تنے تک لے آیا، اُس نے کہا: ''اے کاش! میں اس سے پہلے ہی مرجاتی اور میں بھولی بھلائی ہوئی ہوتی'' (23)

سوال 1: ﴿فَاَجَآءَهَا الْمَخَاضُ اِلٰى جِذْعِ النَّخْلَةِ ۚ قَالَتْ يٰلَيْتَنِيْ مِتُّ قَبْلَ هٰذَا وَكُنْتُ نَسْيًا مَّنْسِيًّا﴾ ''پھر

دردِزہ اسے کھجور کے ایک تنے تک لے آیا، اُس نے کہا: ”اے کاش! میں اس سے پہلے ہی مرجاتی اور میں بھولی بھلائی ہوئی ہوتی“ اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿فَاَجَآءَهَا الۡمَخَاضُ اِلٰی جِذۡعِ النَّخۡلَةِ﴾ ”پھر دردِزہ اسے کھجور کے ایک تنے تک لے آیا“ جب سیدہ مریم علیہا السلام کو زچگی کی تکلیف شروع ہوئی تو وہ بے قرار ہو اُٹھیں۔ بے چینی میں وہ کھجور کے درخت کے نیچے آ کر بیٹھ گئیں۔ یہ درخت اسی جگہ تھا جہاں وہ اپنی قوم سے دور رہتی تھیں، ایک طرف زچگی کی تکلیف تھی اور دوسری طرف لوگوں کی باتوں اور طعنوں کا خیال کر کے تمنا کرنے لگیں۔

(2) ﴿قَالَتۡ یٰلَیۡتَنِیۡ مِتُّ قَبۡلَ هٰذَا وَ كُنۡتُ نَسۡیًا مَّنۡسِیًّا﴾ ”اُس نے کہا: ”اے کاش! میں اس سے پہلے ہی مرجاتی اور میں بھولی بھلائی ہوئی ہوتی“ انہوں نے یہ تمنا کی کہ کاش وہ اس واقعہ سے پہلے ہی وفات پا جاتیں اور ان کا کہیں تذکرہ بھی نہ ہوتا۔

(3) سیدہ مریم علیہا السلام کی یہ تمنا گھبراہٹ کی بنا پر تھی جس میں ان کے لیے کوئی مصلحت، کوئی بھلائی نہیں تھی۔ اللہ تعالیٰ کی تقدیر میں ایک عظیم نبی کی ماں بننا ہی ان کی تقدیر میں تھا۔ ان کی بھلائی اور مصلحت تو سیدنا عیسیٰ کی پیدائش میں ہی تھی۔

سوال 2: سیدہ مریم علیہا السلام اللہ تعالیٰ کا انتخاب تھیں، جہان والی عورتوں میں اللہ تعالیٰ نے انہیں برگزیدہ کیا۔ انہوں نے موت کی تمنا کیوں کی؟

جواب: (1) سیدہ مریم علیہا السلام و یہ خوف تھا کہ بچے کی ولادت پر میں کیسے کسی کو مطمئن کر سکوں گی جب کہ کوئی میرا گواہ نہ ہوگا۔ اسی وجہ سے موت کی آرزو کی تھی۔

(2) سیدہ مریم علیہا السلام کی شہرت ایک پاکباز، عبادت گزار دُنیا سے بے رغبتی اختیار کرنے والی لڑکی کی تھی انہیں یہ خوف تھا کہ میں لوگوں کی نظروں میں بدکار ٹھہروں گی اس لیے اُنہوں نے موت کی آرزو کی تھی۔

(3) منسیا اس کپڑے کو کہتے ہیں جو حیض کے خون کے لیے استعمال کیا جاتا ہے اس کے بعد پھینک دیا جاتا ہے اور بھلا دیا جاتا ہے کہ کوئی نشان بھی نہ دیکھ سکے۔ سیدہ مریم علیہا السلام دُکھ کی اس انتہا پر تھیں کہ اپنا کوئی نام ونشان کوئی یاد بھی باقی نہیں رہنے دینا چاہتی تھیں۔

سوال 3: کیا دینی فتنے کے وقت موت کی تمنا کی جا سکتی ہے؟ سیدہ مریم علیہا السلام کی تمنا کا دین میں کیا مقام ہے؟

جواب: دین میں فتنے کے وقت موت کی آرزو کرنا جائز ہے مریم کو معلوم تھا کہ اس بچے کی وجہ سے انہیں ایک زبردست امتحان سے گزرنا پڑے گا اور کوئی شخص بھی ان کی بات ماننے کو تیار نہ ہوگا۔ اب تک لوگ انہیں عبادت گزار اور نیک سمجھتے رہے مگر اب وہ بدکار اور آوارہ سمجھی جائیں گی۔ یہ خیال بار بار ان کے کلیجہ کو ستارہا اور انگاروں پر لٹاتا رہا، جب بہت ہی بے چین ہوئیں تو بے ساختہ زبان سے نکلا کہ اس بدنامی سے تو بہتر تھا کہ اس واقعہ سے پہلے ہی میں مرجاتی اور لوگ مریم کو بھول جاتے یا میں پیدا ہی نہ ہوتی۔ (مختصر ابن کثیر 2/1129) اس سے معلوم ہوا کہ دین میں فتنے کی وجہ سے سیدہ مریم علیہا السلام نے موت کی آرزو کی تھی جو کہ جائز ہے۔

سوال4: زندگی کے دیگر مصائب میں موت کی تمنا کا کیا مقام ہے؟ نبی ﷺ نے اس کے لیے کیا تعلیم دی ہے؟

جواب: ''سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا: ''تم میں سے کوئی بھی کسی مصیبت کے آجانے کی وجہ سے موت کی تمنا اور خواہش نہ کرے اور اگر اسے ضرور ہی موت کی خواہش کرنا ہو تو کہے: اے اللہ! جب تک میرے لیے زندگی بہتر ہو مجھے زندہ رکھ اور جب میرے لیے وفات بہتر ہو مجھے وفات دے دے۔'' (مسلم:6814)

﴿فَنَادٰىهَا مِنۡ تَحۡتِهَاۤ اَلَّا تَحۡزَنِىۡ قَدۡ جَعَلَ رَبُّكِ تَحۡتَكِ سَرِيًّا﴾

''پھر مریم کو فرشتے نے اس کے نیچے سے آواز دی کہ غم نہ کرو، یقیناً تیرے رب نے تیرے نیچے سے ایک چشمہ (جاری) کر دیا ہے'' (24)

سوال1: ﴿فَنَادٰىهَا مِنۡ تَحۡتِهَاۤ اَلَّا تَحۡزَنِىۡ قَدۡ جَعَلَ رَبُّكِ تَحۡتَكِ سَرِيًّا﴾ پھر مریم کو فرشتے نے اس کے نیچے سے آواز دی کہ غم نہ کرو، یقیناً تیرے رب نے تیرے نیچے سے ایک چشمہ (جاری) کر دیا ہے'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿فَنَادٰىهَا مِنۡ تَحۡتِهَاۤ اَلَّا تَحۡزَنِىۡ﴾ ''پھر مریم کو فرشتے نے اس کے نیچے سے آواز دی کہ غم نہ کرو'' اللہ تعالیٰ نے سیدہ مریم علیہا السلام کے لیے فرشتے کو بھیجا جس نے یقین دلایا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا منصوبہ ہے اس لیے گھبراؤ نہیں۔

(2) اس وقت فرشتے نے ان کو حوصلہ اور ثابت قدمی عطا کی۔

(3) سیدہ مریم علیہا السلام کا غم کسی انسان سے دور نہیں ہو سکتا تھا اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرشتے کو بھیج کر سکون دیا۔

(4) ﴿قَدۡ جَعَلَ رَبُّكِ تَحۡتَكِ سَرِيًّا﴾ ''یقیناً تیرے رب نے تیرے نیچے سے ایک چشمہ (جاری) کر دیا ہے'' سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں مریم کو یہ بات ان کے نیچے سے جبرائیل نے پکار کر کہی تھی۔ (مختصر ابن کثیر:1129/2) فرشتے نے یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے معجزانہ طریقے سے چشمہ جاری کر دیا ہے اور سوکھے کھجور کے درخت کے تازہ کھجوریں کا انتظام کر دیا ہے یوں یقین دہانی اور غم دور کرنے کا ایک اور انتظام بھی کر دیا گیا۔

﴿وَهُزِّىۡۤ اِلَيۡكِ بِجِذۡعِ النَّخۡلَةِ تُسٰقِطۡ عَلَيۡكِ رُطَبًا جَنِيًّا﴾

''اور تم کھجور کے تنے کو اپنی طرف ہلاؤ، تمہارے اوپر تر و تازہ پکی ہوئی کھجوریں گرائے گا'' (25)

سوال1: ﴿وَهُزِّىۡۤ اِلَيۡكِ بِجِذۡعِ النَّخۡلَةِ تُسٰقِطۡ عَلَيۡكِ رُطَبًا جَنِيًّا﴾ ''اور تم کھجور کے تنے کو اپنی طرف ہلاؤ، تمہارے اوپر تر و تازہ پکی ہوئی کھجوریں گرائے گا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَهُزِّىۡۤ اِلَيۡكِ بِجِذۡعِ النَّخۡلَةِ﴾ ''اور تم کھجور کے تنے کو اپنی طرف ہلاؤ'' فرشتے نے مزید تسلی دیتے ہوئے کہا: کھجور کی ٹہنی کو ہلاؤ اور گھبراؤ نہیں۔

(2)﴿تُسٰقِطۡ عَلَیۡكِ رُطَبًا جَنِیًّا﴾ تمہارے اوپر تر وتازہ پکی ہوئی کھجوریں گرائے گا“ تمہارے کھانے کا انتظام تمہارے رب نے کردیا ہے۔ کھجور ہلانے سے تمہارے اوپر تر وتازہ پکی ہوئی کھجوریں ٹپک پڑیں گی۔ سیدنا مجاہد کہتے ہیں وہ عجوہ کھجور تھی۔ (تفسیر ابن حاتم:2405/7)

(3)رزق کے حصول کے لیے کوشش کرنا اور سبب اختیار کرنا شریعت کا حکم ہے جو کہ اللہ جل جلالہ پر توکل کے منافی نہیں ہے۔ (اضواء البیان:398/3)

﴿فَكُلِیۡ وَاشۡرَبِیۡ وَقَرِّیۡ عَیۡنًا ۚ فَاِمَّا تَرَیِنَّ مِنَ الۡبَشَرِ اَحَدًا ۙ فَقُوۡلِیۡۤ اِنِّیۡ نَذَرۡتُ لِلرَّحۡمٰنِ صَوۡمًا فَلَنۡ اُكَلِّمَ الۡیَوۡمَ اِنۡسِیًّا﴾

”پس تم کھاؤ اور پیو اور آنکھیں ٹھنڈی کرو پھر اگر تم انسانوں میں سے کسی کو دیکھو تو اُس سے کہہ دو کہ یقیناً میں نے رحمٰن کے لیے روزے کی نذر مان رکھی ہے، چنانچہ آج میں کسی انسان سے ہرگز کوئی بات نہ کروں گی“ (26)

سوال1:﴿فَكُلِیۡ وَاشۡرَبِیۡ وَقَرِّیۡ عَیۡنًا﴾ ”پس تم کھاؤ اور پیو اور آنکھیں ٹھنڈی کرو“ آیت کے اس حصے کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿فَكُلِیۡ﴾ ”پس تم کھاؤ“ یعنی کھجوریں کھاؤ۔(2)﴿وَاشۡرَبِیۡ﴾ ”اور پیو“ اور اس چشمے کا پانی پیو۔

(3)﴿وَقَرِّیۡ عَیۡنًا﴾ ”اور آنکھیں ٹھنڈی کرو“ یعنی عیسیٰ کی پیدائش سے اپنی آنکھیں ٹھنڈی کرو۔

(4)اللہ تعالیٰ کی جانب سے زچگی کی تکلیف سے دور رہنے کے لیے کھانے پینے کا خوشگوار ماحول فراہم کر دیا گیا۔

(5)کھجوریں زچگی کی مریضہ کے لیے بہترین پھل ہیں جس کی دلیل یہ آیت ہے۔

سوال2:﴿فَاِمَّا تَرَیِنَّ مِنَ الۡبَشَرِ اَحَدًا ۙ فَقُوۡلِیۡۤ اِنِّیۡ نَذَرۡتُ لِلرَّحۡمٰنِ صَوۡمًا فَلَنۡ اُكَلِّمَ الۡیَوۡمَ اِنۡسِیًّا﴾ ”پھر اگر تم انسانوں میں سے کسی کو دیکھو تو اُس سے کہہ دو کہ یقیناً میں نے رحمٰن کے لیے روزے کی نذر مان رکھی ہے، چنانچہ آج میں کسی انسان سے ہرگز کوئی بات نہ کروں گی“ آیت کے اس حصے کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)لوگوں کی باتوں اور طعنوں کے لیے سیدہ مریم علیہا السلام کے دل میں جو گھبراہٹ تھی اس کے لیے سیدنا جبرائیل نے حکم دیا۔

(2)﴿فَاِمَّا تَرَیِنَّ مِنَ الۡبَشَرِ اَحَدًا فَقُوۡلِیۡۤ﴾ ”پھر اگر تم انسانوں میں سے کسی کو دیکھو تو اس سے کہہ دو“ جب وہ کسی انسان کو دیکھیں تو اشارے سے کہیں۔

(3)﴿اِنِّیۡ نَذَرۡتُ لِلرَّحۡمٰنِ صَوۡمًا﴾ ”یقیناً میں نے رحمٰن کے لیے روزے کی نذر مان رکھی ہے“ یعنی خاموش رہنے کی نذر مانی ہے۔

(4)﴿فَلَنۡ اُكَلِّمَ الۡیَوۡمَ اِنۡسِیًّا﴾ ”چنانچہ آج میں کسی انسان سے ہرگز کوئی بات نہ کروں گی“ یعنی آج تو میں کسی سے نہ بولوں گی۔

(5)اللہ تعالیٰ نے سیدہ مریم علیہا السلام کو یہ کہہ کر مطمئن کر دیا کہ اگر معجزانہ طریقے سے بچہ پیدا ہوا ہے تو دفاع بھی معجزانہ ہو گا بس تم بچے کی طرف اشارہ کر دو باقی کام وہ کرے گا۔(6)فرشتے نے انہیں سمجھا دیا تھا کہ بات چیت نہ کرنا کہ تم ان کی باتوں سے بچ سکو۔

(7) ان کے ہاں خاموشی ایک مشروع عبادت تھی۔

سوال 3: سیدہ مریم علیہا السلام کو اپنی طرف سے اس معاملے کی نفی کے سلسلے میں لوگوں سے گفتگو نہ کرنے کا حکم کس حکمت کے تحت دیا گیا؟

جواب: (1) سیدہ مریم علیہا السلام کو اپنی طرف سے اس معاملے کی نفی کے سلسلے میں لوگوں سے گفتگو نہ کرنے کا حکم اس لیے دیا گیا تھا کہ لوگ اس کو تسلیم نہیں کریں گے اور نہ اس میں کوئی فائدہ ہے۔

(2) اور یہ کہ ان کی برات کا اظہار پنگھوڑے کے اندر سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے ذریعے سے ہونا ان کی برأت کی سب سے بڑی شہادت بن جائے کیونکہ عورت کا شوہر کے بغیر بچے کو جنم دینا اور پھر اس کا یہ دعویٰ کرنا کہ یہ بچہ کسی مرد کے چھوئے بغیر ہے سب سے بڑا دعویٰ ہے۔ اگر اس دعویٰ کی تائید میں متعدد گواہ بھی موجود ہوں تب بھی اس دعوے کو تسلیم نہیں کیا جا سکتا اس لیے اس خارق عادت واقعہ کی تائید کے لیے اسی جیسا ایک اور خارق عادت واقعہ پیش آیا اور وہ ہے سیدنا عیسیٰ کا اپنی انتہائی چھوٹی عمر میں کلام کرنا۔

﴿فَاَتَتْ بِهٖ قَوْمَهَا تَحْمِلُهٗ ۭ قَالُوْا يٰمَرْيَمُ لَقَدْ جِئْتِ شَيْـــًٔـا فَرِيًّا﴾

''پھر وہ اُس کو اُٹھا کر اپنی قوم کے پاس آئی، لوگوں نے کہا: ''اے مریم! بلاشبہ تو نے یقیناً بہت بُرا کام کیا'' (27)

سوال 1: ﴿فَاَتَتْ بِهٖ قَوْمَهَا تَحْمِلُهٗ ۭ قَالُوْا يٰمَرْيَمُ لَقَدْ جِئْتِ شَيْـــًٔـا فَرِيًّا﴾ ''پھر وہ اُس کو اُٹھا کر اپنی قوم کے پاس آئی، لوگوں نے کہا: ''اے مریم! بلاشبہ تو نے یقیناً بہت بُرا کام کیا'' آیت کے اس حصے کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿فَاَتَتْ بِهٖ قَوْمَهَا تَحْمِلُهٗ﴾ ''پھر وہ اُس کو اُٹھا کر اپنی قوم کے پاس آئی'' سیدہ مریم علیہا السلام جب نفاس سے پاک ہوئیں تو اب وہ پر اعتماد تھیں۔

(2) سیدنا جبرائیل کی باتوں نے ان کے اندر اعتماد پیدا کر دیا تھا کہ جس دن لوگوں کے پاس جائیں تو چپ کا روزہ رکھ لیں، کسی سے بات نہ کریں، اس سے ان کی سچائی ثابت ہو جائے گی اور یہ بات ان کی برأت کے لیے کافی ہو جائے گی۔

(3) سیدہ مریم علیہا السلام کو اپنی برأت اور پاک دامنی کا علم تھا اس لیے وہ بچے کو لے کر اہل خاندان کے پاس واپس آ گئیں۔

(4) ﴿قَالُوْا﴾ ''لوگوں نے کہا'' لوگوں نے ان کی گود میں ننھا بچہ دیکھ کر باتیں بناتے ہوئے کہا۔

(5) ﴿يٰمَرْيَمُ لَقَدْ جِئْتِ شَيْـــًٔـا فَرِيًّا﴾ ''اے مریم! بلاشبہ تو نے یقیناً بہت بُرا کام کیا'': اے مریم: تو نے یہ کیا کام کیا؟ تیرا خاندان تو پارسائی اور پاک دامنی میں مشہور تھا۔ تو نے بہت نازیبا کام کیا۔ اس سے ان کی مراد زنا تھا، حالانکہ وہ اس سے پاک تھیں۔

سوال 2: سیدہ مریم علیہا السلام اچھی شہرت والی پاکباز راہبہ تھیں پھر لوگوں نے ان کو برا بھلا کیوں کہا؟

جواب: یہ درست ہے کہ سیدہ مریم علیہا السلام اچھی شہرت والی پاکباز راہبہ تھیں لیکن ایک بچہ اُٹھا کر آئی تھیں اور بچے مرد اور عورت کے ملاپ کے بغیر پیدا نہیں ہوتے اس لیے اُن کے ذہن میں معجزے کی جگہ وسوسے نے لے لی۔

﴿يَٰٓأُخۡتَ هَٰرُونَ مَا كَانَ أَبُوكِ ٱمۡرَأَ سَوۡءٖ وَمَا كَانَتۡ أُمُّكِ بَغِيّٗا﴾

”اے ہارون کی بہن! نہ تمہارا باپ کوئی برا آدمی تھا اور نہ تمہاری ماں کوئی بدکار تھی“ (28)

سوال 1: ﴿يَٰٓأُخۡتَ هَٰرُونَ مَا كَانَ أَبُوكِ ٱمۡرَأَ سَوۡءٖ وَمَا كَانَتۡ أُمُّكِ بَغِيّٗا﴾ ”اے ہارون کی بہن! نہ تمہارا باپ کوئی برا آدمی تھا اور نہ تمہاری ماں کوئی بدکار تھی“ اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ”اے ہارون کی بہن! نہ تمہارا باپ کوئی برا آدمی تھا اور نہ تمہاری ماں کوئی بدکار تھی“ قوم کے لوگوں نے سیدہ مریم کو برا بھلا کہتے ہوئے کہا۔ اے ہارون کی بہن مریم! تو تو ایسے پاکیزہ اور شریف خاندان کی بیٹی ہے جو عبادت، ریاضت صلاح و تقویٰ میں مشہور زمانہ تھا۔ افسوس تجھ سے ایسا گندا کام کیسے سرزد ہو گیا۔ (2) یعنی تمہارے والدین اس برائی سے محفوظ تھے۔

(3) سیدہ مریم علیہا السلام کا خاندان نیکی میں ضرب المثل تھا لوگ اس خاندان کی بزرگی کے قائل تھے۔ بعض خاندان نیک اور شریف ہوتے ہیں ان کی اولاد بھی نیک اور شریف ہوتی ہے۔

(4) ہارون عَلَيْهِ السَّلَام قوم میں ایک مصلح اور اثر والے شخص تھے جو فوت ہوئے تو ان کے جنازے میں چالیس ہزار ایسے افراد تھے جن میں ہر ایک کا نام ہارون تھا۔ اس سے اندازہ لگائیے کہ ان کے جنازے میں کتنے افراد ہوں گے۔

سوال 2: سیدہ مریم کو قوم نے ہارون کی بہن کہہ کر کیوں پکارا ہے؟

جواب: (1) سیدہ مریم کو ہارون کی بہن اس لیے کہا کہ وہ ایک مصلح اور قوم میں اثر والے آدمی تھے۔

(2) اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ سیدہ مریم عَلَيْهَا السَّلَام کا کوئی حقیقی بھائی تھا جس کی طرف ان کو منسوب کیا گیا۔ وہ انبیاء کے نام پر نام رکھا کرتے تھے۔ یہ ہارون، موسیٰ عَلَيْهِ السَّلَام کے بھائی ہارون بن عمران عَلَيْهِ السَّلَام نہیں ہیں کیوں کہ ان دونوں کے درمیان بہت صدیوں کا فاصلہ ہے۔ (تفسیر سعدی:1570/2)

سوال 3: سیدہ مریم کو قوم نے یہ کیوں کہا کہ تم نے اس فعل کا ارتکاب کیوں کیا جس سے تمہارے والدین محفوظ تھے؟

جواب: یہ کہنے کی وجہ غالباً یہ تھی کہ غائب حالات میں نیکی اور بدی کے معاملے میں اولاد اپنے والدین سے اثر پذیر ہوتی ہے۔ چنانچہ لوگوں کو ان کے دلوں میں جو بات راسخ تھی اس کی وجہ سے تعجب ہوا کہ سیدہ مریم سے اس فعل کا ارتکاب کیسے ہو گیا۔ (سعدی:1570/2)

﴿فَأَشَارَتۡ إِلَيۡهِۖ قَالُواْ كَيۡفَ نُكَلِّمُ مَن كَانَ فِي ٱلۡمَهۡدِ صَبِيّٗا﴾

مریم نے بچے کی طرف اشارہ کیا۔ لوگوں نے کہا: ”ہم اُس سے کیسے بات کریں جو گود میں ایک بچہ ہے؟“ (29)

سوال 1: ﴿فَأَشَارَتۡ إِلَيۡهِۖ قَالُواْ كَيۡفَ نُكَلِّمُ مَن كَانَ فِي ٱلۡمَهۡدِ صَبِيّٗا﴾ ”مریم نے بچے کی طرف اشارہ کیا۔ لوگوں نے کہا: ”ہم اُس سے کیسے بات کریں جو گود میں ایک بچہ ہے؟“ اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿فَاَشَارَتۡ اِلَیۡهِ﴾ ''مریم نے بچے کی طرف اشارہ کیا'' سیدہ مریم کی گود میں بچہ دیکھ کر لوگوں کو شک ہوا تو وہ ان پر برس پڑے اور ان پر بدکاری کا الزام لگانے لگے۔ اس دن سیدہ مریم علیہا السلام چپ کے روزے سے تھی اس لیے انہوں نے اشارے سے سمجھایا۔ سیدہ مریم علیہا السلام کو جو مشورہ فرشتے نے بچے کی پیدائش کے وقت دیا تھا اُنہوں نے اسی کے مطابق بچہ کی طرف اشارہ کر دیا۔ ﴿اِنِّیۡ نَذَرۡتُ لِلرَّحۡمٰنِ صَوۡمًا فَلَنۡ اُکَلِّمَ الۡیَوۡمَ اِنۡسِیًّا﴾ ''یقیناً میں نے رحمٰن کے لیے روزے کی نذر مان رکھی ہے، چنانچہ آج میں کسی انسان سے ہرگز کوئی بات نہ کروں گی۔'' (مریم:26) جس کا یقین لوگوں کو نہیں تھا سیدہ مریم علیہا السلام اُس یقین سے لمحہ لمحہ گزر کر آ رہی تھیں اللہ تعالیٰ کی تخلیق اور قدرت کو اُنہوں نے لمحہ لمحہ چکھا تھا انہیں اس لیے کسی کی پرواہ نہیں رہ گئی تھی۔

(2)﴿قَالُوۡا کَیۡفَ نُکَلِّمُ مَنۡ کَانَ فِی الۡمَهۡدِ صَبِیًّا﴾ لوگوں نے کہا: ''ہم اُس سے کیسے بات کریں جو گود میں ایک بچہ ہے'' کیونکہ عام طور پر بچے اس عمر میں بات نہیں کرتے اس لیے انہوں نے غصے سے تلملا کر کہا: بھلا گود کا بچہ کیسے بول سکتا ہے؟

(3) اور ننھا گول مٹول خوب صورت سا بچہ وہ باتیں سن رہا تھا۔

﴿قَالَ اِنِّیۡ عَبۡدُ اللّٰهِ ۟ؕ اٰتٰنِیَ الۡکِتٰبَ وَجَعَلَنِیۡ نَبِیًّا﴾

''بچے نے کہا: ''یقیناً میں اللہ تعالیٰ کا بندہ ہوں، اُس نے مجھے کتاب دی ہے اور مجھے نبی بنایا ہے'' (30)

سوال 1:﴿قَالَ اِنِّیۡ عَبۡدُ اللّٰهِ ۟ؕ اٰتٰنِیَ الۡکِتٰبَ وَجَعَلَنِیۡ نَبِیًّا﴾ ''بچے نے کہا: ''یقیناً میں اللہ تعالیٰ کا بندہ ہوں، اُس نے مجھے کتاب دی ہے اور مجھے نبی بنایا ہے'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿قَالَ﴾ ''بچے نے کہا'' اس وقت وہ بچہ یعنی عیسیٰ اپنے پنگھوڑے میں سے بول اٹھے۔

(2)﴿اِنِّیۡ عَبۡدُ اللّٰهِ﴾ ''یقیناً میں اللہ تعالیٰ کا بندہ ہوں'' انہوں نے سب سے پہلے عبودیت کی، غلامی کی بات کی کہ میں اللہ تعالیٰ کا بندہ ہوں، اللہ تعالیٰ اولاد سے پاک ہے کیونکہ اولاد غلام نہیں ہوا کرتی یعنی مجھے اللہ تعالیٰ کا غلام سمجھو اس کے سوا میں کچھ اور نہیں ہوں۔

(3)﴿اٰتٰنِیَ الۡکِتٰبَ﴾ ''اُس نے مجھے کتاب دی ہے'' اللہ تعالیٰ نے مستقبل میں انجیل عطا کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔

(4)﴿وَجَعَلَنِیۡ نَبِیًّا﴾ ''اور مجھے نبی بنایا ہے'' یعنی اللہ تعالیٰ نے انہیں انبیاء کی صف میں شامل فرمایا ہے۔

(5) یوں سیدنا عیسیٰ نے اپنی والدہ کی پاک دامنی ظاہر فرمائی۔

﴿وَّجَعَلَنِیۡ مُبٰرَکًا اَیۡنَ مَا کُنۡتُ ۪ وَاَوۡصٰنِیۡ بِالصَّلٰوۃِ وَالزَّکٰوۃِ مَا دُمۡتُ حَیًّا﴾

''اور اُس نے مجھے برکت والا بنایا جہاں بھی میں ہوں اور مجھے نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیا ہے جب تک میں زندہ رہوں'' (31)

سوال 1:﴿وَّجَعَلَنِیۡ مُبٰرَکًا اَیۡنَ مَا کُنۡتُ﴾ ''اور اُس نے مجھے برکت والا بنایا جہاں بھی میں ہوں'' اللہ تعالیٰ نے سیدنا عیسیٰ کو

کس اعتبار سے برکت والا بنایا؟

جواب:(1)''اور اُس نے مجھے برکت والا بنایا جہاں بھی میں ہوں'' یعنی ہر جگہ، ہر زمانے میں اللہ تعالیٰ نے مجھے برکت والا بنایا۔

(2) یعنی میں جہاں بھی ہوں خیر اور بھلائی کا معلم ہوں۔(جامع البیان:951/16)

(3) اللہ تعالیٰ نے مجھے بھلائی کی تعلیم، بھلائی کی طرف دعوت، شر سے ممانعت، اپنے اقوال وافعال میں اللہ تعالیٰ کی دعوت کی توفیق عطا فرما کر بابرکت بنایا ہے، لہٰذا جو کوئی سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی صحبت اختیار کرتا وہ آپ کی برکت اور سعادت سے بہرہ ور ہوتا تھا۔(تفسیر سعدی:1571/2)

برکت سے مراد دین میں ثبات بھی ہے۔ ہر چیز میں کامیابی کا مقدر ہونا بھی ہے۔ لوگوں کے لیے نفع مند ہونا بھی ہے۔ لوگوں کو نیکی کی تعلیم دینا اور بُرائی سے روکنا بھی ہے۔ کیونکہ یہی وہ کام ہیں جن سے جہان والوں کو بھی برکت ملتی ہے۔

سوال2:﴿وَاَوْصٰنِیْ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ حَیًّا﴾''اور مجھے نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیا ہے جب تک میں زندہ رہوں'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)''اور مجھے نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیا ہے جب تک میں زندہ رہوں'' یعنی اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنے حقوق ادا کرنے کی وصیت کی ہے، جن میں سب سے بڑا حق نماز ہے اور بندوں کے حقوق پورا کرنے کی وصیت کی ہے جن میں سب سے زیادہ جلیل القدر حق زکوٰۃ ہے اور مجھے حکم دیا ہے کہ میں زندگی بھر یہ کام کرتا رہوں۔ پس میں اپنے رب کا حکم مانتا، اس کی وصیت پر عمل کرتا اور اس کو نافذ کرتا رہوں گا۔(تفسیر سعدی:1571/2)

(2) قرآن حکیم میں رحمت عالم کو حکم ملا ہے۔ ﴿وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى یَاْتِیَكَ الْیَقِیْنُ﴾''اور اپنے رب کی عبادت کرتے رہیں یہاں تک کہ آپ کے پاس یقین آجائے۔''(الحجر:99) (3) سیدنا عیسیٰ علیہ السلام نے بھی یہی وضاحت کی ہے کہ مرتے دم تک یہ دونوں کام مجھ پر فرض ہیں۔

﴿وَّبَرًّۢا بِوَالِدَتِیْ وَلَمْ یَجْعَلْنِیْ جَبَّارًا شَقِیًّا﴾

''اور اپنی ماں سے حسنِ سلوک کرنے والا بنایا اور اُس نے مجھے سرکش، بدبخت نہیں بنایا''(32)

سوال1:﴿وَّبَرًّۢا بِوَالِدَتِیْ وَلَمْ یَجْعَلْنِیْ جَبَّارًا شَقِیًّا﴾''اور اپنی ماں سے حسنِ سلوک کرنے والا بنایا اور اُس نے مجھے سرکش، بدبخت نہیں بنایا'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿وَّبَرًّۢا بِوَالِدَتِیْ﴾''اور اپنی ماں سے حسنِ سلوک کرنے والا بنایا'' سیدنا عیسیٰ علیہ السلام نے واضح فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ وصیت بھی کی ہے کہ میں اپنی والدہ کی اطاعت کروں، ان کی خدمت کروں، احسان کا معاملہ کروں، ان کے حقوق پورے کروں کیونکہ والدہ کو یہ شرف اور فضیلت حاصل ہے جنم دینے کی بنا پر وہ مجھ پر ولادت کا حق اور دیگر حقوق رکھتی ہے۔

(2) رب العزت نے قرآن حکیم میں اپنی عبادت اور اطاعت کے بعد والدین کی اطاعت کا حکم فرمایا ہے۔ ﴿وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا

﴿اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ؕ اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا﴾ ''اور آپ کے رب نے فیصلہ کر دیا ہے کہ تم اس کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کرو اور والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔ اگر آپ کے پاس ان دونوں میں سے ایک یا دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان دونوں کو ''اُف'' تک نہ کہو اور نہ ہی ان کو جھڑکو اور ان سے عزت والی بات کرو۔ (بنی اسرائیل:23)

(3) ﴿وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ ۚ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ وَهْنًا عَلٰى وَهْنٍ وَّفِصٰلُهٗ فِيْ عَامَيْنِ اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ ؕ اِلَيَّ الْمَصِيْرُ﴾ اور ہم نے انسان کو اُس کے والدین کے بارے میں وصیت کی، اُس کی ماں نے دُکھ پر دُکھ اُٹھا کر اُسے اٹھایا اور اُس کا دودھ چھڑانا دو سال میں ہے کہ میرا شکر ادا کرو اور اپنے والدین کا بھی، میری طرف ہی لوٹ کر آنا ہے۔ (لقمان:14)

(4) صرف والدہ کے ساتھ حسن سلوک کرنے سے یہ پتہ چلتا ہے کہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت بغیر باپ کے ہوئی۔ اگر باپ ہوتے تو سیدنا یحییٰ علیہ السلام کی طرح ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کرنے والے ہوتے۔

(5) ﴿وَلَمْ يَجْعَلْنِيْ جَبَّارًا شَقِيًّا﴾ ''اور اُس نے مجھے سرکش، بدبخت نہیں بنایا'' اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ ماں باپ کی خدمت نہ کرنے والا، اطاعت نہ کرنے والا، بدبخت اور سرکش ہوتا ہے۔

(6) یعنی میں اللہ تعالیٰ کے حضور تکبر کرنے والا اور بندوں سے اپنے آپ کو بڑا اور بلند سمجھنے والا نہیں ہوں۔ شقیا یعنی میں دنیا و آخرت میں بدبخت نہیں ہوں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنا اطاعت شعار، اپنے سامنے جھکنے والا، عاجزی اور تذلل اختیار کرنے والا، اللہ کے بندوں کے ساتھ تواضع اور انکساری سے پیش آنے والا اور دنیا و آخرت میں سعادت سے بہرہ مند ہونے والا بنایا۔ مجھے بھی اور میرے پیروکاروں کو بھی۔ (تفسیر سعدی:2/1571,1572)

سوال 2: سیدنا عیسیٰ نے ساری گفتگو ماضی میں کی ہے حالانکہ واقعات کا تعلق مستقبل سے تھا، اس کی وضاحت کریں؟

جواب: سیدنا عیسیٰ علیہ السلام نے ساری گفتگو ماضی میں کی ہے حالانکہ واقعات کا تعلق مستقبل سے تھا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر کے فیصلے تھے جو اٹل تھے ان کا ظاہر ہونا یقینی تھا جیسے ماضی کے واقعات کے ہونے پر یقین ہوتا ہے اسی طرح سے یہ واقعات بھی یقینی معاملات تھے۔

﴿وَالسَّلٰمُ عَلَيَّ يَوْمَ وُلِدْتُّ وَيَوْمَ اَمُوْتُ وَيَوْمَ اُبْعَثُ حَيًّا﴾

''اور سلام مجھ پر جس دن میں پیدا ہوا اور جس دن میں مروں گا اور جس دن مجھے زندہ کر کے اُٹھایا جائے گا'' (33)

سوال 1: ﴿وَالسَّلٰمُ عَلَيَّ يَوْمَ وُلِدْتُّ وَيَوْمَ اَمُوْتُ وَيَوْمَ اُبْعَثُ حَيًّا﴾ ''اور سلام مجھ پر جس دن میں پیدا ہوا اور جس دن میں مروں گا اور جس دن مجھے زندہ کر کے اُٹھایا جائے گا'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) سیدنا عیسیٰ کے کمال اور ان کے اوصاف حمیدہ کے بارے میں وضاحت مکمل ہوگئی تو فرمایا: ''اور سلام مجھ پر جس دن میں پیدا ہوا اور جس دن میں مروں گا اور جس دن مجھے زندہ کر کے اُٹھایا جائے گا''

(2) یعنی یوم ولادت سے لے کر یوم بعث بعد الموت تک میرے لیے سلامتی ہی سلامتی ہے، اس سے بھی آپ کا بندہ اور مخلوق ہونا ثابت ہو رہا ہے کہ آپ دیگر آدمیوں کی طرح عدم سے عالم وجود میں آئے پھر آپ کو موت بھی آئے گی اور پھر قیامت کے دن دوبارہ زندہ ہوں گے لیکن یہ تینوں مقامات بڑے کٹھن ہیں۔ اس لیے آپ نے فرمایا: کہ ان کٹھن منزلوں سے بھی میں سلامتی سے گزر جاؤں گا۔ آپ پر اللہ کی رحمتیں اور سلامتی ہو۔ (مختصر ابن کثیر: 1131/2)

(3) یعنی میرے رب کے فضل وکرم سے، جس روز میری ولادت ہوئی جس روز میں مروں اور جس روز مجھے اٹھایا جائے گا، مجھے ہر قسم کے شر، شیطان اور عذاب سے سلامتی حاصل ہے۔ یہ سلامتی ہر قسم کے خوف، فاجروں کے گھر سے سلامتی اور دارالسلام کے مستحق ہونے کا تقاضا کرتی ہے۔ پس یہ ایک عظیم اور اس بات کی بہت بڑی دلیل ہے کہ آپ درحقیقت اللہ کے رسول اور اس کے بندے ہیں۔ (تفسیر سعدی: 1572/2)

﴿ذٰلِكَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ ۚ قَوْلَ الْحَقِّ الَّذِيْ فِيْهِ يَمْتَرُوْنَ﴾

''یہ ہے عیسیٰ ابن مریم۔ حق کی بات، جس میں وہ شک کرتے ہیں'' (34)

سوال 1: ﴿ذٰلِكَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ ۚ قَوْلَ الْحَقِّ الَّذِيْ فِيْهِ يَمْتَرُوْنَ﴾ ''یہ ہے عیسیٰ ابن مریم۔ حق کی بات، جس میں وہ شک کرتے ہیں'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ذٰلِكَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ﴾ ''یہ ہے عیسیٰ ابن مریم'' اللہ رب العزت نے فرمایا کہ ہم نے عیسیٰ علیہ السلام کا سچا واقعہ آپ لوگوں کو سنا دیا۔

(2) ﴿قَوْلَ الْحَقِّ الَّذِيْ فِيْهِ يَمْتَرُوْنَ﴾ ''حق کی بات، جس میں وہ شک کرتے ہیں'' یعنی سیدنا عیسیٰ کی یہی صفات ہیں جس میں کوئی شک نہیں۔ یہی قول حق اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ اس کے خلاف جو کچھ کہا گیا ہے وہ باطل ہے۔

(3) سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی معجزانہ پیدائش جس کے بارے میں عیسائی علماء نے عجیب عقیدے بنا لیے تھے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں۔

(i) سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی صفات اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ ہیں وہ ان صفات کے حامل نہیں ہیں جن کے بارے میں عیسائیوں نے غلو کیا اور یہودیوں نے کمی کی۔ (ii) قول حق کے مقابلے میں لوگوں کی بات شک پر مبنی ہے۔

﴿مَا كَانَ لِلّٰهِ اَنْ يَّتَّخِذَ مِنْ وَّلَدٍ ۙ سُبْحٰنَهٗ ۭ اِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ﴾

''اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے ایسا نہیں کہ وہ کوئی اولاد بنائے، وہ پاک ہے، جب وہ کسی کام کا فیصلہ کرتا ہے تو یقیناً اس کے لیے کہتا ہے

''ہوجا'' تووہ ہوجاتا ہے'' (35)

سوال 1: ﴿مَا كَانَ لِلّٰهِ اَنْ يَّتَّخِذَ مِنْ وَّلَدٍ ۙ سُبْحٰنَهٗ ۭ اِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ﴾ ''اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے ایسا نہیں کہ وہ کوئی اولاد بنائے، وہ پاک ہے، جب وہ کسی کام کا فیصلہ کرتا ہے تو یقیناً اس کے لیے کہتا ہے ''ہوجا'' تو وہ ہوجاتا ہے'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿مَا كَانَ لِلّٰهِ اَنْ يَّتَّخِذَ مِنْ وَّلَدٍ﴾ ''اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے ایسا نہیں کہ وہ کوئی اولاد بنائے'' یعنی یہ بات اللہ تعالیٰ کے لائق ہی نہیں، کیونکہ یہ ایک امر محال ہے۔ اللہ تعالیٰ بے نیاز اور قابل ستائش ہے۔ وہ تمام مملکتوں کا مالک ہے۔ پس وہ اپنے بندوں اور غلاموں کو کیسے اولاد بنا سکتا ہے؟ (تفسیر سعدی: 1572/2)

(2) ﴿سُبْحٰنَهٗ﴾ ''وہ پاک ہے'' اللہ تعالیٰ بیٹے، شریک، شبیہہ اور نظیر سے پاک ہے۔ (ایسر التفاسیر: 864)

(3) اللہ تعالیٰ ہر نقص سے پاک اور مقدس ہے۔

(4) ﴿اِذَا قَضٰٓى اَمْرًا﴾ ''جب وہ کسی کام کا فیصلہ کرتا ہے'' جب بھی وہ کسی معاملے کا ارادہ کرتا ہے خواہ وہ چھوٹا ہو یا بڑا، وہ کام اس کے لیے مشکل نہیں ہوتا۔

(5) ﴿فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ﴾ ''تو یقیناً اس کے لیے کہتا ہے ''ہوجا'' تو وہ ہوجاتا ہے'' جب اس کی قدرت اور مشیت تمام عالم علوی اور سفلی پر نافذ ہے تو اس کی اولاد کیسے ہوسکتی ہے؟ اور جب وہ کسی چیز کے وجود کا ارادہ کرتا ہے تو صرف اتنا کہتا ہے (کن) ''ہوجا'' تب سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو بغیر باپ کے وجود میں لانا کون سا مشکل کام ہے؟ (تفسیر سعدی: 1572،1573/2)

(6) سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی معجزانہ ولادت کا انکار کرنے والے دراصل اللہ تعالیٰ کی قدرت کا انکار کرتے ہیں۔

﴿وَاِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ۭ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ﴾

''اور یقیناً اللہ تعالیٰ میرا رب بھی ہے اور تمہارا رب بھی چنانچہ تم اس کی عبادت کرو، یہ سیدھا راستہ ہے'' (36)

سوال 1: ﴿وَاِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ۭ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ﴾ ''اور یقیناً اللہ تعالیٰ میرا رب بھی ہے اور تمہارا رب بھی چنانچہ تم اس کی عبادت کرو، یہ سیدھا راستہ ہے'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَاِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ﴾ ''اور یقیناً اللہ تعالیٰ میرا رب بھی ہے اور تمہارا رب بھی'' سیدنا عیسیٰ نے اپنے بارے میں آگاہ فرمایا ہے کہ وہ بھی دوسری مخلوق کی طرح اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں۔

(2) ماں کی گود میں سیدنا عیسیٰ نے تعلیم دی کہ میرا اور تمہارا رب اللہ تعالیٰ ہے، اس کی عبادت کرو۔

(3)اسی نے ہمیں پیدا کیا، ہماری صورت گری کی، ہم پر اس کی تدبیر نافذ ہوئی اور ہم میں اس کی تقدیر نے تصرف کیا۔(تفسیر سعدی:1573/2)

(4)﴿فَاعْبُدُوْهُ﴾ ''چنانچہ تم اس کی عبادت کرو'' یعنی اس ایک کی اطاعت اور عبادت کرو یعنی عبادت کو صرف اسی کے لئے خالص کرو اور اس کی طرف انابت اور رجوع میں جدوجہد کرو۔اس میں توحید ربوبیت اور توحید الوہیت کا اقرار اور توحید ربوبیت کے ذریعے سے توحید الوہیت پر استدلال ہے۔(تفسیر سعدی:1573/2)

(5)﴿هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ﴾ ''یہ سیدھا راستہ ہے'' یعنی یہی اعتدال کا راستہ ہے جو اللہ تعالیٰ تک پہنچاتا ہے کیونکہ یہ انبیاء و مرسلین اور ان کے متبعین کا راستہ ہے اس کے سوا ہر راستہ گمراہی کا راستہ ہے۔(تفسیر سعدی:1573/2)

(6)جس نے سیدھا راستہ پالیا وہ کامیاب ہوگیا اور جس نے مخالفت کی وہ بھٹک گیا اور گڑھے میں جا گرا۔

﴿فَاخْتَلَفَ الْاَحْزَابُ مِنْۢ بَيْنِهِمْ ۚ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ مَّشْهَدِ يَوْمٍ عَظِيْمٍ﴾

''پھر گروہوں نے اپنے درمیان اختلاف کیا تو ان لوگوں کے لیے جنہوں نے کفر کیا ایک بڑے دن کی حاضری سے ہلاکت ہوگی''(37)

سوال1:﴿فَاخْتَلَفَ الْاَحْزَابُ مِنْۢ بَيْنِهِمْ ۚ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ مَّشْهَدِ يَوْمٍ عَظِيْمٍ﴾ ''پھر گروہوں نے اپنے درمیان اختلاف کیا تو ان لوگوں کے لیے جنہوں نے کفر کیا ایک بڑے دن کی حاضری سے ہلاکت ہوگی'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿فَاخْتَلَفَ الْاَحْزَابُ مِنْۢ بَيْنِهِمْ﴾ پھر گروہوں نے اپنے درمیان اختلاف کیا'' الاحزاب سے مراد یہودیوں اور عیسائیوں کے فرقے ہیں جنہوں نے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں اختلاف کیا۔

(2)اختلاف یہ تھا کہ وہ ولد زِنا یعنی یوسف نجار کے بیٹے ہیں یا ابن اللہ یعنی اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں۔پروٹسٹنٹ نے کہا اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں کیتھولک نے کہا تین میں سے ایک ہیں۔آرتھوڈوکس نے کہا وہ اللہ تعالیٰ ہیں۔(ایسر التفاسیر،فتح القدیر)

(3)جب اللہ تبارک وتعالیٰ نے سیدنا عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کا حال بیان فرما دیا جس میں کوئی شک اور شبہ نہیں تو آگاہ فرمایا کہ یہود و نصاریٰ اور دیگر فرقے اور گروہ جو گمراہی کے راستے پر گامزن ہیں، اپنے اپنے طبقات کے اختلاف کے مطابق، سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں اختلاف کرتے ہیں۔اس بارے میں ایک گروہ افراط اور غلو میں مبتلا ہے تو دوسرا ان کی شان میں تنقیص اور تفریط کرنے والا ہے۔پس ان میں سے کچھ لوگ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ مانتے ہیں۔بعض ان کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا قرار دیتے ہیں، بعض کہتے ہیں وہ تین میں سے ایک ہیں، بعض ان کو رسول بھی تسلیم نہیں کرتے بلکہ وہ بہتان طرازی کرتے ہیں کہ وہ (معاذ اللہ) ولد الزنا ہیں۔مثلاً: یہودی وغیرہ۔ان تمام گروہوں کے اقوال باطل اور ان کی آراء فاسد ہیں جو شک وعناد، بے بنیاد شبہات اور انتہائی بودے دلائل پر مبنی ہیں۔اس قبیل کے تمام لوگ انتہائی سخت وعید کے مستحق ہیں۔

(4)﴿فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ ''تو ان لوگوں کے لیے جنہوں نے کفر کیا ہلاکت ہوگی'' اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی کتابوں کا انکار کرنے

والوں میں یہودی اور عیسائی شامل ہیں جو سیدنا عیسیٰ کے بارے میں کافرانہ کلمات کہتے ہیں۔

(5)﴿مِنۡ مَّشۡهَدِ يَوۡمٍ عَظِيۡمٍ﴾ ''ایک بڑے دن کی حاضری سے'' سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں اختلاف کرنے والوں کے لیے وہ بڑا دن ہلاکت اور تباہی والا ہوگا۔ وہ دن جب سب انسان اور جن حاضر ہوں گے۔ جس دن سارے فرشتے حاضر ہوں گے۔ جس دن سب مخلوقات اللہ تعالیٰ کے آگے حاضر ہوں گی۔ اس دن شرک کرنے والے فرقوں کی بھی پیشی ہوگی۔

(6) سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تکلیف دہ بات سن کر اللہ تعالیٰ سے زیادہ صبر کرنے والا کوئی نہیں ہے، مشرک کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اولاد رکھتا ہے اور پھر بھی وہ انہیں معاف کرتا ہے اور انہیں روزی دیتا ہے۔'' (صحیح بخاری:7378)

(7)﴿وَكَذٰلِكَ اَخۡذُ رَبِّكَ اِذَاۤ اَخَذَ الۡقُرٰى وَهِىَ ظَالِمَةٌ ؕ اِنَّ اَخۡذَهٗۤ اَلِيۡمٌ شَدِيۡدٌ﴾ ''اور آپ کے رب کی پکڑ اسی طرح ہوتی ہے جب وہ کسی ظلم کرنے والی بستی کو پکڑتا ہے، بلاشبہ اس کی پکڑ بہت دردناک، بڑی سخت ہوتی ہے۔'' (ہود:102)

(8) سیدنا ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ظالم کو چند روز دنیا میں مہلت دیتا رہتا ہے لیکن جب پکڑتا ہے تو پھر نہیں چھوڑتا راوی نے بیان کیا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تلاوت کی ''اور تیرے پروردگار کی پکڑ اسی طرح ہے جب وہ بستی والوں کو پکڑتا ہے جو (اپنے اوپر) ظلم کرتے رہتے ہیں بیشک ان کی پکڑ بڑی تکلیف دینے والی اور بڑی سخت ہے۔'' (صحیح بخاری:4686)

﴿اَسۡمِعۡ بِهِمۡ وَاَبۡصِرۡ ۙ يَوۡمَ يَاۡتُوۡنَنَا لٰكِنِ الظّٰلِمُوۡنَ الۡيَوۡمَ فِىۡ ضَلٰلٍ مُّبِيۡنٍ﴾

''کس قدر سننے والے ہوں گے وہ اور کس قدر دیکھنے والے، جس دن وہ ہمارے پاس آئیں گے، لیکن آج ظالم کھلی گمراہی میں ہیں'' (38)

سوال 1: ﴿اَسۡمِعۡ بِهِمۡ وَاَبۡصِرۡ ۙ يَوۡمَ يَاۡتُوۡنَنَا لٰكِنِ الظّٰلِمُوۡنَ الۡيَوۡمَ فِىۡ ضَلٰلٍ مُّبِيۡنٍ﴾ ''کس قدر سننے والے ہوں گے وہ اور کس قدر دیکھنے والے، جس دن وہ ہمارے پاس آئیں گے، لیکن آج ظالم کھلی گمراہی میں ہیں'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1)﴿اَسۡمِعۡ بِهِمۡ وَاَبۡصِرۡ ۙ يَوۡمَ يَاۡتُوۡنَنَا﴾ ''کس قدر سننے والے ہوں گے وہ اور کس قدر دیکھنے والے، جس دن وہ ہمارے پاس آئیں گے،'' وہ دن قیامت کا ہوگا جس دن حق کے لیے گونگے، بہرے، اور اندھے بنے رہنے والے خوب سنیں گے اور خوب دیکھیں گے۔ رب العزت نے فرمایا: ﴿وَلَوۡ تَرٰٓى اِذِ الۡمُجۡرِمُوۡنَ نَاكِسُوۡا رُءُوۡسِهِمۡ عِنۡدَ رَبِّهِمۡ ؕ رَبَّنَاۤ اَبۡصَرۡنَا وَسَمِعۡنَا فَارۡجِعۡنَا نَعۡمَلۡ صَالِحًا اِنَّا مُوۡقِنُوۡنَ﴾ ''اور کاش آپ دیکھیں جب مجرم اپنے رب کے پاس سر جھکائے ہوں گے، اے ہمارے رب! ہم نے دیکھ لیا اور ہم نے سن لیا چنانچہ ہمیں واپس بھیج دے ہم نیک عمل کریں گے بلاشبہ ہم یقین کرنے والے ہیں۔'' (السجدہ:12)

(2) اس دن وہ اپنے کفر، شرک اور باطل نظریات کا انکار کریں گے۔

(3)﴿لٰكِنِ الظّٰلِمُوۡنَ الۡيَوۡمَ فِىۡ ضَلٰلٍ مُّبِيۡنٍ﴾ ''لیکن آج ظالم کھلی گمراہی میں ہیں'' آج کی گمراہیوں کے لیے کل کوئی عذر نہیں ہو گا۔ کوئی حق کو پہچاننے کے باوجود عناد کی بنا پر گمراہ ہے یا حق کو نہ پہچاننے کی وجہ سے بھٹکا ہوا ہے ہر دو صورت میں اپنی گمراہیوں اور بد

اعمالیوں پر راضی ہے اور حق پہچاننے کی کوشش سے محروم ہیں۔

(4) اللہ تعالیٰ نے انسان کو بڑی حاضری کے دن کا تصور دلا کر احساس دلایا ہے کہ جب ہر چیز سے سب محروم ہو جاؤ گے تو کان بھی اچھی طرح سن رہے ہوں گے اور آنکھیں بھی اچھی طرح دیکھ رہی ہوں گی حالانکہ وہ نہ دیکھنا چاہیں گے اور نہ سننا چاہیں گے یعنی اپنے اختیارات سے محروم ہو جائیں گے اور آج جب کہ اختیار ہے تو اپنی سماعت اور بصارت کو استعمال کر کے حق تک نہیں پہنچتے اور ایسے لگتا ہے کہ دیکھنا اور سننا نہ جانتے ہوں اور گمراہی میں مبتلا ہوں۔

﴿وَأَنذِرْهُمْ يَوْمَ الْحَسْرَةِ إِذْ قُضِيَ الْأَمْرُ وَهُمْ فِي غَفْلَةٍ وَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ﴾

''اور آپ اُن لوگوں کو حسرت کے دن سے ڈرائیں جب معاملے کا فیصلہ کر دیا جائے گا اور وہ غفلت میں ہیں اور وہ ایمان نہیں لاتے'' (39)

سوال 1: ﴿وَأَنذِرْهُمْ يَوْمَ الْحَسْرَةِ إِذْ قُضِيَ الْأَمْرُ وَهُمْ فِي غَفْلَةٍ وَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ﴾ ''اور آپ اُن لوگوں کو حسرت کے دن سے ڈرائیں جب معاملے کا فیصلہ کر دیا جائے گا اور وہ غفلت میں ہیں اور وہ ایمان نہیں لاتے'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَأَنذِرْهُمْ﴾ ''اور آپ اُن لوگوں کو ڈرائیں'' کسی خوفناک معاملے میں، ترہیب کے پہلو سے اس کی صفات بیان کر کے آگاہ کرنا ''انذار'' ہے۔ (سعدی: 1574/2)

(2) ﴿يَوْمَ الْحَسْرَةِ﴾ ''حسرت کے دن سے'' وہ معاملہ جس کے بارے میں بندوں کو سب سے زیادہ ڈرایا جانا چاہیے وہ ''حسرت کا دن'' ہے جب فیصلہ کیا جائے گا۔ پس اولین و آخرین ایک ہی جگہ اکٹھے کئے جائیں گے اور ان کے اعمال کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ پس جو کوئی اللہ پر ایمان لایا اور اس کے رسولوں کی اتباع کرتا رہا تو وہ ابدی سعادت سے بہرہ مند ہوگا اس کے بعد کبھی اسے بدبختی کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا اور جو کوئی اللہ تعالیٰ پر ایمان نہ لایا اور اس کے رسولوں کی پیروی نہ کی تو وہ بدبختی میں پڑے گا اور اس کے بعد نیک بختی اس کے حصے میں نہیں آئے گی اور اس نے اپنے کو اور اپنے گھر والوں کو خسارے میں ڈال دیا۔ پس اس وقت حسرت اور ندامت سے دل پارہ پارہ ہوں گے اور اللہ تعالیٰ کی رضا اور جنت سے محرومی اور اللہ تعالیٰ کی ناراضی اور جہنم کے استحقاق سے بڑھ کر کون سی حسرت ہو سکتی ہے، جہاں دوبارہ عمل کرنے کے لئے واپسی ممکن نہ ہو اور دنیا میں دوبارہ آ کر اپنے احوال کے بدلنے کا کوئی راستہ نہ ہو۔ (تفسیر سعدی: 1574،1575/2)

(3) اس سے مراد قیامت کا دن ہے جہاں سبھی حسرت کریں گے بدکار بھی کہ کاش اُنہوں نے بُرائیاں نہ کی ہوتیں اور نیک لوگ بھی کہ کاش اُنہوں نے زیادہ نیکیاں کمائی ہوتیں۔

(4) سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن موت ایک چتکبرے مینڈھے کی شکل میں لائی جائے گی۔ ایک آواز دینے والا فرشتہ آواز دے گا کہ اے جنت والو! تمام جنتی گردن اٹھا اٹھا کر دیکھیں گے، آواز دینے والا فرشتہ پوچھے گا۔ تم

اس مینڈھے کو بھی پہچانتے ہو؟ وہ بولیں گے کہ ہاں، یہ موت ہے اور ان میں سے ہر شخص اس کا ذائقہ چکھ چکا ہوگا۔ پھر اسے ذبح کر دیا جائے گا اور آواز دینے والا جنتیوں سے کہے گا کہ اب تمہارے لیے ہمیشگی ہے، موت تم پر کبھی نہ آئے گی اور اے جہنم والو! تمہیں بھی ہمیشہ اسی طرح رہنا ہے، تم پر بھی موت کبھی نہیں آئے گی۔ پھر آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت کی ﴿وَأَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْحَسْرَةِ﴾ اور انہیں حسرت کے دن سے ڈراؤ۔ جب کہ اخیر فیصلہ کر دیا جائے گا اور یہ لوگ غفلت میں پڑے ہوئے ہیں (یعنی دنیادار لوگ) اور ایمان نہیں لاتے۔ (بخاری:4730)

(5) ﴿وَهُمْ فِي غَفْلَةٍ﴾ "اور وہ غفلت میں ہیں" یہ سب کچھ انہیں پیش آئے گا مگر ان کی حالت یہ ہے کہ وہ دنیا میں اس عظیم معاملے کے بارے میں غفلت میں پڑے ہوئے ہیں، اس کے بارے میں انہیں کبھی خیال ہی نہیں آیا اور اگر انہیں کبھی خیال آیا بھی ہے تو وہ بھی غفلت میں۔ غفلت نے ان کو گھیر رکھا ہے اور مدہوشی ان پر غالب ہے۔ (تفسیر سعدی:1574,1575/2)

(6) ﴿أَنْ تَقُولَ نَفْسٌ يَا حَسْرَتَىٰ عَلَىٰ مَا فَرَّطْتُ فِي جَنْبِ اللَّهِ وَإِنْ كُنْتُ لَمِنَ السَّاخِرِينَ﴾ یہ کہ کوئی شخص کہے: "ہائے افسوس اُس کوتاہی پر جو میں نے اللہ تعالیٰ کی جناب میں کی اور بلاشبہ میں مذاق اُڑانے والوں میں سے تھا۔" (الزمر:56)

(7) ﴿وَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ﴾ "اور وہ ایمان نہیں لاتے" پس وہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتے ہیں نہ اس کے رسولوں کی اتباع کرتے ہیں۔ ان کی دنیا نے ان کو غافل کر دیا، ان کے اور ان کے ایمان کے درمیان ختم ہو جانے والی فانی شہوات حائل ہو گئیں۔ (تفسیر سعدی:1574,1575/2)

﴿إِنَّا نَحْنُ نَرِثُ الْأَرْضَ وَمَنْ عَلَيْهَا وَإِلَيْنَا يُرْجَعُونَ﴾

"یقیناً ہم ہی زمین کے وارث ہوں گے اور جو اس پر ہے اور وہ سب ہماری طرف ہی پلٹائے جائیں گے" (40)

سوال 1: ﴿إِنَّا نَحْنُ نَرِثُ الْأَرْضَ وَمَنْ عَلَيْهَا وَإِلَيْنَا يُرْجَعُونَ﴾ "یقیناً ہم ہی زمین کے وارث ہوں گے اور جو اس پر ہے اور وہ سب ہماری طرف ہی پلٹائے جائیں گے" اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿إِنَّا نَحْنُ نَرِثُ الْأَرْضَ وَمَنْ عَلَيْهَا﴾ "یقیناً ہم ہی زمین کے وارث ہوں گے اور جو اس پر ہے" یعنی زمین اور اس پر جو کچھ ہے اس کا خالق اور مالک اللہ تعالیٰ ہی ہے وہی اس میں تصرف فرماتا ہے۔ یہ دنیا اور اس کی تمام چیزیں دنیا والوں کو چھوڑ جائیں گی اور وہ دنیا کو چھوڑ کر چلے جائیں گے۔ زمین اور اس کی ہر چیز کا وارث تو اللہ تعالیٰ ہے۔ زمین کی ہر چیز فنا ہو جائے گی اور صرف اللہ تعالیٰ کی ذات باقی رہے گی۔ کوئی ملکیت کا دعوے دار نہیں رہے گا۔ اللہ تعالیٰ ہی باقی رہے گا وہی حاکم ہوگا۔

(2) ﴿وَإِلَيْنَا يُرْجَعُونَ﴾ "اور وہ سب ہماری طرف ہی پلٹائے جائیں گے" اللہ تعالیٰ سب کو اپنی طرف لوٹائے گا اور اعمال کی جزا دے گا۔ لہٰذا جو کوئی نیک عمل کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی حمد کرے اور جو برے اعمال کرتا ہے اسے اپنے نفس کی ملامت کرنی چاہیے۔

(3) انسان کی خرابیوں کی جڑ یہ ہے کہ وہ خود کو مالک سمجھتا ہے اُس کے ملکیت کے نشے کو توڑ کر محرومی کی زمین پر کھڑا کر کے حسرت میں مبتلا کر کے غفلت کو توڑ کر اللہ تعالیٰ نے انجام کی فکر لگا دی ہے تاکہ لوگ اُس دن کی تیاری کریں جب کہ کرنے کے مواقع ختم ہو جائیں گے۔ (i)

انسان کو اللہ تعالیٰ نے یہ شعور دلایا ہے کہ تم خود کو مالک سمجھتے ہوں اپنے بھی مالک نہیں۔(ii) جن اشیاء کا تم خود کو مالک سمجھتے ہو اس کا وارث اللہ تعالیٰ ہے۔(iii) اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی حقیقی مالک نہیں۔(iv) اللہ تعالیٰ ہی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔

رکوع نمبر 6

﴿وَاذۡكُرۡ فِى الۡكِتٰبِ اِبۡرٰهِيۡمَ ؕ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيۡقًا نَّبِيًّا﴾

''اور آپ اس کتاب میں ابراہیم کا ذکر کرو، یقیناً وہ بہت سچے نبی تھے'' (41)

سوال 1: ﴿وَاذۡكُرۡ فِى الۡكِتٰبِ اِبۡرٰهِيۡمَ ؕ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيۡقًا نَّبِيًّا﴾ ''اور آپ اس کتاب میں ابراہیم کا ذکر کرو، یقیناً وہ بہت سچے نبی تھے'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَاذۡكُرۡ فِى الۡكِتٰبِ﴾ ''اور آپ اس کتاب میں ذکر کرو'' اللہ رب العزت نے اپنے نبی سے یہ فرمایا ہے کہ آپ ﷺ اس کتاب میں ذکر کرو۔

(2) تمام کتابوں میں سب سے زیادہ جلیل القدر، سب سے افضل اور سب سے زیادہ بلند مرتبے والی کتاب، یہ کتاب مبین اور ذکر حکیم یعنی قرآن مجید ہے۔ اگر اس میں خبریں بیان کی گئی ہیں تو یہ خبریں سب سے زیادہ سچی، سب سے زیادہ حق اور سب سے زیادہ نفع مند ہیں۔ اگر اس میں اوامر ونواہی کا تذکرہ ہے تو یہ اوامر ونواہی سب سے زیادہ قدر و قیمت کے حامل اور سب سے زیادہ عدل وانصاف پر مبنی ہیں۔

(3) اگر اس میں سزا و جزا اور وعدے وعید کا ذکر کیا گیا ہے تو وہ سب سے زیادہ سچی خبر اور سب سے زیادہ حق ہے اور اللہ تعالیٰ کی حکمت اور اس کے عدل وفضل پر سب سے زیادہ دلالت کرتی ہے۔

(4) اور اگر اس میں انبیاء و مرسلین کا ذکر ہے تو اس میں مذکور یہ مقدس ہستیاں دیگر تمام لوگوں سے کامل اور افضل ہیں۔ بناء بریں اللہ تبارک وتعالیٰ نے انبیائے کرام کے واقعات بیان کئے ہیں اور ان کا بار بار اعادہ کیا ہے، جن کو اللہ تعالیٰ نے دوسرے لوگوں پر فضیلت عطا کی اور انہیں قدر و منزلت سے نوازا۔ اللہ تعالیٰ کی عبادت، اس کی محبت، اس کی طرف انابت، حقوق اللہ اور حقوق العباد ادا کرنے، لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دینے اور اس راستے میں اذیتوں پر صبر کرنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کو بلند درجات عطا کئے اور انہیں مقامات فاخرہ اور منازل عالیہ سے نوازا۔

(5) اس سورہ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء کا ذکر فرمایا اور اپنے رسول ﷺ کو حکم دیا کہ وہ بھی ان کا ذکر کریں کیونکہ ان کے تذکرے میں اللہ تعالیٰ کی بھی تعریف ہے اور ان کی مدح وستائش کا اظہار اور ان پر اس کے فضل وکرم کا بیان بھی ہے، نیز اس میں ان پر ایمان لانے، ان کے ساتھ محبت کرنے اور ان کی پیروی کرنے کی ترغیب ہے۔ (تفسیر سعدی: 2/1576,1577)

(6)﴿وَاذۡكُرۡ فِى الۡكِتٰبِ اِبۡرٰهِيۡمَ﴾ ''اور آپ اس کتاب میں ابراہیم کا ذکر کرو، یعنی اے نبی قرآن کریم میں ذکر کرو ہمارے خلیل ابراہیم علیہ السلام کا یعنی مشرکوں کو ان کے والد کا قصہ بیان کرو۔

(7) سیدنا ابراہیم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے نبی تھے۔ عراق میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد بت پرست تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنا خلیل بنالیا تھا۔

(8) نبی ﷺ کے بعد تمام انبیاء و مرسلین میں افضل ہیں۔ (9) اللہ تعالیٰ نے ان کی اولاد میں کثیر انبیاء پیدا کیے۔

(10) سیدنا ابراہیم تمام اصحاب فضیلت گروہوں کے تیسرے باپ ہیں۔

سوال 2: سیدنا ابراہیم کے تذکرے میں کیا حکمت ہے؟

جواب: (1) سیدنا ابراہیم ﷺ کے تذکرے میں بھی رب العزت کی تعریف ہے۔ اور یہ کہ وہ کیسے اللہ تعالیٰ کی مدح وستائش کا اظہار کرتے تھے۔

(2) اس تذکرے میں ان پر اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم کا بیان بھی ہے اور ان پر ایمان لانے اور ان سے محبت کرنے اور ان کی پیروی کرنے کی رغبت بھی دلائی گئی ہے۔

(3) اس تذکرے سے مشرکوں کو یہ سمجھانا مطلوب ہے کہ جن سے تم عقیدت رکھتے ہو اور جن کی اولاد ہونے پر فخر کرتے ہو وہ تو بت شکن تھے اور تم بت پرست ہو۔ یہ کیسی عقیدت ہے کہ سچے نبی کے ساتھ تعلق رکھ کر جھوٹ کی زمین پر کھڑے ہو۔

سوال 3: ﴿اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيۡقًا نَّبِيًّا﴾ ''یقیناً وہ بہت سچے نبی تھے'' آیت کے اس حصے کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيۡقًا﴾ ''یقیناً وہ بہت سچے تھے'' یعنی وہ کثیر الصدق تھے اور سچائی کی اعلیٰ حد تک پہنچے ہوئے تھے۔ (ایسر التفاسیر:866) (2) صدیق ایسے شخص کو کہا جاتا ہے جو اپنی باتوں، اپنی خبروں اور اپنے وعدوں میں سچا ہو۔ (تفسیر الثالبی 21/16)

(3) اللہ تبارک وتعالیٰ نے بیک وقت سیدنا ابراہیم کو صدیقیت اور نبوت سے سرفراز فرمایا۔ صدیق بہت راست باز شخص کو کہا جاتا ہے۔ پس وہ اپنے اقوال افعال اور احوال میں سچا ہونے کے ساتھ ساتھ ہر اس چیز کی بھی تصدیق کرتا ہے جس کی تصدیق کا اسے حکم دیا جاتا ہے۔ یہ خوبی مستلزم ہے اس عظیم علم کو جو دل کی گہرائیوں تک پہنچتا اور اس پر اثر انداز ہوتا ہے، نیز یقین اور کامل عمل صالح کا موجب ہوتا ہے۔ (تفسیر سعدی:1577/2)

(4) صدیق وہ ہوتا ہے جس کے قول اور عمل میں مطابقت ہو۔ جو سچائی کے اعلیٰ مرتبے پر ہو۔ نبوت کے بعد سب سے اعلیٰ مقام صدیقیت کا ہے۔ ہر نبی صدیق ہوتا ہے لیکن ہر صدیق نبی نہیں ہوتا۔

سوال 4: اسلام صدق یا سچائی کو کیا اہمیت دیتا ہے، وضاحت کریں؟

جواب: (1) اللہ تعالیٰ کی ذات حق ہے۔ وہ سب سے بڑی سچائی جس کی وجہ سے کائنات وجود میں آئی۔ اسلام اس سچائی کا اقرار کرنے اور اس کی سچی باتوں پر ایمان لانے کا حکم دیتا ہے کیونکہ اس کی ہر بات سچی، اس کی ملاقات سچی، اس کے رسول سچے، اس کی کتابیں سچی، اس کی تقدیر سچی ہے۔ رب العزت نے فرمایا: ﴿وَاِنَّا لَصٰدِقُوۡنَ﴾ ''اور یقیناً ہم سچے ہیں'' (الانعام:146)

(2) انسان کے ہر قول اور عمل کی درستگی کی بنیاد یہ ہے کہ اس کے لیے اس کا دل اور اس کی زبان باہم ایک دوسرے سے مطابق اور ہم آہنگ

ہوں، اسی کا نام صدق یا سچائی ہے۔ ﴿وَالَّذِیۡ جَآءَ بِالصِّدۡقِ وَصَدَّقَ بِہٖۤ اُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡمُتَّقُوۡنَ﴾ ''اور جو شخص سچائی لے کر آیا اور اُس نے اُس کی تصدیق کی، یہی لوگ متقی ہیں۔'' (الزمر:33) ﴿قُلۡ صَدَقَ اللّٰہُقف فَاتَّبِعُوۡا مِلَّۃَ اِبۡرٰہِیۡمَ حَنِیۡفًاط وَمَا کَانَ مِنَ الۡمُشۡرِکِیۡنَ﴾ ''آپ کہہ دو کہ اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا ہے، چنانچہ ابراہیم کی ملت کی پیروی کرو جو یک سو تھا اور مشرکوں میں سے نہ تھا۔ (آل عمران:95)

(3) جو سچا نہیں، اس کا دل ہر برائی کا گھر ہو سکتا ہے، اور جو سچا ہے اس کے لیے ہر نیکی کے حصول کا راستہ آسان ہے۔ کہتے ہیں کہ ایک شخص نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! مجھ میں چار بری خصلتیں ہیں: ایک یہ کہ بدکار ہوں، دوسری یہ کہ چوری کرتا ہوں، تیسری یہ کہ شراب پیتا ہوں، چوتھی یہ کہ جھوٹ بولتا ہوں۔ ان میں سے جس ایک کو فرمائیے، آپ کی خاطر اسے چھوڑ دوں، ارشاد ہوا کہ جھوٹ نہ بولا کرو، چنانچہ اس نے اس کا عہد کیا، اب جب رات ہوئی تو شراب پینے کو جی چاہا، اور پھر بدکاری کے لیے آمادہ ہوا تو اس کو خیال گزرا کہ صبح کو جب نبی ﷺ پوچھیں گے کہ رات تم نے شراب پی اور بدکاری کی؟ تو کیا جواب دوں گا اگر ہاں کہوں گا تو زنا اور شراب کی سزا دی جائے گی، اگر ''نہیں'' کی تو عہد کے خلاف ہوگا۔ یہ سوچ کر ان دونوں سے باز رہا۔ جب رات زیادہ گزری اور اندھیرا خوب چھا گیا تو چوری کے لیے گھر سے نکلنا چاہا تو پھر اسی خیال نے اس کا دامن تھام لیا کہ کل پوچھ گچھ ہوئی تو کیا کہوں گا، ہاں کروں گا تو ہاتھ کٹیں گے، اور نہیں کرتا تو بدعہدی ہوتی ہے، اس خیال کے آتے ہی اس جرم سے بھی باز آیا، صبح ہوئی تو وہ دوڑ کر خدمت نبوی میں حاضر ہوا اور عرض کی یا رسول اللہ! جھوٹ نہ بولنے سے میری چاروں بری خصلتیں مجھ سے چھوٹ گئیں، یہ سن کر نبی ﷺ مسرور ہوئے۔ یہ روایت سند کی رو سے کتنی ہی کمزور ہو، مگر نتیجہ کے لحاظ سے بالکل درست ہے۔ سچائی کی عادت انسان کو بہت سی برائیوں سے بچاتی ہے، جو سچا ہوگا وہ ہر برائی سے پاک ہونے کی کوشش ضرور کرے گا، وہ راست باز ہوگا راست گو ہوگا، وعدہ کو پورا کرے گا، عہد کو وفا کرے گا، دلیر ہوگا، دل کا صاف ہوگا، ریاکار نہ ہوگا اس کے دل میں نفاق نہ ہوگا، پیچھے کچھ اور سامنے کچھ اس کی شان نہ ہوگی۔ صدق صفات ربانی میں سے بھی سب سے بڑی صفت ہے اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر سچا کون ہو سکتا ہے، قیامت کے وعدہ کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ آپ فرماتا ہے۔ ﴿اَللّٰہُ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا ہُوَط لَیَجۡمَعَنَّکُمۡ اِلٰی یَوۡمِ الۡقِیٰمَۃِ لَا رَیۡبَ فِیۡہِط وَمَنۡ اَصۡدَقُ مِنَ اللّٰہِ حَدِیۡثًا﴾ اللہ تعالیٰ وہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ تم سب کو قیامت کے دن ضرور جمع کرے گا جس میں کوئی شبہ نہیں اور اللہ تعالیٰ سے زیادہ بات میں سچا اور کون ہے؟'' (النساء:87) ﴿وَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدۡخِلُہُمۡ جَنّٰتٍ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِہَا الۡاَنۡہٰرُ خٰلِدِیۡنَ فِیۡہَاۤ اَبَدًاط وَعۡدَ اللّٰہِ حَقًّاط وَمَنۡ اَصۡدَقُ مِنَ اللّٰہِ قِیۡلًا﴾ ''اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے انہیں ہم عنقریب جنتوں میں داخل کریں گے جن کے نیچے سے نہریں بہتی ہیں ان میں ہمیشہ رہنے والے ہیں ہمیشہ ہمیشہ، اللہ تعالیٰ کا سچا وعدہ ہے، اور اللہ تعالیٰ سے زیادہ کون بات میں سچا ہے؟'' (النساء:122)

(4) جو لوگ رب پر ایمان لاتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے وعدوں کو سچا ہوتے دیکھ کر پکار اٹھتے ہیں ﴿وَصَدَقَ اللّٰہُ وَرَسُوۡلُہٗ

﴿وَمَا زَادَهُمْ اِلَّآ اِيْمَانًا وَّتَسْلِيْمًا﴾ ''اور اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول نے سچ کہا اور اُس چیز نے اُن کے ایمان اور اطاعت میں اضافہ ہی کیا۔'' (الاحزاب: 22)

(5) صدق اور سچائی پیغمبروں کا سب سے پہلا وصف ہے کیونکہ ان کی ساری باتیں، دعوے، دلیلیں اور حکم اگر نعوذ باللہ سچائی سے ذرا بھی خالی ہوں تو ان کی پیغمبری اور نبوت کی ساری عمارت دھم سے زمین پر گر جائے، اللہ تعالیٰ نے کئی پیغمبروں کو اس صفت سے خاص طور سے موصوف کیا ہے، سب سے پہلے تو خود ملت حنیف کے داعی سیدنا ابراہیم کو اس سے متصف فرمایا ہے۔ ﴿وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِبْرٰهِيْمَ ڛ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا﴾ ''اور آپ اس کتاب میں ابراہیم کا ذکر کرو، یقیناً وہ بہت سچے نبی تھے۔'' (مریم:41) ﴿وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِدْرِيْسَ ز اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا﴾ ''اور آپ اس کتاب میں ادریس کا ذکر کرو، یقیناً وہ سچا نبی تھا۔'' (مریم:56) سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ سیدہ مریم کے بارے میں فرمایا: ﴿وَاُمُّهٗ صِدِّيْقَةٌ﴾ ''اور اس کی ماں صدیقہ تھی۔'' (المائدہ:75) سیدنا اسماعیل نے اپنے والد سے صبر وشکر کا جو وعدہ پورا کیا تو صادق الوعد کہلائے۔ ﴿وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِسْمٰعِيْلَ ز اِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا﴾ ''اور آپ کتاب میں اسماعیل کا ذکر کرو، یقیناً وہ وعدے کا سچا تھا اور رسول نبی تھا۔'' (مریم:54)

(6) اسلام اور ایمان کے درجے کے بعد مغفرت اور جنت کا وعدہ سچے لوگوں کے ساتھ ہے۔ ﴿اِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ وَالْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْقٰنِتٰتِ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالصّٰدِقٰتِ وَالصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰبِرٰتِ وَالْخٰشِعِيْنَ وَالْخٰشِعٰتِ وَالْمُتَصَدِّقِيْنَ وَالْمُتَصَدِّقٰتِ وَالصَّآئِمِيْنَ وَالصّٰٓئِمٰتِ وَالْحٰفِظِيْنَ فُرُوْجَهُمْ وَالْحٰفِظٰتِ وَالذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا﴾ ''یقیناً اطاعت کرنے والے مرد اور اطاعت کرنے والی عورتیں اور ایمان لانے والے مرد اور ایمان لانے والی عورتیں اور فرماں برداری کرنے والے مرد اور فرماں برداری کرنے والی عورتیں اور سچے مرد اور سچی عورتیں اور صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنے والی عورتیں اور خشوع کرنے والے مرد اور خشوع کرنے والی عورتیں اور صدقہ دینے والے مرد اور صدقہ دینے والی عورتیں اور روزہ رکھنے والے مرد اور روزہ رکھنے والی عورتیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرنے والے مرد اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرنے والی عورتیں اور اللہ تعالیٰ کو کثرت سے یاد کرنے والے مرد اور اللہ تعالیٰ کو کثرت سے یاد کرنے والی عورتیں، اللہ تعالیٰ نے اُن کے لیے مغفرت اور بڑا اجر تیار کر رکھا ہے''۔ (الاحزاب:35)

(7) اسلام میں سچائی کی اہمیت اتنی بڑھائی گئی ہے کہ یہی نہیں کہ سچائی اختیار کرنے کا حکم پر حکم دیا گیا ہے بلکہ یہ بھی تاکید آئی ہے کہ ہمیشہ سچوں کا ساتھ دو، سچوں ہی کی جماعت سے تعلق اور رابطہ رکھو، اور ان ہی کی صحبت میں رہو کہ ان کی سچائی کے اثر سے تم بھی سچے ہو، کعب بن مالک رضی اللہ عنہ اور ان کے دو ساتھیوں نے جو تبوک کے سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نہ جا سکے تھے ہر قسم کی تکلیفیں سہہ کر جس سچائی کا ثبوت دیا تھا، اس کی طرف اشارہ کر کے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ﴾ ''اے لوگو جو ایمان لائے

ہو! اللہ تعالیٰ سے ڈر جاؤ اور سچے لوگوں کے ساتھ ہو جاؤ۔'' (التوبہ:119)

(8) اسلام کی نگاہ میں سچائی سے مراد صرف قول کی سچائی نہیں، نیت اور ارادے کی سچائی، عزم اور اس کو پورا کرنے میں سچائی، عمل میں سچائی، دین داری کے مقامات اور مراتب میں سچائی یعنی زبان، دل اور عمل کی سچائی۔

﴿اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ يٰۤاَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِيْ عَنْكَ شَيْـًٔا﴾

''جب اُس نے اپنے باپ سے کہا: ''اے میرے ابا جان! آپ اس کی عبادت کیوں کرتے ہیں جو نہ سنتا ہے اور نہ دیکھتا ہے اور نہ آپ کے کچھ بھی کام آسکتا ہے؟'' (42)

سوال 1: ﴿اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ يٰۤاَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِيْ عَنْكَ شَيْـًٔا﴾ ''جب اُس نے اپنے باپ سے کہا: ''اے میرے ابا جان! آپ اس کی عبادت کیوں کرتے ہیں جو نہ سنتا ہے اور نہ دیکھتا ہے اور نہ آپ کے کچھ بھی کام آسکتا ہے؟'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ﴾ ''جب اُس نے اپنے باپ سے کہا'' جب ابراہیم نے بتوں کی برائی بیان کرتے ہوئے اپنے باپ آزر سے کہا۔ (2) ﴿يٰۤاَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِيْ عَنْكَ شَيْـًٔا﴾ ''اے میرے ابا جان! آپ اس کی عبادت کیوں کرتے ہیں جو نہ سنتا ہے اور نہ دیکھتا ہے اور نہ آپ کے کچھ بھی کام آسکتا ہے؟'' آپ ایسی چیز کی عبادت کیوں کرتے ہیں جو نہ سنے، نہ دیکھے جو دوسرے حیوانات سے بھی کم تر درجے کی ہو جو کسی نفع ونقصان کی مالک نہ ہو یعنی انسان تو اسی کے آگے سر جھکا سکتا ہے جو انسان سے اعلیٰ ہو زیادہ علم اور قوت والا ہو جو انسان کو فائدہ پہنچا سکے۔

(3) یعنی آپ ان بتوں کی عبادت کیوں کرتے ہیں جو اپنی ذات اور افعال میں ناقص ہیں، جو سن سکتے ہیں نہ دیکھ سکتے ہیں، جو اپنے عبادت گزار کو کوئی نفع پہنچا سکتے ہیں نہ نقصان، بلکہ وہ خود اپنے آپ کو کوئی نفع نہیں پہنچا سکتے اور نہ اپنی ذات سے کوئی چیز دور ہٹانے کی قدرت رکھتے ہیں۔ پس یہ اس حقیقت پر ایک روشن دلیل ہے کہ ایسی ہستی کی عبادت کرنا، جو اپنی ذات اور اپنے افعال میں ناقص ہے، عقل اور شرع کے اعتبار سے قبیح ہے۔ اس کی تنبیہ اور اس کا اشارہ دلالت کرتا ہے کہ عبادت صرف اسی ہستی کی واجب اور مستحسن ہے جو کمال کی مالک ہے، جس کے سوا بندے کہیں سے نعمتیں حاصل نہیں کر سکتے، جس کے سوا کوئی اور ہستی ان سے کوئی تکلیف دور نہیں کر سکتی اور وہ ہے اللہ تعالیٰ کی ذات۔ (سعدی:2/1577)

﴿يٰۤاَبَتِ اِنِّيْ قَدْ جَآءَنِيْ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ يَاْتِكَ فَاتَّبِعْنِيْۤ اَهْدِكَ صِرَاطًا سَوِيًّا﴾

''اے میرے ابا جان! بلاشبہ میرے پاس یقیناً وہ علم آیا ہے جو آپ کے پاس نہیں آیا چنانچہ آپ میرے پیچھے چلیں، میں آپ کو سیدھے راستے پر لے جاؤں گا'' (43)

سوال1:﴿يٰۤاَبَتِ اِنِّیۡ قَدۡ جَآءَنِیۡ مِنَ الۡعِلۡمِ مَا لَمۡ يَاۡتِكَ فَاتَّبِعۡنِیۡۤ اَهۡدِكَ صِرَاطًا سَوِيًّا﴾ ''اے میرے ابا جان! بلاشبہ میرے پاس یقیناً وہ علم آیا ہے جو آپ کے پاس نہیں آیا چنانچہ آپ میرے پیچھے چلیں، میں آپ کو سیدھے راستے پر لے جاؤں گا'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿يٰۤاَبَتِ اِنِّیۡ قَدۡ جَآءَنِیۡ﴾ ''اے میرے ابا جان! بلاشبہ میرے پاس یقیناً وہ علم آیا ہے'' سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی معرفت، اللہ تعالیٰ کے یقین، بعث بعد الموت اور مشرکوں کے لیے دائمی عذاب کے علم کا تذکرہ اپنے والد سے کیا۔

(2) یعنی اللہ تعالیٰ نے مجھے وہ علم دیا جو آپ کو نہیں دیا۔

(3) ﴿فَاتَّبِعۡنِیۡۤ﴾ چنانچہ آپ میرے پیچھے چلیں یعنی میں جس چیز کی آپ کو دعوت دیتا ہوں اس پر میرا اعتقاد ہے اور میں اس پر عمل پیرا ہوں لہٰذا اس میں میری اطاعت کریں۔

(4) یعنی اللہ تعالیٰ کے دین کی پیروی کریں۔ (تفسیر سمرقندی:394/2)

(5) ﴿اَهۡدِكَ صِرَاطًا سَوِيًّا﴾ میں آپ کو سیدھے راستے پر لے جاؤں گا'' اور وہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا اور تنہا اس کی عبادت کرنا ہے۔

(6) سیدنا ابراہیم علیہ السلام چاہتے تھے کہ وہ ہمیشہ کی سعادت اور کامیابی حاصل کریں یہ ایک نبی کی پیروی کے بغیر ممکن نہ تھا اس لیے اُنہوں نے اپنی پیروی کی دعوت دی تاکہ وہ سیدھے راستے پر چلیں۔

(7) یعنی سیدھا اور معتدل راستہ اور وہ ہے اکیلے اللہ تعالیٰ کی عبادت اور تمام احوال میں اس کی اطاعت کرنا۔ اس خطاب میں جو لطف و کرم اور جو نرمی ہے وہ مخفی نہیں۔ آپ علیہ السلام نے یہ نہیں فرمایا کہ ''ابا جان میں عالم ہوں اور آپ جاہل ہیں'' یا ''آپ کے پاس کوئی علم نہیں'' آپ علیہ السلام نے اس پیرائے میں گفتگو فرمائی ''میرے پاس اور آپ کے پاس علم ہے مگر جو علم مجھ تک پہنچا ہے وہ آپ تک نہیں پہنچا، اس لئے آپ کے لئے مناسب یہی ہے کہ آپ دلیل کی پیروی کریں اور اس کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیں۔ (تفسیر سعدی:1577,1578/2)

سوال2: کیا بیٹا اپنے باپ کا احتساب کر سکتا ہے۔ قریبی رشتہ داری کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلانے میں رسول اللہ ﷺ کا اسوہ ہماری کیا راہنمائی کرتا ہے؟

جواب: (1) اگر یہ کہا جائے کہ جس طرح باپ اپنے بیٹے کا، شوہر اپنی بیوی کا، استاد اپنے شاگرد کا، آقا اپنے غلام کا اور بادشاہ اپنی رعایا کا بہرصورت احتساب کر سکتا ہے کیا احتساب کی یہ ولایت باپ پر بیٹے کو، شوہر پر بیوی کو، استاد پر شاگرد کو، آقا پر غلام کو اور بادشاہ پر رعایا کو بھی حاصل ہے یا نہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ہم ان افراد کے لیے بھی اصل ولایت ثابت کرتے ہیں لیکن تفصیلات میں قدرے اختلاف ہے۔ (احیاء العلوم:508/2)

(2) رب العزت نے گھر والوں کو آگ سے بچانے کا حکم دیا ہے۔ ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا قُوۡۤا اَنۡفُسَكُمۡ وَاَهۡلِيۡكُمۡ نَارًا وَّقُوۡدُهَا

النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ عَلَيْهَا مَلٰٓئِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ﴾ ''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں جس پر تند مزاج، سخت گیر فرشتے مقرر ہیں، جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کرتے، اور انہیں جو حکم دیا جاتا ہے وہی کرتے ہیں''۔ (التحریم:6)

(3) سیدنا قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے (اہل کو آگ سے بچانے) کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ انہیں اطاعت الٰہی کا حکم دے، اس کی نافرمانی سے منع کرے، ان سے احکام الٰہیہ کی پابندی کروائے، اور اس سلسلے میں ان کے ساتھ تعاون کرے، اور جب وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کو کوئی کام کریں تو انھیں اس سے روک دے، اور اس پر جھڑک دے۔ (تفسیر الطبری:107/28)

(4) علامہ ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ کے بیان کے مطابق اہل کو جہنم کی آگ سے بچانے کا معنی یہ ہے کہ انہیں اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر لگائے رکھے، اور اپنے ذمہ فرائض کے ادا کرنے کا پابند کرے۔ (تفسیر البحر المحیط:287/8)

(5) حافظ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ کی بیان کردہ تفسیر کے مطابق اپنی جانوں کو عذاب سے بچانے کی صورت یہ ہے کہ اوامر الٰہیہ کی تکمیل کرے اور اس کی ممنوعہ باتوں سے دور رہے، اور اہل کو عذاب سے بچانے کی صورت یہ ہے کہ انہیں نیک اعمال کرنے کا حکم دیا جائے اور برے کاموں سے منع کیا جائے۔ (زاد المسیر:312/8)

(6) رب العزت کے یہاں حق کے معاملے میں رشتہ داروں کا لحاظ نہیں ہوگا۔ ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ ۚ اِنْ يَّكُنْ غَنِيًّا اَوْ فَقِيْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا ۣ فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰٓى اَنْ تَعْدِلُوْا ۚ وَاِنْ تَلْوٗٓا اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا﴾ ''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! انصاف پر پوری طرح قائم رہنے والے اور اللہ تعالیٰ کے لئے گواہی دینے والے بنو، اگرچہ تمہاری اپنی جانوں کے یا والدین کے اور رشتے داروں کے خلاف ہو، اگر کوئی مال دار ہے یا فقیر، تو اللہ تعالیٰ ان دونوں سے زیادہ حق دار ہے، چنانچہ خواہشِ نفس کی اتباع نہ کرو کہ تم عدل کرو اور اگر تم زبان کو پیچ دو یا پہلو تہی کرو تو یقیناً اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے جو تم عمل کرتے ہو اس سے پوری طرح باخبر ہے۔'' (النساء:135)

(7) غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے اس بارے میں تحریر کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے والدین اور رشتے داروں کے خلاف گواہی دینے سے مراد یہ ہے کہ انہیں نیکی کا حکم دیا جائے۔ (احیاء علوم الدین:307/2)

(8) شیخ ابن داؤد صالحی رحمۃ اللہ علیہ نے اس سلسلے میں لکھا ہے کہ یہ آیت واضح طور پر (امر بالمعروف اور نہی عن المنکر) کے وجوب پر دلالت کناں ہے، اگرچہ اس کا تعلق ماں باپ اور رشتے داروں سے کیوں نہ ہو۔ (الکنز الاکبر فی الامر بالمعروف والنھی عن المنکر:47/1)

(9) رب العزت نے فرمایا: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ ۡ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا ۭ اِعْدِلُوْا ۣ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۡ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ﴾ ''اے لوگو جو ایمان لائے ہو!

اللہ تعالیٰ کے لیے خوب قائم رہنے والے، انصاف کے ساتھ گواہی دینے والے بن جاؤ، اور کسی قوم کی دشمنی تمہیں ہرگز اس بات کا مجرم نہ بنادے کہ تم عدل نہ کرو، عدل کرو یہی تقویٰ کے زیادہ قریب ہے اور اللہ تعالیٰ سے ڈر جاؤ، جو بھی تم عمل کرتے ہو یقیناً اللہ تعالیٰ اُس سے پوری طرح باخبر ہے۔(المائدہ:8)

(10) علامہ محمد جمال الدین قاسمی رحمۃ اللہ علیہ نے آیت کریمہ کی تفسیر میں بعض مفسرین رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل کیا ہے کہ یہ آیت امر بالمعروف، نہی عن المنکر اور انصاف کے ساتھ ڈٹے رہنے کی فرضیت پر دلالت کناں ہے، اور اسی میں عدل وانصاف کے ساتھ گواہی دینا، فیصلہ کرنا اور فتویٰ دینا شامل ہے۔ اسی طرح حق بات کہنے کے فریضہ میں کسی دشمن یا دوست کی وجہ سے کوتاہی نہ کی جائے اور نہ ہی خواہش کی پیروی کی جائے۔(تفسیر القاسمی:117/6)

(11) علامہ ابن حیان اندلسی رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر کیا ہے: اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ جس شخص کی عزت اور تکریم کا حکم دیا گیا ہے، صراط مستقیم سے ہٹنے کی صورت میں اس کا بھی احتساب کیا جائے گا۔(تفسیر البحر المحیط:169/4)

(12) اسی بنا پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے (دعوت کی) ابتداعلی، خدیجہ اور زید رضی اللہ عنہم سے کی، اور یہ آپ کے ساتھ ایک ہی گھر میں رہائش پذیر تھے، یہ لوگ ایمان لا کر باقی لوگوں پر سبقت لے گئے، پھر آپ نے قریش کے باقی تمام لوگوں کو دعوت دی، پھر اہل عرب کو، اور پھر غلاموں کو۔ ابراہیم علیہ السلام نے (بھی) دعوت کی ابتدا اپنے باپ اور قوم سے کی۔'' (دعوۃ الرسل الی اللہ تعالیٰ:43)

(13) شیخ احمد عدوی رحمۃ اللہ علیہ نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے باپ کے احتساب کے واقع سے مستفاد باتیں بیان کرتے ہوئے تحریر کیا ہے: ''اللہ تعالیٰ ہمیں یہ بتلا رہے ہیں کہ اس کے نبی ابراہیم علیہ السلام نے جب اپنے باپ اور اپنی قوم کو بتوں کی پرستش کرتے دیکھا تو احترامِ باپ ان کے احتساب کی راہ میں رکاوٹ نہ بن سکا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے اس حقیقت کو واضح فرما دیا کہ باپوں کے ادب کا معنی یہ نہیں کہ انہیں غلط کام کرتے رہنے دیا جائے۔ اگر ان کا احتساب ان کے ناراض ہونے کا سبب بنتا ہے تو (کچھ پرواہ نہیں کیونکہ) یہی طرز عمل رضائے الٰہی کے حصول کا باعث ہے، اور اللہ تعالیٰ کا حق باپوں کے حق سے زیادہ ہے۔ شیخ ابوبکر جزائری رحمۃ اللہ علیہ نے قلم بند کیا: ''ان آیات سے حاصل ہونے والی ہدایت کی باتوں میں سے ایک یہ ہے کہ مشرکوں کو شرک پر ٹوکا جائے، اور ان سے موافقت نہ کی جائے اگرچہ وہ (شرک کا ارتکاب کرنے والا) انتہائی قریبی رشتے دار کیوں نہ ہو۔(ایسر التفاسیر:625/1)

(14) باپ کے احتساب کی حکمت بیان کرتے ہوئے شیخ محمد احمد عدوی نے تحریر کیا ہے: ''یقیناً باپ اپنے بچے کی تربیت کے ذریعے اور اس کو دیگر نعمتیں مہیا کر کے اس پر کمال احسان کرتا ہے اور مناسب بات یہ ہے کہ اس کے اس احسان کا بدلہ چکایا جائے، اور باپ کے ساتھ سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ اس کو ایسی بات کی دعوت دی جائے جس میں اس کی سعادت ہو، اور اس کو جہنم کی آگ سے بچانا ہو۔'' (دعوت الرسل الی اللہ تعالیٰ:44)

(15) شیخ عمر سنامی رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر کیا ہے: اس بات کو اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر ماں یا باپ (کے تقدس اور مقام

ومرتبہ) کی وجہ سے ساقط نہیں ہوتے کیونکہ اس بارے میں نصوص سب کے احتساب کو شامل ہے۔علاوہ ازیں احتساب تو محتسب علیہ کے فائدے کے لیے ہے اور اولاد کی نفع رسانی کے لیے سب سے زیادہ حق دار والدین ہیں۔ (نصاب الاحتساب:89)

(16) سیدنا ابراہیم کے اپنے باپ کو دعوت دینے کے فوائد میں سے ایک یہ ہے کہ ان کی قوم پر اتمام حجت ہو جائے اور ان میں سے کوئی یہ کہنے کی جسارت نہ کر سکے کہ جب وہ اپنے قرابت داروں کو گمراہی سے نکلنے کی دعوت نہیں دے رہا تو پھر ہمیں کیوں دعوت دیتا ہے؟ اگر اس کی دعوت سچی ہے تو کیا یہ مناسب نہیں کہ دعوت میں قریبی میں اور اجنبی میں فرق روا نہ رکھا جائے؟ سیدنا ابراہیم نے اپنی قوم کے اس عذر کی بیخ کنی کی خاطر اپنے باپ کو اس طرح صرف ایک اللہ تعالیٰ کی عبادت کا حکم دیا جس طرح کہ انہیں دیا۔'' (دعوۃ الرسل:44)

(17) شیخ عدوی نے یہ بھی لکھا ہے: شائد اسی حکمت کی بنا پر ہمارے نبی کریم کو اس بات کا پابند کیا گیا کہ وہ اپنی قوم کو ڈرانے سے پہلے اپنے قرابت داروں کو ڈرائیں۔ چنانچہ جب نبی ﷺ نے اعلان حق کیا تو اپنے اقارب کو جمع کرنا اور ڈرانا شروع کیا۔ آپ نے ان پر واضح کر دیا کہ انہوں نے آپ کی نافرمانی کی تو وہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچانے کے سلسلے میں ان کے کسی کام نہ آسکیں گے۔ آپ نے فرمایا: اے عباس بن عبدالمطلب! میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں تمہارے کچھ کام نہ آسکوں گا۔ اے رسول اللہ ﷺ کی پھوپھی صفیہ! میں اللہ تعالیٰ کے ہاں آپ کے کسی کام نہ آؤں گا۔ اے فاطمہ بنت محمد ﷺ! میرے مال میں سے جو چاہو مجھ سے طلب کر لو لیکن اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں تمہیں کوئی فائدہ نہ پہنچا سکوں گا۔'' (دعوۃ الرسل:44)

(18) ﴿وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۭ اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا﴾ ''اور آپ کے رب نے فیصلہ کر دیا ہے کہ تم اس کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کرو اور والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔ اگر آپ کے پاس ان دونوں میں سے ایک یا دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان دونوں کو ''اُف'' تک نہ کہو اور نہ ہی ان کو جھڑکو اور ان سے عزت والی بات کرو۔'' (بنی اسرائیل:23)

(19) ﴿وَاِنْ جَاهَدٰكَ عَلٰٓي اَنْ تُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا ۡ وَّاتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَيَّ ۚ ثُمَّ اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾ ''اور اگر وہ دونوں تجھ پر دباؤ ڈالیں کہ میرے ساتھ تو کسی کو شریک کرے جس کا تجھے علم بھی نہیں پھر اُن دونوں کی اطاعت نہ کرنا اور دنیا میں اُن دونوں کے ساتھ اچھے طریقے سے رہو اور اُس کے راستے پر چلو جس نے میری طرف رجوع کیا، پھر میری طرف ہی تمہارا پلٹنا ہے تو میں تمہیں بتا دوں گا جو کچھ تم عمل کیا کرتے تھے۔'' (لقمان:15)

(20) ﴿اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِىَ اَحْسَنُ ۭ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ﴾ ''اپنے رب کے راستے کی طرف حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ دعوت دیں اور اُن سے اس طریقے سے بحث کریں جو زیادہ اچھا ہو یقیناً آپ کا رب اُن کو زیادہ جانتا ہے جو اُس کے راستے سے بھٹک گئے ہیں اور وہ ہدایت یافتہ

لوگوں کو بھی خوب جانتا ہے۔'' (النحل:125)

(21) والدین سے متعلقہ برائی کا ہاتھ سے بدلنا: ''میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ''تم میں سے جو کوئی برائی کو دیکھے اس کو اپنے ہاتھ سے بدل دے، پس اگر (اس کی) طاقت نہ ہوتو اپنی زبان سے (بدل دے)، پس اگر (اس کی بھی) استطاعت نہ ہوتو اپنے دل سے، اور یہ سب سے کمزور ایمان ہے۔'' (صحیح مسلم:95) یہ کہا جا سکتا ہے کہ کتاب وسنت میں امر بالمعروف کا حکم مطلق وارد ہوا ہے اس میں کسی طرح کی کوئی تخصیص موجود نہیں ہے اور والدین کو ایذا رسانی سے منع کرنے کا حکم مخصوص ہے مگر اس وقت کے لیے ہے جب کہ وہ کسی منکر میں مبتلا نہ ہو پھر کیا وجہ ہے کہ آپ نے اپنے بیٹے کو احتساب کے تین مراتب کا حق دیا، باقی دو مراتب سے محروم رکھا یعنی اسے یہ حق نہیں ہے کہ اگر اس کا باپ کسی منکر میں مبتلا ہو تو وہ ڈانٹ ڈپٹ یا مار پیٹ کے ذریعے سے اسے اس منکر سے باز رکھ سکے۔ آخر اس عمومیت میں تخصیص اور تخصیص میں عمومیت کی کیا وجہ ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ بعض صورتوں میں شریعت نے باپ کو مستثنیٰ کیا ہے، مثال کے طور پر جلاد کے لیے حد زنا میں اپنے باپ کو قتل کرنا اور اجراء حد کی کاروائیوں میں براہ راست شریک ہونا جائز نہیں ہے۔ مسلمان بیٹے کا کافر باپ کے قتل میں شریک ہونا بھی جائز نہیں ہے۔ باپ کا حق یہاں تک ہے کہ اگر وہ اپنے بیٹے کا ہاتھ کاٹ دے تو اس کا قصاص نہیں ہوگا۔ بیٹے کے لیے تو یہ بھی جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے باپ کو کٹے ہوئے ہاتھ کے بدلے کوئی ایذا پہنچائے۔ اس سلسلے میں متعدد روایات ہیں اور بظاہر اس میں کسی کا اختلاف بھی نہیں ہے۔ (ترمذی، ابن ماجہ)

(22) رشتے داروں کو ڈرانے کا حکم: ﴿وَ اَنۡذِرۡ عَشِیۡرَتَکَ الۡاَقۡرَبِیۡنَ﴾ ''اور آپ اپنے قریبی رشتے داروں کو ڈرائیں۔ (الشعراء:214)

(23) رسول اللہ ﷺ کا طرزِ عمل: دعوتِ طعام پر کنبے والوں کو ڈرانا: جب یہ آیت ﴿وَ اَنۡذِرۡ عَشِیۡرَتَکَ الۡاَقۡرَبِیۡنَ﴾ نازل ہوئی، تو نبی ﷺ نے اپنے کنبے کے لوگوں کو جمع فرمایا، ان کی تعداد تیس ہوگئی، وہ کھا پی چکے تو نبی ﷺ نے ان سے فرمایا: ''میرے دین اور وعدوں کی ضمانت دے کر کون جنت میں میرا ساتھی اور میرے کنبے میں میرے بعد میرا جانشین ہوگا؟'' ایک شخص نے کہا: شریک (یعنی حدیث کے راوی) نے اس کا نام ذکر نہیں کیا: ''اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ تو (جود وسخاوت کے) سمندر ہیں، اس ذمہ داری کو کون سر انجام دے سکتا ہے؟'' انہوں (سیدنا علی رضی اللہ عنہ) نے بیان کیا: ''پھر ایک دوسرے شخص نے (کچھ) گفتگو کی۔'' نبی ﷺ نے اسی بات کی پیش کش اپنے گھر والوں پر فرمائی، تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے کہا: ''میں (یعنی میں آپ کی پیش کش قبول کرنے کے لیے حاضر ہوں)۔'' (مسند احمد:883)

(24) کوہ صفا پر جب آیت کریمہ ﴿وَ اَنۡذِرۡ عَشِیۡرَتَکَ الۡاَقۡرَبِیۡنَ﴾ نازل ہوئی تو نبی ﷺ (کوہ) صفا پر تشریف لے گئے اور پکارنے لگے: اے بنو فہر! اے بنو عدی! قریش کے مختلف قبیلوں کے نام لے کر انہیں بلانا شروع کیا، یہاں تک کہ وہ جمع ہوگئے۔ جو شخص خود نہ جا سکا اس نے اپنا قاصد بھیجا تا کہ وہ صورت حال سے آگاہ ہو۔ ابولہب اور قریش (کے دیگر لوگ) پہنچ گئے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ''اگر میں تمہیں یہ خبر دوں کہ اس وادی میں موجود گھڑ سواروں کی ایک جماعت تم پر غارت گری کا ارادہ کر رہی ہے تو کیا تم میری تصدیق کرو گے؟'' انہوں نے

جواب دیا: ''ہاں، آپ کے بارے میں ہمارا تجربہ یہ ہے کہ آپ ﷺ نے ہمیشہ سچ بولا ہے۔'' آپ ﷺ نے فرمایا: یقیناً میں تمہیں شدید عذاب کی آمد سے پہلے ڈرانے والا ہوں۔'' ابولہب نے کہا: ''سارا دن تیری تباہی ہو، کیا تو نے اسی مقصد کی خاطر ہمیں جمع کیا ہے'' ؟ اس پر یہ آیات نازل ہوئیں: ﴿تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ وَّتَبَّ﴾ ''ٹوٹ گئے ابولہب کے ہاتھ اور وہ نامُراد ہوا۔''
(لہب:1)(بخاری:477)

﴿يٰٓاَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّيْطٰنَ ۭ اِنَّ الشَّيْطٰنَ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ عَصِيًّا﴾

''اے میرے ابا جان! آپ شیطان کی عبادت نہ کریں، یقیناً شیطان ہمیشہ سے رحمٰن کا بڑا نافرمان ہے'' (44)

سوال1: ﴿يٰٓاَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّيْطٰنَ ۭ اِنَّ الشَّيْطٰنَ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ عَصِيًّا﴾ ''اے میرے ابا جان! آپ شیطان کی عبادت نہ کریں، یقیناً شیطان ہمیشہ سے رحمٰن کا بڑا نافرمان ہے'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿يٰٓاَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّيْطٰنَ﴾ ''اے میرے ابا جان! آپ شیطان کی عبادت نہ کریں'' یعنی شیطان کی دعوت قبول نہ کرو۔ (2) جو کوئی شیطان کی اطاعت کرتا ہے وہ اس کی عبادت کرتا ہے۔ (سمرقندی:394/2)

(3) اس سے مراد شیطان کی بتائی ہوئی چیزوں کی عبادت ہے۔ انسان کے اندر فطری طور پر یہ جذبہ رکھ دیا گیا ہے کہ وہ کسی کو بڑا درجہ دے کر اپنی محبت وعقیدت کے جذبات اس پر نچھاور کردے۔ انسان کی محبتوں کا اصل مرکز اللہ تعالیٰ کی ذات ہے مگر شیطان طرح طرح سے انسان کے ذہن کا رُخ پھیر دیتا ہے اس طرح وہ انسان کو مشرک بنانے کی کوشش کرتا ہے اور انسان وہ جذبے اور توجہ جو رب کو دینی چاہیے غیر اللہ کو دے دیتا ہے۔

(4) ﴿اِنَّ الشَّيْطٰنَ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ عَصِيًّا﴾ ''یقیناً شیطان ہمیشہ سے رحمٰن کا بڑا نافرمان ہے'' شیطان رحمٰن کا نافرمان ہے اپنے رب کی عبادت سے تکبر کرتا ہے جو اس کی اطاعت کرتا ہے اس کو شیطان اغوا کر لیتا ہے۔ (قرطبی:111/11)

(5) پس جو کوئی شیطان کے نقش قدم کی پیروی کرتا ہے وہ شیطان کا دوست، اور شیطان کی مانند اللہ تعالیٰ کا نافرمان ہے۔ یہاں نافرمانی کو اللہ تعالیٰ کے اسم مبارک (رحمن) کی طرف مضاف کرنے میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ نافرمانیاں بندے کو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے محروم کر دیتی ہیں اور اس پر رحمت کے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں۔ جیسے اللہ تعالیٰ کی اطاعت، رحمت الٰہی کے حصول کا سب سے بڑا سبب ہے۔ (تفسیر سعدی:1578/2)

(6) ﴿اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطٰنَ ۚ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ﴾ اے آدم کی اولاد! کیا میں نے تمہیں تاکید نہیں کی تھی کہ شیطان کی عبادت نہ کرو یقیناً وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔ (یٰسین:60)

(7) ﴿تَاللّٰهِ لَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰٓى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَهُوَ وَلِيُّهُمُ الْيَوْمَ وَلَهُمْ عَذَابٌ

﴿اَلِیۡمٌ﴾ ''اللہ تعالیٰ کی قسم! ہم نے تم سے پہلے بہت سی اُمتوں کی طرف رسول بھیجے۔ پھر شیطان نے ان کے لیے ان کے اعمال کو خوش نما بنا دیا۔ پھر وہی آج ان کا سرپرست ہے۔ اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔'' (النحل:63)

﴿یٰۤاَبَتِ اِنِّیۡۤ اَخَافُ اَنۡ یَّمَسَّکَ عَذَابٌ مِّنَ الرَّحۡمٰنِ فَتَکُوۡنَ لِلشَّیۡطٰنِ وَلِیًّا﴾

''اے میرے ابا جان! یقیناً میں ڈرتا ہوں کہ آپ کو رحمن کا کوئی عذاب پکڑ لے پھر آپ شیطان کے ساتھی ہو جائیے'' (45)

سوال 1: ﴿یٰۤاَبَتِ اِنِّیۡۤ اَخَافُ اَنۡ یَّمَسَّکَ عَذَابٌ مِّنَ الرَّحۡمٰنِ فَتَکُوۡنَ لِلشَّیۡطٰنِ وَلِیًّا﴾ ''اے میرے ابا جان! یقیناً میں ڈرتا ہوں کہ آپ کو رحمن کا کوئی عذاب پکڑ لے پھر آپ شیطان کے ساتھی ہو جائیں'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿یٰۤاَبَتِ اِنِّیۡۤ اَخَافُ اَنۡ یَّمَسَّکَ عَذَابٌ مِّنَ الرَّحۡمٰنِ﴾ ''اے میرے ابا جان! یقیناً میں ڈرتا ہوں کہ آپ کو رحمن کا کوئی عذاب پکڑ لے'' یعنی آپ کے کفر کی وجہ سے مجھے ڈر لگتا ہے اور آپ کی سرکشی کی وجہ سے مجھے خوف آتا ہے۔

(2) یہاں خوف سے مراد علم ہے جیسے خشیت علم کے معنوں میں استعمال ہوتی ہے۔ رب العزت نے فرمایا: ﴿فَخَشِیۡنَاۤ اَنۡ یُّرۡہِقَہُمَا طُغۡیَانًا وَّ کُفۡرًا﴾ چنانچہ ہمیں اندیشہ ہوا کہ وہ ان دونوں کو سرکشی اور کفر میں پھنسا دے گا۔ (الکھف:80)

(3) ﴿فَتَکُوۡنَ لِلشَّیۡطٰنِ وَلِیًّا﴾ پھر آپ شیطان کے ساتھی ہو جائیں۔'' یعنی دنیا اور آخرت میں شیطان کی دوستی کی وجہ سے آپ شرک اور بتوں کی عبادت کریں اور مذموم مقام پر پہنچ جائیں۔ یوں سیدنا ابراہیم نے اپنے والد کو آسان راستہ بتایا کہ آپ میری اطاعت کریں تو میں سیدھے راستہ کی طرف راہ نمائی کروں گا اور شیطان کی عبادت نہ کریں اللہ تعالیٰ کے عذاب میں مبتلا ہو جائیں گے اور شیطان آپ کا دوست بن جائے گا۔

﴿قَالَ اَرَاغِبٌ اَنۡتَ عَنۡ اٰلِہَتِیۡ یٰۤاِبۡرٰہِیۡمُ ۚ لَئِنۡ لَّمۡ تَنۡتَہِ لَاَرۡجُمَنَّکَ وَ اہۡجُرۡنِیۡ مَلِیًّا﴾

''باپ نے کہا: ''اے ابراہیم! کیا تم میرے معبودوں سے بے رغبتی کرنے والے ہو؟ یقیناً اگر تم باز نہ آئے تو میں ضرور تمہیں سنگسار کردوں گا اور تم مجھے چھوڑ دو کہ تم صحیح سالم حال میں ہو'' (46)

سوال 1: ﴿قَالَ اَرَاغِبٌ اَنۡتَ عَنۡ اٰلِہَتِیۡ یٰۤاِبۡرٰہِیۡمُ ۚ لَئِنۡ لَّمۡ تَنۡتَہِ لَاَرۡجُمَنَّکَ وَ اہۡجُرۡنِیۡ مَلِیًّا﴾ باپ نے کہا: ''اے ابراہیم! کیا تم میرے معبودوں سے بے رغبتی کرنے والے ہو؟ یقیناً اگر تم باز نہ آئے تو میں ضرور تمہیں سنگسار کردوں گا اور تم مجھے چھوڑ دو کہ تم صحیح سالم حال میں ہو'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿قَالَ﴾ ''باپ نے کہا'' سیدنا ابراہیم کی دعوت کو رد کرتے ہوئے ان کے والد نے جواب دیا۔

(2) ﴿اَرَاغِبٌ اَنۡتَ عَنۡ اٰلِہَتِیۡ یٰۤاِبۡرٰہِیۡمُ﴾ ''اے ابراہیم! کیا تم میرے معبودوں سے بے رغبتی کرنے والے ہو؟ اے ابراہیم! کیا

تم بتوں کی عبادت سے بے زار ہو؟ وہ ابراہیم کو بتوں کی عبادت نہ کرنے پر ملامت کرنے لگا۔

(3)﴿لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ﴾ ''اگر تم باز نہ آئے'' اگر تم میرے معبودوں کو برا بھلا کہنے سے اور مجھے اللہ تعالیٰ کی عبادت کی طرف بلانے سے باز نہ آئے۔(4)﴿لَاَرْجُمَنَّكَ﴾ ''تو میں ضرور تمہیں سنگسار کردوں گا'' کہ میں تمہیں بدترین سزا دوں گا یعنی پتھر مار مار کر ہلاک کردوں گا۔

(5)﴿وَاهْجُرْنِيْ مَلِيًّا﴾ ''اور تم مجھے چھوڑ دو کہ تم صحیح سالم حال میں ہو۔'' یعنی بہتر یہ ہے کہ گھر سے نکل جاؤ، مجھ سے لمبے عرصے بات نہ کرو۔

(6) اسلام انسان کو مہذب بنا دیتا ہے۔ اسلامی تہذیب سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی نرمی، بھلائی، محبت اور ادب میں نظر آتی ہے۔ کافرانہ رویہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے والد میں جلوہ گر نظر آتا ہے۔ غصہ ہے، سختی ہے، سنگدلی ہے، شر ہے، بھلائی سے نفرت ہے۔ دھمکی ہے، ارادہ قتل ہے، جھگڑا ہے۔ یوں ہی کفر انسان کو برباد کر دیتا ہے۔

﴿قَالَ سَلٰمٌ عَلَيْكَ ۚ سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّيْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ بِيْ حَفِيًّا﴾

''اُس نے کہا: ''آپ پر سلام ہو! میں ضرور ہی اپنے رب سے آپ کے لیے بخشش کی دُعا کروں گا،

یقیناً وہ مجھ پر ہمیشہ سے بہت مہربان ہے'' (47)

سوال 1: ﴿قَالَ سَلٰمٌ عَلَيْكَ ۚ سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّيْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ بِيْ حَفِيًّا﴾ اُس نے کہا: ''آپ پر سلام ہو! میں ضرور ہی اپنے رب سے آپ کے لیے بخشش کی دُعا کروں گا، یقیناً وہ مجھ پر ہمیشہ سے بہت مہربان ہے'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1)﴿قَالَ﴾ ''اُس نے کہا'' سیدنا ابراہیم نے اپنے والد کو رحمٰن کے بندوں کی طرح تحمل سے، انتہائی نرمی، محبت، بھلائی اور ادب سے جواب دیتے ہوئے کہا۔

(2)﴿سَلٰمٌ عَلَيْكَ﴾ ''آپ پر سلام ہو!'' یہ سلام تحیہ نہیں تھا جو کہ مسلمان ایک دوسرے کو کرتے ہیں بلکہ بات کو ختم کرنا تھا۔

(3) یعنی آپ میرے خطاب میں سب وشتم اور ناگوار باتوں سے محفوظ رہیں گے۔ (تفسیر سعدی: 1579/2)

(4)﴿وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا﴾ ''اور رحمٰن کے بندے وہ ہیں جو زمین پر نرمی اور عاجزی سے چلتے ہیں اور جب جاہل اُن سے بات کریں تو کہہ دیتے ہیں سلام ہو۔'' (الفرقان: 63)

(5)﴿سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّيْ﴾ ''میں ضرور ہی اپنے رب سے آپ کے لیے بخشش کی دُعا کروں گا'' میں اپنے رب سے آپ کے لیے مغفرت اور ہدایت کی دعا کرتا رہوں گا۔

(6) یہ دُعا سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اس دور میں کی تھی جب کہ دُعائے مغفرت کی ممانعت کا حکم نہیں آیا تھا جب انہیں یہ علم ہوا تو اُنہوں نے دُعا مانگنی چھوڑ دی۔

(7)﴿مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْٓا اُولِيْ قُرْبٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُمْ

اَصۡحٰبُ الۡجَحِيۡمِ ﴿۱۱۳﴾ وَمَا كَانَ اسۡتِغۡفَارُ اِبۡرٰهِيۡمَ لِاَبِيۡهِ اِلَّا عَنۡ مَّوۡعِدَةٍ وَّعَدَهَاۤ اِيَّاهُ ۚ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗۤ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنۡهُ ؕ اِنَّ اِبۡرٰهِيۡمَ لَاَوَّاهٌ حَلِيۡمٌ ﴿۱۱۴﴾ ''نبی کو اور جو لوگ ایمان لائے کبھی جائز نہیں کہ وہ مشرکوں کے لیے مغفرت کی دُعا کریں خواہ وہ رشتہ دار ہوں اس کے بعد کہ ان کے لیے واضح ہو چکا کہ یقیناً وہ دوزخ والے ہیں۔ اور ابراہیم کا اپنے باپ کے لیے بخشش مانگنا صرف اس وعدے کے سبب تھا جو اُس نے اپنے باپ سے کیا تھا چنانچہ جب اُس کے لیے واضح ہو گیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کا دشمن ہے تو وہ اس سے بے تعلق ہو گیا، بے شک ابراہیم یقیناً بڑا نرم دل، بڑا بردبار تھا'' (التوبہ:113,114)

(8) ﴿اِنَّهٗ كَانَ بِيۡ حَفِيًّا﴾ ''یقیناً وہ مجھ پر ہمیشہ سے بہت مہربان ہے'' میرا رب مجھ پر بہت مہربان ہے اس نے مجھ پر اخلاص کے ساتھ عبادت کی توفیق عطا فرمائی۔ وہ میری دعا رد نہیں کرے گا۔

(9) کیونکہ وہ میرے حال پر بہت رحیم اور مہربان ہے اور مجھے اپنے سایہ اعتناء میں رکھتا ہے۔ پس سیدنا ابراہیم علیہ السلام اس امید پر کہ اللہ تعالیٰ اس کو ہدایت دے دے گا، اپنے باپ کے لئے استغفار کرتے رہے، پھر جب آپ پر واضح ہو گیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کا دشمن ہے اور اس کے لئے استغفار کرنا اسے کوئی فائدہ نہیں دے گا تو اس لئے مغفرت کی دعا کرنا چھوڑ دی اور اس سے براءت کا اظہار کر دیا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں ملت ابراہیم کی اتباع کا حکم دیا ہے اور ان کی ملت کی پیروی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دینے میں ہم آپ کی راہ پر گامزن ہوں اور علم وحکمت اور نرم رویہ اپنائیں۔ دعوت الی اللہ میں تدریج اور ترتیب کا طریقہ اختیار کریں، اس پر صبر کریں اور اس سے ہرگز نہ اکتائیں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دینے والے کو، لوگوں کی طرف سے، جن قولی اور فعلی اذیتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے ان پر صبر کرے اور عفو و درگزر، قولی اور فعلی حسن سلوک کے ساتھ ان اذیتوں کا مقابلہ کرے۔ (تفسیر سعدی:1579/2)

﴿وَاَعۡتَزِلُكُمۡ وَمَا تَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ وَاَدۡعُوۡا رَبِّيۡ ۖ عَسٰۤى اَلَّاۤ اَكُوۡنَ بِدُعَآءِ رَبِّيۡ شَقِيًّا﴾

''اور میں تم سے بھی کنارہ کشی کرتا ہوں اور ان سے بھی جنہیں اللہ تعالیٰ کے سوا تم پکارتے ہو۔ اور میں اپنے رب کو پکارتا ہوں، اُمید ہے کہ میں اپنے رب کو پکارنے میں نامراد نہیں ہوں گا'' (48)

سوال 1: ﴿وَاَعۡتَزِلُكُمۡ وَمَا تَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ وَاَدۡعُوۡا رَبِّيۡ ۖ عَسٰۤى اَلَّاۤ اَكُوۡنَ بِدُعَآءِ رَبِّيۡ شَقِيًّا﴾ ''اور میں تم سے بھی کنارہ کشی کرتا ہوں اور ان سے بھی جنہیں اللہ تعالیٰ کے سوا تم پکارتے ہو۔ اور میں اپنے رب کو پکارتا ہوں، اُمید ہے کہ میں اپنے رب کو پکارنے میں نامراد نہیں ہوں گا'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) جب سیدنا ابراہیم علیہ السلام اپنے والد کے ایمان لانے سے مایوس ہو گئے تو انہوں نے کہا۔

(2) ﴿وَاَعۡتَزِلُكُمۡ وَمَا تَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ﴾ ''اور میں تم سے بھی کنارہ کشی کرتا ہوں اور ان سے بھی جنہیں اللہ تعالیٰ کے سوا تم پکارتے ہو'' یعنی میں آپ سے اور آپ کے دیوی دیوتاؤں سے اظہار بے زاری کرتا ہوں۔

(3)﴿وَاَدۡعُوۡا رَبِّیۡ﴾ ''اور میں اپنے رب کو پکارتا ہوں'' یعنی میں اپنے رب سے اخلاص سے دعا کروں گا۔

(4) یہ دعائے سوال اور دعائے عبادت دونوں کو شامل ہے۔ (سعدی:1579/2)

(5)﴿عَسٰۤی اَلَّاۤ اَکُوۡنَ بِدُعَآءِ رَبِّیۡ شَقِیًّا﴾ ''اُمید ہے کہ میں اپنے رب کو پکارنے میں نامراد نہیں ہوں گا'' عسیٰ یقین کے لیے ہے۔ سیدنا ابراہیم کو اپنے رب کے وعدے پر کامل یقین تھا، ان کا دل مکمل طور پر مطمئن تھا۔

(6) یعنی ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ میری دعا اور اعمال کو قبول فرما کر مجھے سعادت سے نواز دے۔ یہ اس داعی حق کا وظیفہ ہے جو ایسے لوگوں سے مایوس ہو گیا تھا جن کو اس نے اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دی مگر وہ اپنی خواہشات نفس کی پیروی کرتے رہے اور وعظ ونصیحت نے ان کو کوئی فائدہ نہیں دیا اور وہ اپنی سرکشی میں اصرار کے ساتھ سرگرداں رہے۔ جو کوئی اس قسم کی صورت حال میں مبتلا ہو جائے تو اس پر فرض ہے کہ وہ اپنے نفس کی اصلاح میں مشغول رہے اور اپنے رب سے امید رکھے کہ وہ اس کی کوشش کو قبول فرمائے گا اور وہ شر اور اہل شر سے دور رہے۔

(تفسیر سعدی:1579/2)

سوال 2: سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے جب اہل خاندان سے الگ ہو جانے کا اظہار کیا عین اُس موقعے پر رب سے جو تعلق نظر آتا ہے اُس کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) سیدنا ابراہیم علیہ السلام اپنے رب سے باپ کی بخشش کی درخواست کرتے ہیں یعنی انہیں باپ کی نہیں رب کی ناراضگی کی فکر ہے۔

(2) سیدنا ابراہیم علیہ السلام باپ کے ارادہ قتل پر دل برداشتہ نہیں ہوئے بلکہ رب کی اپنی ذات پر مہربانیوں کا اظہار کیا کہ وہ مجھ پر بڑا مہربان ہے۔

(3) اپنی قوم کو، اپنے گھر والوں کو چھوڑتے ہوئے یہ واضح کیا کہ تم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر دوسروں کو پوجتے ہو۔ عین اس موقع پر بھی اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں دوسروں کو لانے پر ناگواری کا اظہار کیا۔

(4) اپنے رب سے دُعائیں کرنے کا اظہار کیا یعنی ایک ایسے تعلق کو جو ٹوٹنے والا نہیں جسے مصیبت میں پکارا جائے تو وہ جواب دیتا ہے جو قریب ہے، مجیب ہے۔ باپ کے مقابلے میں رب کے رشتے کو اختیار کرنے کی وجہ بتا دی کہ وہ مہربان ہے لیکن تم کتنے نامہربان ہو۔

(5) سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے یہ واضح کیا کہ اللہ تعالیٰ کو پکار کر میں کبھی بھی بدبخت نہیں رہوں گا یعنی رشتوں سے علاقے سے کٹتے ہوئے بدبختی کو جو احساس گھیر لیتا ہے اور دوسروں کے ذہن میں بھی اُٹھتا ہے کہ جانے والا محروم ہو گیا سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اس موقع پر اپنے رب کے اصل تعلق کو واضح کیا کہ اُسے پکارو تو کوئی بدبخت نہیں رہتا۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے اُمید لگائی ہے اور اپنی رشتے داری اللہ تعالیٰ سے قائم کی ہے۔ اُس طرزِ عمل سے یہ پتہ چلتا ہے کہ انسان لوگوں کو اپنے نفس کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کی طرف کیسے رجوع کر سکتا ہے۔

سوال 3: داعی مایوس کیوں نہیں ہوتا؟

جواب: دعوت کا عمل ایک ربانی عمل ہے جب بھی شروع ہوتا ہے اس کی نفسیات مختلف ہوتی ہے اگر دعوت کے عمل میں لوگ حقیر جانیں، ظلم کریں تب بھی دل میں ایک نرم گوشہ موجود رہتا ہے اگر اپنے ماحول میں بظاہر دعوت دینے والا بے سہارا بن جائے تب بھی رب کے سہا

رے کو پکڑ لیتا ہے اُسے یقین ہوتا ہے کہ بدبختی اُسے نہیں گھیرے گی اسی وجہ سے وہ مایوس نہیں ہوتا۔

سوال 4: دعوت کے میدان میں مقامِ عمل کو تبدیل کیوں کرنا پڑتا ہے؟

جواب: دعوت کے میدان میں وہ موڑ بھی آتا ہے جب لوگ دعوت کے جواب میں ظلم پر اُتر آتے ہیں اُس وقت داعی کو مقام عمل تبدیل کرنا پڑتا ہے اسی کا نام ہجرت ہے بعض اوقات یہ تبدیلی قریب کے حلقے میں ہوتی ہے اور بعض اوقات دور کے حلقے میں۔

﴿فَلَمَّا اعۡتَزَلَهُمۡ وَمَا یَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ وَهَبۡنَا لَهٗۤ اِسۡحٰقَ وَیَعۡقُوۡبَ ؕ وَكُلًّا جَعَلۡنَا نَبِیًّا﴾

''تو جب وہ اُن سے جدا ہو گیا اور جن کی وہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر عبادت کرتے تھے تو ہم نے اُسے اسحاق اور یعقوب عطا فرمائے اور ہر ایک کو ہم نے نبی بنایا'' (49)

سوال 1: ﴿فَلَمَّا اعۡتَزَلَهُمۡ وَمَا یَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ وَهَبۡنَا لَهٗۤ اِسۡحٰقَ وَیَعۡقُوۡبَ ؕ وَكُلًّا جَعَلۡنَا نَبِیًّا﴾ ''تو جب وہ اُن سے جدا ہو گیا اور جن کی وہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر عبادت کرتے تھے تو ہم نے اُسے اسحاق اور یعقوب عطا فرمائے اور ہر ایک کو ہم نے نبی بنایا'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿فَلَمَّا اعۡتَزَلَهُمۡ وَمَا یَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ وَهَبۡنَا لَهٗۤ اِسۡحٰقَ وَیَعۡقُوۡبَ﴾ ''تو جب وہ اُن سے جدا ہو گیا اور جن کی وہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر عبادت کرتے تھے تو ہم نے اُسے اسحاق اور یعقوب عطا فرمائے'' جب ابراہیم اپنی قوم سے جدا ہوئے تو انہوں نے ارض مقدس کی طرف ہجرت کی اور گھر والوں کو چھوڑ دیا۔

(2) ﴿وَهَبۡنَا لَهٗۤ اِسۡحٰقَ وَیَعۡقُوۡبَ﴾ ''تو ہم نے اُسے اسحاق اور یعقوب عطا فرمائے'' سیدنا اسحٰق عَلَیۡہِ السَّلَام سیدنا ابراہیم عَلَیۡہِ السَّلَام کے بیٹے تھے جو سیدنا سارہ سے تھے۔

(3) سیدنا یعقوب عَلَیۡہِ السَّلَام سیدنا ابراہیم عَلَیۡہِ السَّلَام کے پوتے سیدنا اسحٰق عَلَیۡہِ السَّلَام کے بیٹے تھے جن سے بنی اسرائیل کی نسل چلی۔

(4) ﴿وَكُلًّا جَعَلۡنَا نَبِیًّا﴾ ''اور ہر ایک کو ہم نے نبی بنایا'' ربّ نے انہیں تنہا نہیں چھوڑا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں اولاد بھی دی، اعلیٰ مقام بھی عطا کیا تا کہ انہیں جدائیوں کا صدمہ بھول جائے۔

﴿وَوَهَبۡنَا لَهُمۡ مِّنۡ رَّحۡمَتِنَا وَجَعَلۡنَا لَهُمۡ لِسَانَ صِدۡقٍ عَلِیًّا﴾

''اور ہم نے انہیں اپنی رحمت سے نوازا اور ہم نے اُن کے لیے سچی ناموری کو بہت بلند کر دیا'' (50)

سوال 1: ﴿وَوَهَبۡنَا لَهُمۡ مِّنۡ رَّحۡمَتِنَا وَجَعَلۡنَا لَهُمۡ لِسَانَ صِدۡقٍ عَلِیًّا﴾ اور ہم نے انہیں اپنی رحمت سے نوازا اور ہم نے اُن کے لیے سچی ناموری کو بہت بلند کر دیا'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿وَوَهَبۡنَا لَهُمۡ مِّنۡ رَّحۡمَتِنَا﴾ ''اور ہم نے انہیں اپنی رحمت سے نوازا''یعنی ابراہیم کے دونوں بیٹوں اور پوتوں کو خیر کثیر عطا کیا یعنی مال، اولاد جو کہ نبوت اور علم کے بعد ہیں۔(ایسر التفاسیر: 867)

(2) اللہ تعالیٰ نے بت پرستوں کو چھوڑ دینے اور ہجرت کرنے کی عوض رحمت عطا کی تھی تا کہ وہ ان کی رفیق رہے تنہائیوں میں ساتھ دے۔

(3)﴿وَجَعَلۡنَا لَهُمۡ لِسَانَ صِدۡقٍ عَلِيًّا﴾ ''اور ہم نے اُن کے لیے سچی ناموری کو بہت بلند کر دیا''یعنی خلیل اللہ کا خوب صورت تذکرہ لوگوں کی زبانوں پر رہتا ہے۔

(4) لسان صدق سے مراد اچھا تذکرہ، ذکر جمیل ہے۔

(5) اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو سچی ناموری عطا کی تھی لوگوں کی زبانوں پر ان کا ذکر جمیل رہتا ہے وہ ان کا احترام اور اطاعت کرتے ہیں یہ نبوت کے بعد بڑا انعام ہے۔اللہ تعالیٰ نے سچی ناموری ہجرت کے عوض عطا کی تھی۔

(6)﴿وَجَعَلۡنَا لَهُمۡ لِسَانَ صِدۡقٍ عَلِيًّا﴾ ''اور ہم نے اُن کے لیے سچی ناموری کو بہت بلند کر دیا'' یہ بھی ان پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے جس سے ان کو بہرہ ور کیا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے نیک کام کرنے والے ہر شخص سے وعدہ کیا ہے کہ وہ اس کی نیکی کے مطابق اسے سچی شہرت عطا کرے گا۔ان کا شمار تو ائمہ محسنین میں ہوتا ہے اللہ تعالیٰ نے انہیں سچی، جس میں جھوٹ کا شائبہ نہیں، ظاہر و باہر اور غیر مخفی ثنائے حسن عطا کی۔ان کے ذکر خیر، ان کی ثنائے حسن اور ان کے ساتھ محبت نے مشرق و مغرب کو لبریز کر دیا ہے۔خلائق کے دلوں میں ان کی محبت سما گئی، لوگوں کی زبان پر ان کا ذکر اور ان کی مدح و ثنا جاری ہو گئی۔وہ پیروی کرنے والوں کے قائد اور راہنمائی حاصل کرنے والوں کے راہ نما بن گئے۔ہر زمانے میں ان کا ذکر خیر نئے نئے اسالیب میں لوگوں کی زبانوں پر جاری رہا۔یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے اور وہ جسے چاہتا ہے اپنے فضل سے نوازتا ہے اور اللہ تعالیٰ فضل عظیم کا مالک ہے۔(تفسیر سعدی:1580/2)

(7) سیدنا ابراہیم نے ساری مخلوق کو یہ پیغام دیا تھا۔﴿فَاِنَّهُمۡ عَدُوٌّ لِّيۡۤ اِلَّا رَبَّ الۡعٰلَمِيۡنَ﴾ ''سو بلاشبہ وہ سب میرے دُشمن ہیں سوائے ایک رب العالمین کے'' (الشعراء:77)

رکوع نمبر 7

﴿وَاذۡكُرۡ فِي الۡكِتٰبِ مُوۡسٰۤى ۡ اِنَّهٗ كَانَ مُخۡلَصًا وَّكَانَ رَسُوۡلًا نَّبِيًّا﴾

''اور اس کتاب میں موسیٰ کا ذکر کرو، یقیناً وہ ایک خالص کیا ہوا شخص تھا اور رسول، نبی تھا'' (51)

سوال1:﴿وَاذۡكُرۡ فِي الۡكِتٰبِ مُوۡسٰۤى ۡ اِنَّهٗ كَانَ مُخۡلَصًا وَّكَانَ رَسُوۡلًا نَّبِيًّا﴾ اور اس کتاب میں موسیٰ کا ذکر کرو، یقیناً وہ ایک خالص کیا ہوا شخص تھا اور رسول، نبی تھا'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿وَاذۡكُرۡ﴾ ''ذکر کرو'' اللہ تعالیٰ نے اپنے خلیل ابراہیم کے تذکرے کے بعد نبی محمد ﷺ کو مخاطب کر کے فرمایا ہے کہ

آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے نیک بندں کے سنہرے سلسلے میں ذکر کریں۔

(2)﴿فِي الْكِتٰبِ﴾ ''اس کتاب میں'' قرآن عظیم میں۔

(3)موسیٰ کے مقام ومرتبے اور اخلاق عظیم کا تذکرہ کریں۔سیدنا موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے پیغمبر تھے جو بنی اسرائیل میں مبعوث کیے گئے۔

(4) سیدنا موسیٰ علیہ السلام کلیم اللہ تھے ان کا مقام بلند ہے ان کے اخلاق عظیم ہیں۔

(5) رب العزت نے فرمایا:﴿قَالَ يٰمُوْسٰۤى اِنِّي اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ بِرِسٰلٰتِيْ وَبِكَلَامِيْ ۖ فَخُذْ مَاۤ اٰتَيْتُكَ وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ﴾ ''اللہ تعالیٰ نے فرمایا:''اے موسیٰ! یقیناً اپنے پیغامات اور کلام کے ساتھ میں نے تجھے تمام لوگوں میں سے منتخب کیا ہے، سو لے لو جو میں نے تمہیں دیا ہے اور شکر کرنے والوں میں سے ہو جاؤ۔'' (الاعراف:144)

(6)سیدنا موسیٰ علیہ السلام پانچ اولوالعزم پیغمبروں میں سے تھے۔

(7)﴿اِنَّهٗ كَانَ مُخْلَصًا﴾ ''یقیناً وہ ایک خالص کیا ہوا شخص تھا'' مخلَص لام کی زبر کے ساتھ ہو تو اس کا مطلب ہے کہ چنا ہوا اس اعتبار سے یہ مصطفیٰ، مجتبیٰ اور مختار کے ہم معنی ہے۔تو اس کا مطلب ہے کہ سیدنا موسیٰ اللہ تعالیٰ کے لئے عمل کریں اور یہ پسند نہ کریں کہ لوگ اس کی تعریف کریں۔سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے پسند کیا انہیں چن لیا انہیں تمام جہانوں پر فضیلت دی۔ مخلِص لام کی زیر کے ساتھ ہو تو اس کا مطلب ہے کہ موسیٰ اللہ تعالیٰ کے لیے مخلص تھے، اپنے ارادوں میں، ہستیوں میں، اپنے قول و قرار میں، اپنے اعمال میں یعنی اخلاص ان کا وصف تھا۔ سیدنا موسیٰ کی ذات میں دونوں ہی صفات پائی جاتی تھیں۔اللہ تعالیٰ نے اخلاص کی وجہ سے ان کو چنا۔حقیقت یہ ہے کہ یہ مومن کا کمال درجے کا وصف ہے۔

(8)﴿وَكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا﴾ ''اور رسول، نبی تھا'' (i) رسول کے معنی ہیں لوگوں کا پیغام اللہ تعالیٰ کو سنانے والا اور نبی کے معنی وحی الٰہی کی خبر دینے والا دونوں کا مفہوم ایک ہی ہے (ii) اللہ تعالیٰ جس بندے کو لوگوں کی ہدایت اور راہ نمائی کے لیے چن لیتا ہے اُسے اپنی وحی سے نوازتا ہے اُسے رسول اور نبی کہتے ہیں۔

(9) یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کی ذات میں رسالت اور نبوت کو یکجا کر دیا۔پس رسالت، بھیجنے والے کے کلام کی تبلیغ کا تقاضا کرتی ہے، نیز یہ بھی تقاضا کرتی ہے کہ شریعت کی جو بھی چھوٹی یا بڑی چیز آئی ہے اسے بندوں تک پہنچایا جائے۔اور نبوت اس بات کی مقتضی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس پر وحی آتی ہو اور اللہ تعالیٰ نے وحی کی تنزیل کے لئے اسے مختص کر لیا ہو۔پس نبوت کا تعلق بندے اور اس کے رب کے درمیان ہے اور رسالت کا تعلق بندے اور مخلوق کے درمیان ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو وحی کی جلیل ترین اور سب سے افضل نوع کے ساتھ خاص فرمایا اور وہ ہے اللہ تعالیٰ کا ان سے کلام کرنا اور انہیں اپنی سرگوشی کے لئے اپنے قریب کرنا۔انبیاء میں سے اس فضیلت کے ساتھ صرف موسیٰ علیہ السلام کو خاص کیا گیا کہ وہ رحمان کے کلیم ہیں۔ (تفسیر سعدی:1581/2)

﴿وَنَادَيْنٰهُ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ الْاَيْمَنِ وَقَرَّبْنٰهُ نَجِيًّا﴾

''اور ہم نے پہاڑ کی دائیں جانب سے اُسے پکارا اور ہم نے سرگوشی کرتے ہوئے اُسے قریب کیا'' (52)

سوال 1: ﴿وَنَادَيْنٰهُ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ الْاَيْمَنِ وَقَرَّبْنٰهُ نَجِيًّا﴾ ''اور ہم نے پہاڑ کی دائیں جانب سے اُسے پکارا اور ہم نے سرگوشی کرتے ہوئے اُسے قریب کیا'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَنَادَيْنٰهُ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ الْاَيْمَنِ﴾ ''اور ہم نے پہاڑ کی دائیں جانب سے اُسے پکارا'' ایمن سے مراد بابرکت ہے۔ یعنی جب سیدنا موسیٰ علیہ السلام سفر کر رہے تھے۔ اور پہاڑ پر تشریف لے گئے تو پہاڑ کی دائیں جانب سے آگ والے درخت سے انہیں آواز آئی۔

(2) ﴿وَقَرَّبْنٰهُ نَجِيًّا﴾ ''اور ہم نے سرگوشی کرتے ہوئے اُسے قریب کیا'' ندا اور مناجات میں فرق یہ ہے، کہ ندا بلند آواز میں ہوتی اور مناجات اس سے کم تر دھیمی آواز میں ہوتی ہے۔ اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ کے کلام اور اس کی تمام انواع۔ مثلاً ندا اور مناجات وغیرہ، کا اثبات ہوتا ہے جیسا کہ اہل سنت والجماعت کا مذہب ہے۔ اس کے برعکس جہمیہ، معتزلہ اور ان کے ہم مسلک گروہ اللہ تعالیٰ کے کلام کا انکار کرتے ہیں۔ (تفسیر سعدی: 1581/2) (3) اللہ نے آپ کو بلایا، قریب بلایا اور راز داری سے بات کی۔

﴿وَوَهَبْنَا لَهٗ مِنْ رَّحْمَتِنَآ اَخَاهُ هٰرُوْنَ نَبِيًّا﴾

''اور ہم نے اسے اپنی رحمت سے اُس کا بھائی ہارون نبی بنا کر اُسے عطا کیا'' (53)

سوال 1: ﴿وَوَهَبْنَا لَهٗ مِنْ رَّحْمَتِنَآ اَخَاهُ هٰرُوْنَ نَبِيًّا﴾ ''اور ہم نے اسے اپنی رحمت سے اُس کا بھائی ہارون نبی بنا کر اُسے عطا کیا'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ''اور ہم نے اسے اپنی رحمت سے اُس کا بھائی ہارون نبی بنا کر اُسے عطا کیا'' سیدنا ہارون سیدنا موسیٰ کے بھائی تھے۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام اپنے بھائی کے لئے خیر خواہ تھے۔ ان کے حسن سلوک اور خیر خواہی کی دلیل ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ سیدنا ہارون علیہ السلام کو ان کے ساتھ ذمہ داری میں شریک کر کے رسول بنا دیں۔ جیسا کہ فرمایا: ﴿وَاجْعَلْ لِّيْ وَزِيْرًا مِّنْ اَهْلِيْ﴾ ''اور میرے لیے میرے خاندان سے ایک معاون مقرر کر دے۔'' (طٰہٰ: 29)

(2) ﴿وَاَخِيْ هٰرُوْنُ هُوَ اَفْصَحُ مِنِّيْ لِسَانًا فَاَرْسِلْهُ مَعِيَ رِدْاً يُّصَدِّقُنِيْٓ اِنِّيْٓ اَخَافُ اَنْ يُّكَذِّبُوْنِ﴾ ''میرا بھائی ہارون زبان میں مجھ سے زیادہ فصیح ہے، تو اُسے میرے ساتھ مددگار کے طور پر بھیج دے کہ وہ میری تائید کرے، یقیناً میں ڈرتا ہوں کہ وہ مجھے جھٹلائیں گے۔'' (القصص: 34)

(3) اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول کر لی۔﴿قَالَ قَدْ اُوْتِيْتَ سُؤْلَكَ يٰمُوْسٰى﴾ ''اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یقیناً جو تم نے مانگا تجھے دے دیا گیا اے موسیٰ!'' (طٰہٰ:36) اور اپنی رحمت سے ان کے بھائی ہارون کو رسول بنا دیا۔

(4) سیدنا ہارون علیہ السلام کی نبوت موسیٰ کی نبوت کے تابع ہے۔ وہ نبوت کے معاملات میں سیدنا موسیٰ کی مدد کرتے تھے۔

﴿وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِسْمٰعِيْلَ اِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا﴾

''اور آپ کتاب میں اسماعیل کا ذکر کرو، یقیناً وہ وعدے کا سچا تھا اور رسول نبی تھا'' (54)

سوال 1:﴿وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِسْمٰعِيْلَ اِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا﴾ ''اور آپ کتاب میں اسماعیل کا ذکر کرو، یقیناً وہ وعدے کا سچا تھا اور رسول نبی تھا'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1)﴿وَاذْكُرْ﴾ ''اور ذکر کرو'' یعنی اے نبی ﷺ آپ ذکر کریں۔ (2)﴿فِي الْكِتٰبِ﴾ ''کتاب میں'' قرآن عظیم میں۔

(3) اسماعیل بن ابراہیم کا جو سیدہ ہاجرہ کے بطن سے پیدا ہوئے۔ جن سے عرب قبیلے کی نسل چلی۔ جن سے بنی آدم کے سردار محمد ﷺ پیدا ہوئے جو آخری نبی تھے۔

(4)﴿اِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ﴾ ''یقیناً وہ وعدے کا سچا تھا'' وعدے کا سچا وہ ہوتا ہے جو کبھی وعدہ خلافی نہیں کرتا یعنی وہ جو وعدہ کرتے تو پورا کرتے۔ وہ اپنے قول کے سچے تھے انہوں نے اپنے رب کے ساتھ جو وعدہ کیا اسے پورا کر کے دکھلایا اس میں وہ وعدے بھی شامل ہیں جو انہوں نے بندوں سے کئے۔ جب ان کے والد سیدنا ابراہیم نے انہیں ذبح کرنے کا ارادہ کیا تو انہوں نے کہا ﴿سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ﴾ ان شاء اللہ آپ مجھے صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے۔ (الصّٰفّٰت:102) انہوں نے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا اور اپنے والد کو پورا اختیار دیا کہ وہ انہیں ذبح کر دیں۔

(5)﴿وَكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا﴾ ''اور رسول نبی تھا'' پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں رسول اور نبی بنایا اور انہیں مخلوقات کے سب سے بلند طبقے میں سے کر دیا۔ اس سے سیدنا اسماعیل علیہ السلام کی سیدنا اسحٰق علیہ السلام پر فوقیت ثابت ہوئی کیونکہ وہ صرف نبی تھے دوسرے جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰٓى اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّاٰلَ اِبْرٰهِيْمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ﴾ ''یقیناً اللہ تعالیٰ نے تمام جہانوں میں سے آدم کو اور نوح کو اور ابراہیم کے خاندان کو اور عمران کے خاندان کو منتخب فرمایا ہے۔'' اس سے بھی ان کی فضیلت نکلتی ہے۔

سوال 2: ایفائے عہد کی اہمیت اور فضیلت بیان کریں؟

جواب: (1) وعدہ پورا کرنا اخلاق حمیدہ میں سے ہے اور وعدہ خلافی اخلاق سیئہ میں سے ہے۔

(2) رب العزت نے فرمایا:﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ﴾ ''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تم وہ بات کیوں کہتے ہو جو تم کرتے نہیں ہو؟'' (الصّف:2)

(3) نبی ﷺ نے فرمایا کہ منافق کی تین نشانیاں ہیں: (i) جب بات کرے تو جھوٹ بولے۔ (ii) جب وعدہ کرے تو خلاف ورزی کرے۔ (iii) اور جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کرے۔ (بخاری: 33)

(4) ایک دوسری روایت میں نشانی ہے: جب جھگڑا کرے تو گالی گلوچ کرے۔ (بخاری: 34)

(5) منافقوں کی صفات ایمان والوں سے متضاد ہیں۔ اس لیے اللہ رب العزت نے اپنے نبی کی تعریف کی ہے کہ وہ وعدے کے سچے ہیں۔

﴿وَكَانَ يَأْمُرُ اَهْلَهٗ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ ۠ وَكَانَ عِنْدَ رَبِّهٖ مَرْضِيًّا﴾

''اور وہ اپنے گھر والوں کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیتا تھا اور اپنے رب کے نزدیک پسندیدہ تھا'' (55)

سوال 1: ﴿وَكَانَ يَأْمُرُ اَهْلَهٗ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ ۠ وَكَانَ عِنْدَ رَبِّهٖ مَرْضِيًّا﴾ ''اور وہ اپنے گھر والوں کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیتا تھا اور اپنے رب کے نزدیک پسندیدہ تھا'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَكَانَ يَأْمُرُ اَهْلَهٗ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ﴾ ''اور وہ اپنے گھر والوں کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیتا تھا'' یعنی وہ اپنے گھر والوں اور قبیلے والوں کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیتے تھے۔

(2) یعنی وہ اپنے گھر والوں پر نماز اور زکوٰۃ کا حکم نافذ فرماتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو حکم دیا۔ ﴿وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا ۭ لَا نَسْـَٔــلُكَ رِزْقًا ۭ نَحْنُ نَرْزُقُكَ ۭ وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰى﴾ ''اور آپ اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم دیں اور خود بھی اس پر خوب پابند رہیں، ہم آپ سے کوئی رزق نہیں مانگتے، رزق تو ہم ہی آپ کو دیں گے۔ اور آخری انجام تو تقویٰ (والوں) کے لیے ہے۔'' (طٰہٰ: 132)

(3) نماز معبود کے لیے اخلاص ہے اور زکوٰۃ بندوں کے ساتھ احسان کرنے کے لیے مال میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کردہ حصہ ہے۔

(4) سیدنا اسماعیل علیہ السلام نے خود کو بھی کمال تک پہنچایا اور دوسروں کے کامل بننے کے لیے ان کی مدد کی۔ خاص طور پر وہ جوان کے قریب تھے۔ جو دوسروں کے مقابلے میں زیادہ حق دار تھے۔ رب العزت نے نبی علیہ السلام کو حکم دیا۔ ﴿وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ﴾ ''اور آپ اپنے قریبی رشتے داروں کو ڈرائیں۔'' (الشعراء: 214)

(5) ﴿وَكَانَ عِنْدَ رَبِّهٖ مَرْضِيًّا﴾ ''اور اپنے رب کے نزدیک پسندیدہ تھا'' اس کا سبب یہ تھا انھوں نے یہ وعدہ پورا کر دکھایا اور اپنے والد کو پورا اختیار دیا کہ وہ ان کو ذبح کریں، جو کہ سب سے بڑی مصیبت ہے جو انسان کو پہنچ سکتی ہے، پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو رسالت اور نبوت سے متصف کیا جو اللہ تعالیٰ کا اپنے بندے پر سب سے بڑا احسان ہے۔ اور انہیں مخلوق کے بلند ترین طبقے میں سے کیا۔ (تفسیر سعدی: 1582/2)

(6) اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ بننے والوں کے لیے سیدنا اسماعیل علیہ السلام کی زندگی میں یہ سبق ہے کہ وہ وعدوں کے سچے اور گھر والوں کے حق میں مخلص بنیں۔ انہیں رب شناس بنانے کے لیے صلوٰۃ و زکوٰۃ کا حکم دیں۔

سوال2: کیا گھر والوں کی تربیت کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ کی طرف سے عائد کی گئی ہے؟

جواب: (1) رب العزت نے گھر والوں کو آگ سے نجات کا حکم دیا: ﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا قُوۡۤا اَنۡفُسَکُمۡ وَاَهۡلِیۡکُمۡ نَارًا وَّقُوۡدُهَا النَّاسُ وَالۡحِجَارَةُ عَلَیۡهَا مَلٰٓئِکَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا یَعۡصُوۡنَ اللّٰهَ مَاۤ اَمَرَهُمۡ وَیَفۡعَلُوۡنَ مَا یُؤۡمَرُوۡنَ﴾ ''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں جس پر تندمزاج سخت گیر فرشتے مقرر ہیں، جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کرتے، اور اُنہیں جو حکم دیا جاتا ہے وہی کرتے ہیں'' (التحریم :6)

(2) نبی ﷺ نے فرمایا: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جب آدمی رات کو جاگے اور اپنی عورت کو جگا دے پھر دونوں دو رکعت پڑھیں تو اللہ تعالیٰ کی یاد کرنے والے اور یاد کرنے والیوں میں سے لکھے جائیں گے۔ (ابن ماجہ:1335)

(3) نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: کہ لڑکا جب سات برس کا ہو جائے تو اس کو نماز پڑھنے کی ہدایت کرو جب دس سال کی عمر کا ہو جائے تو نماز کے لئے مارو۔ (ابوداؤد:494)

(4) قیامت کے روز اللہ تعالیٰ مزید اس بارے میں باز پرس کریں گے کیونکہ اخلاقی تربیت دینی فریضہ ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ جس بندے کو کچھ لوگوں کا نگران بناتا ہے چاہے وہ تھوڑے ہوں یا زیادہ وہ ضرور قیامت کے روز اس سے باز پرس کرے گا کہ اس نے اپنے ماتحتوں کو دین پر چلایا یا انہیں ضائع کر دیا یہاں تک کہ خاص طور پر گھر والوں کے بارے میں محاسبہ کرے گا۔

(5) نیکی کا شوق دلانا اور بری باتوں سے روکنا مومن کا فرض ہے۔ کسی کو اس کے حال پہ چھوڑنا جائز نہیں کہ وہ آگ کا نوالہ بن جائے۔

﴿وَاذۡکُرۡ فِی الۡکِتٰبِ اِدۡرِیۡسَ ۫ اِنَّهٗ کَانَ صِدِّیۡقًا نَّبِیًّا﴾

''اور آپ اس کتاب میں اِدریس کا ذکر کرو، یقیناً وہ سچا نبی تھا'' (56)

سوال1: ﴿وَاذۡکُرۡ فِی الۡکِتٰبِ اِدۡرِیۡسَ ۫ اِنَّهٗ کَانَ صِدِّیۡقًا نَّبِیًّا﴾ ''اور آپ اس کتاب میں اِدریس کا ذکر کرو، یقیناً وہ سچا نبی تھا'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَاذۡکُرۡ﴾ اور ذکر کرو۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی محمد ﷺ کو حکم دیا ہے کہ اس سنہرے سلسلے میں ذکر کرو۔

(2) ﴿فِی الۡکِتٰبِ﴾ اس کتاب میں۔ یعنی قرآن عظیم میں۔ (3) ﴿اِدۡرِیۡسَ﴾ ''اِدریس کا'' ادریس جو نوح علیہ السلام کے جدامجد تھے۔

(4) سیدنا ادریس علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے نبی تھے یہ سیدنا آدم علیہ السلام کے بعد پہلے نبی تھے۔ جنہوں نے سب سے پہلے کپڑے سیے۔

(5) یعنی اس کتاب کریم میں تعظیم وجلال اور صفات کمال سے متصف ہونے کے اعتبار سے ادریس علیہ السلام کا ذکر کرو! (تفسیر سعدی:2/1583)

(6) شب معراج میں نبی ﷺ نے سیدنا ادریس کو چوتھے آسمان پر دیکھا۔ آپ درزی تھے، جب سوئی میں ڈورڈالتے تو سبحان اللہ فرماتے اور جب شام ہوتی تو روئے زمین پر ان سے زیادہ عمل کرنے والا کوئی نہ ہوتا۔ (مختصر ابن کثیر: 2/1138)

(7)﴿اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيۡقًا نَّبِيًّا ﴾''یقیناً وہ سچا نبی تھا''یعنی وہ کثرت سے سچ بولنے والے اور اللہ تعالیٰ کی آیات کی تصدیق کرنے والے تھے۔(تفسیر منیر:465/8)

(8)اللہ تعالیٰ نے ان کو بیک وقت صدیقیت جو تصدیق تام، علم کامل، یقین ثابت اور عمل صالح کی جامع ہے۔اور اپنی وحی اور رسالت کے لئے چن لیا۔(تفسیر سعدی:1583/2)

(9)رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: سچ انسان کو نیکی کا راستہ دکھاتا ہے اور نیکی جنت کی طرف لے جاتی ہے اور انسان سچ بولتا رہتا ہے یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں سچا لکھ دیا جاتا ہے اور جھوٹ انسان کو برائی کا راستہ دکھاتا ہے اور برائی دوزخ کی طرف لے جاتی ہے۔ انسان جھوٹ بولتا رہتا ہے یہاں تک کہ وہ اللہ کے ہاں جھوٹا لکھ دیا جاتا ہے۔(مسلم:6637)

﴿وَّرَفَعۡنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا﴾

''اور ہم نے اُسے بہت عالی مقام تک بلند کیا''(57)

سوال1:﴿وَّرَفَعۡنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا﴾''اور ہم نے اُسے بہت عالی مقام تک بلند کیا''اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)''اور ہم نے اُسے بہت عالی مقام تک بلند کیا''اس سے مراد وہ بلندی ہے جو نبوت کے بعد انہیں عطا کی گئی۔

(2)یعنی اللہ تعالیٰ نے جہانوں میں ان کا ذکر اور مقربین کے درمیان ان کا درجہ بلند کیا۔پس وہ ذکر کے لحاظ سے بھی بلند تھے اور مقام ومرتبہ کے اعتبار سے بھی بلند۔(تفسیر سعدی:1583/2)

(3)اس سے عام طور پر آسمان کی طرف اُٹھانا مراد لیا گیا ہے لیکن قرآن حکیم یا حدیث رسول سے اس کا ثبوت نہیں ملتا اور اسرائیلی روایات کافی نہیں ہیں۔

﴿اُولٰٓئِكَ الَّذِيۡنَ اَنۡعَمَ اللّٰهُ عَلَيۡهِمۡ مِّنَ النَّبِيّٖنَ مِنۡ ذُرِّيَّةِ اٰدَمَ وَمِمَّنۡ حَمَلۡنَا مَعَ نُوۡحٍ وَّمِنۡ ذُرِّيَّةِ اِبۡرٰهِيۡمَ وَاِسۡرَآءِيۡلَ وَمِمَّنۡ هَدَيۡنَا وَاجۡتَبَيۡنَا ؕ اِذَا تُتۡلٰى عَلَيۡهِمۡ اٰيٰتُ الرَّحۡمٰنِ خَرُّوۡا سُجَّدًا وَّبُكِيًّا﴾

''یہی لوگ ہیں جو ان پیغمبروں میں سے تھے جن پر اللہ تعالیٰ نے آدم کی اولاد میں سے انعام فرمایا،اور ان میں سے جن کو ہم نے نوح کے ساتھ سوار کیا تھا،اور ابراہیم اور یعقوب کی اولاد میں سے،اور ان میں سے جنہیں ہم نے ہدایت بخشی اور ہم نے منتخب کیا۔جب انہیں رحمان کی آیات پڑھ کر سنائی جاتی تھیں تو وہ سجدہ کرتے ہوئے اور روتے ہوئے گر پڑتے تھے''(58)

سوال1:﴿اُولٰٓئِكَ الَّذِيۡنَ اَنۡعَمَ اللّٰهُ عَلَيۡهِمۡ مِّنَ النَّبِيّٖنَ مِنۡ ذُرِّيَّةِ اٰدَمَ وَمِمَّنۡ حَمَلۡنَا مَعَ نُوۡحٍ وَّمِنۡ ذُرِّيَّةِ

اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْرَآءِيْلَ ز وَمِمَّنْ هَدَيْنَا وَاجْتَبَيْنَا﴾ ''یہی لوگ ہیں جوان پیغمبروں میں سے تھے جن پر اللہ تعالیٰ نے آدم کی اولاد میں سے انعام فرمایا اور ان میں سے جن کو ہم نے نوح کے ساتھ سوار کیا تھا، اور ابراہیم اور یعقوب کی اولاد میں سے، اور ان میں سے جنہیں ہم نے ہدایت بخشی اور ہم نے منتخب کیا'' آیت کے اس حصے کی وضاحت کریں؟

جواب: (1)﴿اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ﴾ ''یہی لوگ ہیں جوان پیغمبروں میں سے تھے جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا'' اللہ رب العزت نے جب خاص انبیاء اور مرسلین کے فضائل کا ذکر کیا تو فرمایا کہ یہ انعام یافتہ لوگ ہیں اور نبوت ورسالت ایسا انعام ہے جسے کوئی اپنی ذاتی کوشش سے حاصل نہیں کرسکتا۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے لئے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں ان کے راستے پر چلادے۔ اور اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے ان لوگوں کے ساتھ جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں۔﴿وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا﴾ ''اور جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا تو وہ ان کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام کیا، نبیوں اور صدیقوں اور شہیدوں اور صالحین میں سے! اور یہی بہترین ساتھی ہیں۔'' (النساء:69)

(2)﴿مِّنَ النَّبِيّٖنَ مِنْ ذُرِّيَّةِ اٰدَمَ وَمِمَّنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ﴾ ''پیغمبروں میں سے تھے، آدم کی اولاد میں سے، اور ان میں سے جن کو ہم نے نوح کے ساتھ سوار کیا تھا''۔ یعنی ان میں سے کچھ تو آدم کی اولاد ہیں اور کچھ ان لوگوں کی اولاد ہیں جنہیں نوح کے ساتھ کشتی میں سوار کیا تھا یعنی نوح کی ذریت میں سے ہیں۔

(3)﴿وَّمِنْ ذُرِّيَّةِ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْرَآءِيْلَ﴾ ''اور ابراہیم اور یعقوب کی اولاد میں سے'' یعنی ان میں سے کچھ ایسے ہیں جو دنیا کے تمام گھرانوں میں سے بہتر گھرانے سے ہیں یعنی ابراہیم جن سے اسحٰق علیہ السلام اور اسماعیل علیہ السلام پیدا ہوئے اور اسرائیل جن کی اولاد سے موسیٰ، ہارون، داوٗد، سلیمان، زکریا، یحییٰ اور عیسیٰ ہیں۔

(4)﴿وَمِمَّنْ هَدَيْنَا﴾ ''اور ان میں سے جنہیں ہم نے ہدایت بخشی'' یعنی جن کو ہم نے سیدھے راستے کی ہدایت دی۔

(5)﴿وَاجْتَبَيْنَا﴾ ''اور ہم نے منتخب کیا'' اور انہیں ہم نے اپنی نبوت کے لیے چن لیا۔

(6) یعنی جنہیں ہم نے اسلام کی ہدایت دی اور ایمان کے لیے چن لیا۔ (فتح القدیر:425/3)

سوال2:﴿اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُ الرَّحْمٰنِ خَرُّوْا سُجَّدًا وَّبُكِيًّا﴾ ''جب انہیں رحمان کی آیات پڑھ کر سنائی جاتی تھیں تو وہ سجدہ کرتے ہوئے اور روتے ہوئے گر پڑتے تھے'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1)﴿اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُ الرَّحْمٰنِ﴾ ''جب انہیں رحمان کی آیات پڑھ کر سنائی جاتی تھیں'' یعنی جب ان کے سامنے رحمٰن کی آیات تلاوت کی جاتی ہیں۔

(2)﴿خَرُّوْا سُجَّدًا وَّبُكِيًّا﴾ ”تو وہ روتے ہوئے سجدے میں گر جاتے ہیں“ وہ اللہ تعالیٰ کے کلام میں جب اس کے دلائل سنتے ہیں تو عاجزی سے رب کے آگے روتے ہوئے جھک جاتے ہیں۔

(3) وہ اللہ تعالیٰ کے بڑے انعام پر شکر کے طور پر سجدے میں گر جاتے ہیں۔

(4) وہ ان لوگوں کی طرح نہیں ہیں جو اللہ تعالیٰ کی آیات سن کر اندھے بہرے بن جاتے ہیں۔

سوال 3: آیات کی نسبت اللہ تعالیٰ کے اسم مبارک رحمٰن کی طرف کی گئی، اس کی حکمت واضح کریں؟

جواب: آیات کی، اللہ تعالیٰ کے اسم مبارک (رحمان) کی طرف اضافت اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی آیات، اس کے بندوں پر اس کی رحمت اور احسان ہے کیونکہ اس نے آیات کے ذریعے سے ان کی حق کی طرف راہنمائی کی، ان کی کورنگاہی کو دور کر کے بصیرت سے نوازا، انہیں گمراہی سے بچایا اور جہالت کی تاریکیوں میں انہیں علم کی روشنی عطا کی۔ (تفسیر سعدی:2/1583,1584)

سوال 4: اللہ تعالیٰ کا کلام سن کر کب اور کیسے انسان سجدوں میں آہ و بکا کے قابل ہوتا ہے؟

جواب: (1) انسان اس کیفیت تک تب پہنچتا ہے جب انسان کے شعور میں ارتعاش پیدا ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ کے کلام کو سن کر انسان کو جب اظہار کے لیے موزوں کلمات نہیں ملتے تو ان احساسات کا اظہار آنسوؤں سے ہوتا ہے۔ سجدے میں گر کر، رو کر اندرونی جذبات کا اظہار ہوتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی عظمت اور جلال کا اعتراف ہے۔ جو اس درجے پر پہنچا اُس نے ایمان کی مٹھاس چکھ لی۔ یہ درجہ نبیوں اور رسولوں کے لیے خاص ہے۔

(2) انعامات کی وجہ سے ان کی مشترکہ خصوصیت تھی کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عظمت کے احساس میں اتنے ڈوبے ہوئے تھے کہ اس کا کلام سن کر ان کا سینہ دہل جاتا تھا اور اُن پر رقت اور بکا کی کیفیت طاری ہو جاتی تھی حتیٰ کہ روتے ہوئے سجدے میں گر جاتے تھے۔

(3) جو لوگ اللہ تعالیٰ کی آیات کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیتے ہیں، ان کے دل اللہ تعالیٰ کی آیات میں غیب کی خبروں اور رب العزت کی صفات، آخرت کی خبروں اور اللہ کے وعدوں اور وعیدوں کی وجہ سے ایمان اور رغبت و محبت سے لبریز ہو جاتے ہیں جس کی وجہ سے انسان کی آنکھیں آنسو بہاتی ہیں اور دل اور جسم سجدے میں گر جاتے ہیں۔

﴿فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا﴾

”پھر اُن کے بعد ایسے جانشین اُن کی جگہ آئے جنہوں نے نماز کو ضائع کیا اور خواہشاتِ نفس کے پیچھے لگ گئے، تو جلد ہی وہ گمراہی کو ملیں گے“ (59)

سوال 1: ﴿فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا﴾ ”پھر اُن کے بعد ایسے جانشین اُن کی جگہ آئے جنہوں نے نماز کو ضائع کیا اور خواہشاتِ نفس کے پیچھے لگ گئے، تو جلد ہی وہ گمراہی کو ملیں گے“ اس

آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1) ﴿فَخَلَفَ مِنۡۢ بَعۡدِهِمۡ خَلۡفٌ﴾ ’’پھراُن کے بعد ایسے جانشین اُن کی جگہ آئے‘‘ رب العزت نے انبیا اور صالحین کا ذکر فرمایا جو کہ اللہ تعالیٰ کی حدود کو قائم کرنے والے، اس کے احکامات پر عمل کرنے والے اور اس کے نواہی سے اجتناب کرنے والے، اپنے رب کی رضا کے مطابق زندگی گزارنے والے، اسی کی طرف رجوع کرنے والے تھے۔ تو ان کے بعد آنے والی ناخلف اولاد کا ذکر کیا ہے جو اپنے آباواجداد کے بالکل متضاد ہیں۔ نیک لوگوں کے گھر میں کیسے ناخلف لوگ پیدا ہوئے۔

(2) ﴿اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ﴾ ’’جنہوں نے نماز کو ضائع کیا‘‘ یعنی وہ انبیاء کی اولاد ہونے کے باوجود نماز کو ضائع کرنے لگے۔ انہوں نے دین کا ستون، اس کی روح اور بہترین عمل کو ہی کھودیا۔

(3) یعنی انہوں نے نماز کی حفاظت نہیں کی جس کی حفاظت اور قائم کرنے کا انہیں حکم دیا گیا تھا۔ انہوں نے دین کے ستون، ایمان کی میزان اور رب العالمین کے لیے اخلاص کو کھودیا تو جن لوگوں نے نماز کو ضائع کر دیا ان سے باقی دین کو قائم کرنے کی کیا توقع کی جاسکتی ہے۔ ﴿فَوَيۡلٌ لِّلۡمُصَلِّيۡنَ ۝ الَّذِيۡنَ هُمۡ عَنۡ صَلَاتِهِمۡ سَاهُوۡنَ ۝ الَّذِيۡنَ هُمۡ يُرَآءُوۡنَ ۝﴾ ’’پس بڑی ہلاکت ہے ان نمازیوں کے لیے۔ جو اپنی نماز سے غافل ہیں۔ جو ریاکاری کرتے ہیں۔‘‘ (الماعون:4،6)

(4) حضرت عبداللہ بن عمر بن عاص رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ نبی ﷺ نے ایک دن نماز کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: جس شخص نے نماز کی حفاظت کی اس شخص کے لئے نماز قیامت کے روز نور، برہان اور نجات ہوگی جس نے نماز کی حفاظت نہ کی اس کے لئے روز قیامت نہ نور ہوگا نہ برہان اور نہ نجات نیز قیامت کے روز اس کا انجام قارون ہامان اور ابی ابن خلف کے ساتھ ہوگا۔ (ابن حبان:1467/4) سیدنا سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ خواب کی حدیث میں رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا ’’جو شخص قرآن یاد کر کے بھلا دیتا ہے اور فرض نماز پڑھے بغیر سو جاتا ہے اس کا سر پتھر سے کچلا جا رہا تھا۔‘‘ (بخاری:7047)

(5) ﴿وَاتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ﴾ ’’اور خواہشاتِ نفس کے پیچھے لگ گئے‘‘ نماز کو چھوڑ دینے کا سبب بیان فرمایا ہے کہ وہ شہوات نفس کے پیچھے لگ گئے، ان کے ارادوں کا رخ، ان کی ہمتوں کی جہت بدل گئی۔ نہ انہوں نے شہوات کو اللہ تعالیٰ کے حقوق سے زیادہ اہمیت دی تو اللہ تعالیٰ کا حق ضائع کر بیٹھے اور شہوات نفس کے پیچھے پڑ گئے یوں وہ دنیا کی لذتوں میں گم ہو گئے اور اپنی دنیا کی زندگی پر مطمئن ہو گئے۔

(6) ﴿فَسَوۡفَ يَلۡقَوۡنَ غَيًّا﴾ ’’تو جلد ہی وہ گمراہی کو ملیں گے‘‘ یعنی وہ قیامت کے دن کئی گنا سخت عذاب سے دوچار ہوں گے۔

(7) (i) غَيًّا کا مطلب ہلاکت، بُرا انجام اور دوزخ کی ایک وادی کا نام ہے۔ (ii) عنقریب وہ بُرے انجام کو پہنچیں گے یعنی وہ سیدھا راستہ گم کر دیں گے اور ہلاکت تک جا پہنچیں گے۔

سوال 2: نماز کو ضائع کرنے سے کیا مراد ہے؟

جواب: (1) اس سے نمازوں کا وقت ہے بے وقت، سستی اور کاہلی سے ادا کرنا اور مطلق چھوڑ دینا دونوں چیزیں مراد ہیں۔ (سراج المنیر 1140/2)

(2) (i) اس سے مراد نماز کو چھوڑ دینا ہے جو کفر ہے۔ (ii) اس کے اوقات کو ضائع کرنا ہے مثلاً وقت پر نماز ادا نہ کرنا، بلا عذر نمازیں اکٹھی کر کے پڑھ لینا، جب جی چاہے نماز پڑھ لینا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسلمان کفر اور شرک کے درمیان حد فاصل ترک نماز ہے۔ (مسلم:204)

﴿إِلَّا مَن تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَأُولَٰئِكَ يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُونَ شَيْئًا﴾

''مگر جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور نیک عمل کیے۔ تو وہی لوگ جنت میں داخل ہوں گے اور اُن پر کچھ بھی ظلم نہ کیا جائے گا'' (60)

سوال 1: ﴿إِلَّا مَن تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَأُولَٰئِكَ يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُونَ شَيْئًا﴾ ''مگر جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور نیک عمل کیے۔ تو وہی لوگ جنت میں داخل ہوں گے اور اُن پر کچھ بھی ظلم نہ کیا جائے گا'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿إِلَّا مَن تَابَ﴾ ''مگر جس نے توبہ کی'' یعنی دوزخ کی ہلاکت سے وہ لوگ بچ جائیں گے جو نماز ضائع کرنے سے اور شہوات کے پیچھے پڑنے سے بچ جائیں گے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ كَمَنْ لَّا ذَنْبَ لَهُ'' گناہ سے توبہ کرنے والا اس شخص کی طرح ہے جس نے کوئی گناہ کیا ہی نہ ہو۔ (ابن ماجہ:4250) (تفسیر المراغی:57/6)

(2) یعنی جس نے شرک، بدعات اور معاصی سے توبہ کر لی اور ان کو ترک کر کے ان پر نادم ہوا اور دوبارہ ان کا ارتکاب نہ کرنے کا پکا عزم کر لیا۔

(3) ﴿وَآمَنَ﴾ ''اور ایمان لایا'' اللہ تعالیٰ، اس کے فرشتوں، اس کی کتابوں، اس کے رسولوں اور روز قیامت پر ایمان لایا۔

(4) ﴿وَعَمِلَ صَالِحًا﴾ ''اور نیک عمل کیے'' اور عمل صالح سے مراد وہ عمل ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں کی زبان پر مشروع فرمایا ہے جبکہ عمل کرنے والے کی نیت رضائے الٰہی کا حصول ہو۔ (تفسیر سعدی:1585/2)

(5) یعنی اگر سچے دل سے توبہ کر لی تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہ معاف کر دے گا۔ اور اس کی توبہ قبول کر لے گا۔

(6) ﴿فَأُولَٰئِكَ﴾ ''تو وہی لوگ'' تو جن لوگوں نے توبہ کی، ایمان لائے اور نیک عمل کئے۔

(7) یعنی جنہوں نے توبہ کی اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کر لیا۔

(8) ﴿يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ﴾ ''جنت میں داخل ہوں گے'' وہ اپنے سلف صالحین کے ساتھ جنت میں داخل ہوں گے۔ (8) یعنی ان کا رب ان کے گناہوں کو بخش دے گا اور انہیں جنتوں میں داخل کرے گا۔

(9) ﴿وَلَا يُظْلَمُونَ شَيْئًا﴾ ''اور اُن پر کچھ بھی ظلم نہ کیا جائے گا'' یعنی ان کی نیکیوں کے ثواب میں کچھ کمی نہیں کی جائے گی۔

(ایسر التفاسیر:870)

(10) یعنی انہیں ان کے اعمال کا کئی گنا اجر ملے گا۔ یہ رب کریم کی عطا ہے۔ اسی لئے رب العزت نے فرمایا: ﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا تُوۡبُوۡۤا اِلَى اللّٰهِ تَوۡبَةً نَّصُوۡحًا ؕ عَسٰى رَبُّكُمۡ اَنۡ یُّكَفِّرَ عَنۡكُمۡ سَیِّاٰتِكُمۡ وَ یُدۡخِلَكُمۡ جَنّٰتٍ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ ۙ یَوۡمَ لَا یُخۡزِی اللّٰهُ النَّبِیَّ وَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا مَعَهٗ ۚ نُوۡرُهُمۡ یَسۡعٰى بَیۡنَ اَیۡدِیۡهِمۡ وَ بِاَیۡمَانِهِمۡ یَقُوۡلُوۡنَ رَبَّنَاۤ اَتۡمِمۡ لَنَا نُوۡرَنَا وَ اغۡفِرۡ لَنَا ۚ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ﴾ ''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ تعالیٰ کی طرف توبہ کرو، خالص توبہ۔ تمہارا رب قریب ہے کہ تم سے تمہاری برائیاں دور کردے اور تمہیں داخل کردے ان باغوں میں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں، اس دن اللہ تعالیٰ نبی کو اور اُن لوگوں کو جو اُس کے ساتھ ایمان لائے ہیں، رُسوا نہ کرے گا، اُن کا نور اُن کے آگے اور اُن کی دائیں جانب دوڑ رہا ہوگا، وہ کہیں گے: ''اے ہمارے رب! ہمارا نور مکمل کردے اور ہمیں بخش دے، بلاشبہ تو ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والا ہے۔'' (التحریم:8)

﴿جَنّٰتِ عَدۡنِ ۣ الَّتِیۡ وَعَدَ الرَّحۡمٰنُ عِبَادَهٗ بِالۡغَیۡبِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ وَعۡدُهٗ مَاۡتِیًّا﴾

''ابدی جنتیں ہیں، جن کا رحمان نے اپنے بندوں سے بن دیکھے وعدہ کیا ہے، یقیناً اس کا وعدہ ہمیشہ سے پورا ہوکر رہنے والا ہے'' (61)

سوال 1: ﴿جَنّٰتِ عَدۡنِ ۣ الَّتِیۡ وَعَدَ الرَّحۡمٰنُ عِبَادَهٗ بِالۡغَیۡبِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ وَعۡدُهٗ مَاۡتِیًّا﴾ ''ابدی جنتیں ہیں، جن کا رحمان نے اپنے بندوں سے بن دیکھے وعدہ کیا ہے، یقیناً اس کا وعدہ ہمیشہ سے پورا ہوکر رہنے والا ہے'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿جَنّٰتِ عَدۡنٍ﴾ ''ابدی جنتیں ہیں'' سچی توبہ کرنے والوں کے لیے سدا بہار جنتیں ہیں جہاں سے انہیں کہیں منتقل نہیں کیا جائے گا، نہ ان کی نعمتیں زائل ہوں گی۔ ان کے لیے سدا بہار رونقیں کبھی ختم نہ ہونے والی خوشیاں ہوں گی۔

(2) ﴿الَّتِیۡ وَعَدَ الرَّحۡمٰنُ عِبَادَهٗ بِالۡغَیۡبِ﴾ ''جن کا رحمان نے اپنے بندوں سے بن دیکھے وعدہ کیا ہے'' ان جنتوں کا وعدہ الرحمٰن نے کیا ہے اور اس کا وعدہ پورا ہوکر رہنے والا ہے کیونکہ وہ اپنے وعدے کی خلاف ورزی نہیں کرتا۔

(3) عباد سے مراد وہ بندے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں۔ جب کہ اس اعتبار سے تو سبھی اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے سب کو پیدا کیا، انہیں رزق دیا، ان کی زندگی کے لیے ہر طرح کے انتظامات کیے۔

(4) ﴿وَعَدَ الرَّحۡمٰنُ بِالۡغَیۡبِ﴾ ''جن کا رحمان نے بن دیکھے وعدہ کیا ہے'' یعنی رحمٰن نے اپنے بندوں کے ساتھ ان جنتوں کا وعدہ کیا ہے جن کو بندوں نے نہ دیکھا ہے، نہ ان کا مشاہدہ کیا ہے پھر بھی وہ اس پر ایمان لائے اور اس کے حصول کے لیے کوششیں کرتے رہے۔ رب رحمن نے اپنے بندوں کے ایمان بالغیب کی مدح فرمائی ہے۔

(5) اس آیت کریمہ میں جنت کے لیے ترغیب دلائی گئی ہے۔ رب العزت نے فرمایا۔ ﴿فَلَا تَعۡلَمُ نَفۡسٌ مَّاۤ اُخۡفِیَ لَهُمۡ مِّنۡ قُرَّةِ اَعۡیُنٍ ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوۡا یَعۡمَلُوۡنَ﴾ ''چنانچہ کوئی شخص نہیں جانتا اُن کے لئے آنکھوں کی ٹھنڈک میں سے کیا چھپا کر رکھا گیا اس عمل کے بدلے میں جو وہ کرتے تھے۔'' (السجدہ:17)

(6)﴿اِنَّهٗ كَانَ وَعْدُهٗ مَاْتِيًّا﴾ ''یقیناً اس کا وعدہ ہمیشہ سے پورا ہو کر رہنے والا ہے'' یعنی جنت کا وعدہ ضرور پورا ہونا ہے کیونکہ رب رحمٰن نہ تو وعدے میں ردوبدل کرتا ہے نہ وعدہ خلافی کرتا ہے جیسا کہ فرمایا:﴿السَّمَآءُ مُنْفَطِرٌۢ بِهٖ ؕ كَانَ وَعْدُهٗ مَفْعُوْلًا﴾ ''آسمان اس میں پھٹ جانے والا ہے، اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہمیشہ سے پورا ہو کر ہی رہنے والا ہے۔ (المزمل:18)

(7)﴿اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ؕ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيْثًا﴾ اللہ تعالیٰ وہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ تم سب کو قیامت کے دن ضرور جمع کرے گا جس میں کوئی شبہ نہیں اور اللہ تعالیٰ سے زیادہ بات میں سچا اور کون ہے؟ (النساء:87)

(8)﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَاۤ اَبَدًا ؕ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ؕ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا﴾ ''اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے انہیں ہم عنقریب جنتوں میں داخل کریں گے جن کے نیچے سے نہریں بہتی ہیں ان میں ہمیشہ رہنے والے ہیں ہمیشہ ہمیشہ، اللہ تعالیٰ کا سچا وعدہ ہے، اور اللہ تعالیٰ سے زیادہ کون بات میں سچا ہے'' (النساء:122)

﴿لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا اِلَّا سَلٰمًا ؕ وَلَهُمْ رِزْقُهُمْ فِيْهَا بُكْرَةً وَّعَشِيًّا﴾

''اُس میں وہ سلام کے سوا کوئی لغو بات نہ سنیں گے اور اُن کے لئے اس میں صبح وشام اُن کا رزق ہوگا'' (62)

سوال 1:﴿لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا اِلَّا سَلٰمًا ؕ وَلَهُمْ رِزْقُهُمْ فِيْهَا بُكْرَةً وَّعَشِيًّا﴾ ''اُس میں وہ سلام کے سوا کوئی لغو بات نہ سنیں گے اور اُن کے لئے اس میں صبح وشام اُن کا رزق ہوگا'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا﴾ ''اُس میں وہ سلام کے سوا کوئی لغو بات نہ سنیں گے'' سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں وہ اس میں کوئی باطل بات نہیں سنیں گے۔(2) یعنی جنت میں فضول، فحش، بے معنی کلام نہیں سنیں گے۔

(3) یعنی وہ جنت میں بے فائدہ، لغو اور گناہ پر مبنی باتیں نہیں ہوں گی۔ جس سے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہو۔

(4)﴿اِلَّا سَلٰمًا﴾ ''سلام کے سوا'' یعنی وہ صرف ایسی باتیں سنیں گے جو ہر قسم کے نقص سے پاک ہوں گی یعنی خیر اور بھلائی کی باتیں، ذکر الٰہی، سلام وغیرہ۔

(5) یعنی وہ صرف ایسی باتیں سنیں گے جو ہر عیب سے پاک ہوں گی۔ یعنی ذکر الٰہی، سلام، پرسرور باتیں، بشارت، دوستوں کے درمیان خوبصورت اور اچھی اچھی باتیں، رحمن کا خطاب، حوروں، فرشتوں اور غلمان کی دل ربا آوازیں، طرب انگیز نغمات، اور نرم الفاظ سننے کو ملیں گے کیونکہ یہ سلامتی کا گھر ہے جہاں ہر لحاظ سے کامل سلامتی کے سوا کچھ نہیں۔ (تفسیر سعدی:1587/2)

(6)﴿وَلَهُمۡ رِزۡقُهُمۡ فِيهَا بُكۡرَةً وَّعَشِيًّا﴾ ''اوراُن کے لئے اس میں صبح وشام اُن کا رزق ہوگا'' یعنی ان کے لیے وہاں لذیذ مشروبات اور کھانا ہوگا۔وہ جو چاہیں گے طلب کریں گے۔جب چاہیں گے جو چاہیں گے ہمیشہ موجود پائیں گے۔

(7)ان کی تکمیل، ان کی لذت اوران کا حسن یہ ہے کہ یہ معلوم اوقات میں ہوں گی۔﴿بُكۡرَةً وَّعَشِيًّا﴾ تا کہ ان چیزوں کا وقوع باعظمت اوران کا فائدہ کامل ہو۔(تفسیر سعدی:1586/2، 1587)

﴿تِلۡكَ الۡجَنَّةُ الَّتِي نُورِثُ مِنۡ عِبَادِنَا مَنۡ كَانَ تَقِيًّا﴾

''یہ وہ جنت ہے جس کا وارث اپنے بندوں میں سے اُسے ہم بنائیں گے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا ہو'' (63)

سوال 1:﴿تِلۡكَ الۡجَنَّةُ الَّتِي نُورِثُ مِنۡ عِبَادِنَا مَنۡ كَانَ تَقِيًّا﴾ ''یہ وہ جنت ہے جس کا وارث اپنے بندوں میں سے اُسے ہم بنائیں گے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا ہو'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿تِلۡكَ الۡجَنَّةُ﴾ ''یہ وہ جنت ہے'' یعنی جنت جن کے اوصاف اور جس کی خوبیاں ہم نے بیان کی ہیں۔

(2)﴿الَّتِي نُورِثُ مِنۡ عِبَادِنَا مَنۡ كَانَ تَقِيًّا﴾ ''جس کا وارث اپنے بندوں میں سے اُسے ہم بنائیں گے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا ہو'' جنت کی وراثت توبہ کر کے ایمان لانے والے، عمل صالح کرنے والے کو ملے گی۔

(3)جنت کی وراثت نسب سے نہیں، عمل سے ملے گی۔

(4)جنت کی وراثت اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والوں کو ہی ملے گی۔یعنی یہ وراثت ان لوگوں کو ملے گی جو اللہ تعالیٰ سے ثواب کی امید رکھ کر فرائض ادا کرتے رہے۔اوراس کے عذاب کے خوف سے نافرمانیوں سے اجتناب کرتے رہے۔

(5)جنت کی وراثت دائمی ہوگی، کبھی ان سے کسی اور کو منتقل نہیں ہوگی۔وہ وہاں سے کسی اور مقام پر نہ منتقل ہونا چاہیں گے، نہ انہیں کہیں بھیجا جائے گا۔

(6)رب العزت نے فرمایا:﴿قَدۡ أَفۡلَحَ الۡمُؤۡمِنُونَ ﴿١﴾ الَّذِينَ هُمۡ فِي صَلَاتِهِمۡ خَاشِعُونَ ﴿٢﴾ وَالَّذِينَ هُمۡ عَنِ اللَّغۡوِ مُعۡرِضُونَ ﴿٣﴾ وَالَّذِينَ هُمۡ لِلزَّكَاةِ فَاعِلُونَ ﴿٤﴾ وَالَّذِينَ هُمۡ لِفُرُوجِهِمۡ حَافِظُونَ ﴿٥﴾ إِلَّا عَلَىٰ أَزۡوَاجِهِمۡ أَوۡ مَا مَلَكَتۡ أَيۡمَانُهُمۡ فَإِنَّهُمۡ غَيۡرُ مَلُومِينَ ﴿٦﴾ فَمَنِ ابۡتَغَىٰ وَرَاءَ ذَٰلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الۡعَادُونَ ﴿٧﴾ وَالَّذِينَ هُمۡ لِأَمَانَاتِهِمۡ وَعَهۡدِهِمۡ رَاعُونَ ﴿٨﴾ وَالَّذِينَ هُمۡ عَلَىٰ صَلَوَاتِهِمۡ يُحَافِظُونَ ﴿٩﴾ أُولَٰئِكَ هُمُ الۡوَارِثُونَ ﴿١٠﴾ الَّذِينَ يَرِثُونَ الۡفِرۡدَوۡسَ هُمۡ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿١١﴾﴾ ''یقیناً مؤمن کامیاب ہوگئے۔وہی جو اپنی نماز میں عاجزی کرنے والے ہیں۔اور وہی جو لغویات سے منہ موڑنے والے ہیں۔اور وہی جو زکوٰۃ کو ادا کرنے والے ہیں۔اور وہی جو اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں۔سوائے اپنی بیویوں کے یا جن کے مالک ان کے دائیں ہاتھ بنے تو یقیناً وہ ملامت کیے ہوئے نہیں ہیں۔پھر جو اس کے علاوہ کچھ اور ڈھونڈیں تو وہی حد سے بڑھنے والے

ہیں۔اور وہی جو اپنی امانتوں اور اپنے عہد کی رعایت کرنے والے ہیں۔ اور وہی جو اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں۔یہی لوگ وارث ہیں۔جو فردوس کے وارث ہوں گے، وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔'' (المومنون:1,11)

(7) اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کی وجہ سے ایمان اور یقین میں پختگی آتی ہے۔اللہ تعالیٰ سے ڈر کر انسان اللہ تعالیٰ کے وعدے کے حصول کے لیے ایمان اور تقویٰ کا راستہ اختیار کرتا ہے۔اللہ تعالیٰ کے ڈر کی وجہ سے انسان آزاد زندگی کو اپنے ارادے سے اللہ تعالیٰ کی پابندیوں والی زندگی بنالیتا ہے۔یوں مشکل قربانی کا ثبوت دیتا ہے جس کی جزا جنت کے سوا کچھ نہیں۔

﴿وَمَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمْرِ رَبِّكَ ۚ لَهٗ مَا بَيْنَ اَيْدِيْنَا وَمَا خَلْفَنَا وَمَا بَيْنَ ذٰلِكَ ۚ وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا﴾

''اور ہم آپ کے رب کے حکم کے بغیر نہیں اُترا کرتے اُسی کا ہے جو ہمارے سامنے ہے اور جو ہمارے پیچھے ہے اور جو اس کے درمیان ہے اور آپ کا رب کبھی بھولنے والا نہیں ہے'' (64)

سوال 1: ﴿وَمَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمْرِ رَبِّكَ ۚ لَهٗ مَا بَيْنَ اَيْدِيْنَا وَمَا خَلْفَنَا وَمَا بَيْنَ ذٰلِكَ ۚ وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا﴾ ''اور ہم آپ کے رب کے حکم کے بغیر نہیں اُترا کرتے اُسی کا ہے جو ہمارے سامنے ہے اور جو ہمارے پیچھے ہے اور جو اس کے درمیان ہے اور آپ کا رب کبھی بھولنے والا نہیں ہے'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَمَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمْرِ رَبِّكَ﴾ ''اور ہم آپ کے رب کے حکم کے بغیر نہیں اُترا کرتے'' یعنی فرشتے اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر نہیں اترتے۔

(2) رسول اللہ ﷺ نے جبریل علیہ السلام سے فرمایا جیسا کہ اب آپ ہماری ملاقات کو آیا کرتے ہیں اس سے زیادہ آپ ہم سے ملنے کو کیوں نہیں آیا کرتے؟ اس پر یہ آیت نازل ہوئی ﴿وَمَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمْرِ رَبِّكَ﴾ یعنی ہم فرشتے نازل نہیں ہوتے بجز آپ کے پروردگار کے حکم سے، اسی کا ملک ہے جو کچھ ہمارے آگے ہے اور جو کچھ ہمارے پیچھے ہے۔ (بخاری:4731)

(3) یعنی فرشتوں کا اختیار نہیں وہ تو تبھی نازل ہوتے ہیں جب انہیں حکم دیا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے حکم کی نافرمانی نہیں کرتے۔ ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ عَلَيْهَا مَلٰٓئِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ﴾ ''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں جس پر تند مزاج سخت گیر فرشتے مقرر ہیں، جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کرتے، اور اُنہیں جو حکم دیا جاتا ہے وہی کرتے ہیں''۔ (التحریم:6)

(4) ﴿لَهٗ مَا بَيْنَ اَيْدِيْنَا وَمَا خَلْفَنَا وَمَا بَيْنَ ذٰلِكَ﴾ ''اُسی کا ہے جو ہمارے سامنے ہے اور جو ہمارے پیچھے ہے'' یعنی جو دنیا اور آخرت میں ہے، ماضی حال مستقبل سب کا مالک اللہ تعالیٰ ہے۔اس کی تقدیر ہے۔جب اس کی حکمت کا تقاضا ہوتا ہے وہ اسے نافذ کرتا

ہے اور جب اس کی حکمت کا تقاضا ہوتا ہے اسے مؤخر کر دیتا ہے۔

(5)﴿وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا﴾ ''اور آپ کا رب کبھی بھولنے والا نہیں ہے'' یعنی آپ ﷺ کا رب آپ ﷺ کو بھولنے والا نہیں جیسا کہ فرمایا:﴿مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى﴾ ''آپ کے رب نے آپ کو نہ چھوڑا ہے اور نہ وہ ناراض ہوا ہے۔'' (الضحیٰ:3)

﴿رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَمَا بَيۡنَهُمَا فَاعۡبُدۡهُ وَاصۡطَبِرۡ لِعِبَادَتِهٖ ؕ هَلۡ تَعۡلَمُ لَهٗ سَمِيًّا﴾

''وہ آسمانوں کا اور زمین کا اور اس کا رب ہے اور جو بھی ان دونوں کے درمیان ہے، چنانچہ آپ اس کی عبادت کرو اور اُسی کی عبادت پر پوری طرح جمے رہو، کیا آپ اس کا کوئی ہم نام جانتے ہیں'' (65)

سوال 1:﴿رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَمَا بَيۡنَهُمَا فَاعۡبُدۡهُ وَاصۡطَبِرۡ لِعِبَادَتِهٖ ؕ هَلۡ تَعۡلَمُ لَهٗ سَمِيًّا﴾ ''وہ آسمانوں کا اور زمین کا اور اس کا رب ہے اور جو بھی ان دونوں کے درمیان ہے، چنانچہ آپ اس کی عبادت کرو اور اُسی کی عبادت پر پوری طرح جمے رہو، کیا آپ اس کا کوئی ہم نام جانتے ہیں'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَمَا بَيۡنَهُمَا﴾ ''وہ آسمانوں کا اور زمین کا اور اس کا رب ہے اور جو بھی ان دونوں کے درمیان ہے'' یعنی اللہ تعالیٰ ساری کائنات کا خالق، مالک، حاکم اور متصرف ہے۔

(2) زمین اور آسمان میں اس کی ربوبیت، اور ان کا بہترین اور کامل ترین نظام کے مطابق رواں دواں رہنا، جس میں غفلت کا کوئی شائبہ ہے نہ کوئی چیز بے فائدہ ہے اور نہ کوئی چیز باطل ہے۔ اس حقیقت پر قطعی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کا علم ہر چیز کو شامل ہے، لہٰذا آپ ﷺ اپنے آپ کو اس میں مشغول نہ کریں بلکہ آپ ان امور میں اپنے آپ کو مشغول کریں جو آپ کو کوئی فائدہ دیتے ہیں اور جن کا فائدہ آپ کی طرف لوٹتا ہے اور وہ ہے اکیلے اللہ تعالیٰ کی عبادت جس کا کوئی شریک نہیں۔ (تفسیر سعدی:1588/2)

(3) سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ پریشانی کے وقت یہ دعا کرتے تھے ''اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں جو بہت جاننے والا بڑا بردبار ہے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں جو عرش عظیم کا رب ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی رب نہیں جو آسمانوں کا رب ہے، زمین کا رب اور عرش کریم کا رب ہے''۔ (بخاری:7426)

(4) رب وہ ہے جو بتدریج نشوونما کرتا ہے وحی کے نزول میں آنے والے وقفے کے حوالے سے رب العزت نے فرمایا کہ وہ آسمان، زمین اور جو اُن کے درمیان ہے ہر چیز کی نشوونما کرنے والا ہے وہ بہتر جانتا ہے کہ کس ترتیب کے ساتھ کب کون سے احکامات لائے جائیں۔

(5)﴿فَاعۡبُدۡهُ وَاصۡطَبِرۡ لِعِبَادَتِهٖ﴾ ''چنانچہ آپ اس کی عبادت کرو اور اُسی کی عبادت پر پوری طرح جمے رہو'' یعنی اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس کی اطاعت کا پابند بنائیں اس کے اوامر و نواہی پر کاربند ہو جائیں۔

(6) اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول رہیں اور اس کو کامل ترین طریقے سے قائم کریں۔

(7) رب العزت نے فرمایا:﴿وَلَا تَمُدَّنَّ عَيۡنَيۡكَ إِلَىٰ مَا مَتَّعۡنَا بِهِۦٓ أَزۡوَٰجٗا مِّنۡهُمۡ زَهۡرَةَ ٱلۡحَيَوٰةِ ٱلدُّنۡيَا لِنَفۡتِنَهُمۡ فِيهِۚ وَرِزۡقُ رَبِّكَ خَيۡرٞ وَأَبۡقَىٰ (١٣١) وَأۡمُرۡ أَهۡلَكَ بِٱلصَّلَوٰةِ وَٱصۡطَبِرۡ عَلَيۡهَاۖ لَا نَسۡـَٔلُكَ رِزۡقٗاۖ نَّحۡنُ نَرۡزُقُكَۗ وَٱلۡعَٰقِبَةُ لِلتَّقۡوَىٰ (١٣٢)﴾ ''اور آپ نظر اُٹھا کر بھی نہ دیکھیں اس کی طرف جو ہم نے ان میں سے مختلف قسم کے لوگوں کو سروسامان دیا ہے، دنیا کی زندگی کی زینت ہے تاکہ ہم انہیں اس آزمائش میں ڈالیں اور آپ کے رب کا رزق ہی بہتر اور زیادہ باقی رہنے والا ہے۔ اور آپ اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم دیں اور خود بھی اس پر خوب پابند رہیں، ہم آپ سے کوئی رزق نہیں مانگتے، رزق تو ہم ہی آپ کو دیں گے۔ اور آخری انجام تو تقویٰ (والوں) کے لیے ہے۔'' (طٰہٰ:131,132)

(8) عبادت پر قائم رہنے کے لیے زمین والوں کو اپنی ساری سرگرمیوں میں آسمان والے کی طرف توجہ کرنے کی ضرورت ہے۔ انسان مادی ضروریات کی کشمکش میں پھنستا ہے۔ اس بھنور سے نکل کر اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ کرنے کی ضرورت ہے جس کی بہترین صورت صلوٰۃ ہے۔ خواہشات نفس کے دباؤ میں انسان مجبور ہو جاتا ہے۔ ان مجبوریوں سے اُوپر اُٹھنے کے لیے حوصلوں کی ضرورت ہے جو کلام اللہ کے ساتھ مستقل تعلق کے بغیر نہیں آتا جو تواصوا بالحق اور تواصوا بالصبر کے ساتھ آتا ہے۔

(9) ﴿هَلۡ تَعۡلَمُ لَهُۥ سَمِيّٗا﴾ ''کیا آپ اس کا کوئی ہم نام جانتے ہیں'' یعنی کوئی اس کے مثل، اس جیسا نہیں وہ ایک ہے اس کا کوئی ہم سر نہیں۔

(10) کیا آپ تمام مخلوق میں اس کی کوئی ہم نام، کوئی مشابہت اور مماثلث رکھنے والی ہستی جانتے ہیں؟ یہ استفہام نفی کا معنی دیتا ہے جو عقلاً معلوم ہے، یعنی آپ کسی ایسی ہستی کو نہیں جانتے جو اللہ تعالیٰ کی برابری کرنے والی، اس کے مشابہ اور مماثل ہو۔ کیونکہ وہ رب ہے اور دوسرے مربوب، وہ خالق ہے اور دیگر تمام مخلوق، وہ ہر لحاظ سے بے نیاز ہے اور دیگر تمام ہر لحاظ سے بالذات محتاج ہیں، وہ کامل ہے جو ہر لحاظ سے کمال مطلق کا مالک ہے دیگر تمام ناقص ہیں کسی میں کوئی کمال نہیں سوائے اس کے جو اللہ تعالیٰ نے اسے عطا کر دیا۔ پس یہ اس حقیقت پر برہان قاطع ہے کہ اللہ تعالیٰ اکیلا عبودیت کا مستحق ہے۔ اس کی عبادت حق اور ماسوا کی عبادت باطل ہے، اس لئے اس نے صرف اپنی عبادت کرنے اور اس پر پابند رہنے کا حکم دیا اور اس کی علت یہ بتلائی کہ وہ اپنے کمال، اپنی عظمت اور اسمائے حسنیٰ میں منفرد ہے۔ (تفسیر سعدی:1589/2)

رکوع نمبر 8

﴿وَيَقُولُ ٱلۡإِنسَٰنُ أَءِذَا مَا مِتُّ لَسَوۡفَ أُخۡرَجُ حَيًّا﴾

''اور انسان کہتا ہے کہ کیا جب میں مرجاؤں گا تو واقعی جلد ہی میں زندہ کر کے نکالا جاؤں گا'' (66)

سوال 1: ﴿وَيَقُولُ ٱلۡإِنسَٰنُ أَءِذَا مَا مِتُّ لَسَوۡفَ أُخۡرَجُ حَيًّا﴾ ''اور انسان کہتا ہے کہ کیا جب میں مرجاؤں گا تو واقعی

جلد ہی میں زندہ کر کے نکالا جاؤں گا'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَيَقُوۡلُ الۡاِنۡسَانُ﴾ ''اور انسان کہتا ہے'' یعنی بعثت کا، آخرت کے گھر کا اور اللہ تعالیٰ کی ملاقات کا انکار کرنے والا کہتا ہے۔ (2) ﴿ءَاِذَا مَا مِتُّ لَسَوۡفَ اُخۡرَجُ حَيًّا﴾ کہ کیا جب میں مرجاؤں گا تو واقعی جلد ہی میں زندہ کر کے نکالا جاؤں گا؟ انسان کے دل میں یہ سوال غفلت کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے۔

(3) اللہ تعالیٰ نے ایسے انسانوں کی بات کو قابل تعجب قرار دیا ہے جو دوبارہ اٹھائے جانے پر حیرت کا اظہار کرتے ہیں۔ رب العزت کا فرمان ہے: ﴿وَاِنۡ تَعۡجَبۡ فَعَجَبٌ قَوۡلُهُمۡ ءَاِذَا كُنَّا تُرٰبًا ءَاِنَّا لَفِىۡ خَلۡقٍ جَدِيۡدٍ ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا بِرَبِّهِمۡ ۚ وَاُولٰٓئِكَ الۡاَغۡلٰلُ فِىۡۤ اَعۡنَاقِهِمۡ ۚ وَاُولٰٓئِكَ اَصۡحٰبُ النَّارِ ۚ هُمۡ فِيۡهَا خٰلِدُوۡنَ﴾ اور اگر تم تعجب کرو تو تعجب کے قابل اُن کی یہ بات ہے کہ کیا جب ہم مر کر مٹی ہو جائیں گے تو کیا واقعتا ہم یقیناً نئی تخلیق میں ہوں گے؟ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب کا کفر کیا اور یہی وہ لوگ ہیں جن کی گردنوں میں طوق ہوں گے اور یہی آگ والے ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔ (الرعد:5)

(4) ایک اور مقام پر رب العزت کا فرمان ہے: ﴿وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَّنَسِىَ خَلۡقَهٗ ؕ قَالَ مَنۡ يُّحۡىِ الۡعِظَامَ وَهِىَ رَمِيۡمٌ (٧٨) قُلۡ يُحۡيِيۡهَا الَّذِىۡۤ اَنۡشَاَهَاۤ اَوَّلَ مَرَّةٍ ؕ وَهُوَ بِكُلِّ خَلۡقٍ عَلِيۡمُ (٧٩)﴾ اور اُس نے ہمارے لیے ایک مثال بیان کی اور اپنی پیدائش کو بھول گیا، اس نے کہا کہ اُن ہڈیوں کو کون زندہ کرے گا حالانکہ وہ بوسیدہ ہوں گی؟ آپ کہہ دیں کہ انہیں وہی زندہ کرے گا جس نے اُنہیں پہلی بار پیدا کیا اور وہ ہر طرح کی تخلیق کو خوب جاننے والا ہے۔ (یٰسین:78,79)

(5) یعنی جب میں مر کر بوسیدہ ہو جاؤں گا تو اللہ تعالیٰ مجھے کیسے زندہ کرے گا؟

(6) ﴿يَقُوۡلُوۡنَ ءَاِنَّا لَمَرۡدُوۡدُوۡنَ فِى الۡحَافِرَةِ (١٠) ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا نَّخِرَةً (١١) قَالُوۡا تِلۡكَ اِذًا كَرَّةٌ خَاسِرَةٌ (١٢) فَاِنَّمَا هِىَ زَجۡرَةٌ وَّاحِدَةٌ (١٣) فَاِذَا هُمۡ بِالسَّاهِرَةِ (١٤)﴾ وہ کہتے ہیں: ''کیا بلاشبہ ہم واقعی پہلی حالت میں واپس لوٹائے جانے والے ہیں؟ کیا جب ہم بوسیدہ ہڈیاں ہو جائیں گے؟'' انہوں نے کہا: ''تب یہ واپسی تو بڑی خسارے والی ہے۔'' چنانچہ وہ تو بس ایک ڈانٹ ہوگی۔ پھر اچانک وہ ایک کھلے میدان میں ہوں گے۔ (النازعات:10,14)

(7) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (اللہ پاک نے فرمایا ہے کہ) ابن آدم نے مجھے جھٹلایا حالانکہ اس کے لیے یہ مناسب نہ تھا۔ اس نے مجھے گالی دی حالانکہ یہ اس کا حق نہیں تھا۔ مجھے جھٹلانا یہ ہے کہ کہتا ہے کہ میں اسے دوبارہ زندہ نہیں کر سکتا جیسا کہ میں نے اسے پہلی دفعہ پیدا کیا تھا۔ اس کا گالی دینا یہ ہے کہ کہتا ہے اللہ تعالیٰ نے بیٹا بنا لیا ہے حالانکہ میں بے پرواہ ہوں، میرے ہاں نہ کوئی اولاد ہے اور نہ میں کسی کی اولاد ہوں اور نہ کوئی میرے برابر کا ہے۔ (بخاری:4975)

﴿اَوَلَا يَذۡكُرُ الۡاِنۡسَانُ اَنَّا خَلَقۡنٰهُ مِنۡ قَبۡلُ وَلَمۡ يَكُ شَيۡـًٔا﴾

''اور کیا انسان یاد نہیں کرتا کہ یقیناً ہم نے اس سے پہلے بھی اسے پیدا کیا تھا حالانکہ وہ کچھ بھی نہ تھا'' (67)

سوال 1: ﴿اَوَلَا یَذۡکُرُ الۡاِنۡسَانُ اَنَّا خَلَقۡنٰہُ مِنۡ قَبۡلُ وَلَمۡ یَکُ شَیۡـًٔا﴾ ''اور کیا انسان یاد نہیں کرتا کہ یقیناً ہم نے اس سے پہلے بھی اسے پیدا کیا تھا حالانکہ وہ کچھ بھی نہ تھا'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿اَوَلَا یَذۡکُرُ الۡاِنۡسَانُ﴾ ''اور کیا انسان یاد نہیں کرتا'' یعنی بعثت اور آخرت کا انکار کرنے والا۔ (ایسر التفاسیر:873)

(2) (i) اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کیا انسان نے غور نہیں کیا کہ وہ موجود ہے اور اُسے پیدا کیا گیا تھا؟ (ii) انسان غور تو کرے کہ جب وہ نہیں تھا تو کہاں تھا؟ (iii) انسان غور وفکر کرے کہ وہ کچھ نہیں تھا اور اب ہے تو کیسے ہے؟ (iv) اگر وہ غور کر لے تو اُسے سمجھ آجائے گی کہ پہلی بار پیدا کرنے کے مقابلے میں دوبارہ پیدا کرنا آسان کام ہے۔

(3) ﴿اَنَّا خَلَقۡنٰہُ مِنۡ قَبۡلُ﴾ ''کہ یقیناً ہم نے اس سے پہلے بھی اسے پیدا کیا تھا'' یعنی کیا وہ اپنی اس حالت کو یاد نہیں کرتا جب کہ وہ کچھ نہیں تھا اور جس ہستی نے اسے عدم سے وجود عطا کیا وہ اسے دوبارہ پیدا کرنے اور ریزہ ریزہ ہونے کے بعد دوبارہ اکٹھا کرنے کی قدرت نہیں رکھتی؟ رب العزت نے فرمایا: ﴿وَھُوَ الَّذِیۡ یَبۡدَؤُا الۡخَلۡقَ ثُمَّ یُعِیۡدُہٗ وَھُوَ اَھۡوَنُ عَلَیۡہِ ؕ وَلَہُ الۡمَثَلُ الۡاَعۡلٰی فِی السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ۚ وَھُوَ الۡعَزِیۡزُ الۡحَکِیۡمُ﴾ ''اور وہی ہے جو تخلیق کی ابتداء کرتا ہے، پھر وہی اُس کا اِعادہ کرے گا اور وہ اُس پر آسان ترین ہے اور آسمانوں اور زمین میں سب سے اعلیٰ صفت اُسی کے لیے ہے اور وہی سب پر غالب، کمال حکمت والا ہے۔'' (الروم:27)

(4) ﴿اَوَلَا یَذۡکُرُ الۡاِنۡسَانُ﴾ ''اور کیا انسان یاد نہیں کرتا'' رب العزت نے انتہائی شفقت سے غور وفکر کی دعوت دی ہے کہ کیا انسان کو یاد نہیں؟ اگر وہ یاد کرے گا تو وہ ہرگز انکار نہیں کرے گا۔

(5) ﴿اَنَّا خَلَقۡنٰہُ مِنۡ قَبۡلُ وَلَمۡ یَکُ شَیۡـًٔا﴾ ''کہ یقیناً ہم نے اس سے پہلے بھی اسے پیدا کیا تھا حالانکہ وہ کچھ بھی نہ تھا'' یعنی وہ بعثت کو جھٹلاتا اور اس کا انکار کرتا ہے اور وہ نہیں یاد کرتا کہ ہم نے اسے اس سے پہلے پیدا کیا جب کہ وہ کچھ نہیں تھا؟

(6) رب العزت نے فرمایا: ﴿ھَلۡ اَتٰی عَلَی الۡاِنۡسَانِ حِیۡنٌ مِّنَ الدَّھۡرِ لَمۡ یَکُنۡ شَیۡـًٔا مَّذۡکُوۡرًا﴾ ''کیا انسان پر زمانے میں سے کوئی وقت ایسا بھی آیا ہے جب وہ قابلِ ذکر چیز ہی نہ تھا؟'' (الدھر:1)

(7) ﴿اَوَلَمۡ یَرَ الۡاِنۡسَانُ اَنَّا خَلَقۡنٰہُ مِنۡ نُّطۡفَۃٍ فَاِذَا ھُوَ خَصِیۡمٌ مُّبِیۡنٌ ﴿۷۷﴾ وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَّنَسِیَ خَلۡقَہٗ ؕ قَالَ مَنۡ یُّحۡیِ الۡعِظَامَ وَھِیَ رَمِیۡمٌ ﴿۷۸﴾ قُلۡ یُحۡیِیۡھَا الَّذِیۡۤ اَنۡشَاَھَاۤ اَوَّلَ مَرَّۃٍ ؕ وَھُوَ بِکُلِّ خَلۡقٍ عَلِیۡمٌ ﴿۷۹﴾﴾ اور کیا انسان نے دیکھا نہیں کہ یقیناً ہم نے اُسے نطفے سے پیدا کیا؟ اچانک وہ کھلم کھلا جھگڑا کرنے والا ہے۔ اور اُس نے ہمارے لیے ایک مثال بیان کی اور اپنی پیدائش کو بھول گیا، اس نے کہا کہ اُن ہڈیوں کو کون زندہ کرے گا حالانکہ وہ بوسیدہ ہوں گی؟ آپ کہہ دیں کہ انہیں وہی زندہ کرے گا جس نے اُنہیں پہلی بار پیدا کیا اور وہ ہر طرح کی تخلیق کو خوب جاننے والا ہے۔ (یٰسین:77,79)

﴿فَوَرَبِّكَ لَنَحْشُرَنَّهُمْ وَالشَّيٰطِيْنَ ثُمَّ لَنُحْضِرَنَّهُمْ حَوْلَ جَهَنَّمَ جِثِيًّا﴾

''پس آپ کے رب کی قسم! ہم ان سب کو شیاطین سمیت ضرور اکٹھا کریں گے پھر ہم ضرور اُنہیں جہنم کے گرد گھٹنوں کے بل گرے ہوئے حاضر کریں گے'' (68)

سوال 1: ﴿فَوَرَبِّكَ لَنَحْشُرَنَّهُمْ وَالشَّيٰطِيْنَ ثُمَّ لَنُحْضِرَنَّهُمْ حَوْلَ جَهَنَّمَ جِثِيًّا﴾ ''پس آپ کے رب کی قسم! ہم ان سب کو شیاطین سمیت ضرور اکٹھا کریں گے پھر ہم ضرور اُنہیں جہنم کے گرد گھٹنوں کے بل گرے ہوئے حاضر کریں گے'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿فَوَرَبِّكَ﴾ ''پس آپ کے رب کی قسم!'' اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کی قسم کھا کر کہا ہے کہ لازماً تمام لوگوں کو اُٹھایا جائے گا۔ یہ ایک طے شدہ فیصلہ ہے۔

(2) ﴿لَنَحْشُرَنَّهُمْ وَالشَّيٰطِيْنَ﴾ ''ہم ان سب کو شیاطین سمیت ضرور اکٹھا کریں گے'' اللہ تعالیٰ نے اپنی عزت والی ذات کی قسم کھا کر فرمایا کہ وہ تمام انسانوں اور جنوں کو ضرور اکٹھا کرے گا اور ایک مقررہ وقت پر جمع کرے گا۔

(3) یہاں شیاطین سے مراد بُرے لیڈر ہیں جو لوگوں کے دلوں میں شبہات پیدا کرتے ہیں۔

(4) ﴿ثُمَّ لَنُحْضِرَنَّهُمْ حَوْلَ جَهَنَّمَ جِثِيًّا﴾ ''پھر ہم ضرور اُنہیں جہنم کے گرد گھٹنوں کے بل گرے ہوئے حاضر کریں گے'' یعنی ہولنا کیوں کی شدت، زلزلے کی کثرت اور احوال کی خوفناکی کی وجہ سے وہ اپنے گھٹنوں کے بل آئیں گے اور بلند و برتر اللہ کے حکم کے منتظر ہوں گے۔ (تفسیر سعدی: 1590/2)

(5) دُنیا کے جباروں اور قہاروں کے شعور کو اللہ تعالیٰ نے یوں بیدار کیا ہے کہ حشر کے میدان میں جہاں بے حد و حساب لوگ جمع کر لیے گئے توہین آمیز انداز میں گھٹنوں کے بل گھسیٹ کر لایا جائے گا۔ وہ بے بسی سے دیکھیں گے، خوفزدہ ہوں گے، گھٹنوں کے بل چلیں گے اور اوندھے گرادیے جائیں گے جیسے چھوٹے لوگ گریں گے ویسے ہی بڑے بھی جا گریں گے۔

(6) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کیا کرتے تھے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر تمہیں وہ معلوم ہوتا جو میں جانتا ہوں تو تم ہنستے کم اور روتے زیادہ۔ (بخاری: 6485) (7) گھٹنوں کے بل بیٹھنا حساب کے خوف اور بُرے انجام کی وجہ سے ہوگا۔

﴿ثُمَّ لَنَنْزِعَنَّ مِنْ كُلِّ شِيْعَةٍ اَيُّهُمْ اَشَدُّ عَلَى الرَّحْمٰنِ عِتِيًّا﴾

''پھر ہم ہر گروہ میں سے ضرور کھینچ نکالیں گے جو اُن میں سے رحمان کے مقابلے میں زیادہ سرکش ہے'' (69)

سوال 1: ﴿ثُمَّ لَنَنْزِعَنَّ مِنْ كُلِّ شِيْعَةٍ اَيُّهُمْ اَشَدُّ عَلَى الرَّحْمٰنِ عِتِيًّا﴾ ''پھر ہم ہر گروہ میں سے ضرور کھینچ نکالیں گے

جواُن میں سے رحمان کے مقابلے میں زیادہ سرکش ہے'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1)﴿ثُمَّ لَنَنْزِعَنَّ مِنْ كُلِّ شِيْعَةٍ﴾ ''پھر ہم ہر گروہ میں سے ضرور کھینچ نکالیں گے'' ہم ہر گروہ سے اور ہر فرقے سے ان لوگوں کو نکالیں گے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی عبادت سے تکبر کیا اور جنہوں نے سرکشی اور ظلم کیا۔

(2) ہر گروہ میں سے بڑے سرکشوں کو ہٹ دھری کی سزا دینے کے لیے الگ کر لیا جائے گا۔

(3) جو لوگ رحمن کی بات نہیں مانتے مجرم تو وہ بھی ہیں مگر بڑے سرکش وہ ہیں جو رحمن کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوں اور دوسروں کو بھی اُٹھائیں۔

(4)﴿عِتِيًّا﴾ ''سرکش'' عتو وہ شخص ہے جو سب سے بڑا سرکش اور ظالم ہے۔ اس کو عذاب میں سب سے آگے کیا جائے گا، پھر اس کو جو گناہ میں اس سے کم ہوگا اور وہ سب ایک دوسرے پر لعنت بھیجیں گے جیسا کہ رب العزت نے فرمایا: ﴿قَالَ ادْخُلُوْا فِيْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ فِي النَّارِ ۭ كُلَّمَا دَخَلَتْ اُمَّةٌ لَّعَنَتْ اُخْتَهَا ۭ حَتّٰٓي اِذَا ادَّارَكُوْا فِيْهَا جَمِيْعًا ۙ قَالَتْ اُخْرٰىهُمْ لِاُوْلٰىهُمْ رَبَّنَا هٰٓؤُلَاۗءِ اَضَلُّوْنَا فَاٰتِهِمْ عَذَابًا ضِعْفًا مِّنَ النَّارِ ڛ قَالَ لِكُلٍّ ضِعْفٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَعْلَمُوْنَ ۝ وَقَالَتْ اُوْلٰىهُمْ لِاُخْرٰىهُمْ فَمَا كَانَ لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ۝﴾ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: ''آگ میں داخل ہو جاؤ جنوں اور انسانوں کے گروہوں کے ساتھ جو تم سے پہلے گزر چکے۔'' جب بھی کوئی جماعت داخل ہوگی وہ اپنی ساتھی جماعت پر لعنت کرے گی یہاں تک کہ جب وہ سب اُس میں آملیں گی تو اُن کی پچھلی اپنے سے پہلی جماعت کے بارے میں کہے گی: ''اے ہمارے رب! یہی لوگ ہیں جنہوں نے ہمیں گمراہ کیا چنانچہ آپ اُنہیں آگ کا دوگنا عذاب دیں'' اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: ''ہر ایک کے لئے دوگنا ہے اور لیکن تم نہیں جانتے۔'' اور ان کی پہلی جماعت اپنی پچھلی کے لئے کہے گی: ''پھر تمہیں بھی ہم پر کوئی فضیلت حاصل نہیں تھی تو تم عذاب کا مزہ چکھو، اس کے بدلے میں جو تم کماتے تھے۔'' (الاعراف:38,39)

﴿ثُمَّ لَنَحْنُ اَعْلَمُ بِالَّذِيْنَ هُمْ اَوْلٰى بِهَا صِلِيًّا﴾

''پھر یقیناً ہم اُن لوگوں کو خوب جانتے ہیں جو جہنم میں داخل ہونے کے زیادہ مستحق ہیں'' (70)

سوال 1: ﴿ثُمَّ لَنَحْنُ اَعْلَمُ بِالَّذِيْنَ هُمْ اَوْلٰى بِهَا صِلِيًّا﴾ ''پھر یقیناً ہم اُن لوگوں کو خوب جانتے ہیں جو جہنم میں داخل ہونے کے زیادہ مستحق ہیں'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1)﴿ثُمَّ لَنَحْنُ اَعْلَمُ بِالَّذِيْنَ هُمْ اَوْلٰى بِهَا صِلِيًّا﴾ ''پھر یقیناً ہم اُن لوگوں کو خوب جانتے ہیں جو جہنم میں داخل ہونے کے زیادہ مستحق ہیں'' یعنی اللہ تعالیٰ کو خوب معلوم ہے کہ کون جہنم میں جھونکے جانے کا زیادہ حق دار ہے۔

(2) اللہ تعالیٰ کو یہ بھی خوب معلوم ہے کہ دنیا میں انہوں نے کیسے اعمال کیے۔ وہ خوب جانتا ہے کہ کون ہمیشہ کی آگ میں جلتا بھنتا رہے گا اور

کون دگنے عذاب کا حق دار ہے۔

(3) مجرموں کو ان کے جرم کی سنگینی کے اعتبار سے عذاب دیا جائے گا۔ جن لوگوں نے گمراہ کیا اور جو ان کے پیچھے چلے اللہ تعالیٰ سب کے اعمال کو جانتا ہے۔ اس کا فیصلہ عدل پر مبنی ہوگا۔

﴿وَاِنۡ مِّنۡكُمۡ اِلَّا وَارِدُهَا‌ ۚ كَانَ عَلٰى رَبِّكَ حَتۡمًا مَّقۡضِيًّا﴾

''اور تم میں سے ہر شخص اُس پر سے گزرنے والا ہے، یہ ہمیشہ سے آپ کے رب کی حتمی بات ہے جس کا فیصلہ کیا ہوا ہے'' (71)

سوال 1: ﴿وَاِنۡ مِّنۡكُمۡ اِلَّا وَارِدُهَا‌ ۚ كَانَ عَلٰى رَبِّكَ حَتۡمًا مَّقۡضِيًّا﴾ ''اور تم میں سے ہر شخص اُس پر سے گزرنے والا ہے، یہ ہمیشہ سے آپ کے رب کی حتمی بات ہے جس کا فیصلہ کیا ہوا ہے'' کیا سب لوگ جہنم میں جائیں گے، وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَاِنۡ مِّنۡكُمۡ اِلَّا وَارِدُهَا﴾ ''اور تم میں سے ہر شخص اُس پر سے گزرنے والا ہے'' اللہ رب العزت نے یہ خطاب مومنوں اور کافروں، صالح اور بدکار سب ہی قسم کے لوگوں سے کیا ہے کہ مخلوق میں سے کوئی ایسا نہیں جو جہنم پر وارد نہ ہو۔

(2) ﴿كَانَ عَلٰى رَبِّكَ حَتۡمًا مَّقۡضِيًّا﴾ ''یہ ہمیشہ سے آپ کے رب کی حتمی بات ہے جس کا فیصلہ کیا ہوا ہے'' یعنی یہ رب العزت کا حتمی فیصلہ ہے۔ یہ اس کا نافذ ہونے والا فیصلہ ہے۔ لیکن وارد ہونے کے معنی میں اختلاف ہے۔

(3) قیامت کے دن تمام لوگوں کو جہنم کے اُوپر کے پل پر سے گزارا جائے گا۔ صحیح احادیث میں اس پل کے بارے میں بیان کیا گیا ہے۔ جہنم کے اُوپر ایک پل بنایا جائے گا جس سے ہر ایک کو گزرنا ہوگا۔ مومن کافر سب ہی گزریں گے۔ مومن نیک اعمال کی وجہ سے جلد گزر جائیں گے کچھ پلک جھپکنے میں، کچھ ہوا کی طرح، کچھ پرندوں کی طرح، کچھ عمدہ گھوڑوں کی طرح، کچھ سواریوں کی طرح، کچھ صحیح سالم، کچھ زخمی لیکن پل عبور کرلیں گے، کچھ جہنم میں گر پڑیں گے جنہیں شفاعت کے ذریعے نکال لیا جائے گا۔ کافر اس پل کو عبور کرنے میں کامیاب نہیں ہوں گے اور سب جہنم میں گر پڑیں گے۔

(4) سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لوگ دوزخ میں وارد ہوں گے پھر اپنے عملوں کے موافق اس سے نکلیں گے سو پہلا گروہ ایسا جائے گا جیسے بجلی چمکتی ہے (جن کے اعمال بہت اچھے ہوں گے)، دوسرا جیسے ہوا، تیسرا جیسے گھوڑا دوڑے، چوتھا جیسے سواری لیے ہوئے اونٹ، پانچواں جیسے دوڑتا ہوا آدمی، چھٹا جیسے آدمی چلتا ہو۔ (جامع ترمذی: 3159)

(5) سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے ایک روایت میں ہے کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا: یارسول اللہ پل کیا چیز ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: وہ ایک پھسلواں گرنے کا مقام ہے اس پر سنسنیاں ہیں، آنکڑے ہیں، چوڑے چوڑے کانٹے ہیں، ان کے سر خمدار سعدان کے کانٹوں کی طرح ہیں، جو نجد کے ملک میں ہوتے ہیں۔ مومن اس پر پلک مارنے کی طرح بجلی کی طرح، ہوا کی طرح، تیز رفتار گھوڑے اور سواری کی طرح گزر جائیں گے۔ ان میں بعض تو صحیح سلامت نجات پانے والے ہوں گے اور بعض جہنم کی آگ سے جھلس کر بچ نکلنے والے

ہوں گے۔ یہاں تک کہ آخری شخص اس پر سے گھسٹتے ہوئے گزرے گا۔ (صحیح بخاری:7439)

(6) ام المومنین سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے امید ہے کہ جو لوگ بدر کی لڑائی اور حدیبیہ کی صلح میں حاضر تھے ان میں سے کوئی جہنم میں نہیں جائے گا اگر اللہ تعالیٰ چاہے۔ میں نے عرض کیا: اللہ تعالیٰ تو فرماتا ہے تم میں سے کوئی ایسا نہیں جو جہنم پر وارد نہ ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کے بعد تم نے نہیں پڑھا: ''پھر ہم اُن لوگوں کو بچالیں گے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہے اور ہم ظالموں کو اس میں گھٹنوں کے بل گرا ہوا چھوڑ دیں گے۔'' (یا اللہ تو ہم کو بھی اپنی رحمت سے پار کرا دے آمین یا ارحم الراحمین) (ابن ماجہ:4281)

(7) سیدنا ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پل صراط جہنم کے دونوں کناروں پر رکھا جائے گا (جیسے دریا کا پل دونوں کناروں پر ہوتا ہے) اس پر سعدان کے کانٹوں کی طرح کانٹے ہوں گے۔ پھر لوگ اس پر سے گزرنا شروع کریں گے تو بعض لوگ صحیح سلامت گزر جائیں گے (ان میں بجلی کی طرح گزر جائیں گے، بعض ہوا کی طرح، بعض پیدل کی طرح) اور بعض کے کچھ اعضاء کٹ کر جہنم میں گریں گے پھر نجات پا جائیں گے اور بعض اسی پر اٹکے رہیں گے اور بعض اوندھے منہ جہنم میں گریں گے۔ (ابن ماجہ:4280)

﴿ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِينَ اتَّقَوا وَّنَذَرُ الظّٰلِمِينَ فِيهَا جِثِيًّا﴾

''پھر ہم اُن لوگوں کو بچالیں گے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہے اور ہم ظالموں کو اس میں گھٹنوں کے بل گرا ہوا چھوڑ دیں گے'' (72)

سوال 1: ﴿ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِينَ اتَّقَوا وَّنَذَرُ الظّٰلِمِينَ فِيهَا جِثِيًّا﴾ ''پھر ہم اُن لوگوں کو بچالیں گے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہے اور ہم ظالموں کو اس میں گھٹنوں کے بل گرا ہوا چھوڑ دیں گے'' پل صراط سے مومن اور متقی سلامتی سے پار ہو جائیں گے، اس کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِينَ اتَّقَوا﴾ ''پھر ہم اُن لوگوں کو بچالیں گے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہے'' جب تمام لوگ پل صراط سے گزریں گے اور کافر کٹ کٹ کر اس میں گر رہے ہوں گے تو اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو جو اللہ تعالیٰ سے ثواب کی امید رکھ کر اس کی اطاعت کرتے رہے، اس کے عائد کردہ فرائض کو ادا کرتے رہے اور اس نے جن معاصی سے روکا ان سے اجتناب کرتے رہے ایسے متقیوں کو ان کے اعمال کے مطابق سلامتی سے پل صراط پر سے گزار دیا جائے گا۔ ان کی رفتار دنیا میں کیے گئے اعمال کے مطابق ہوگی۔

(2) ﴿وَّنَذَرُ الظّٰلِمِينَ﴾ ''اور ہم ظالموں کو چھوڑ دیں گے'' اور ظالم جنہوں نے تکبر کیا، جو کفر اور بڑے بڑے گناہوں کا ارتکاب کرتے رہے۔

(3) ﴿فِيهَا جِثِيًّا﴾ ''اس میں گھٹنوں کے بل گرا ہوا چھوڑ دیں گے'' ظالموں کو گھٹنوں کے بل گرا دیا جائے گا۔ یہ ان کے ظلم اور کفر کی وجہ سے ہوگا۔ ان کی نجات کے سارے اسباب ختم ہو جائیں گے۔

(4) اللہ تعالیٰ نے ظالموں کو اوندھے منہ جہنم میں گرا ہوا دکھا کر یہ احساس دلایا ہے کہ دُنیا اور دنیا کی بڑائی کیسے منہ کے بل جہنم میں گرانے والی ہے۔

﴿وَاِذَا تُتۡلٰی عَلَیۡہِمۡ اٰیٰتُنَا بَیِّنٰتٍ قَالَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا لِلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا ۙ اَیُّ الۡفَرِیۡقَیۡنِ خَیۡرٌ مَّقَامًا وَّاَحۡسَنُ نَدِیًّا﴾

''اور جب انہیں ہماری واضح آیات پڑھ کرسنائی جاتی ہیں توجن لوگوں نے کفر کیا وہ ان لوگوں سے کہتے ہیں جو ایمان لائے کہ ہم دونوں گروہوں میں سے کون سا مقام میں بہتر ہے اور مجلس میں زیادہ اچھا ہے'' (73)

سوال1: ﴿وَاِذَا تُتۡلٰی عَلَیۡہِمۡ اٰیٰتُنَا بَیِّنٰتٍ قَالَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا لِلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا ۙ اَیُّ الۡفَرِیۡقَیۡنِ خَیۡرٌ مَّقَامًا وَّاَحۡسَنُ نَدِیًّا﴾ ''اور جب انہیں ہماری واضح آیات پڑھ کرسنائی جاتی ہیں توجن لوگوں نے کفر کیا وہ ان لوگوں سے کہتے ہیں جو ایمان لائے کہ ہم دونوں گروہوں میں سے کون سا مقام میں بہتر ہے اور مجلس میں زیادہ اچھا ہے'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَاِذَا تُتۡلٰی عَلَیۡہِمۡ اٰیٰتُنَا بَیِّنٰتٍ﴾ ''اور جب انہیں ہماری واضح آیات پڑھ کرسنائی جاتی ہیں'' یعنی جب کفار قریش اور توحید، نبوت، بعث اور جزا کے منکرین پر قرآن کے واضح دلائل پڑھے جاتے ہیں۔

(2) ﴿قَالَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا لِلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا﴾ ''وہ ان لوگوں سے کہتے ہیں جو ایمان لائے'' اللہ تعالیٰ کی آیات جو ایمان اور یقین میں اضافہ کرتی ہیں کافروں پر کتنی گراں گزرتی ہیں کہ وہ سن کر ایمان والوں کا مذاق اڑاتے ہوئے کہتے ہیں۔

(3) ﴿اَیُّ الۡفَرِیۡقَیۡنِ خَیۡرٌ مَّقَامًا وَّاَحۡسَنُ نَدِیًّا﴾ ''کہ ہم دونوں گروہوں میں سے کون سا مقام میں بہتر ہے اور مجلس میں زیادہ اچھا ہے'' وہ دنیا میں اپنی خوش حالی کو دلیل کے طور پر پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ مومنوں اور کافروں میں سے کون سا فریق دنیا میں مال اور مقام کے اعتبار سے زیادہ اچھا ہے؟

(4) وہ کہتے ہیں کہ ہمارا دین درست ہے تب ہی تو ہمارا مرتبہ تم سے اونچا ہے اور ہماری مجالس زیادہ شان دار ہیں، ہمارے گھر زیادہ خوب صورت ہیں، ہمارے حالات تم سے زیادہ اچھے ہیں۔ اگر ہمارا دین اللہ تعالیٰ کو پسند نہ ہوتا تو ہماری مجالس اتنی شان دار کیسے ہوتیں؟ جب کہ مسلمان دار ارقم میں چھپے ہوئے ہیں وہ بھلا کیسے حق پر ہو سکتے ہیں؟

(5) یعنی انہوں نے دنیا میں اپنے مال اور اولاد کی کثرت، اکثر آسائشوں کے حصول اور مجلس آرائیوں سے یہ نتیجہ نکالا کہ ان کے احوال اچھے ہیں اور اہل ایمان کا حال اس کے برعکس ہے، اس لئے وہ اہل ایمان سے بہتر ہیں اور یہ انتہائی فاسد دلیل ہے یہ چیز تقلیب حقائق میں شمار ہوتی ہے۔ ورنہ کثرت مال و اولاد اور خوبصورت منظر میں بہت سی ایسی چیزیں ہوتی ہیں جو ان لوگوں کی ہلاکت، شر اور شقاوت کی باعث ہیں۔ (تفسیر سعدی: 1592/2)

(6) ﴿وَقَالَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا لِلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَوۡ کَانَ خَیۡرًا مَّا سَبَقُوۡنَاۤ اِلَیۡہِ ؕ وَاِذۡ لَمۡ یَہۡتَدُوۡا بِہٖ فَسَیَقُوۡلُوۡنَ ہٰذَاۤ اِفۡکٌ قَدِیۡمٌ﴾ ''اور کافروں نے ایمان والوں کے متعلق کہا کہ اگر یہ دین بہتر ہوتا تو وہ ہم سے پہلے اس کی طرف نہ آتے اور جب اُنہوں نے

اس سے ہدایت نہیں پائی تو ضرور وہ کہیں گے: ''یہ تو پرانا جھوٹ ہے۔'' (الاحقاف:11)

سوال 2: قرآنی دعوت کا مقابلہ دُنیا کی مجلسوں اور مقام سے کیوں کیا جاتا ہے؟

جواب: دُنیا میں جو لوگ دُنیا کی خاطر جیتے ہیں اور دُنیا ہی کی خاطر مرجانا چاہتے ہیں اُن کی ساری قوتیں اور صلاحیتیں دُنیا کمانے کے لیے لگ جاتی ہیں اور وہ دُنیا کی رونقیں اور مال اکٹھا کر لیتے ہیں جب کہ دوسری طرف جو لوگ رب کی خاطر جیتے ہیں وہ انسانوں کی اصلاح کرنا چاہتے ہیں اور زمین کے بگاڑ کو ختم کرنے کے لیے ساری قوتیں اور صلاحیتیں لگا دیتے ہیں۔ایسے لوگ دُنیا کی مصلحتوں کو نظر انداز کر دیتے ہیں اور آخرت کی مصلحتوں کو ترجیح دیتے ہیں۔اس وجہ سے ظاہری شان وشوکت سے محروم رہتے ہیں۔یہی فرق لوگوں کے لیے غلط فہمی کا سبب بن جاتا ہے۔وہ سمجھتے ہیں کہ جس کے پاس دُنیا کا مال واسباب ہے، رونقیں ہیں وہی کامیاب ہے۔اسی وجہ سے وہ قرآنی دعوت کا مقابلہ اپنی مجلسوں اور مقام سے کرتے ہیں کہ دونوں میں سے کس کا مقام اور مجلسیں زیادہ اچھی ہیں؟ یہ معیار سراسر غلط ہے کیونکہ انسانوں کا ماضی یہ بتاتا ہے کہ جتنے لوگوں نے دُنیا کا مال اسباب اکٹھا کیا، جن کے پاس اقتدار رہا، لوگوں کی زندگی کے فیصلے جن کے ہاتھ میں رہے وہ سب مٹی میں مل گئے۔کتنے ہی محل کھنڈر بن گئے، کتنی بستیاں ویران ہوگئیں جب کہ وہ لوگ جو دُنیا کی رونقیں اکٹھی نہ کر پائے، شاندار مجلسیں اور لوگوں کی بھیڑ اکٹھی نہ کر سکے آج دُنیا کی محبتوں اور عقیدتوں کا مرکز ہیں مثال کے طور پر سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور دیگر انبیائے کرام علیہم السلام۔

سوال 3: اہل ایمان کی مجلسیں دُنیا پرستوں کو کیوں حقیر لگتی ہیں؟

جواب: بڑی بڑی مجلسوں کے مقابلے میں اہل ایمان کی مجلسوں میں نہ قیمتی لباس ہوتے ہیں، نہ مال وجمال، نہ کھانے پینے کے لذیذ سامان، نہ بہترین جائے قیام بلکہ مشقت، جدوجہد، قربانیاں اور کلمہ حق کی دعوت ہوتی ہے۔اس لیے دونوں مجلسوں میں ظاہری چکا چوند والی مجلس لوگوں کو بھلی دِکھتی ہے۔اسی لیے اہل مکہ کو دار الندوہ کی اجتماع گاہ، مسلمانوں کے دار الشوریٰ اور دار ارقم کے مقابلے میں شاندار لگتی تھی۔

﴿وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ هُمْ اَحْسَنُ اَثَاثًا وَّرِءْيًا﴾

''اور کتنے ہی زمانوں کے لوگ ہم نے ان سے پہلے بھی ہلاک کر دیے ہیں جو ان سے ساز وسامان اور دیکھنے میں زیادہ اچھے تھے؟'' (74)

سوال 1: ﴿وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ هُمْ اَحْسَنُ اَثَاثًا وَّرِءْيًا﴾ ''اور کتنے ہی زمانوں کے لوگ ہم نے ان سے پہلے بھی ہلاک کر دیے ہیں جو ان سے ساز وسامان اور دیکھنے میں زیادہ اچھے تھے'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ﴾ ''اور کتنے ہی زمانوں کے لوگ ہم نے ان سے پہلے بھی ہلاک کر دیے ہیں'' کافروں نے جب مال کی بنیاد پر اپنے دین کو درست سمجھا تو رب العزت نے ان کی غلط فہمی دور کرتے ہوئے فرمایا کہ کتنی جھٹلانے والی قوموں کو ہم نے تباہ وبرباد کر دیا جو تم سے پہلے گزر چکیں۔

(2)﴿هُمۡ اَحۡسَنُ اَثَاثًا وَّرِءۡيًا﴾ ''جو ان سے ساز وسامان اور دیکھنے میں زیادہ اچھے تھے'' یعنی جن کے گھر آسائش وآرام کے اعتبار سے تم سے زیادہ بہتر تھے۔جن کا مال ومتاع اور جن کی لذتیں تم سے زیادہ تھیں،جو زیادہ آسودہ حال تھے،جن کے مناظر پر کشش اور چہرے خوب صورت تھے۔اگر وہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نہیں بچ سکے تو تم کیسے بچ سکتے ہو جب کہ تم لذتوں اور آسودگی میں،مال ومتاع اور سہولتوں میں ان سے کم تر ہو؟

(3)رب العزت نے فرمایا:﴿اَكُفَّارُكُمۡ خَيۡرٌ مِّنۡ اُولٰٓـئِكُمۡ اَمۡ لَـكُمۡ بَرَآءَةٌ فِى الزُّبُرِ﴾ ''کیا تمہارے کافر اُن سے بہتر ہیں؟ یا تمہارے لیے اگلی کتابوں میں معافی ہے؟'' (القمر:43)

(4)اس سے یہ واضح ہو گیا کہ دنیا کے مال ومتاع سے آخرت کے انعامات پر استدلال کرنا درست نہیں۔

(5)فرعون اور اس کی قوم کے سمندر میں غرق ہونے کے واقعے کو بیان کرتے ہوئے رب العزت نے فرمایا:﴿كَمۡ تَرَكُوۡا مِنۡ جَنّٰتٍ وَّعُيُوۡنٍ (۲۵) وَّزُرُوۡعٍ وَّمَقَامٍ كَرِيۡمٍ (۲۶) وَّنَعۡمَةٍ كَانُوۡا فِيۡهَا فٰكِهِيۡنَ (۲۷)﴾ ''وہ کتنے ہی باغات اور چشمے چھوڑ گئے۔اور کھیتیاں اور شاندار قیام گاہیں اور وہ سامانِ عیش جن میں وہ مزے اڑانے والے تھے۔'' (الدخان:25,27)

(6)اللہ تعالیٰ نے ماضی کے کھنڈروں تک انسانی شعور کو پہنچا کر یہ سمجھایا ہے کہ ان تباہ حال قوموں کو دیکھو،ان کے پاس کتنے مال واسباب تھے۔وہ تم سے زیادہ سروسامان رکھتی تھیں اور ظاہری شان وشوکت میں کتنا بڑھی ہوئی تھیں مگر کیسے اُن کی فصل کٹ گئی۔لہٰذا اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے ڈر جاؤ۔پہلے لوگوں کو بھی دُنیا کے ساز وسامان نے اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے نہیں بچایا پھر تم کیسے بچ جاؤ گے؟

﴿قُلۡ مَنۡ كَانَ فِى الضَّلٰلَةِ فَلۡيَمۡدُدۡ لَهُ الرَّحۡمٰنُ مَدًّا ۚ حَتّٰٓى اِذَا رَاَوۡا مَا يُوۡعَدُوۡنَ اِمَّا الۡعَذَابَ وَاِمَّا السَّاعَةَ ؕ فَسَيَعۡلَمُوۡنَ مَنۡ هُوَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّاَضۡعَفُ جُنۡدًا﴾

''آپ کہہ دیں جو شخص گمراہی میں ہوتا ہے تو لازم ہے کہ اسے رحمٰن ایک مدت تک مہلت دے،یہاں تک کہ جب وہ اسے دیکھ لیں گے جس کا اُن سے وعدہ کیا جاتا ہے عذاب یا قیامت،تو وہ ضرور جان لیں گے کہ کون ہے جو مقام میں بدتر ہے۔اور لشکر کے لحاظ سے زیادہ کمزور ہے؟'' (75)

سوال1:﴿قُلۡ مَنۡ كَانَ فِى الضَّلٰلَةِ فَلۡيَمۡدُدۡ لَهُ الرَّحۡمٰنُ مَدًّا﴾ ''آپ کہہ دیں جو شخص گمراہی میں ہوتا ہے تو لازم ہے کہ اسے رحمٰن ایک مدت تک مہلت دے'' اللہ تعالیٰ گمراہوں کو کیسے مہلت دیتے ہیں؟

جواب:(1)﴿قُلۡ مَنۡ كَانَ فِى الضَّلٰلَةِ﴾ ''آپ کہہ دیں جو شخص گمراہی میں ہوتا ہے'' یعنی ہم میں سے یا تم میں سے جو بھی گمراہی پر ہے یعنی جو حق کے راستے سے ہٹ گیا ہے،جو ایسے راستے پر چل پڑا ہے جو ہدایت کا راستہ نہیں۔(جامع البیان:136/116)

(2)﴿فَلۡيَمۡدُدۡ لَهُ الرَّحۡمٰنُ مَدًّا﴾ ''تو لازم ہے کہ اسے رحمٰن ایک مدت تک مہلت دے'' رب العزت اسے خوب ڈھیل دیتا ہے اور

اسے سرکشی میں چھوڑ دیتا ہے۔آخر کار وہ بھول جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کو بھول جاتا ہے اور اپنے آپ کو حق پر سمجھتا ہے پھر اسی حال پر اس کا دم نکل جاتا ہے۔(مختصر ابن کثیر:1145/2)

(3) جو کوئی گمراہی پر راضی ہے اور اس کے لیے کوشش کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی گمراہی میں اضافہ فرمادیتا ہے۔یہ اضافہ اس طرح ممکن ہوتا ہے کہ رب العزت ان کی گمراہی کی محبت اور چاہت میں اضافہ فرمادیتے ہیں اور اس کا سبب یہ ہے کہ وہ ہدایت کو چھوڑ کر گمراہی اختیار کرتے ہیں۔(4) اسی حقیقت کو واضح کرتے ہوئے قرآن مجید میں ایک اور مقام پر رب العزت نے فرمایا:﴿وَنُقَلِّبُ اَفْـِٕدَتَهُمْ وَاَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوْا بِهٖٓ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّنَذَرُهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ﴾ اور ہم ان کے دلوں کو اور ان کی نگاہوں کو پھیر دیں گے جیسے پہلی بار وہ اس پر ایمان نہیں لائے تھے اور ہم انہیں چھوڑ دیں گے وہ اپنی سرکشی میں بھٹکتے رہیں گے۔(الانعام:110)

سوال 2: اللہ تعالیٰ گمراہوں کو ڈھیل کیوں دیتے ہیں؟

جواب: اللہ تعالیٰ گمراہوں کو امتحان کی وجہ سے ڈھیل دیتے ہیں۔یہ ڈھیل کسی حق کی بنا پر نہیں دی جاتی۔

سوال 3:﴿حَتّٰٓى اِذَا رَاَوْا مَا يُوْعَدُوْنَ اِمَّا الْعَذَابَ وَاِمَّا السَّاعَةَ ۭ فَسَيَعْلَمُوْنَ مَنْ هُوَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّاَضْعَفُ جُنْدًا﴾ ''یہاں تک کہ جب وہ اسے دیکھ لیں گے جس کا اُن سے وعدہ کیا جاتا ہے عذاب یا قیامت تو وہ ضرور جان لیں گے کہ کون ہے جو مقام میں بدتر ہے اور لشکر کے لحاظ سے زیادہ کمزور ہے'' آیت کے اس حصے کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿حَتّٰٓى اِذَا رَاَوْا مَا يُوْعَدُوْنَ اِمَّا الْعَذَابَ وَاِمَّا السَّاعَةَ﴾ ''یہاں تک کہ جب وہ اسے دیکھ لیں گے جس کا اُن سے وعدہ کیا جاتا ہے عذاب یا قیامت'' یعنی قتل، قید یا قیامت کی گھڑی جو اعمال کی جزا سزا کا آغاز ہے۔وہ ان کو دیکھتے ہیں جن کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے۔

(2)﴿فَسَيَعْلَمُوْنَ مَنْ هُوَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّاَضْعَفُ جُنْدًا﴾ ''تو وہ ضرور جان لیں گے کہ کون ہے جو مقام میں بدتر ہے اور لشکر کے لحاظ سے زیادہ کمزور ہے'' یعنی اس وقت ان کو اپنے دعوؤں کی حقیقت معلوم ہوگی کہ کس قدر کمزور دعوے تھے۔اس وقت انہیں یقین ہو جائے گا کہ وہ گمراہ تھے مگر تب علم فائدہ نہیں دے گا کیونکہ دنیا میں واپسی ممکن نہ ہوگی کہ نیک اعمال کر سکیں۔

(3) انسان ڈھیل کی وجہ سے وقتی مہلت کو مستقل حالت سمجھ لیتا ہے۔اس کا شعور اس وقت تک بیدار نہیں ہوتا جب تک عذاب نہ آجائے یا قیامت نہ آجائے یعنی مدت کے خاتمے کا اعلان نہ ہو جائے۔جس انسان کا شعور دلیل سے بیدار نہیں ہوتا مدت کے خاتمے کا اعلان اس انسان کی سرکشی کو ختم کر دیتا ہے۔پھر شعور پر پڑے ہوئے دبیز پردے ہٹ جاتے ہیں اور جس چیز کو انسان زندگی میں سمجھنے کے لیے تیار نہیں ہوتا انجام اُسے سمجھا دیتا ہے۔پھر اُسے پتہ لگ جاتا ہے کہ کس کا حال خراب ہے اور کس کا جتھا کمزور ہے۔

﴿وَيَزِيْدُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اهْتَدَوْا هُدًى ۭ وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ مَّرَدًّا﴾

''اور اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جنہوں نے ہدایت پائی، ہدایت میں زیادہ کرتا ہے اور باقی رہنے والی نیکیاں ہی آپ کے رب کے نزدیک ثواب اور انجام کے اعتبار سے بہتر ہیں''۔(76)

سوال 1:﴿وَیَزِیْدُ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اهْتَدَوْا هُدًی﴾''اور اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جنہوں نے ہدایت پائی، ہدایت میں زیادہ کرتا ہے'' اللہ تعالیٰ ہدایت یافتہ لوگوں کی ہدایت میں کیسے اضافہ کرتے ہیں؟

جواب:(1)''اور اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جنہوں نے ہدایت پائی، ہدایت میں زیادہ کرتا ہے'' اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم اور اپنی رحمت سے ہدایت پر ثبات عطا فرماتے ہیں۔(2)اللہ تعالیٰ اپنی توفیق سے ان کی بصیرت اور یقین میں اضافہ فرماتے ہیں۔

(3)(i)ہدایت میں یقین کے اضافے کے ساتھ اضافہ ہوتا ہے۔(ii)یہ یقین باہر سے اندر اُترتا ہے۔(iii)یہ یقین ہر صورت حال میں صحیح Reasoning سے انسان کے اندر اُترتا ہے۔(iv)یقین میں کیفیت کے اعتبار سے اضافہ ہوتا ہے۔(v)یقین میں زندہ پودے کی طرح اضافہ ہوتا ہے جتنی کھاد ملے، جتنا پانی ملے، جتنی روشنی ملے، جتنی Care ملے ایمان کے پودے میں بھی اضافہ ہوتا ہے۔ جتنا علم ملے، جتنا اللہ تعالیٰ کا کام ملے، جتنا اچھا ماحول ملے، جتنے اچھے ساتھی ملیں جتنے غور و فکر کے مواقع ملیں اتنا ایمان میں اضافہ ہوتا ہے۔(vi)یقین پتھر کی طرح نہیں ہوتا کہ اس میں اضافہ ہی نہ ہو جہاں ہوا اسی طرح پڑا رہ جائے۔

(4)رب العزت نے فرمایا:﴿وَاِذَا مَاۤ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ فَمِنْهُمْ مَّنْ یَّقُوْلُ اَیُّكُمْ زَادَتْهُ هٰذِهٖۤ اِیْمَانًا ۚ فَاَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فَزَادَتْهُمْ اِیْمَانًا وَّهُمْ یَسْتَبْشِرُوْنَ﴾''اور جب بھی کوئی سورت نازل کی جاتی ہے تو ان میں سے کچھ لوگ کہتے ہیں کہ تم میں سے کس کو ایمان میں اس نے زیادہ کیا؟ چنانچہ جو لوگ ایمان لائے، سو ان کو ایمان میں اس نے زیادہ کیا ہے اور وہ اس سے بہت خوش ہوتے ہیں۔'' (التوبہ:124)

(5)اللہ تعالیٰ ہدایت یافتہ شخص کے علم اور ایمان میں اضافہ فرماتے ہیں۔ اس کے لیے ہدایت کا راستہ آسان فرماتے ہیں اور اس کو ایسے کام انجام دینے کی توفیق عطا فرماتے ہیں جن کے بارے میں وہ گمان بھی نہیں کر سکتا۔

(6)اللہ تعالیٰ کے ہدایت میں اضافہ کرنے سے یہ دلیل ملتی ہے کہ ایمان میں کمی بیشی ہوتی ہے جیسا کہ فرمایا:﴿وَیَزْدَادَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِیْمَانًا﴾''اور وہ لوگ جو ایمان لائے ایمان میں بڑھ جائیں۔'' (المدثر:31)

(7)اور فرمایا:﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَاِذَا تُلِیَتْ عَلَیْهِمْ اٰیٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِیْمَانًا وَّعَلٰی رَبِّهِمْ یَتَوَكَّلُوْنَ﴾''بلاشبہ مومن وہی ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جائے تو ان کے دل لرز جاتے ہیں اور جب اللہ تعالیٰ کی آیات اُن کو پڑھ کر سنائی جاتی ہیں وہ اُن کو ایمان میں بڑھا دیتی ہیں اور وہ اپنے رب پر اعتماد کرتے ہیں۔'' (الانفال:2)

سوال 2:ہدایت کسے کہتے ہیں اور ہدایت یافتہ کون ہوتا ہے؟

جواب: (1) ہدایت سے مراد نفع مند علم اور عمل صالح کی توفیق ہے۔

(2) ہدایت یافتہ وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی جانب سے آنے والی وحی کے نفع مند علم میں اللہ تعالیٰ کے حکم سے اضافہ کرتا رہے اور اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی توفیق سے عمل صالح کرتا رہے۔

(3) ہدایت یافتہ ایسا شخص ہے جس کا ایمانی شعور بے دار ہو جائے اور صحیح رُخ پر کام کرنے لگے۔ (i) وہ شخص جس کے سامنے کوئی صورت حال پیش آئے تو وہ اس بارے میں Reasoning کر کے، خود غور و فکر کر کے اس کو اپنے لیے مفید بنا لے۔ (ii) وہ شخص جو اللہ تعالیٰ کی راہ نمائی کے مطابق مستقل چل پڑے۔

سوال3: ﴿وَالۡبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيۡرٌ عِنۡدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيۡرٌ مَّرَدًّا﴾ ''اور باقی رہنے والی نیکیاں ہی آپ کے رب کے نزدیک ثواب اور انجام کے اعتبار سے بہتر ہیں'' آیت کے اس حصے کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَالۡبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ﴾ ''اور باقی رہنے والی نیکیاں'' یعنی آخرت کے لیے کیے جانے والے سارے اعمال یا پانچ نمازیں یا سبحان اللہ، والحمد للہ، ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر۔ (تفسیر الاساس: 3301/6)

(2) یعنی باقی رہنے والے وہ اعمال جو کبھی منقطع نہیں ہوتے جبکہ دیگر اعمال منقطع ہو جاتے ہیں اور جو مضمحل نہیں ہوتے، یہ نیک اعمال ہیں مثلاً نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج، عمرہ، قراءت قرآن، تسبیح و تکبیر، تحمید و تہلیل مخلوق کے ساتھ حسن سلوک اور دیگر تمام اعمال قلب اور اعمال بدن وغیرہ۔ پس یہ تمام اعمال، ﴿خَيۡرٌ عِنۡدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيۡرٌ مَّرَدًّا﴾ یعنی اللہ تعالیٰ کے ہاں ان اعمال کا بہتر اجر و ثواب ہے، اہل اعمال کے لئے ان اعمال کا فائدہ اور اجر بہت زیادہ ہے۔ یہ اسم تفضیل کو کسی اور جگہ استعمال کرنے کے باب میں ہے کیونکہ وہاں باقیات الصالحات کے سوا کوئی عمل صاحب عمل کو کوئی فائدہ دے گا نہ اس کا ثواب صاحب عمل کے لئے باقی رہے گا۔ یہاں باقیات صالحات کو ذکر کرنے کی مناسبت یہ ہے (واللہ اعلم) چونکہ اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے کہ ظالم کفار اپنے مال و اولاد اور حسن مقام وغیرہ کے دنیاوی احوال کو اپنے حسن حال کی علامت قرار دیتے ہیں، اس لئے یہاں آگاہ فرمایا کہ معاملہ اس طرح نہیں جس طرح وہ سمجھتے ہیں بلکہ عمل، جو سعادت کا عنوان اور فلاح کا منشور ہے، ان امور کی تعمیل ہے جنہیں اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے اور ان پر راضی ہے۔ (تفسیر سعدی: 1593،1594/2)

(3) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ﴿خُذُوا جُنَّتَكُمۡ. قَالُوا: يَا رَسُولَ اللهِ، أَمِنۡ عَدُوٍّ قَدۡ حَضَرَ؟ قَالَ: لَا. وَلَكِنۡ جُنَّتَكُمۡ مِنَ النَّارِ، قَوۡلُ سُبۡحَانَ اللهِ، وَالۡحَمۡدُ لِلّٰهِ، وَلَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ، وَاللهُ أَكۡبَرُ. فَإِنَّهُنَّ يَأۡتِينَ يَوۡمَ الۡقِيَامَةِ مُنۡجِيَاتٍ، وَمُعَقِّبَاتٍ، وَهُنَّ الۡبَاقِيَاتُ الصَّالِحَاتُ﴾ اپنی جنت لے لو۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا: کیا دشمن سے جو پہنچنے والا ہے؟ فرمایا: نہیں۔ بلکہ اپنی جنت آگ سے لے لو۔ یہ کہنا: اللہ تعالیٰ پاک ہے، تمام تعریف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے اور اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں، اور اللہ تعالیٰ سب سے بڑا ہے۔ یقیناً یہ قیامت کے دن نجات دلوانے والے اور پہرہ دینے والے بن کر آئیں گے۔ اور یہی باقی رہنے والی نیکیاں

ہیں۔(مستدرک حاکم:1/541)

(4)رب العزت نے فرمایا:﴿اَلۡمَالُ وَالۡبَنُوۡنَ زِيۡنَةُ الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا ‌ۚ وَالۡبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيۡرٌ عِنۡدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيۡرٌ اَمَلًا﴾مال اور بیٹے دنیا کی زندگی کی زینت ہیں اور باقی رہنے والی نیکیاں ہی آپ کے رب کے نزدیک ثواب میں بھی بہتر ہیں، اور اُمید میں بھی زیادہ اچھی ہیں۔(الکہف:46)

(5)مرنے والے کے ساتھ تین چیزیں جاتی ہیں، پھر دو چیزیں واپس آجاتی ہیں جبکہ ایک چیز باقی رہ جاتی ہے۔مرنے والے کے ساتھ اس کے گھر والے اور اس کا مال اور اس کا عمل جاتے ہیں۔اس کے گھر والے اور اس کا مال تو واپس آجاتے ہیں اور اس کا عمل باقی رہ جاتا ہے۔(صحیح مسلم:7424،صحیح بخاری:6514)

(6)سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:''بندہ کہتا ہے میرا مال میرا مال، حالانکہ اس کے مال میں سے اس کی صرف تین چیزیں ہیں: جو کھایا اور ختم کرلیا، جو پہنا اور پرانا کرلیا اور جو اس نے (اللہ تعالیٰ کے راستے میں) دیا اور (یہ آخرت کے لیے جمع کرلیا) اس کے علاوہ تو صرف جانے والا اور لوگوں کے لیے چھوڑنے والا ہے۔''(صحیح مسلم:7422)

﴿اَفَرَءَيۡتَ الَّذِىۡ كَفَرَ بِاٰيٰتِنَا وَقَالَ لَاُوۡتَيَنَّ مَالًا وَّوَلَدًا﴾

''تو کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا ہے جس نے ہماری آیات کا انکار کیا اور کہا کہ مجھے تو مال اور اولاد لازماً دیے ہی جاتے رہیں گے؟''(77)

سوال1:﴿اَفَرَءَيۡتَ الَّذِىۡ كَفَرَ بِاٰيٰتِنَا وَقَالَ لَاُوۡتَيَنَّ مَالًا وَّوَلَدًا﴾''تو کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا ہے جس نے ہماری آیات کا انکار کیا اور کہا کہ مجھے تو مال اور اولاد لازماً دیے ہی جاتے رہیں گے''اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿اَفَرَءَيۡتَ الَّذِىۡ كَفَرَ بِاٰيٰتِنَا﴾''تو کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا ہے جس نے ہماری آیات کا انکار کیا''یعنی جس نے وحی کو جھٹلایا۔اس نے توحید، بعث، شرک، جزا اور معاصی کے چھوڑنے کو جھٹلایا اور وہ عاص بن وائل سہمی تھا۔(ایسر التفاسیر:876)

(2)﴿وَقَالَ لَاُوۡتَيَنَّ مَالًا وَّوَلَدًا﴾''اور کہا کہ مجھے تو مال اور اولاد لازماً دیے ہی جاتے رہیں گے''کیا اس کافر کی حالت پر تعجب نہیں ہوتا جس نے اللہ تعالیٰ کی آیات کے انکار کو اپنے بہت بڑے دعوے کے ساتھ یکجا کردیا ہے کہ اس کو آخرت میں بھی مال و اولاد سے نوازا جائے گا، یعنی وہ اہل جنت میں سے ہوگا۔اس کا یہ دعویٰ سب سے زیادہ تعجب انگیز امور میں سے ہے۔اگر وہ اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھنے والا ہوتا اور پھر یہ دعویٰ کرتا تو معاملہ آسان تھا۔یہ آیت کریمہ اگرچہ کسی معین کافر کے بارے میں نازل ہوئی ہے تاہم یہ ہر کافر کو شامل ہے جو اس زعم میں مبتلا ہے کہ وہ حق پر ہے اور وہ اہل جنت میں سے ہے۔(تفسیر سعدی:2/1594،1595)

(3)امام بخاری و مسلم نے سیدنا خباب بن ارت سے روایت کیا ہے فرماتے ہیں کہ میں عاص بن وائل سہمی کے پاس اپنے قرض کی واپسی کے لئے آیا تو عاص کہنے لگا: جب تک تو محمد ﷺ کے ساتھ کفر نہیں کرے گا تیرے قرض نہ ادا کروں گا۔خباب رضی اللہ عنہ نے کہا: اگر تو مر کر

دوبارہ زندہ ہوجائے تب بھی کفر نہ کروں گا۔اس پر عاص نے کہا میں مروں گا پھر زندہ ہوں گا؟ سیدنا خباب رضی اللہ عنہ نے کہا: ہاں۔تو عاص کہنے لگا: میرے پاس تب ہی آنا۔میرے پاس اس وقت بھی مال اور اولاد سب کچھ ہوگا تیرا قرض ادا کردوں گا۔اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی:

''کیا پھر تو نے اس شخص کو دیکھا ہے جس نے ہماری آیات کا انکار کیا'' (تفسیر ابن عباس:249/2)

سوال 2: انسان اللہ تعالیٰ کی آیات کو ٹھکرا کر آخرت میں انعامات پانے کی باتیں کب کرتا ہے؟

جواب: (1) انسان کے پاس جب دولت اور طاقت آجاتی ہے تو اس کے اندر سرکشی کی ہوا بھر جاتی ہے تب وہ ایسی باتیں کرنے لگتا ہے جو اُسے نہیں کرنی چاہئیں۔

(2) جس انسان کو موت کے بعد کی زندگی پر یقین نہیں ہوتا وہ اللہ تعالیٰ کی آیات کو ٹھکرا کر آخرت میں انعامات پانے کی باتیں کرنے لگ جاتا ہے۔

﴿اَطَّلَعَ الۡغَیۡبَ اَمِ اتَّخَذَ عِنۡدَ الرَّحۡمٰنِ عَهۡدًا﴾

''کیا اُس نے غیب پر اطلاع پائی ہے یا اُس نے رحمٰن کے نزدیک کوئی عہد لے رکھا ہے''؟ (78)

سوال 1: ﴿اَطَّلَعَ الۡغَیۡبَ اَمِ اتَّخَذَ عِنۡدَ الرَّحۡمٰنِ عَهۡدًا﴾ ''کیا اُس نے غیب پر اطلاع پائی ہے یا اُس نے رحمٰن کے نزدیک کوئی عہد لے رکھا ہے'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿اَطَّلَعَ الۡغَیۡبَ﴾ ''کیا اُس نے غیب پر اطلاع پائی ہے''یعنی کیا اس نے غیب کے پردے کے پیچھے جھانک کر دیکھ لیا ہے کہ اسے قیامت کے دن مال اور اولاد دیئے جائیں گے۔

(2) ﴿اَمِ اتَّخَذَ عِنۡدَ الرَّحۡمٰنِ عَهۡدًا﴾ ''یا اُس نے رحمٰن کے نزدیک کوئی عہد لے رکھا ہے''یعنی اللہ تعالیٰ نے اس سے کوئی پکا وعدہ کر رکھا ہے کہ اسے ضرور مال اور اولاد دے گا۔وہ تو ایسی بات کہتا ہے جس کے بارے میں وہ خود بھی نہیں جانتا۔مستقبل میں پیش آنے والے حالات کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔رسولوں کو بھی اتنا ہی علم ہوتا ہے جتنی رب انہیں خبر دے دے۔

﴿كَلَّا ؕ سَنَكۡتُبُ مَا يَقُوۡلُ وَنَمُدُّ لَهٗ مِنَ الۡعَذَابِ مَدًّا﴾

''ہرگز نہیں! جو کچھ وہ کہتا ہے وہ ہم ضرور لکھیں گے اور ہم اس کے عذاب میں اضافہ کریں گے، بہت اضافہ کرنا'' (79)

سوال 1: ﴿كَلَّا ؕ سَنَكۡتُبُ مَا يَقُوۡلُ وَنَمُدُّ لَهٗ مِنَ الۡعَذَابِ مَدًّا﴾ ''ہرگز نہیں! جو کچھ وہ کہتا ہے وہ ہم ضرور لکھیں گے اور ہم اس کے عذاب میں اضافہ کریں گے، بہت اضافہ کرنا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿كَلَّا﴾ ''ہرگز نہیں!''یعنی نہ تو اُسے غیب کا علم ہے نہ اُس نے رحمٰن سے کوئی وعدہ لے رکھا ہے۔

(2)﴿سَنَكْتُبُ مَا يَقُوْلُ﴾ ''جو کچھ وہ کہتا ہے وہ ہم ضرور لکھیں گے'' یعنی اس کے جھوٹ اور افتراء پردازی کو رب العزت نے محفوظ کر لیا ہے۔اسی کی بنا پر اسے عذاب ملے گا۔

(3)﴿وَنَمُدُّ لَهٗ مِنَ الْعَذَابِ مَدًّا﴾ ''اور ہم اس کے عذاب میں اضافہ کریں گے، بہت اضافہ کرنا'' یعنی جیسے وہ گمراہی میں بڑھتا گیا ہے قیامت کے دن اس کے عذاب کو بھی اسی طرح بڑھایا جائے گا۔

(4) یہ استدراج ہے۔رب العزت نے فرمایا:﴿اِنَّمَا نُمْلِیْ لَهُمْ لِیَزْدَادُوْٓا اِثْمًا وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِیْنٌ﴾ ''ہم اُنہیں اسی لئے مہلت دے رہے ہیں تاکہ وہ گناہ میں اور زیادہ بڑھ جائیں اور اُن کے لئے رُسوا کن عذاب ہے۔(آل عمران:178)

﴿وَنَرِثُهٗ مَا یَقُوْلُ وَیَاْتِیْنَا فَرْدًا﴾

''اور جو کچھ وہ کہہ رہا ہے ہم اُس کے وارث ہوں گے اور وہ ہمارے پاس اکیلا آئے گا''(80)

سوال1:﴿وَنَرِثُهٗ مَا یَقُوْلُ وَیَاْتِیْنَا فَرْدًا﴾ ''اور جو کچھ وہ کہہ رہا ہے ہم اُس کے وارث ہوں گے اور وہ ہمارے پاس اکیلا آئے گا'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿وَنَرِثُهٗ مَا یَقُوْلُ﴾ ''اور جو کچھ وہ کہہ رہا ہے ہم اُس کے وارث ہوں گے'' اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ہم اُن سے مال اور اولاد تو ایسے لے لیں گے جیسے وارث اپنا ورثہ لیتا ہے۔(2) وہ تو اپنے مال اور اولاد کے بغیر آخرت میں منتقل ہوگا۔

(3)﴿وَیَاْتِیْنَا فَرْدًا﴾ ''اور وہ ہمارے پاس اکیلا آئے گا'' یعنی وہ اکیلا ہمارے سامنے حاضر ہوگا۔اس کے پاس نہ مال ہوگا اور نہ اولاد۔ وہ بے بس ہوگا۔اپنے جھٹلانے، مذاق اُڑانے اور تکبر کرنے کے جرائم کے ساتھ ہوگا۔

(4) یعنی آخرت میں اس کے پاس کچھ نہیں ہوگا اور وہ بدترین عذاب کا سامنا کرے گا۔

﴿وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لِّیَكُوْنُوْا لَهُمْ عِزًّا﴾

''اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کے سوا معبود بنائے ہیں تاکہ وہ اُن کے لیے باعث عزت ہوں''(81)

سوال1:﴿وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لِّیَكُوْنُوْا لَهُمْ عِزًّا﴾ ''اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کے سوا معبود بنائے ہیں تاکہ وہ اُن کے لیے باعث عزت ہوں'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً﴾ ''اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کے سوا معبود بنائے ہیں'' یعنی مشرکوں نے جھوٹے معبود بنائے ہیں جن کی وہ عبادت کرتے ہیں۔

(2)﴿لِّیَكُوْنُوْا لَهُمْ عِزًّا﴾ ''تاکہ وہ اُن کے لیے باعث عزت ہوں'' تاکہ ان بتوں کی وجہ سے انہیں عزت اور مدد ملے۔

(3)(i)شرک اس وجہ سے ہوتا ہے کہ لوگ چاہتے ہیں کہ کچھ ہستیاں جو اللہ تعالیٰ کی محبوب ہوں وہ انسان کی سفارش کر دیں۔(ii)لوگ شرک اس لیے کرتے ہیں کہ شرکاء سے غلبہ اور مدد مل جائے۔

(4)ان کی یہ حسرت دل ہی میں رہ جائے گی اور ان کے خواب پورے نہ ہوں گے کیونکہ یہ معبود ان کی ہی عبادت کا انکار کریں گے جیسا کہ فرمایا:﴿وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا يَسْتَجِيْبُ لَهٗٓ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَآئِهِمْ غٰفِلُوْنَ ﴿٥﴾ وَاِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوْا لَهُمْ اَعْدَآءً وَّكَانُوْا بِعِبَادَتِهِمْ كٰفِرِيْنَ ﴿٦﴾﴾ ”اور اُس سے بڑا گمراہ کون ہوگا جو اللہ تعالیٰ کے سوا اُنہیں پکارتا ہے جو قیامت کے دن تک اُسے کوئی جواب نہیں دے سکتے؟ حالانکہ وہ اُن کی دُعا ہی سے غافل ہیں۔اور جب تمام انسان جمع کر دیے جائیں گے تو وہ اُن کے دُشمن ہو جائیں گے اور اُن کی عبادت کا انکار کرنے والے ہوں گے۔“ (الاحقاف:5,6)

﴿كَلَّا ؕ سَيَكْفُرُوْنَ بِعِبَادَتِهِمْ وَيَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِمْ ضِدًّا﴾

”ہرگز نہیں! جلد ہی وہ ان کی عبادت کا انکار کر دیں گے اور اِن کے خلاف مدمقابل ہو جائیں گے“(82)

سوال1:﴿كَلَّا ؕ سَيَكْفُرُوْنَ بِعِبَادَتِهِمْ وَيَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِمْ ضِدًّا﴾ ”ہرگز نہیں! جلد ہی وہ ان کی عبادت کا انکار کر دیں گے اور ان کے خلاف مدمقابل ہو جائیں گے“ کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿كَلَّا﴾ ”ہرگز نہیں“یعنی معاملہ وہ نہیں ہوگا جو انہوں نے گمان کیا ہے جس کی انہوں نے امید رکھی ہے۔

(2)﴿سَيَكْفُرُوْنَ بِعِبَادَتِهِمْ﴾ ”جلد ہی وہ ان کی عبادت کا انکار کر دیں گے“یعنی قیامت کے دن جھوٹے معبود اپنے پجاریوں کی عبادت کا انکار کر دیں گے۔

(3)﴿وَيَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِمْ ضِدًّا﴾ ”اور ان کے خلاف مدمقابل ہو جائیں گے“جھوٹے معبود قیامت کے دن اُلٹا مخالف بن جائیں گے۔وہ دنیا میں اپنی عبادت کرنے والے انسانوں کے خلاف گواہی دیں گے، اُن کو جھٹلائیں گے اور اُن کے خلاف ہو جائیں گے۔

رکوع نمبر 9

﴿اَلَمْ تَرَ اَنَّآ اَرْسَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ تَؤُزُّهُمْ اَزًّا﴾

”کیا آپ نے دیکھا نہیں کہ یقیناً ہم نے کافروں پر شیاطین بھیج دیے ہیں جو انہیں اُبھار رہے ہیں، خوب اُبھارنا“(83)

سوال1:﴿اَلَمْ تَرَ اَنَّآ اَرْسَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ تَؤُزُّهُمْ اَزًّا﴾ ”کیا آپ نے دیکھا نہیں کہ یقیناً ہم نے کافروں پر شیاطین بھیج دیے ہیں جو انہیں اُبھار رہے ہیں، خوب اُبھارنا“ اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿اَلَمْ تَرَ اَنَّآ اَرْسَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ﴾ ”کیا آپ نے دیکھا نہیں کہ یقیناً ہم نے کافروں پر شیاطین بھیج

دیے ہیں" یہ کافروں کی سزا ہے۔ کافر جب اللہ تعالیٰ کی بات کا انکار کرتے ہیں تو شیطان کی آمد کا راستہ کھل جاتا ہے۔

(2)﴿تَؤُزُّهُمْ اَزًّا﴾ "جو انہیں اُبھار رہے ہیں، خوب اُبھارنا" یعنی شیاطین شہوات اور معاصی پر خوب ابھارتے ہیں۔ اس کے بعد شیاطین انسان کو اکساتے ہیں اور گمراہ کرتے ہیں۔ انسان کا ذہن الٹ جاتا ہے تو اسے ہر دلیل الٹی نظر آتی ہے۔ یوں انسان کی سرکشی میں اضافہ ہوتا ہے اور شیاطین نافرمانی کی طرف کھینچ کرلے جاتے ہیں۔

(3) اللہ تعالیٰ کے ذکر کو چھوڑنے والوں پر بھی اللہ تعالیٰ شیاطین مسلط کر دیتے ہیں۔ رب العزت نے فرمایا: ﴿وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ﴾ "اور جو شخص رحمان کے ذکر سے اندھا بن جاتا ہے ہم اُس کے لیے ایک شیطان مقرر کر دیتے ہیں۔ چنانچہ وہی اُس کا ساتھی بن جاتا ہے۔" (الزخرف:36)

(4) یہ کفار کی سزا ہے۔ اس لیے کہ جب انہوں نے اللہ کے حکموں کو نہیں مانا اور نہ اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑا بلکہ اس کے برعکس انہوں نے شرک کا ارتکاب کیا اور اللہ تعالیٰ کے دشمنوں یعنی شیاطین کے ساتھ موالات رکھی، تو اللہ تعالیٰ نے شیاطین کو ان پر مسلط کر دیا اور شیاطین نے ان کو ورغلا کر گناہوں پر آمادہ کرنا شروع کر دیا۔ وہ انہیں کفر کی ترغیب دیتے ہیں، انہیں وسوسوں میں مبتلا کرتے ہیں، ان پر القاء کرتے ہیں اور ان کے سامنے باطل کو مزین کر کے اور حق کو بدنما بنا کر پیش کرتے ہیں۔ پس باطل کی محبت ان کے دلوں میں داخل ہو کر جاگزیں ہو جاتی ہے۔ وہ باطل کی خاطر اسی طرح کوشش کرتے ہیں جس طرح حق پرست حق کے لئے جدوجہد کرتے ہیں، وہ اپنی کوشش اور سعی سے باطل کی مدد کرتے ہیں اور باطل کے راستے میں حق کے خلاف جدوجہد کرتے ہیں اور یہ سب کچھ اس بات کی سزا ہے کہ انہوں نے اپنے حقیقی دوست اور سرپرست سے منہ موڑ کر اپنے دشمن کو دوست بنالیا اور اپنے آپ کو اس کے تسلط میں دے دیا۔ ورنہ اگر وہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آتے اور اس پر بھروسہ کرتے تو شیطان ان پر کبھی تسلط قائم نہ کر سکتا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿اِنَّهٗ لَيْسَ لَهٗ سُلْطٰنٌ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿۹۹﴾ اِنَّمَا سُلْطٰنُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يَتَوَلَّوْنَهٗ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِهٖ مُشْرِكُوْنَ ﴿۱۰۰﴾﴾ "ان لوگوں پر یقیناً اس کا کوئی غلبہ نہیں جو ایمان لائے اور جو اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں۔ اس کا زور تو صرف ان ہی پر چلتا ہے جو اس سے دوستی رکھتے ہیں اور جو اس (اللہ تعالیٰ) کے ساتھ شریک کرنے والے ہیں۔" (النحل:99,100)(تفسیر سعدی:1596/2)

(5) سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "قیامت کے روز سب سے پہلے ابلیس کو آگ کا لباس پہنایا جائے گا۔ وہ اسے اپنی پیشانی پر رکھ کر پیچھے سے گھسیٹتا پھرے گا۔ اس کی اولاد یعنی اس کے پیروکار اس کے پیچھے پیچھے ہوں گے، ابلیس اپنی موت اور ہلاکت کو پکارتا پھر رہا ہو گا اس کے پیروکار بھی کہیں گے ہائے موت! اس وقت ان سے کہا جائے گا: "آج ایک موت کو نہیں، بہت سی موتوں کو پکارو" (فرقان:14)(ابن کثیر:415/3)

﴿فَلَا تَعْجَلْ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّمَا نَعُدُّ لَهُمْ عَدًّا﴾

’’چنانچہ آپ ان پر جلدی نہ کریں یقیناً ہم اُن کے لیے دن شمار کر رہے ہیں، اچھی طرح شمار کرنا‘‘ (84)

سوال 1: ﴿فَلَا تَعۡجَلۡ عَلَيۡهِمۡ ؕ اِنَّمَا نَعُدُّ لَهُمۡ عَدًّا﴾ ’’چنانچہ آپ ان پر جلدی نہ کریں یقیناً ہم اُن کے لیے دن شمار کر رہے ہیں، اچھی طرح شمار کرنا‘‘ اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿فَلَا تَعۡجَلۡ عَلَيۡهِمۡ﴾ ’’چنانچہ آپ ان پر جلدی نہ کریں‘‘ یعنی آپ ان کافروں کے بارے میں جلدی نہ کریں جو عذاب کے لیے جلدی مچاتے ہیں۔

(2) ﴿اِنَّمَا نَعُدُّ لَهُمۡ عَدًّا﴾ ’’یقیناً ہم اُن کے لیے دن شمار کر رہے ہیں، اچھی طرح شمار کرنا‘‘ یعنی اس کے لئے دن مقرر کر دیئے گئے ہیں جن میں کوئی تقدیم ہوگی نہ تاخیر۔ ہم انہیں کچھ مدت کے لئے مہلت دے کر بردباری سے کام لے رہے ہیں تا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کریں۔ جب اس مہلت کا کوئی فائدہ نہ ہوا تو ہم اسے ایک غالب اور مقتدر ہستی کی طرح اپنی گرفت میں لے لیں گے۔ (سعدی: 1596/2)

(3) رب العزت کا فرمان ہے: ﴿وَلَا تَحۡسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا يَعۡمَلُ الظّٰلِمُوۡنَ ؕ اِنَّمَا يُؤَخِّرُهُمۡ لِيَوۡمٍ تَشۡخَصُ فِيۡهِ الۡاَبۡصَارُ﴾ ’’اور آپ اللہ تعالیٰ کو ہرگز غافل خیال نہ کریں اس سے جو ظالم کرتے ہیں بلاشبہ اللہ تعالیٰ انہیں اس دن کے لیے ڈھیل دے رہا ہے جس میں نگاہیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی۔‘‘ (ابراہیم: 42)

(4) اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کے اعمال لکھوانے کے لیے فرشتے مقرر کیے ہوئے ہیں جیسا کہ اس نے فرمایا: ﴿اِنۡ كُلُّ نَفۡسٍ لَّمَّا عَلَيۡهَا حَافِظٌ﴾ ’’مگر ہر جان کے اوپر ایک محافظ ہے۔‘‘ (الطارق: 4)

(5) اس کے مقابلے میں جب انسان کو یہ شعوری طور پر محسوس ہونے لگتا ہے کہ کوئی اُس کے اعمال کی نگرانی کر رہا ہے اور اس کی غلطیاں ریکارڈ ہو رہی ہیں تو اسے ہر وقت خوف لاحق رہتا ہے۔ یوں اس کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹنے کا امکان پیدا ہو جاتا ہے۔

﴿يَوۡمَ نَحۡشُرُ الۡمُتَّقِيۡنَ اِلَى الرَّحۡمٰنِ وَفۡدًا﴾

’’جس دن ہم متقیوں کو مہمان بنا کر رحمٰن کی طرف جمع کریں گے‘‘ (85)

سوال 1: ﴿يَوۡمَ نَحۡشُرُ الۡمُتَّقِيۡنَ اِلَى الرَّحۡمٰنِ وَفۡدًا﴾ ’’جس دن ہم متقیوں کو مہمان بنا کر رحمٰن کی طرف جمع کریں گے‘‘ اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿يَوۡمَ نَحۡشُرُ الۡمُتَّقِيۡنَ اِلَى الرَّحۡمٰنِ وَفۡدًا﴾ ’’جس دن ہم متقیوں کو مہمان بنا کر رحمٰن کی طرف جمع کریں گے‘‘ متقی اہل ایمان جو اللہ تعالیٰ سے ثواب کی امید رکھ کر اس کی اطاعت کرتے ہیں، جو اس سے محبت رکھتے ہیں، جو اس کی خشیت رکھتے ہیں، جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں، جو اللہ تعالیٰ کے عذاب کے خوف سے اس کے نواہی سے رکتے ہیں ان کی جزا کا بیان ہے۔

(2) اللہ تعالیٰ کا ڈر انسان کے لیے نہایت مفید ہے۔ (i) اللہ تعالیٰ کا ڈر انسان کے ذہن سے ہر ہستی کے خوف کو نکال دیتا ہے۔ (ii) اللہ تعالیٰ کا

ڈرانسان کو بُرائیوں اور ربّ کی نافرمانیوں سے بچالیتا ہے۔(iii) اللہ تعالیٰ کا ڈر انسان کو ربّ کا پسندیدہ بنا دیتا ہے۔(iv) ایسے ہی لوگ ربّ کے مہمان بن جاتے ہیں۔(v) اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والوں کو قیامت کے روز مہمان کی صورت ہی لے جایا جائے گا۔

(3) اللہ تبارک وتعالیٰ دونوں گروہوں، یعنی متقین ومجرمین کے درمیان تفاوت بیان کرتا ہے۔اللہ تعالیٰ متقین کو، ان کے شرک وبدعات اور دیگر گناہوں سے بچنے کے سبب سے، قیامت کے روز، اکرام وتعظیم کے ساتھ اکٹھا کرے گا اور وہ وفود کی صورت میں اللہ تعالیٰ کی خدمت میں حاضر ہوں گے۔ان کی منزل اور ان کا مطلوب ومقصود رحمٰن ومنّان ہوگا اور یہ ضروری ہے کہ آنے والے کا دل امید سے لبریز ہو اور جس کے پاس آیا ہے اس پر حسن ظن ہو۔پس اہل تقویٰ، اللہ تعالیٰ کی رحمت کے بے پایاں احسان کی امید رکھتے ہوئے اور اس کی رضا کے گھر میں اس کی نوازشوں سے فیض یاب ہوتے ہوئے، اس کی خدمت میں حاضر ہوں گے اور اس کا سبب ان کے وہ نیک اعمال ہوں گے جو انہوں نے آگے بھیجے اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کی رضا کی اتباع کی اور بے شک اللہ تعالیٰ نے بھی اپنے انبیاء ورسل کی زبان پر ان کے لئے اس ثواب کا عہد کر رکھا ہے۔پس وہ نہایت اطمینان کے ساتھ اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہوئے اس کی طرف رواں دواں ہوں گے۔(تفسیر سعدی:1597/2)

(4) متقین کے بہترین انجام کے بارے میں رب العزت نے فرمایا:﴿اِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ مَفَازًا (31) حَدَآئِقَ وَاَعْنَابًا (32) وَّكَوَاعِبَ اَتْرَابًا (33) وَّكَاْسًا دِهَاقًا (34) لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا وَّلَا كِذّٰبًا (35) جَزَآءً مِّنْ رَّبِّكَ عَطَآءً حِسَابًا (36)﴾ ''یقیناً اللہ تعالیٰ سے ڈر جانے والوں کے لیے کامیابی کا ایک مقام ہے۔باغات اور انگور ہیں۔اور نوخیز ہم عمر لڑکیاں ہیں۔اور چھلکتے ہوئے جام ہیں۔اُس میں نہ وہ کوئی لغو سنیں گے اور نہ کوئی جھوٹ۔تیرے رب کی جناب سے یہ بدلہ ہے جو کافی انعام ہے۔'' (النبا:31,36)

﴿وَّنَسُوْقُ الْمُجْرِمِيْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ وِرْدًا﴾

''اور ہم مجرموں کو جہنم کی طرف پیاسا ہانکیں گے'' (86)

سوال1:﴿وَّنَسُوْقُ الْمُجْرِمِيْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ وِرْدًا﴾ ''اور ہم مجرموں کو جہنم کی طرف پیاسا ہانکیں گے'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿وَّنَسُوْقُ الْمُجْرِمِيْنَ﴾ ''اور ہم مجرموں کو ہانکیں گے'' یعنی جنہوں نے اللہ تعالیٰ کا انکار کیا، جنہوں نے شرک اور نافرمانی کے کام کیے۔

(2)﴿اِلٰى جَهَنَّمَ وِرْدًا﴾ ''جہنم کی طرف پیاسا'' انہیں پیاسا جہنم کی طرف ہانکا جائے گا۔

(3) رہے مجرم، تو ان کو پیاسا ہی جہنم کی طرف ہانکا جائے گا اور یہ ان کی بدترین حالت ہوگی کہ ان کو انتہائی ذلت ورسوائی کے ساتھ سب سے بڑے قید خانے اور بدترین عذاب میں، یعنی جہنم میں دھکیل دیا جائے گا۔وہ تھکے ماندے، سخت پیاسے ہوں گے، وہ مدد کے لئے پکاریں گے مگر ان کی مدد کی نہ جائے گی، وہ دعائیں کریں گے مگر ان کی دعائیں قبول نہ ہوں گی اور وہ سفارش تلاش کریں گے مگر ان کی سفارش نہ کی

جائے گی۔(تفسیر سعدی:1597/2)

(4)رب العزت نے فرمایا:﴿ثُمَّ اِنَّكُمۡ اَيُّهَا الضَّآلُّوۡنَ الۡمُكَذِّبُوۡنَ (۵۱) لَاٰكِلُوۡنَ مِنۡ شَجَرٍ مِّنۡ زَقُّوۡمٍ (۵۲) فَمَالِـُٔوۡنَ مِنۡهَا الۡبُطُوۡنَ (۵۳) فَشٰرِبُوۡنَ عَلَيۡهِ مِنَ الۡحَمِيۡمِ (۵۴) فَشٰرِبُوۡنَ شُرۡبَ الۡهِيۡمِ (۵۵) هٰذَا نُزُلُهُمۡ يَوۡمَ الدِّيۡنِ (۵۶)﴾ پھر بلاشبہ تم ہی اے گمراہو! جھٹلانے والو! یقیناً تھوہر کا درخت کھانے والے ہو۔ پھر اسی سے پیٹ بھرنے والے ہو۔ پھر اس پر کھولتے ہوئے پانی سے پینے والے ہو۔ پھر پیاس کی بیماری والے اونٹ کی طرح پینے والے ہو۔ یہی ہے اُن کی مہمانی بدلے کے دن۔(الواقعہ:51-56)

(5)﴿هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِيۡ يُكَذِّبُ بِهَا الۡمُجۡرِمُوۡنَ (۴۳) يَطُوۡفُوۡنَ بَيۡنَهَا وَبَيۡنَ حَمِيۡمٍ اٰنٍ (۴۴) فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ (۴۵)﴾ ''یہ وہی جہنم ہے جس کو مجرم لوگ جھٹلایا کرتے تھے۔ اُس کے اور کھولتے گرم پانی کے درمیان میں وہ چکر کھاتے رہیں گے۔ پس اے جن وانس! تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟''(الرحمٰن:43,45)

﴿لَا يَمۡلِكُوۡنَ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنۡدَ الرَّحۡمٰنِ عَهۡدًا﴾

''اُنہیں کسی سفارش کا اختیار نہیں ہوگا مگر جنہوں نے رحمٰن سے کوئی عہد لے رکھا ہے''(87)

سوال1:﴿لَا يَمۡلِكُوۡنَ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنۡدَ الرَّحۡمٰنِ عَهۡدًا﴾ ''اُنہیں کسی سفارش کا اختیار نہیں ہوگا مگر جنہوں نے رحمٰن سے کوئی عہد لے رکھا ہے'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿لَا يَمۡلِكُوۡنَ الشَّفَاعَةَ﴾ ''اُنہیں کسی سفارش کا اختیار نہیں ہوگا'' یعنی وہ سفارش کے مالک نہیں ہوں گے، نہ ہی انہیں سفارش کا کوئی اختیار ہوگا کیونکہ رب العزت کا فرمان ہے:﴿قُلۡ لِّلّٰهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيۡعًا﴾ ''آپ کہہ دیں کہ سفارش ساری کی ساری اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔''(الزمر:44)

(2)﴿اِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنۡدَ الرَّحۡمٰنِ عَهۡدًا﴾ ''مگر جنہوں نے رحمٰن سے کوئی عہد لے رکھا ہے'' سفارش کرنے والوں کی سفارش ان ہی کے کام آئے گی جنہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں پر ایمان کے ذریعے اور اس کی اطاعت کے ذریعے اللہ تعالیٰ سے عہد لیا۔ پھر وہ ان لوگوں میں شامل ہوگا جن سے رحمٰن راضی ہے۔ رب العزت نے فرمایا:﴿يَعۡلَمُ مَا بَيۡنَ اَيۡدِيۡهِمۡ وَمَا خَلۡفَهُمۡ وَلَا يَشۡفَعُوۡنَ ۙ اِلَّا لِمَنِ ارۡتَضٰى وَهُمۡ مِّنۡ خَشۡيَتِهٖ مُشۡفِقُوۡنَ (۲۸)﴾ ''وہ جانتا ہے جو اُن کے سامنے ہے اور جو اُن کے پیچھے ہے اور وہ سفارش نہیں کرتے مگر اس کے لیے جسے اللہ تعالیٰ پسند کرے اور وہ اس کے خوف سے ڈرنے والے ہیں۔''(الانبیاء:28)

سوال2: رحمٰن کے عہد سے کیا مراد ہے؟

جواب:(1) رحمٰن کے عہد سے مراد ایمان اور رسولوں کی اتباع ہے۔ رحمٰن کے عہد میں بندھے ہوئے لوگوں کو ہی جزا ملے گی۔

(2) عہد کا مطلب ایمان اور تقویٰ ہے۔ اللہ تعالیٰ کے یہاں سفارش کی اجازت اہل ایمان اور اہل تقویٰ کو ہوگی۔

(3) سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ہر نبی کے لئے ایک دعا ہوتی ہے جو ضرور قبول کی جاتی ہے تو ہر نبی نے جلدی کی کہ اپنی اس دعا کو (دنیا ہی میں) مانگ لیا ہے اور میں نے اپنی دعا کو قیامت کے دن اپنی امت کی شفاعت کے لیے سنبھال رکھا ہے اور اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو میری شفاعت میری امت کے ہر اس آدمی کے لیے ہوگی جو اس حال میں مرگیا کہ اس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرایا ہو۔ (صحیح مسلم:491)

﴿وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحۡمٰنُ وَلَدًا﴾

''اور اُنہوں نے کہا کہ رحمٰن نے کسی کو بیٹا بنایا ہے'' (88)

سوال 1: ﴿وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحۡمٰنُ وَلَدًا﴾ ''اور اُنہوں نے کہا کہ رحمٰن نے کسی کو بیٹا بنایا ہے'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحۡمٰنُ وَلَدًا﴾ ''اور اُنہوں نے کہا کہ رحمٰن نے کسی کو بیٹا بنایا ہے'' یعنی عیسائی کہتے ہیں کہ رحمٰن نے اپنا بیٹا بنالیا ہے۔ وہ کہتے ہیں: ﴿الۡمَسِيۡحُ ابۡنُ اللّٰهِ﴾ ''مسیح اللہ تعالیٰ کا بیٹا ہے۔'' (التوبہ:30)

(2) اور یہودی کہتے ہیں ﴿عُزَيۡرُ ۨ ابۡنُ اللّٰهِ﴾ ''عزیر اللہ تعالیٰ کا بیٹا ہے۔'' (التوبہ:30)

(3) اور مشرکین کہتے ہیں فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں۔ (4) اللہ تعالیٰ پاک ہے اور ان کی باتوں سے بہت بلند اور بڑا ہے۔

سوال 2: لوگ کیوں رحمان کے لئے بیٹا تجویز کرتے ہیں؟

جواب: (1) جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ جیسے ہمیں مددگاروں کی ضرورت ہے ایسے ہی ربّ کو بھی ضرورت ہے تو وہ ربّ کے لیے بیٹا تلاش کرتے ہیں۔ (2) جو لوگ خود بیٹوں کی تمنا رکھتے ہیں وہ بھی یہ سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو بھی بیٹوں کی تمنا ہے۔

﴿لَقَدۡ جِئۡتُمۡ شَيۡـًٔا اِدًّا﴾

''بلاشبہ تم یقیناً بڑی بھاری بات کو آئے ہو'' (89)

سوال 1: ﴿لَقَدۡ جِئۡتُمۡ شَيۡـًٔا اِدًّا﴾ ''بلاشبہ تم یقیناً بڑی بھاری بات کو آئے ہو'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ''بلاشبہ تم یقیناً بڑی بھاری بات کو آئے ہو'' (i) اللہ تعالیٰ نے شرک کو من گھڑت، بے بنیاد اور بے ہودہ قرار دیا ہے۔ (ii) اللہ تعالیٰ کو مخلوق جیسا سمجھنا ہی سخت بے ہودہ ہے۔ کیسے ممکن ہے کہ جس نے پوری کائنات تخلیق کی ہو اُسے کوئی کمی لاحق ہو جائے اور پھر وہ اولاد کی تمنا کرنے لگے یا اولاد بنالے؟

(2) سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ پاک نے فرمایا ہے کہ ابن آدم نے مجھے جھٹلایا حالانکہ یہ اس کے لیے مناسب نہ تھا۔ اس نے مجھے گالی دی حالانکہ یہ اس کا حق نہیں تھا۔ مجھے جھٹلانا یہ ہے کہ کہتا ہے کہ میں اسے دوبارہ زندہ نہیں کرسکتا حالانکہ

میں نے اسے پہلی دفعہ پیدا کیا تھا۔اس کا گالی دینا یہ ہے کہ کہتا ہے اللہ تعالیٰ نے بیٹا بنا لیا ہے حالانکہ میں بے پرواہ ہوں، میرے ہاں نہ کوئی اولاد ہے نہ میں کسی کی اولاد اور نہ کوئی میرے برابر کا ہے۔(صحیح بخاری:4975)

(3) سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے پوچھا: کون سا گناہ اللہ تعالیٰ کے یہاں سب سے بڑا ہے؟ فرمایا: تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور کو شریک ٹھہراؤ حالانکہ اس نے تمہیں پیدا کیا ہے۔ میں نے کہا: یہ تو بہت بڑی بات ہے۔ میں نے کہا: پھر کون سا؟ فرمایا: یہ کہ تم اپنے بچے کو اس خطرہ کی وجہ سے قتل کر دو کہ وہ تمہارے ساتھ کھائے گا۔ میں نے عرض کیا: پھر کون سا؟ فرمایا یہ کہ تم اپنے پڑوسی کی بیوی سے زنا کرو۔(صحیح بخاری:7520)

﴿تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرۡنَ مِنۡهُ وَتَنۡشَقُّ الۡاَرۡضُ وَتَخِرُّ الۡجِبَالُ هَدًّا﴾

''قریب ہے کہ اس سے آسمان پھٹ جائیں اور زمین شق ہو جائے اور پہاڑ ٹکڑے ٹکڑے ہو کر گر پڑیں''(90)

سوال1:﴿تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرۡنَ مِنۡهُ وَتَنۡشَقُّ الۡاَرۡضُ وَتَخِرُّ الۡجِبَالُ هَدًّا﴾''قریب ہے کہ اس سے آسمان پھٹ جائیں اور زمین شق ہو جائے اور پہاڑ ٹکڑے ٹکڑے ہو کر گر پڑیں''اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرۡنَ مِنۡهُ﴾''قریب ہے کہ اس سے آسمان پھٹ جائیں''یعنی ان کے بے ہودہ قول سے قریب ہے کہ آسمان اتنا عظیم ہونے کے باوجود پھٹ جائے۔

(2)﴿وَتَنۡشَقُّ الۡاَرۡضُ﴾''اور زمین شق ہو جائے''اور زمین پھٹ کر ریزہ ریزہ ہو جائے۔

(3)﴿وَتَخِرُّ الۡجِبَالُ هَدًّا﴾''اور پہاڑ ٹکڑے ٹکڑے ہو کر گر پڑیں''اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو کر برابر ہو جائیں۔

(4) انسان نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کی اولاد ہے اس بات پر کائنات میں زلزلہ آیا ہوا ہے۔اس زلزلے سے آسمان پھٹ سکتے ہیں، پہاڑ ریزہ ریزہ ہو سکتے ہیں۔کائنات کی ہر چیز کے ردّعمل سے شرک کی بنیاد ہی ہل گئی ہے۔(قرآناً عجباً)

(5) رب العزت نے فرمایا:﴿لَقَدۡ كَفَرَ الَّذِيۡنَ قَالُوۡۤا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ‌ ۘ وَمَا مِنۡ اِلٰهٍ اِلَّاۤ اِلٰـهٌ وَّاحِدٌ‌ ؕ وَاِنۡ لَّمۡ يَنۡتَهُوۡا عَمَّا يَقُوۡلُوۡنَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا مِنۡهُمۡ عَذَابٌ اَلِيۡمٌ﴾''بلا شبہ یقیناً اُن لوگوں نے کفر کیا جنہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ تین میں سے تیسرا ہے حالانکہ اس ایک ہی معبود کے سوا اور کوئی معبود نہیں، اور اگر وہ اس بات سے باز نہ آئے جو وہ کہتے ہیں تو ان لوگوں میں سے جنہوں نے کفر کیا ہے انہیں ضرور بہ ضرور دردناک عذاب پہنچے گا۔''(المائدہ:73)

(6) رب العزت نے فرمایا:﴿اَفَلَا يَتُوۡبُوۡنَ اِلَى اللّٰهِ وَيَسۡتَغۡفِرُوۡنَهٗ‌ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ﴾''تو کیا وہ اللہ تعالیٰ سے توبہ نہیں کریں گے اور وہ اس سے بخشش نہیں مانگیں گے؟ اور اللہ تعالیٰ بے حد بخشنے والا، نہایت رحم والا ہے۔''(المائدہ:74)

﴿اَنۡ دَعَوۡا لِلرَّحۡمٰنِ وَلَدًا﴾

''کہ انہوں نے رحمٰن کے لیے کسی اولاد کا دعویٰ کیا ہے''(91)

سوال1:﴿اَنۡ دَعَوۡا لِلرَّحۡمٰنِ وَلَدًا﴾''کہ انہوں نے رحمٰن کے لیے کسی اولاد کا دعویٰ کیا ہے''اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحۡمٰنُ وَلَدًا﴾''کہ انہوں نے رحمٰن کے لیے کسی اولاد کا دعویٰ کیا ہے''لوگوں نے اپنے شعور کے نقص کی وجہ سے رحمٰن کے لیے انسان اور دوسری مخلوقات کی طرح اولاد ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔

﴿وَمَا يَنۡۢبَغِيۡ لِلرَّحۡمٰنِ اَنۡ يَّتَّخِذَ وَلَدًا﴾

''حالانکہ رحمٰن کے لائق نہیں کہ وہ کسی کو اولاد بنائے''(92)

سوال1:﴿وَمَا يَنۡۢبَغِيۡ لِلرَّحۡمٰنِ اَنۡ يَّتَّخِذَ وَلَدًا﴾''حالانکہ رحمٰن کے لائق نہیں کہ وہ کسی کو اولاد بنائے''اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)''حالانکہ رحمٰن کے لائق نہیں کہ وہ کسی کو اولاد بنائے''رحمٰن کے لائق نہیں اور نہ یہ ہوسکتا ہے کہ اس کی کوئی اولاد ہو۔

(2)اولاد بنانا نقص کی دلیل ہے جب کہ اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے۔مخلوق میں اس کے مثل کوئی نہیں۔ساری مخلوق اس کی غلام ہے۔

(3)رب العزت کا فرمان ہے:﴿قُلۡ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ﴿۱﴾ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ﴿۲﴾ لَمۡ يَلِدۡ وَلَمۡ يُوۡلَدۡ ﴿۳﴾ وَلَمۡ يَكُنۡ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ﴿۴﴾﴾''آپ کہہ دیجیے وہ اللہ ایک ہی ہے۔اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے۔نہ اُس نے کسی کو جنا نہ وہ کسی سے جنا گیا۔اور نہ کبھی کوئی ایک اُس کے برابر کا ہے۔''(اخلاص:1,4)

﴿اِنۡ كُلُّ مَنۡ فِي السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ اِلَّاۤ اٰتِي الرَّحۡمٰنِ عَبۡدًا﴾

''آسمان اور زمین میں جو کوئی بھی ہے،رحمٰن کے پاس غلام بن کر ہی آنے والا ہے''(93)

سوال1:﴿اِنۡ كُلُّ مَنۡ فِي السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ اِلَّاۤ اٰتِي الرَّحۡمٰنِ عَبۡدًا﴾''آسمان اور زمین میں جو کوئی بھی ہے،رحمٰن کے پاس غلام بن کر ہی آنے والا ہے۔''اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿اِنۡ كُلُّ مَنۡ فِي السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ اِلَّاۤ اٰتِي الرَّحۡمٰنِ عَبۡدًا﴾''آسمان اور زمین میں جو کوئی بھی ہے،رحمٰن کے پاس غلام بن کر ہی آنے والا ہے۔''زمین وآسمان کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کے حضور بندوں کی حیثیت میں حاضر ہونے والی ہے۔

(2)زمین وآسمان کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتی ہے اور اسی کے آگے جھکتی ہے۔

(3)قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ہر ایک کو اکٹھا کر کے اپنے سامنے حاضر کریں گے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:﴿وَّقُلۡنَا مِنۡۢ بَعۡدِهٖ لِبَنِيۡۤ اِسۡرَآءِيۡلَ اسۡكُنُوا الۡاَرۡضَ فَاِذَا جَآءَ وَعۡدُ الۡاٰخِرَةِ جِئۡنَا بِكُمۡ لَفِيۡفًا﴾''اور اس کے بعد ہم نے بنی اسرائیل سے کہا کہ تم

اس زمین میں رہو پھر جب آخرت کا وعدہ آجائے گا تو ہم تم سب کو اکٹھا کر کے لائیں گے۔" (بنی اسرائیل:104)

﴿لَقَدْ اَحْصٰىهُمْ وَعَدَّهُمْ عَدًّا﴾

"بلاشبہ یقیناً اُس نے ان کا احاطہ کر رکھا ہے اور اُس نے ان سب کو خوب اچھی طرح شمار کر کے گن رکھا ہے" (94)

سوال 1: ﴿لَقَدْ اَحْصٰىهُمْ وَعَدَّهُمْ عَدًّا﴾ "بلاشبہ یقیناً اُس نے ان کا احاطہ کر رکھا ہے اور اُس نے ان سب کو خوب اچھی طرح شمار کر کے گن رکھا ہے" اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿لَقَدْ اَحْصٰىهُمْ وَعَدَّهُمْ عَدًّا﴾ "بلاشبہ یقیناً اُس نے ان کا احاطہ کر رکھا ہے اور اُس نے ان سب کو خوب اچھی طرح شمار کر کے گن رکھا ہے" اللہ تعالیٰ نے واضح کیا ہے کہ ہر کو چیز اس نے گن رکھا ہے۔ نہ کوئی اس سے بھاگ سکتا ہے، نہ کوئی اس کے قابو سے باہر نکل سکتا ہے، نہ وہ کسی کو بھول سکتا ہے۔ اس نے ہر چیز کو گھیرے میں لے رکھا ہے۔

(2) اللہ تعالیٰ نے اپنے علم سے ان کو اور ان کے اعمال کو شمار کر رکھا ہے، نہ وہ بھولتا ہے اور نہ اس سے کچھ بھی چھپا ہوا ہے۔

﴿وَكُلُّهُمْ اٰتِيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَرْدًا﴾

"اور اُن میں سے ہر ایک قیامت کے دن اس کے پاس اکیلا آنے والا ہے" (95)

سوال 1: ﴿وَكُلُّهُمْ اٰتِيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَرْدًا﴾ "اور اُن میں سے ہر ایک قیامت کے دن اس کے پاس اکیلا آنے والا ہے" اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَكُلُّهُمْ اٰتِيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَرْدًا﴾ "اور اُن میں سے ہر ایک قیامت کے دن اس کے پاس اکیلا آنے والا ہے" ہر ایک قیامت کے دن فرداً فرداً اللہ تعالیٰ کے آگے حاضر ہوگا اور کسی کا اس کے سوا کوئی مددگار نہ ہوگا۔

(2) یعنی کسی کے ساتھ نہ اس کا مال ہوگا نہ مددگار صرف اس کے عمل ہی اس کے ساتھ ہوں گے جن کا اللہ تعالیٰ پورا پورا بدلہ دے گا۔

(3) رب العزت نے فرمایا: ﴿وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰى كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّتَرَكْتُمْ مَّا خَوَّلْنٰكُمْ وَرَآءَ ظُهُوْرِكُمْ ۚ وَمَا نَرٰى مَعَكُمْ شُفَعَآءَكُمُ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ اَنَّهُمْ فِيْكُمْ شُرَكٰٓؤُا ۭ لَقَدْ تَّقَطَّعَ بَيْنَكُمْ وَضَلَّ عَنْكُمْ مَّا كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ﴾ "اور بلاشبہ تم ہمارے پاس یقیناً اکیلے آگئے ہو جیسا کہ ہم نے تمہیں پہلی بار پیدا کیا تھا اور جو بھی ہم نے تمہیں دیا تھا تم اپنی پشتوں کے پیچھے چھوڑ آئے ہو اور ہم تمہارے ساتھ تمہارے ان سفارشیوں کو بھی نہیں دیکھتے جن کے متعلق تمہارا گمان تھا کہ یقیناً وہ تمہارا کام بنانے میں حصہ دار ہیں بلاشبہ تمہارا رشتہ یقیناً ٹوٹ گیا اور تم سے وہ سب گم ہو گئے جن کو تم گمان کیا کرتے تھے۔" (الانعام:94)

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا﴾

’’یقیناً جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے نیکیاں کی ہیں جلد ہی رحمٰن اُن کے لیے محبت پیدا کر دے گا‘‘ (96)

سوال 1: ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا﴾ ’’یقیناً جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے نیکیاں کی ہیں جلد ہی رحمٰن اُن کے لیے محبت پیدا کر دے گا‘‘ اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ﴾ ’’یقیناً جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے نیکیاں کی ہیں‘‘ یعنی جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان لائے، جنہوں نے اس کی اطاعت کی اور فرائض اور نوافل ادا کیے۔

(2) ﴿سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا﴾ ’’جلد ہی رحمٰن اُن کے لیے محبت پیدا کر دے گا‘‘ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے ان بندوں پر انعام ہے جنہوں نے ایمان و عمل صالح کو جمع کیا کہ وہ ان کے لئے اپنے اولیاء اور زمین و آسمان کے رہنے والوں کے دلوں میں محبت اور مودت ڈال دیتا ہے۔ جب ان کے بارے میں دلوں میں محبت ہو جاتی ہے تو ان کے اکثر معاملات ان کے لیے آسان ہو جاتے ہیں اور ان کو بھلائی، دعائیں، راہنمائی اور امامت حاصل ہو جاتی ہے۔ (تفسیر سعدی: 1599/2)

(3) دُنیا میں اہل ایمان کی نیکی اور پرہیزگاری کی وجہ سے ان کی محبت لوگوں کے دلوں میں پیدا کر دی جاتی ہے۔

(4) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو جبریل علیہ السلام کو آواز دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ فلاں بندے سے محبت کرتا ہے تم بھی اس سے محبت کرو۔ جبریل علیہ السلام بھی اس سے محبت کرنے لگتے ہیں، پھر وہ تمام آسمان والوں میں آواز دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فلاں بندہ سے محبت کرتا ہے تم بھی اس سے محبت کرو۔ پھر تمام آسمان والے محبت کرنے لگتے ہیں۔ اس کے بعد وہ زمین میں بھی اللہ تعالیٰ کے بندوں کا مقبول اور محبوب بن جاتا ہے۔ (صحیح بخاری: 6040)

(5) سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے: بندہ جو بھلائی برائی کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے اس کی چادر اوڑھا دیتا ہے۔ سیدنا حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے ارادہ کیا کہ میں اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کروں گا کہ تمام لوگوں میں میری نیکی کی شہرت ہو جائے۔ اب وہ عبادت الٰہی کی طرف جھک پڑا۔ جب دیکھو نماز کے لیے مسجد میں سب سے اول آئے اور سب کے بعد جائے اسی طرح سات ماہ اسے گزر گئے لیکن اس نے جب بھی سنا یہی سنا کہ لوگ اسے ریاکار کہتے ہیں۔ اس نے یہ حالت دیکھ کر اب اپنے جی میں عہد کر لیا کہ میں صرف اللہ کی خوشنودی کے لئے عمل کروں گا کسی عمل میں تو نہ بڑھا لیکن خلوص کے ساتھ اعمال شروع کر دیئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ تھوڑے ہی دنوں میں ہر شخص کی زبان سے نکلنے لگا کہ اللہ تعالیٰ فلاں شخص پر رحم فرمائے اب تو وہ واقعی اللہ والا بن گیا ہے۔ پھر آپ نے اسی آیت کی تلاوت فرمائی۔ (تفسیر ابن کثیر: 342)

﴿فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِيْنَ وَتُنْذِرَ بِهٖ قَوْمًا لُّدًّا﴾

’’سو یقیناً ہم نے اس (قرآن) کو آپ کی زبان پر آسان کر دیا ہے تا کہ آپ اس کے ساتھ پرہیزگاروں کو خوش خبری سنائیں اور ان لوگوں کو اُس کے ساتھ ڈرائیں جو سخت جھگڑالو ہیں‘‘ (97)

سوال1:﴿فَإِنَّمَا يَسَّرۡنٰهُ بِلِسَانِكَ لِتُبَشِّرَ بِهِ الۡمُتَّقِيۡنَ وَتُنۡذِرَ بِهٖ قَوۡمًا لُّدًّا﴾ ”سو یقیناً ہم نے اس (قرآن) کو آپ کی زبان پر آسان کر دیا ہے تا کہ آپ اس کے ساتھ پرہیزگاروں کو خوش خبری سنائیں اور ان لوگوں کو اُس کے ساتھ ڈرائیں جو سخت جھگڑالو ہیں۔“ اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1)﴿فَإِنَّمَا يَسَّرۡنٰهُ بِلِسَانِكَ﴾ ”سو یقیناً ہم نے اس (قرآن) کو آپ کی زبان پر آسان کر دیا ہے“ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی نعمت کے بارے میں آگاہ فرماتا ہے کہ اس نے رسول اللہ ﷺ کی زبان اقدس پر اس قرآن کریم کو آسان کیا۔ اس کے الفاظ و معانی کو عام فہم بنایا تا کہ مقصد حاصل ہو اور اس سے فائدہ اٹھایا جا سکے۔ (تفسیر سعدی:1600/2)

(2) قرآن کو آسان کرنے کا مطلب قرآن حکیم کو پیغمبر کی زبان میں اُتارنا اور اس کے مضامین کو واضح کرنا ہے۔ قرآن حکیم کو خوش خبریاں دینے اور بُرے انجام سے ڈرانے کے لیے آسان کیا گیا ہے۔

(3) رب العزت کا فرمان ہے:﴿وَلَقَدۡ يَسَّرۡنَا الۡقُرۡاٰنَ لِلذِّكۡرِ فَهَلۡ مِنۡ مُّدَّكِرٍ﴾ ”اور بلاشبہ یقیناً ہم نے قرآن کو نصیحت کے لیے آسان کر دیا ہے، تو کیا ہے کوئی نصیحت قبول کرنے والا؟“ (القمر:17)

(4)﴿لِتُبَشِّرَ بِهِ الۡمُتَّقِيۡنَ﴾ ”تا کہ آپ اس کے ساتھ پرہیزگاروں کو خوش خبری سنائیں“ یعنی آپ متقین کو جنت اور ہمیشہ رہنے والی نعمتوں اور دنیا میں عزت کی بشارت دیں۔ (الثعالبی:42/4)

(5)﴿وَتُنۡذِرَ بِهٖ قَوۡمًا لُّدًّا﴾ ”اور ان لوگوں کو اُس کے ساتھ ڈرائیں جو سخت جھگڑالو ہیں“ یعنی فاجروں کو ڈرائیں اور وہ کفار قریش تھے۔

(6) تا کہ آپ دنیاوی اور اخروی ثواب کی ترغیب کے ذریعے سے متقین کو بشارت دیں اور ان اسباب کا ذکر کریں جو بشارت کے موجب ہیں۔﴿وَتُنۡذِرَ بِهٖ قَوۡمًا لُّدًّا﴾ تا کہ آپ ان لوگوں کو ڈرائیں جو اپنے باطل میں نہایت سخت اور اپنے کفر میں نہایت قوی ہیں۔ اس طرح ان پر حجت قائم ہوگی اور ان کے سامنے صراط مستقیم واضح ہو جائے گی۔ تب جو کوئی ہلاک ہوگا تو دلیل کی بنیاد پر ہلاک ہوگا اور جو کوئی زندہ رہے گا تو دلیل کی طاقت سے زندہ رہے گا۔ (تفسیر سعدی:1600/2)

(7) قرآن مجید کے نزول کا مقصد واضح کرتے ہوئے رب العزت نے فرمایا:﴿تَنۡزِيۡلَ الۡعَزِيۡزِ الرَّحِيۡمِ ۝ لِتُنۡذِرَ قَوۡمًا مَّاۤ اُنۡذِرَ اٰبَآؤُهُمۡ فَهُمۡ غٰفِلُوۡنَ ۝﴾ ”یہ سب پر غالب، نہایت رحم والے کی جانب سے نازل کیا ہوا ہے۔ تا کہ آپ اس قوم کو خبردار کر دیں جن کے باپ دادا کو خبردار نہ کیا گیا تھا تو وہ غافل ہیں۔“ (یٰسین:5,6)

﴿وَكَمۡ اَهۡلَكۡنَا قَبۡلَهُمۡ مِّنۡ قَرۡنٍ ؕ هَلۡ تُحِسُّ مِنۡهُمۡ مِّنۡ اَحَدٍ اَوۡ تَسۡمَعُ لَهُمۡ رِكۡزًا﴾

”اور ان سے پہلے کتنے ہی زمانے کے لوگوں کو ہم نے ہلاک کر دیا، کیا آپ ان میں سے کسی ایک کو بھی محسوس کرتے ہیں یا ان کی کوئی آہٹ بھی سنتے ہیں“ (98)

سوال 1: ﴿وَكَمۡ اَهۡلَكۡنَا قَبۡلَهُمۡ مِّنۡ قَرۡنٍ ؕ هَلۡ تُحِسُّ مِنۡهُمۡ مِّنۡ اَحَدٍ اَوۡ تَسۡمَعُ لَهُمۡ رِكۡزًا﴾ ''اوران سے پہلے کتنے ہی زمانے کے لوگوں کو ہم نے ہلاک کر دیا، کیا آپ ان میں سے کسی ایک کو بھی محسوس کرتے ہیں یا ان کی کوئی آہٹ بھی سنتے ہیں'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَكَمۡ اَهۡلَكۡنَا قَبۡلَهُمۡ مِّنۡ قَرۡنٍ﴾ ''اوران سے پہلے کتنے ہی زمانے کے لوگوں کو ہم نے ہلاک کر دیا'' یعنی آپ سے پہلے جن لوگوں نے انبیاء کو جھٹلایا وہ کتنی بڑی تعداد تھی اور کتنی زیادہ قومیں تھی۔

(2) قوم نوح، قوم عاد، قوم ثمود وغیرہ نے جھٹلایا تو دیکھو اللہ تعالیٰ نے انہیں کیسے تباہ کر دیا۔ اب ان کا نشان بھی باقی نہیں۔

(3) ﴿هَلۡ تُحِسُّ مِنۡهُمۡ مِّنۡ اَحَدٍ اَوۡ تَسۡمَعُ لَهُمۡ رِكۡزًا﴾ ''کیا آپ ان میں سے کسی ایک کو بھی محسوس کرتے ہیں یا ان کی کوئی آہٹ بھی سنتے ہیں'' یہاں ﴿رِكۡزًا﴾ سے مراد خفیہ آواز ہے یعنی ان لوگوں کے آثار تک باقی نہ رہے۔ بس ان کے قصے باقی رہ گئے جو عبرت حاصل کرنے والوں کے لئے عبرت ہیں اور ان کی کہانیاں باقی رہ گئیں جو نصیحت کے متلاشی لوگوں کے لئے نصیحت ہیں۔ (تفسیر سعدی: 1600/2)

(4) کفر کرنے والے ہمیشہ غلط فہمی میں رہتے ہیں کہ ہمارا کچھ بگڑنے والا نہیں جو ہوا وہ دوسروں کے لیے تھے ہمارے ساتھ بننے والا نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا ہے کہ قانون سبق کے لیے ہے اللہ تعالیٰ کا اُصول یہ ہے کہ اچھوں کی اچھی جزا اور بُروں کو سزا دی جائے لہٰذا کوئی مستثنیٰ نہیں۔ (قرآناً عجباً)

(5) جن لوگوں نے کفر کیا ان کے بارے میں بتایئے کیا آپ کی آنکھیں انہیں دیکھتی ہیں یا کان ان کی آواز سنتے ہیں؟ حقیقت یہ ہے کہ ان کے نام ونشان مٹ گئے اور افسانے باقی رہ گئے۔

سوال 2: اللہ تعالیٰ نے پچھلی قوموں کی ہلاکت کو سامنے رکھا ہے، اس کی حکمت واضح کریں؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے پچھلی قوموں کی ہلاکت کو سامنے رکھا ہے، اس میں بہت حکمت ہے۔ (i) کفر کرنے والے ہمیشہ غلط فہمی میں رہتے ہیں کہ ہمارا کچھ بگڑنے والا نہیں۔ جو ہوا وہ دوسروں کے لیے تھا ایسا کچھ ہمارے ساتھ ہونے والا نہیں۔ (ii) اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا ہے کہ اس کا قانون سب کے لیے ہے۔ اللہ تعالیٰ کا اُصول یہ ہے کہ اچھوں کی اچھی جزا اور بُروں کو سزا دی جائے لہٰذا کوئی اس سے مستثنیٰ نہیں۔

ایاتها ۱۳۵ | ۲۰ سُوۡرَةُ طٰهٰ مَكِّيَّةٌ ۴۵ | رکوعاتها ۸

سوال 1: یہ سورت کہاں نازل ہوئی؟ اس کے کتنے رکوع اور کتنی آیات ہیں؟

جواب: یہ سورت مکہ میں نازل ہوئی۔ اس کے آٹھ رکوع اور 135 آیات ہیں۔

سوال 2: مصحف میں ترتیب اور نزولی ترتیب کے اعتبار سے اس سورت کا کیا نمبر ہے؟

جواب: مصحف میں ترتیب کے اعتبار سے یہ بیسویں (20) سورت ہے اور نزولی ترتیب کے اعتبار سے پینتالیسویں (45) سورت ہے۔

رکوع نمبر 10

﴿بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ﴾

﴿طٰهٰ﴾

''طٰہٰ''(1)

سوال 1: ﴿طٰهٰ﴾ ''طٰہٰ'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ''طٰہٰ'' یہ حروف مقطعات ہیں جن کے معنی کو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ (2) یہ نبی کا نام نہیں ہے۔

﴿مَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰٓى﴾

''ہم نے یہ قرآن آپ پر اس لیے نازل نہیں کیا کہ آپ مشقت میں پڑ جائیں''(2)

سوال 1: ﴿مَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰٓى﴾ ''ہم نے یہ قرآن آپ پر اس لیے نازل نہیں کیا کہ آپ مشقت میں پڑ جائیں'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿مَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰٓى﴾ ''ہم نے یہ قرآن آپ پر اس لیے نازل نہیں کیا کہ آپ مشقت میں پڑ جائیں'' قرآن مجید کے نزول پر رسول اللہ ﷺ کو یہ پریشانی ہوتی تھی کہ یہ لوگ ایمان کیوں نہیں لاتے۔

(2) قرآن مجید پر ایمان نہ لانے والوں کے لیے نبی ﷺ کی شدید پریشانی کے بارے میں رب العزت نے فرمایا: ﴿فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًا﴾ ''پس شاید آپ ان کے پیچھے غم ہی سے خود کو ہلاک کرنے والے ہیں کہ وہ اس کلام پر ایمان نہیں لاتے؟'' (الکہف:6)

(3) ﴿لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ﴾ ''شاید آپ خود کو ہلاک کرنے والے ہیں کہ وہ مومن کیوں نہیں ہوتے؟'' (الشعراء:3)

(4) اللہ رب العزت نے نبی ﷺ کو نصیحت فرمائی ہے: ﴿فَاِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ۖ فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسَرٰتٍ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ﴾ ''پس یقیناً اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے، چنانچہ آپ کی جان اُن پر افسوس کر کے نہ جاتی رہے، یقیناً اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا ہے جو کچھ بھی وہ کرتے ہیں۔'' (فاطر:8)

(5) یہی مشقت تھی جو رسول اللہ ﷺ اُٹھا رہے تھے جس پر آپ کو سمجھایا گیا کہ لوگوں کے کفر اور اُن کے قرآن حکیم کی طرف مائل نہ

ہونے کی وجہ سے خود کو حسرت میں مبتلا نہ کرلو، ان پر غم کر کے مشقت نہ اُٹھاؤ۔

(6) یعنی آپ کی طرف وحی بھیجنے، قرآن نازل کرنے اور آپ کو شریعت عطا کرنے کا مقصد یہ نہیں کہ آپ کسی سختی میں مبتلا ہوں، (ایسا نہیں ہے) شریعت میں ایسی کوئی تکلیف ہو جو مکلفین پر شاق گزرے اور عمل کرنے والوں کے قویٰ اس پر عمل کرنے سے عاجز ہو جائیں۔ وحی، قرآن اور شریعت کو تو رحیم و رحمان نے نازل کیا ہے اور اسے سعادت اور فوز و فلاح کا راستہ قرار دیا، اسے انتہائی سہل رکھا، اس کے تمام راستوں اور دروازوں کو آسان بنایا اور اسے قلب و روح کی غذا اور بدن کی راحت قرار دیا۔ فطرت سلیم اور عقل مستقیم نے اسے قبول کر کے اس کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا کیونکہ فطرت سلیم اور عقل مستقیم کو علم ہے کہ یہ دنیا و آخرت کی بھلائی پر مشتمل ہے۔ (تفسیر سعدی: 1601/2)

(7) بعض روایت میں آیا ہے کہ ان دنوں رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین رات کو کھڑے ہو کر بہت زیادہ قرآن پڑھا کرتے تھے۔ آپ ﷺ کی محنت اور ریاضت دیکھ کر کافر کہتے تھے کہ قرآن کیا اترا بے چارے محمد (ﷺ) مصیبت میں پڑ گئے۔ اس وقت یہ آیت اتری۔ (تیسیر القرآن: 58/3) (8) رب العزت نے واضح فرمایا کہ قرآن مشقت میں ڈالنے کے لیے نہیں۔

سوال 2: اس آیت میں نبی ﷺ کے احساس ذمہ داری کی شدت کا بیان ہے۔ اس کی مزید وضاحت کریں؟

جواب: (1) نبی ﷺ کو فریضہ رسالت کی ادائیگی کی ذمہ داری کا شدید ترین احساس تھا اسی وجہ سے آپ بھٹکے ہوئے انسانوں کی ہدایت کے لیے گھلے جاتے تھے۔

(2) اولین محرک جو داعی کو تبلیغ کے لئے ہر وقت تڑپاتا رہتا ہے وہ اپنے فرض کا شدید ترین احساس ہے۔ آپ کے غیر معمولی اضطراب و فکر دیکھ کر اللہ تعالیٰ بار بار آپ کو تسلی دیتا ہے اے رسول آپ پر یہ ذمے داری ہرگز نہیں کہ آپ کسی کے دل میں ہدایت ڈال دیں۔ آپ پر جو کچھ ذمہ داری ہے وہ صرف یہ ہے کہ آپ دعوت حق پہنچا دیں اور آپ نے یہ کام بحسن و خوبی انجام دیا۔ اب اگر یہ لوگ ایمان نہیں لاتے تو آپ کی کوئی ذمہ داری نہیں اللہ تعالیٰ خود ان کو سمجھ لے گا کہ یہ دنیا میں کیا کرتے رہے ہیں اور وہ ہر ایک کے عمل کا ٹھیک بدلہ دینے والا ہے۔ آپ کا فریضہ تو صرف اس قدر ہے کہ آپ ان کو انجام سے ڈرا دیں اور نیک انجام کی خوشخبری دیں۔

(3) ان تمام تسلیوں کے باوجود آپ کا یہ حال ہے کہ آپ بھٹکے ہوئے نادان انسانوں کی ہدایت کے لئے گھلے جاتے ہیں اور آپ کی فکر و اضطراب میں کمی نہیں آتی۔ گمراہی سے بچانے اور ہدایت کی طرف بلانے کا شوق، تڑپ اور ولولہ اس حد تک بڑھا ہوا ہے کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کے مطابق جب آپ اپنے چچا ابو طالب کو بستر مرگ پر دیکھتے تو احساس فرض اور شوق ہدایت سے بے تاب ہو کر سوز میں ڈوبی ہوئی دلگیر آواز میں دھیرے سے کہتے ہیں، چچا جان آپ یہ کلمہ توحید کا اقرار کرلیں تو خدا کے حضور میں بھری عدالت میں آپ کے ایمان کی گواہی دوں گا۔

(4) آخری حج کے موقع پر عرفات کے میدان میں اونٹنی پر سوار تقریباً ڈیڑھ لاکھ کے عظیم اجتماع کو یقین اور جوش و جذبے کی پوری قوت سے

اللہ تعالیٰ کے احکام بتاتے اور ہدایتیں دیتے رہے لیکن ذمہ داری کے احساس کا یہ حال ہے کہ لوگوں سے پوچھتے ہیں کل قیامت کے دن تم سے میرے بارے میں پوچھا جائے گا تو تم کیا جواب دو گے؟ مجمع نے ایک آواز ہو کر کہا: اللہ کے رسول ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ نے اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچادیا اور آپ نے رسالت کا حق ادا کر دیا۔ آپ نے کھرے کھوٹے کی خوب خوب نصیحت فرمادی۔ مجمع کی اس اجتماعی شہادت اور لرزادینے والی آواز سے بھی آپ کو تسلی نہ ہوئی آپ نے شہادت کی انگلی آسمان کی طرف کرتے ہوئے لوگوں کی طرف جھکادی۔

(5) ایک بار آپ کو احساس فرض نے جھنجھوڑا کہ نہ معلوم امت کے کتنے افراد اب بھی موجود نہ ہوں اور ان تک بات نہ پہنچی تو آپ نے حاضرین کو نصیحت فرمادی جو لوگ یہاں موجود ہیں ان کا فرض ہے کہ وہ ان تمام لوگوں تک جو یہاں موجود نہیں ہیں میری باتیں پہنچادیں۔

(6) اور یہ آپ کی اس شدت احساس کے طفیل ہے کہ چودہ سو سال سے برابر یہ پیغام ان کروڑوں انسانوں کو برابر پہنچ رہا ہے جو اس دن عرفات میں موجود نہ تھے۔

(7) ذمہ داری کے شدید ترین احساس کی جو مثال محمد ﷺ نے دی اس سے پہلے نہ کسی آسمان نے دیکھی اور نہ اولاد آدم نے کبھی سنی نہ آئندہ توقع ہے۔ نزع کا عالم تھا درد، تکلیف، مضطرب ہیں، چادر منہ پر ڈالتے ہیں اور کبھی اُلٹ دیتے ہیں اسی غیر معمولی اضطراب میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے سنا زبان مبارک پر یہ الفاظ تھے: ''یہود و نصاریٰ پر اللہ تعالیٰ کی لعنت انہوں نے اپنے پیغمبروں کی قبروں کو عبادت گاہ بنالیا'' سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس چند اشرفیاں تھیں اسی بے چینی کی حالت میں ایک بار فرمایا۔ عائشہ وہ اشرفیاں کہاں ہیں؟ کیا محمد اللہ تعالیٰ سے بدگمان ہو کر ملے گا؟ عائشہ! وہ اشرفیاں اللہ تعالیٰ کی راہ میں خیرات کر دو۔'' (داعیٔ اعظم:47,48)

سوال 3: دین میں آسانی ہے، اسی وجہ سے نبی ﷺ نے دین میں شدت اختیار کرنے کے مقابلے میں میانہ روی اختیار کرنے کی تلقین کی، اس کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: دین بہت آسان ہے اور جو شخص دین میں سختی کرے گا تو وہ اس پر غالب آجائے گا۔ (یعنی وہ شخص خود اپنی پیدا کردہ سختی کا متحمل نہیں ہو سکے گا) پس تم لوگ راست و میانہ روی اختیار کرو اور (ایک دوسرے سے) قریب رہو اور خوش ہو جاؤ (کہ تمہیں ایسا آسان دین ملا ہے) اور صبح اور دوپہر کے بعد اور کچھ دیر رات میں عبادت کرنے سے قوت حاصل کرو۔ (بخاری:39)

(2) سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ مسجد میں تشریف لائے تو ایک رسی کو دو ستونوں کے درمیان بندھا ہوا پایا۔ آپ نے پوچھا: ''یہ رسی کس مقصد کے لیے ہے؟'' لوگوں نے بتلایا کہ یہ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کی رسی ہے، جب وہ (عبادت کرتے کرتے) تھک جاتی ہیں تو اس کے ساتھ سہارا لے لیتی ہیں۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ایسا نہ کرو، اسے کھول دو، تم میں سے ہر شخص کو چاہیے کہ وہ اس وقت نماز پڑھے جب وہ فرحت و نشاط محسوس کرے، جب تھک جائے تو وہ بیٹھ جائے۔ (بخاری:1150، مسلم:784)

(3) ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ (ایک دفعہ) نبی ﷺ ان کے پاس آئے تو (دیکھا کہ) ان کے پاس کوئی عورت (بیٹھی) تھی۔ آپ ﷺ نے پوچھا: ''یہ کون ہے؟'' عائشہ رضی اللہ عنہا بولیں کہ یہ فلاں عورت ہے (اور) اس کی نماز (کی کثرت) کا حال بیان کرنے لگیں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''ٹھہرو (دیکھو) تم اپنے ذمہ اسی قدر (اعمال کی بجا آوری) رکھو جن کی (ہمیشہ کرنے کی) تم کو طاقت ہو اس لیے کہ اللہ تعالیٰ (ثواب دینے سے) نہیں تھکتا تاوقتیکہ تم خود (عبادت کرنے سے) تھک جاؤ اور اللہ کے نزدیک (سب سے) زیادہ محبوب وہ دین (کا کام) ہے جس پر اس کا کرنے والا مداومت (ہیشگی) کرے۔'' (بخاری:1151، مسلم:785)

(4) سیدنا حنظلہ اسیدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے اور وہ رسول اللہ ﷺ کے کاتبوں میں سے تھے۔ وہ کہتے ہیں کہ مجھ سے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی ملاقات ہوئی تو انہوں نے کہا: ''اے حنظلہ رضی اللہ عنہ! تم کیسے ہو؟'' میں نے کہا: ''حنظلہ تو منافق ہوگیا۔'' انہوں نے کہا: ''سبحان اللہ! تم کیا کہہ رہے ہو؟'' میں نے کہا: ''ہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں اور آپ ﷺ ہمیں جنت و دوزخ کی یاد دلاتے رہتے ہیں، گویا کہ ہم انہیں اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں اور جب ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس سے نکل جاتے ہیں تو ہم بیویوں اور اولاد اور زمینوں وغیرہ کے معاملات میں مشغول ہوجاتے ہیں۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: ''اللہ کی قسم! ہمارے ساتھ بھی یہی معاملہ پیش آتا ہے۔'' میں اور ابوبکر رضی اللہ عنہ چلے یہاں تک کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ میں نے عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول ﷺ! حنظلہ تو منافق ہوگیا۔'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کیا وجہ ہے؟'' میں نے عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول ﷺ! ہم آپ ﷺ کی خدمت میں ہوتے ہیں تو آپ ﷺ ہمیں جنت و دوزخ کی یاد دلاتے رہتے ہیں یہاں تک کہ وہ ہمارے لیے آنکھوں دیکھے ہوجاتے ہیں۔ جب ہم آپ ﷺ کے پاس سے چلے جاتے ہیں تو ہم اپنی بیویوں اور اولاد اور زمین کے معاملات وغیرہ میں مشغول ہوجانے کی وجہ سے بہت ساری چیزوں کو بھول جاتے ہیں تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اگر تم اسی کیفیت پر ہمیشہ رہو جس حالت میں میرے پاس ہوتے ہوئے ذکر میں مشغول ہوتے ہو تو فرشتے تمہارے بستروں پر تم سے مصافحہ کریں اور راستوں میں بھی، لیکن اے حنظلہ! ایک ساعت (یاد کی) ہوتی ہے اور دوسری (غفلت کی)۔ آپ ﷺ نے تین بار فرمایا۔ (بخاری:2750)

﴿اِلَّا تَذْكِرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى﴾

''مگر یہ تو نصیحت ہے، اُس شخص کے لیے جو ڈرتا ہے'' (3)

سوال 1: ﴿اِلَّا تَذْكِرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى﴾ ''مگر یہ تو نصیحت ہے، اُس شخص کے لیے جو ڈرتا ہے'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿اِلَّا تَذْكِرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى﴾ ''مگر یہ تو نصیحت ہے'' یعنی قرآن اللہ تعالیٰ کی خشیت رکھنے والوں کے لیے عبرت اور نصیحت کا خزانہ ہے۔ (2) یعنی اس قرآن کے ساتھ ہر اس شخص کو نصیحت کردو جو اللہ تعالیٰ کے عذاب ڈرتا ہے۔ (ایسر التفاسیر:881)

(3) اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والوں کو قرآن مجید کے ساتھ نصیحت کرنے کا حکم دیتے ہوئے رب العزت نے فرمایا: ﴿نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَقُوْلُوْنَ

﴿وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِجَبَّارٍ فَذَكِّرْ بِالْقُرْاٰنِ مَنْ يَّخَافُ وَعِيْدِ﴾ ''ہم اس کو زیادہ جاننے والے ہیں لوگ جو باتیں بناتے ہیں اور آپ اُن پر کوئی جبر کرنے والے نہیں ہو۔ آپ اس قرآن سے اُس شخص کو نصیحت کردو جو میرے عذاب کے وعدے سے ڈرتا ہے۔'' (ق:45)

(4) ﴿اِنَّمَا تُنْذِرُ مَنِ اتَّبَعَ الذِّكْرَ وَخَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ ۚ فَبَشِّرْهُ بِمَغْفِرَةٍ وَّاَجْرٍ كَرِيْمٍ﴾ ''آپ صرف اسی شخص کو خبردار کرتے ہیں جس نے نصیحت کی پیروی کی اور رحمٰن سے بن دیکھے ڈرا سو اسے مغفرت اور باعزت اجر کی بشارت دے دیں۔'' (یٰسین:11)

رب العزت نے واضح فرمایا ہے کہ قرآن مجید سے وہی نصیحت حاصل کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے۔ فرمایا: ﴿سَيَذَّكَّرُ مَنْ يَّخْشٰى (۱۰) وَيَتَجَنَّبُهَا الْاَشْقَى (۱۱) الَّذِيْ يَصْلَى النَّارَ الْكُبْرٰى (۱۲)﴾ ''وہ شخص جلد ہی نصیحت قبول کرے گا جو ڈرتا ہے۔ اور بدبخت اُس سے علیحدہ رہے گا۔ وہ جو بہت بڑی آگ میں داخل ہوگا۔'' (الاعلیٰ:10،12)

(5) ﴿اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرُ مَنْ يَّخْشٰهَا﴾ ''یقیناً جو اس سے ڈرتا ہے آپ اس کو ڈرانے والے ہیں۔'' (النازعات:45)

(6) یہ اس لیے نازل کیا تاکہ اس سے وہ شخص نصیحت پکڑے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے۔ پس وہ جلیل ترین مقاصد کی خاطر اس کے اندر دی گئی ترغیب سے نصیحت پکڑتا اور اس کی وجہ سے اس پر عمل کرتا ہے اور اس کے اندر شقاوت وخسران سے جو ڈرایا گیا ہے، اس سے ڈرتا اور شریعت کے احکام جمیلہ سے نصیحت پکڑتا ہے جس کا حسن وجمال، مجمل طور پر عقل میں جاگزیں ہے اور وہ ان تفاصیل کے مطابق ہیں جو اس کی عقل وفطرت میں موجود ہیں، اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس کو (تذکرہ) کہا ہے۔ کسی چیز کا ''تذکرہ'' موجود ہوتا ہے البتہ انسان خود اس سے غافل ہوتا ہے یا اس کی تفاصیل مستحضر نہیں ہوتیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس ''تذکرہ'' (یاددہانی) کو اس شخص کے ساتھ مختص کیا ہے۔ ﴿لِّمَنْ يَّخْشٰى﴾ ''جو ڈرتا ہے'' کیونکہ اللہ تعالیٰ سے نہ ڈرنے والا شخص اس سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا اور وہ شخص فائدہ اٹھا بھی کیسے سکتا ہے جو جنت پر ایمان رکھتا ہے نہ جہنم پر اور اس کے قلب میں ذرہ بھر بھی خوف الٰہی موجود نہیں؟ یہ ایسی بات ہے جو کبھی نہیں ہوتی۔'' (تفسیر سعدی:1601/2)

(7) قرآن اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ علم ہے۔ حمید بن عبدالرحمٰن نے کہا کہ میں نے معاویہ سے سنا وہ خطبہ میں فرما رہے تھے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جس شخص کے ساتھ اللہ تعالیٰ بھلائی کا ارادہ کرے اسے دین کی سمجھ عنایت فرما دیتا ہے اور میں تو محض تقسیم کرنے والا ہوں، دینے والا تو اللہ تعالیٰ ہی ہے اور یہ امت ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے حکم پر قائم رہے گی اور جو شخص ان کی مخالفت کرے گا، انہیں نقصان نہیں پہنچا سکے گا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا حکم (قیامت) آجائے (اور یہ عالم فنا ہو جائے)۔ (بخاری:71)

﴿تَنْزِيْلًا مِّمَّنْ خَلَقَ الْاَرْضَ وَالسَّمٰوٰتِ الْعُلٰى﴾

''اُس ذات کی طرف سے نازل کیا گیا ہے جس نے زمین کو اور بلند آسمانوں کو پیدا کیا'' (4)

سوال 1: ﴿تَنْزِيْلًا مِّمَّنْ خَلَقَ الْاَرْضَ وَالسَّمٰوٰتِ الْعُلٰى﴾ ''اُس ذات کی طرف سے نازل کیا گیا ہے جس نے زمین کو اور

بلند آسمانوں کو پیدا کیا‘‘ اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿تَنۡزِيۡلًا﴾ ’’نازل کیا گیا ہے‘‘ رب العزت نے قرآن مجید کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ اس ہستی کا نازل کردہ ہے جس نے زمین و آسمان کو پیدا کیا۔

(2)﴿مِّمَّنۡ خَلَقَ الۡاَرۡضَ وَالسَّمٰوٰتِ الۡعُلٰى﴾ ’’اُس ذات کی طرف سے جس نے زمین کو اور بلند آسمانوں کو پیدا کیا‘‘ یعنی قرآن اس کا نازل کردہ ہے جس نے ساری کائنات بنائی اور جو اس کی تدبیر کرتا ہے۔ اس لیے اس قرآن کو محبت کے ساتھ قبول کرو، اس کی تعظیم کرو اور اس کے احکامات کی اطاعت کرو۔

(3) رب العزت نے قرآن مجید کی عظمت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا: ﴿وَّمَا هُوَ بِقَوۡلِ شَاعِرٍ‌ؕ قَلِيۡلًا مَّا تُؤۡمِنُوۡنَ(٤١) وَلَا بِقَوۡلِ كَاهِنٍ‌ؕ قَلِيۡلًا مَّا تَذَكَّرُوۡنَ(٤٢) تَنۡزِيۡلٌ مِّنۡ رَّبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ(٤٣)﴾ ’’اور وہ کسی شاعر کا قول نہیں ہے، تم لوگ بہت ہی کم ایمان لاتے ہو۔ اور نہ کسی کاہن کا قول ہے، تم لوگ بہت ہی کم نصیحت قبول کرتے ہو۔ یہ جہانوں کے رب کی طرف سے نازل کیا ہوا ہے۔‘‘ (الحاقۃ:41,43)

(4) اللہ تعالیٰ جو آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے اس کی تخلیق میں حکمت ہے۔ اس نے کوئی چیز بے مقصد پیدا نہیں کی۔ وہ صرف اسی چیز کا حکم دیتا ہے جو اس کے عدل اور احسان پر مبنی ہو اور وہ اپنی حکمت کے تقاضے کے مطابق ہی کسی چیز سے روکتا ہے۔

﴿اَلرَّحۡمٰنُ عَلَى الۡعَرۡشِ اسۡتَوٰى﴾

’’وسیع رحمت والا، عرش پر بلند ہوا‘‘ (5)

سوال 1:﴿اَلرَّحۡمٰنُ عَلَى الۡعَرۡشِ اسۡتَوٰى﴾ ’’وسیع رحمت والا، عرش پر بلند ہوا‘‘ اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1) رب العزت نے اپنی عظمت اور کبریائی کے بارے میں آگاہ فرمایا ہے۔ ﴿اَلرَّحۡمٰنُ عَلَى الۡعَرۡشِ اسۡتَوٰى﴾ ’’وسیع رحمت والا، عرش پر بلند ہوا‘‘ یعنی اللہ تعالیٰ اس عرش پر ہے جو ساری کائنات سے بڑا وسیع اور بلند ہے۔

(2)﴿اسۡتَوٰى﴾ ’’بلند ہوا‘‘ یہاں استواء سے مراد وہ استواء ہے جو اس کے جلال کے لائق اور اس کی عظمت و جمال سے مناسبت رکھتا ہے۔ پس وہ عرش پر مستوی اور کائنات پر حاوی ہے۔ (تفسیر سعدی:1602/2)

(3) اس مقام پر صحیح مسلک سلف کا ہے کہ جو کچھ قرآن وحدیث سے ثابت ہے اس پر ایمان لے آؤ اور کیفیت نہ پوچھو، الفاظ میں ردو بدل بھی نہ کرو۔ اللہ کو کسی کے مشابہ اور مثل بھی نہ سمجھو اور نہ اسے ان صفتوں سے معطل کرو جو قطعی دلائل سے ثابت ہوں۔ (السراج المنیر:1152/2)

(4)﴿اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِىۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ فِىۡ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسۡتَوٰى عَلَى الۡعَرۡشِ يُغۡشِى الَّيۡلَ النَّهَارَ يَطۡلُبُهٗ حَثِيۡثًا ۙ وَّالشَّمۡسَ وَالۡقَمَرَ وَالنُّجُوۡمَ مُسَخَّرٰتٍۢ بِاَمۡرِهٖ ؕ اَلَا لَهُ الۡخَلۡقُ وَالۡاَمۡرُ‌ ؕ تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الۡعٰلَمِيۡنَ﴾

''بلاشبہ تمہارا رب وہی اللہ تعالیٰ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا پھر وہ عرش پر بلند ہوا، وہ رات کو دن پر اوڑھا تا ہے وہ تیزی سے اس کے پیچھے چلا آتا ہے اور سورج، چاند اور ستارے سب اُس کے حکم کے تابع کیے ہوئے ہیں، سن لو! پیدا کرنا اور حکم دینا اُسی کا کام ہے۔ اللہ تعالیٰ بڑی برکت والا ہے جو سارے جہانوں کا رب ہے۔'' (الاعراف:54)

(5) قرآن حکیم الرحمٰن کی جانب سے اُترا ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ جس نے قرآن اُتارا ہے وہ وسیع رحمت والا ہے پھر قرآن باعث مشقت اور باعث مصیبت کیسے ہوسکتا ہے؟

﴿لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَمَا تَحْتَ الثَّرٰى﴾

''اُسی کا ہے جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے اور جو اُن دونوں کے درمیان ہے اور جو گیلی مٹی کے نیچے ہے'' (6)

سوال 1: ﴿لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَمَا تَحْتَ الثَّرٰى﴾ ''اُسی کا ہے جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے اور جو اُن دونوں کے درمیان ہے اور جو گیلی مٹی کے نیچے ہے'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ''اُسی کا ہے جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے اور جو اُن دونوں کے درمیان ہے اور جو گیلی مٹی کے نیچے ہے'' یعنی تمام کائنات اللہ تعالیٰ کی ملکیت میں اور اس کے حکم کے ماتحت ہے۔

(2) تمام کائنات اللہ تعالیٰ کی قضا و قدر کے تحت مسخر ہے۔ کسی کا اس کے اقتدار میں کوئی حصہ نہیں۔

(3) اللہ تعالیٰ کی ملکیت کو انسانی تصور کے قریب لانے کے لیے زمین و آسمان کی ملکیت اور مٹی کے نیچے تک کی ملکیت کا ذکر کیا گیا ہے تاکہ انسان سمجھ جائیں کہ وسیع کائنات پر جس کی ملکیت ہے وہ کتنا عظیم ہے۔ اسی عظمتوں والے نے قرآن مجید نازل کیا ہے۔

(4) اللہ تعالیٰ کی عظیم ملکیت کے ذکر سے رسول اللہ ﷺ کے دل کو مطمئن کیا جا رہا ہے کہ اُن کا رب اُن کے ساتھ ہے۔ وہ اکیلا نہیں چھوڑتا۔ وہ قریب ہے اور دل کے حالات سے واقف ہے لہٰذا قرآن حکیم پڑھ کر مطمئن ہو جائیں اور مخالفوں کے درمیان خود کو تنہا محسوس نہ کریں کیونکہ مالک کائنات آپ کے ساتھ ہے۔

﴿وَاِنْ تَجْهَرْ بِالْقَوْلِ فَاِنَّهٗ يَعْلَمُ السِّرَّ وَاَخْفٰى﴾

''اگرچہ آپ بلند آواز سے بات کریں یقیناً وہ تو پوشیدہ اور پوشیدہ تر کو بھی جانتا ہے'' (7)

سوال 1: ﴿وَاِنْ تَجْهَرْ بِالْقَوْلِ فَاِنَّهٗ يَعْلَمُ السِّرَّ وَاَخْفٰى﴾ ''اگرچہ آپ بلند آواز سے بات کریں یقیناً وہ تو پوشیدہ اور پوشیدہ تر کو بھی جانتا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَاِنْ تَجْهَرْ بِالْقَوْلِ فَاِنَّهٗ يَعْلَمُ السِّرَّ وَاَخْفٰى﴾ ''اگرچہ آپ بلند آواز سے بات کریں یقیناً وہ تو پوشیدہ اور پوشیدہ تر کو

بھی جانتا ہے'' یعنی یہ قرآن اس نے نازل کیا ہے جو عالم الغیب ہے اور جو ہر بھید، خفیہ اور اعلانیہ کو جانتا ہے۔

(2) رب العزت نے فرمایا: ﴿قُلۡ اَنۡزَلَہُ الَّذِیۡ یَعۡلَمُ السِّرَّ فِی السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ؕ اِنَّہٗ کَانَ غَفُوۡرًا رَّحِیۡمًا﴾ ''آپ کہہ دیں اس کو نازل کیا ہے اُس نے جو آسمانوں اور زمین کے راز جانتا ہے، یقیناً وہ بے حد بخشنے والا، نہایت رحم والا ہے۔'' (الفرقان:6)

(3) اللہ تعالیٰ کا ذکر یا دُعا اُونچی آواز میں کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ (i) اللہ تعالیٰ خفیہ باتوں کو اور دِل کے حالات کو جانتا ہے۔ (ii) اللہ تعالیٰ دل کی باتوں سے زیادہ مخفی باتوں کو بھی جانتا ہے یعنی قیامت تک واقع ہونے والے واقعات جو اللہ تعالیٰ کی تقدیر میں لکھے ہیں لیکن اُس نے ابھی تک سب سے مخفی رکھا ہے۔

(4) یعنی خفی سے خفی تر بات، جو انسان کے دل میں ہوتی ہے اور ابھی نطق زبان پر نہیں آئی ہوتی۔ یا (السِّرّ) سے مراد وہ خیال ہے جو انسان کے دل میں آتا ہے اور (اَخۡفٰی) سے مراد وہ خیال ہے جسے ابھی دل میں آنا ہے اور ابھی تک نہیں آیا۔ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ کب وہ خیال اپنے وقت پر اپنی صفت کے ساتھ دل میں داخل ہوگا۔ معنی یہ ہے کہ علم الٰہی، چھوٹی بڑی اور ظاہر و باطن تمام اشیاء کا احاطہ کئے ہوئے ہے، اس لئے آپ بلند آواز سے بولیں یا آہستہ آواز سے، علم الٰہی کی نسبت سے سب برابر ہے۔ (تفسیر سعدی:1602/2)

(5) اس سے پہلی آیت میں اللہ کی وسعت قدرت و تصرف اور اختیار بیان کیا گیا تھا۔ اس آیت میں لامحدود وسعت علم کا بیان ہوا ہے یعنی قریش کو بتایا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہاری سب سازشوں، شرارتوں اور کارستانیوں سے پوری طرح واقف ہیں۔ (تیسیر القرآن:59)

(6) اللہ رب العزت نے اپنے علم کی وسعت کو قرآن حکیم میں دیگر مقامات پر یوں واضح فرمایا ہے: ﴿وَلَقَدۡ خَلَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ وَنَعۡلَمُ مَا تُوَسۡوِسُ بِہٖ نَفۡسُہٗ ۚۖ وَنَحۡنُ اَقۡرَبُ اِلَیۡہِ مِنۡ حَبۡلِ الۡوَرِیۡدِ﴾ ''اور بلاشبہ یقیناً ہم نے انسان کو پیدا کیا ہے اور ہم اُن کو جانتے ہیں جن کا وسوسہ اس کا نفس ڈالتا ہے اور ہم رگِ جان سے بھی زیادہ اُس کے قریب ہیں۔'' (ق:16)

(7) ﴿اَلَّذِیۡنَ یَجۡتَنِبُوۡنَ کَبٰٓئِرَ الۡاِثۡمِ وَالۡفَوَاحِشَ اِلَّا اللَّمَمَ ؕ اِنَّ رَبَّکَ وَاسِعُ الۡمَغۡفِرَۃِ ؕ ہُوَ اَعۡلَمُ بِکُمۡ اِذۡ اَنۡشَاَکُمۡ مِّنَ الۡاَرۡضِ وَاِذۡ اَنۡتُمۡ اَجِنَّۃٌ فِیۡ بُطُوۡنِ اُمَّہٰتِکُمۡ ۚ فَلَا تُزَکُّوۡۤا اَنۡفُسَکُمۡ ؕ ہُوَ اَعۡلَمُ بِمَنِ اتَّقٰی﴾ ''وہ لوگ جو کسی چھوٹے سے گناہ کے سوا بڑے گناہوں اور بے حیائی کے کاموں سے بچتے ہیں، یقیناً تیرا رب وسیع مغفرت والا ہے، وہ تمہیں اُس وقت سے زیادہ جاننے والا ہے جب اُس نے تمہیں زمین سے پیدا کیا اور جب تم اپنی ماؤں کے پیٹوں میں بچے تھے، سو اپنے نفس کی پاکیزگی کے دعوے نہ کرو، وہ زیادہ جاننے والا ہے، اس کو جس نے تقویٰ اختیار کیا۔'' (النجم:32)

(8) ﴿وَاَسِرُّوۡا قَوۡلَکُمۡ اَوِ اجۡہَرُوۡا بِہٖ ؕ اِنَّہٗ عَلِیۡمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوۡرِ﴾ ''اور تم اپنی بات چھپاؤ یا اُس کو ظاہر کر دو، یقیناً وہ تو سینوں والی بات کو خوب جاننے والا ہے۔'' (الملک:13)

﴿اَللّٰہُ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا ہُوَ ؕ لَہُ الۡاَسۡمَآءُ الۡحُسۡنٰی﴾

''اللہ تعالیٰ وہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، اس کے لیے بہترین نام ہیں'' (8)

سوال 1: ﴿اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ لَهُ الْاَسْمَاۗءُ الْحُسْنٰى﴾ ''اللہ تعالیٰ وہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، اس کے لیے بہترین نام ہیں'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ﴾ ''اللہ تعالیٰ وہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں'' یعنی وہ اللہ تعالیٰ جو خالق اور رازق ہے اس کے علاوہ کوئی خالق اور رازق نہیں۔

(2) اللہ تعالیٰ وہ ہے جو مالک ہے، خالق ہے، جس کی بادشاہت عظیم ہے، جو عرش پر بلند ہے، جو خفیہ سے خفیہ چیز کا علم رکھتا ہے تو نتیجہ یہ نکلا کہ صرف اللہ تعالیٰ عبادت کا مستحق ہے اور اسی کی عبادت حق ہے اور غیر اللہ کی عبادت باطل ہے۔ اسی لیے فرمایا: ﴿اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ﴾ ''اللہ تعالیٰ وہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں'' یعنی کوئی معبود برحق ہے نہ کوئی قابل عبادت جس کے سامنے محبت، خوف اور امید کا اظہار کیا جائے، جس کو پکارا جائے یا جس سے دعائیں کی جائیں۔

(3) ﴿لَهُ الْاَسْمَاۗءُ الْحُسْنٰى﴾ ''اس کے لیے بہترین نام ہیں'' یعنی اس کے بہت سے نام ہیں جو بہت اچھے ہیں۔ اس کے ناموں کا حسن یہ ہے کہ وہ نام تمام تر مدح پر دلالت کرتے ہیں۔ ان ناموں میں سے کوئی نام ایسا نہیں جو مدح و حمد پر دلالت نہ کرتا ہو۔ ان ناموں کا حسن یہ بھی ہے کہ وہ محض اعلام (نام) نہیں بلکہ وہ نام اور اوصاف ہیں۔ ان کا حسن یہ بھی ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی کامل صفات پر دلالت کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ہر صفت کامل، عام اور جلیل ترین ہے اور ان کا حسن یہ بھی ہے کہ اس نے اپنے بندوں کو حکم دیا ہے کہ وہ اسے ان ناموں سے پکاریں کیونکہ یہ ایک وسیلہ ہیں جو بندوں کو اللہ تعالیٰ کے قریب کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان ناموں کو پسند کرتا ہے اور ان لوگوں سے محبت کرتا ہے جو ان ناموں کو پسند کرتے ہیں اور جو انہیں یاد کرتے ہیں اور ان لوگوں سے بھی محبت کرتا ہے جو ان کے معانی کی تحقیق کرتے ہیں اور ان ناموں کے ذریعے سے اس کی عبادت کرتے ہیں۔ اس کا فرمان ہے: ﴿وَلِلّٰهِ الْاَسْمَاۗءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا ۠ وَذَرُوا الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ اَسْمَاۗىِٕهٖ ۭ سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ ''اور سب سے اچھے نام اللہ تعالیٰ ہی کے ہیں سو اُسے ان کے ساتھ پکارو اور ان لوگوں کو چھوڑ دو جو اُس کے ناموں کے بارے میں سیدھے راستے سے ہٹتے ہیں، عنقریب انہیں اس کا بدلہ دیا جائے گا جو وہ عمل کیا کرتے تھے۔'' (الاعراف: 180) (تفسیر سعدی: 1603)

(4) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے ایک کم سو نام ہیں جو شخص ان کو یاد کرے گا وہ جنت میں داخل ہوگا۔ (بخاری: 7392)

﴿وَهَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ مُوْسٰى﴾

''اور کیا آپ کو موسیٰ کی خبر پہنچی ہے'' (9)

سوال 1: ﴿وَهَلۡ اَتٰىكَ حَدِيۡثُ مُوۡسٰى﴾ ''اور کیا آپ کو موسیٰ کی خبر پہنچی ہے'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَهَلۡ اَتٰىكَ﴾ ''اور کیا آپ کو پہنچی ہے'' رب العزت نے قصے کی تعظیم کے طور پر سوال کیا ہے کہ کیا آپ جانتے ہو؟ کیا آپ ﷺ کے پاس خبر پہنچی ہے؟

(2) ﴿حَدِيۡثُ مُوۡسٰى﴾ ''موسیٰ کی خبر'' یعنی موسیٰ بن عمران پر وحی کا آغاز کیسے ہوا؟ کیسے رب العزت نے ان کی سعادت کی بنیاد رکھی؟ کیسے ان سے کلام کیا؟

(3) یہ واضح کرنے کے لیے کہ کیسے اللہ تعالیٰ اپنی طرف بلانے والوں کی حفاظت اور مدد کرتا ہے اللہ تعالیٰ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ لے کر آئے ہیں۔

(4) اللہ تعالیٰ اس قصے کو بیان کر کے یہ واضح کرنا چاہتے ہیں کہ جن کو اللہ تعالیٰ رسول بنا کر بھیجتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کی بارش میں ہوتے ہیں۔

(5) قرآن مجید میں رسولوں کے واقعات کو بیان کرنے کی حکمت واضح کرتے ہوئے رب العزت نے فرمایا: ﴿وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيۡكَ مِنۡ اَنۡۢبَآءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَكَ‌ ۚ وَجَآءَكَ فِىۡ هٰذِهِ الۡحَـقُّ وَمَوۡعِظَةٌ وَّذِكۡرٰى لِلۡمُؤۡمِنِيۡنَ﴾ ''اور ہم رسولوں کے واقعات میں سے ہر چیز آپ کو سنا رہے ہیں جس کے ساتھ ہم آپ کا دل مضبوط کرتے ہیں اور آپ کے پاس اس معاملے میں حق آ گیا اور ایمان والوں کے لیے نصیحت اور یاد دہانی ہے۔'' (ہود: 120)

﴿اِذۡ رَاٰ نَارًا فَقَالَ لِاَهۡلِهِ امۡكُثُوۡۤا اِنِّىۡۤ اٰنَسۡتُ نَارًا لَّعَلِّىۡۤ اٰتِيۡكُمۡ مِّنۡهَا بِقَبَسٍ اَوۡ اَجِدُ عَلَى النَّارِ هُدًى﴾

''جب اُس نے ایک آگ دیکھی تو اپنے گھر والوں سے کہا: ''ٹھہرو، یقیناً میں نے ایک آگ دیکھی ہے، شاید کہ میں اس میں سے تمہارے لیے کوئی انگارہ لے آؤں یا اُس آگ پر کوئی راہ نمائی پاؤں'' (10)

سوال 1: ﴿اِذۡ رَاٰ نَارًا فَقَالَ لِاَهۡلِهِ امۡكُثُوۡۤا اِنِّىۡۤ اٰنَسۡتُ نَارًا لَّعَلِّىۡۤ اٰتِيۡكُمۡ مِّنۡهَا بِقَبَسٍ اَوۡ اَجِدُ عَلَى النَّارِ هُدًى﴾ ''جب اُس نے ایک آگ دیکھی تو اپنے گھر والوں سے کہا: ''ٹھہرو، یقیناً میں نے ایک آگ دیکھی ہے، شاید کہ میں اس میں سے تمہارے لیے کوئی انگارہ لے آؤں یا اُس آگ پر کوئی راہ نمائی پاؤں'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿اِذۡ رَاٰ نَارًا﴾ ''جب اُس نے ایک آگ دیکھی'' یہ اس دور کا تذکرہ ہے جب سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے مدین میں اپنے دس سال پورے کر لیے تو اپنی بیوی کے ہمراہ اپنی والدہ کی طرف مصر واپس جا رہے تھے۔ رات اندھیری اور سرد تھی، راستے کی خبر نہ تھی اور اُنہوں نے دور سے آگ کے شعلے بلند ہوتے دیکھے۔ (2) یہ آگ طور کی دائیں جانب تھی۔

(3) ﴿فَقَالَ لِاَهۡلِهِ امۡكُثُوۡۤا﴾ ''تو اپنے گھر والوں سے کہا: ''ٹھہرو'' اُنہوں نے اپنے گھر والوں یعنی شعیب علیہ السلام کی بیٹی، خادم اور بیٹے

سے کہا۔ (ایسر التفاسیر:882)

(4)﴿اِنِّیۡۤ اٰنَسۡتُ نَارًا﴾ ''یقیناً میں نے ایک آگ دیکھی ہے''یعنی میں نے طور کی دائیں جانب ایک آگ دیکھی ہے۔

(5)﴿لَّعَلِّیۡۤ اٰتِیۡکُمۡ مِّنۡہَا بِقَبَسٍ﴾ ''شاید کہ میں اس میں سے تمہارے لیے کوئی انگارہ لے آؤں'' سیدنا موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام نے اپنی بیوی سے کہا: میں آگ کے پاس جاتا ہوں اور کوئی جلتا ہوا انگارہ لے آؤں گا جس سے تم آگ تاپ سکو۔

(6)﴿اَوۡ اَجِدُ عَلَی النَّارِ ہُدًی﴾ ''یا اُس آگ پر کوئی راہ نمائی پاؤں'' اور ہوسکتا ہے کہ مجھے آگ کے پاس سے کوئی ایسی شے مل سکے جو راستے کی طرف میری راہ نمائی کرے۔

(7) موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام کا مقصود تو حسی روشنی اور حسی ہدایت تھا۔ مگر انہوں نے وہاں معنوی نور یعنی نور روحی پالیا جس سے قلوب وارواح روشن ہوتے ہیں اور انہیں حقیقی ہدایت یعنی صراط مستقیم کی طرف راہ نمائی حاصل ہوئی جو نعمتوں بھری جنت کو جاتی ہے۔ سیدنا موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام ایک ایسی چیز سے بہرہ ور ہوئے جو ان کے کسی حساب اور خواب وخیال میں بھی نہ تھی۔ (تفسیر سعدی:1603،1604/2)

(8) تورات میں ہے کہ انہوں نے درخت میں آگ دیکھی اور متعجب ہو کر قریب گئے۔ (خروج 3:3) لیکن قرآن سے معلوم ہوتا ہے، محض رفع تعجب کے لیے نہیں گئے تھے بلکہ آگ کی جستجو میں تھے۔

(9) سورہ النمل کی آیت سے مزید وضاحت ہوگئی ہے۔﴿اِذۡ قَالَ مُوۡسٰی لِاَہۡلِہٖۤ اِنِّیۡۤ اٰنَسۡتُ نَارًا ؕ سَاٰتِیۡکُمۡ مِّنۡہَا بِخَبَرٍ اَوۡ اٰتِیۡکُمۡ بِشِہَابٍ قَبَسٍ لَّعَلَّکُمۡ تَصۡطَلُوۡنَ﴾ ''جب موسیٰ نے اپنے گھر والوں سے کہا: ''یقیناً میں نے ایک آگ دیکھی ہے۔ جلد ہی میں آپ کے پاس وہاں سے کوئی خبر لاؤں گا یا آپ کے لئے کوئی سُلگتا انگارہ لے کر آؤں گا تاکہ آپ سینکیں۔'' (النمل:7) وہ مع اہل وعیال کے بیابان میں تھے۔ رات ٹھنڈی تھی، اور سوچ رہے تھے، کہیں سے آگ مل جائے تو تاپنے کے لیے آلاؤ جلائیں۔ اتنے میں دور پرے ایک روشنی آگ کی طرح نظر آئی۔ یہ سمجھے وہ آگ ہے۔ لیکن جب قریب پہنچے تو کارفرمائے قدرت نے پکارا۔ ''اے موسیٰ! تو اس آگ کی چنگاری لے کر کیا کرے گا؟ تیرے ہاتھوں ایک دوسری ہی آگ روشن ہونے والی ہے!''﴿وَاَنَا اخۡتَرۡتُکَ فَاسۡتَمِعۡ لِمَا یُوۡحٰی﴾ (تفسیر ترجمان القرآن:447/2)

﴿فَلَمَّاۤ اَتٰىہَا نُوۡدِیَ یٰمُوۡسٰی﴾

''پھر جب وہ اُس کے پاس آیا تو آواز دی گئی: ''اے موسیٰ!'' (11)

سوال 1:﴿فَلَمَّاۤ اَتٰىہَا نُوۡدِیَ یٰمُوۡسٰی﴾ ''پھر جب وہ اُس کے پاس آیا تو آواز دی گئی: ''اے موسیٰ'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1)﴿فَلَمَّاۤ اَتٰىہَا﴾ ''پھر جب وہ اُس کے پاس آیا'' یعنی جب سیدنا موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام آگ کے پاس پہنچے جس کو دور سے دیکھ کر انہوں نے گھر والوں سے کہا کہ میں وہاں جاتا ہوں شائد میں کوئی انگارہ لے آؤں۔ وہ آگ نہیں تھی، نور تھا اور نور ایسی آگ ہے جو جلا ڈالتی ہے اور

روشنی دیتی ہے۔

(2) نبی ﷺ نے فرمایا: اس (اللہ تعالیٰ) کا حجاب نور ہے۔ایک روایت میں ہے: اس کا حجاب آگ ہے۔اگر وہ اس حجاب کو ہٹا دے تو اس کے چہرے کا جلال حدِ نگاہ تک ہر چیز کو جلا ڈالے۔(مسلم:445)

(3)﴿نُوْدِيَ﴾ ''تو آواز دی گئی'' آگ کے پاس انہیں آواز دی گئی کہ اے موسیٰ! سورہ مریم میں اس واقعے کے بارے میں رب العزت نے فرمایا:﴿وَنَادَيْنٰهُ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ الْاَيْمَنِ وَقَرَّبْنٰهُ نَجِيًّا﴾ ''اور ہم نے پہاڑ کی دائیں جانب سے اُسے پکارا اور ہم نے سرگوشی کرتے ہوئے اُسے قریب کیا۔'' (مریم:52)

سوال 2: سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو کیسے پتہ چلا تھا کہ یہ آواز اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے؟

جواب: اس آواز کی کیفیت وصفت سے متعلق بڑی بڑی بحثیں چھڑ گئی ہیں، لیکن قول محقق مفسر تھانوی کا ہے، اس نداء کی کیفیت وصفت نہ کہیں منصوص ہے نہ قیاس سے ادراک کی جاسکتی ہے، اس لئے تعیین بالتخمین رجم بالغیب ہے، البتہ یہ امر یقینی ہے کہ سیدنا موسیٰ کو یقین کے ساتھ یہ امر معلوم ہوگیا کہ یہ نداء من جانب اللہ تعالیٰ ہے۔(تفسیر ماجدی:226/3)

﴿اِنِّيْٓ اَنَا رَبُّكَ فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ ۚ اِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى﴾

''یقیناً میں ہی تمہارا رب ہوں، پس اپنے جوتے اُتار دو یقیناً تم وادی مقدس طویٰ میں ہو'' (12)

سوال 1:﴿اِنِّيْٓ اَنَا رَبُّكَ فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ اِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى﴾ ''یقیناً میں ہی تمہارا رب ہوں، پس اپنے جوتے اُتار دو یقیناً تم وادی مقدس طویٰ میں ہو'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1)﴿اِنِّيْٓ اَنَا رَبُّكَ﴾ ''یقیناً میں ہی تمہارا رب ہوں'' رب العزت نے آگاہ فرمایا کہ میں تیرا رب ہوں یعنی تیرا خالق، تیرا مالک، تیرے معاملات کا مدبر ہوں۔

(2)﴿فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ﴾ ''پس اپنے جوتے اُتار دو'' رب العزت نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو رب سے مناجات کرنے کے لیے تیاری کا حکم دیا کہ جوتے اتار دیں۔

(3)﴿اِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى﴾ ''تم وادی مقدس طویٰ میں ہو۔'' طویٰ نام ہے اس میدان کا جو جزیرہ نمائے سینا میں کوہ سینا کے عین دامن میں واقع ہے۔اللہ تعالیٰ نے جس طرح بعض وقت دوسرے وقتوں سے افضل واشرف رکھے ہیں، مثلاً ماہ رمضان سال کے دوسرے مہینوں سے افضل واشرف، اور یوم جمعہ ہفتہ کے سارے دنوں میں افضل واشرف، اسی طرح اس نے بعض مقامات بھی دوسرے مقامات سے افضل واشرف بنا رکھے ہیں۔مثلاً سرزمین مکہ، شہر مدینہ۔وادی سینا بھی ایسے ہی مقامات مقدس میں داخل ہے، اور افضلیت کا یہ قانون مکان وزمان سب پر حاوی ہے۔(تفسیر ماجدی:227/3)

(4)(i) اللہ تعالیٰ کا یہ حکم تواضع کے اظہار کے لیے تھا۔(ii) یہ حکم تعظیم کے لیے تھا۔(iii) یہ حکم وادی کی پاکیزگی کے لیے تھا۔(iv) یہ حکم اس لیے تھا کہ وادی کی پاکیزگی کے اثرات ننگے پاؤں زیادہ جذب ہو سکتے تھے۔

(5) اگر وادی کی تقدیس کے لیے کوئی اور چیز نہ ہوتی تب بھی سیدنا موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کو مناجات کے لئے چن لینا ہی کافی تھا۔ بہت سے مفسرین نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو جوتے اتارنے کا اس لئے حکم دیا تھا کیونکہ وہ گدھے کی کھال سے بنے ہوئے تھے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (تفسیر سعدی:1604/2)

(6) وادی مقدس طویٰ کے بارے میں رب العزت نے فرمایا: ﴿اِذْ نَادٰىهُ رَبُّهٗ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى﴾ ''جب اُس کے رب نے اُسے مقدس وادی طویٰ میں پکارا۔'' (النازعات:16)

﴿وَاَنَا اخْتَرْتُكَ فَاسْتَمِعْ لِمَا يُوْحٰى﴾

''اور میں نے تمہیں چن لیا ہے پس جو وحی کی جارہی ہے اُسے غور سے سنو'' (13)

سوال 1: ﴿وَاَنَا اخْتَرْتُكَ فَاسْتَمِعْ لِمَا يُوْحٰى﴾ ''اور میں نے تمہیں چن لیا ہے پس جو وحی کی جارہی ہے اُسے غور سے سنو'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَاَنَا اخْتَرْتُكَ﴾ ''اور میں نے تمہیں چن لیا ہے'' اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنی نبوت اور ہم کلامی کے لیے منتخب کیا ہے جو بہت بڑا اعزاز ہے۔

(2) یہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام پر سب سے بڑا احسان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام لوگوں میں سے انہیں اپنی نبوت کے لیے چن لیا۔

(3) ﴿فَاسْتَمِعْ لِمَا يُوْحٰى﴾ ''پس جو وحی کی جارہی ہے اُسے غور سے سنو'' یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنی نبوت کے لیے چن کر جو احسان کیا ہے اس کا شکر ادا کرنے کے لیے کہ اس وحی کو غور سے سنو جو آپ کی طرف کی جارہی ہے جیسا کہ رب العزت کا فرمان ہے: ﴿قَالَ يٰمُوْسٰۤى اِنِّى اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ بِرِسٰلٰتِىْ وَبِكَلَامِىْ ۖ فَخُذْ مَاۤ اٰتَيْتُكَ وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ﴾ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''اے موسیٰ! یقیناً اپنے پیغامات اور کلام کے ساتھ میں نے تجھے تمام لوگوں میں سے منتخب کیا ہے، سو لے لو جو میں نے تمہیں دیا ہے اور شکر کرنے والوں میں سے ہو جاؤ۔'' (الاعراف:144)

(4) اللہ تعالیٰ کے اس حکم سے سبق ملتا ہے کہ: (i) وحی کان لگا کر سنی جائے تو ہی اس کا حق ادا ہو سکتا ہے۔ (ii) وحی کو سننے کا فائدہ تبھی ہوتا ہے جب انسان پوری توجہ سے سنے۔ غور سے سننا دین کی بنیاد اور اسلام کی دعوت کا ستون ہے۔ رب العزت نے قرآن مجید کو غور سے سننے والوں کی فضیلت کے بارے میں فرمایا: ﴿ الَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ ۭ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ هَدٰىهُمُ اللّٰهُ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمْ اُولُوا الْاَلْبَابِ﴾ ''وہ بات کو غور سے سنتے ہیں پھر ان میں سے سب سے اچھی کی پیروی کرتے ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جن کو

اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی ہے اور یہی لوگ عقل مند ہیں۔'' (الزمر:18)

(5) توجہ سے سننے کے آداب میں سے اعضاء کا سکون، نظر جھکانا، کانوں کا اس جانب جھکاؤ، دل کی حاضری اور عمل کرنے کا عزم شامل ہیں۔ (تفسیر مراغی:83/6:6)

(6) رب العزت نے قرآن مجید کو توجہ سے سننے کا حکم دیا ہے ﴿وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ﴾ ''اور جب قرآن پڑھا جائے تو اسے توجہ سے سنو اور خاموش رہو تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔'' (الاعراف:204)

(7) سفیان بن عیینہ کا قول ہے پہلے علم کو غور سے سننا پھر فہم پھر حفظ پھر عمل اور پھر نشر کرنا ہے۔

﴿اِنَّنِيْٓ اَنَا اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِيْ ۙ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ﴾

''یقیناً میں ہی اللہ ہوں، میرے سوا کوئی معبود نہیں، سوتم میری عبادت کرو اور میری یاد کے لیے نماز قائم کرو'' (14)

سوال 1: ﴿اِنَّنِيْٓ اَنَا اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِيْ ۙ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ﴾ ''یقیناً میں ہی اللہ ہوں، میرے سوا کوئی معبود نہیں، سوتم میری عبادت کرو اور میری یاد کے لیے نماز قائم کرو'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿اِنَّنِيْٓ اَنَا اللّٰهُ﴾ ''یقیناً میں ہی اللہ ہوں'' رب العزت نے وحی کو بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ میں اللہ ہوں، الوہیت کا مستحق ہوں۔ (2) ﴿لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا﴾ ''میرے سوا کوئی معبود نہیں'' یعنی میرے سوا کوئی عبادت کا حق دار نہیں۔

(3) اللہ تعالیٰ کی ذات کامل، اس کے اسماء وصفات کامل، اس کے افعال کامل، اس کا کوئی شریک نہیں، اس کے مثل کوئی نہیں، اس کا کوئی ہم سر نہیں، اس سے کوئی برابری کرنے والا نہیں۔

(4) انسان کا سب سے پہلا فرض یہی ہے کہ وہ دل سے یقین کرلے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، اس کا کوئی شریک نہیں۔

(5) ﴿فَاعْبُدْنِيْ﴾ ''سوتم میری عبادت کرو'' یعنی میری توحید پر قائم ہو جاؤ اور میری اطاعت کرو۔

(6) عبادت کی ظاہری اور باطنی، اصولی اور فروعی تمام انواع کے ذریعے سے۔ (تفسیر سعدی:1605/2:2)

(7) ﴿وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ﴾ ''اور میری یاد کے لیے نماز قائم کرو'' یعنی مجھے یاد رکھنے کے لیے نماز قائم رکھو۔

(8) عبادت میں نماز بھی داخل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے خاص طور پر نماز کا ذکر فرمایا۔ اس کی ایک وجہ تو نماز کا شرف اور تمام عبادات کے مقابلے میں اس کا افضل ہونا ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ نماز ایسی عبادت ہے جو دل، زبان اور اعضاء سب کو عبادت میں شامل کرنے سے ادا ہوتی ہے۔

(9) ﴿لِذِكْرِيْ﴾ ''میری یاد کے لیے'' یعنی مجھے یاد رکھنے کے لیے نماز قائم کرو۔ اللہ تعالیٰ کو یاد رکھنا، اس کا ذکر کرنا دل کی عبادت ہے جس پر انسان کی خوش نصیبی اور سعادت کا دارومدار ہے۔ جو دل اللہ تعالیٰ کے ذکر سے خالی ہوتا ہے وہ ہر بھلائی سے محروم ہو جاتا ہے۔ اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے عبادت کو ہماری زندگی کا مقصد ٹھہرایا ہے۔ ساری عبادات کا مقصد اللہ تعالیٰ کے ذکر کو قائم کرنا ہے۔

(10) جب بھولی ہوئی نماز یاد آجائے تو نبی ﷺ نے اسے پڑھنے کا حکم دیا۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب کوئی نماز کے وقت سو یا رہ جائے یا نماز پڑھنا بھول جائے تو اس کو چاہیے کہ جب یاد آجائے تو نماز پڑھ لے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ﴾ ''اور میری یاد کے لیے نماز قائم کر۔'' (مسلم:684)

(11) سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے نبی کریم ﷺ نے فرمایا: تم میں سے جب کوئی نماز پڑھنا بھول جائے تو جب بھی اسے یاد آئے اسے پڑھ لینی چاہیے۔ اس کی قضا کے سوا اور کوئی اس کی وجہ سے کفارہ نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ نماز میری یاد آنے پر قائم کرو۔ (بخاری:597)

(12) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جس وقت غزوہ خیبر سے واپس ہوئے تو ایک رات چلتے رہے یہاں تک کہ جب آپ ﷺ کو نیند کا غلبہ ہوا تو رات کے آخری حصہ میں اترے اور سیدنا بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ تم آج رات پہرہ دو تو سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نے نماز پڑھنی شروع کر دی، جتنی نماز اُن سے پڑھی جا سکی اور رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سو گئے۔ پھر جب فجر کا وقت قریب ہوا تو سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نے صبح طلوع ہونے والی جگہ کی طرف اپنا رخ کر کے اپنی اونٹنی سے ٹیک لگائی تو سیدنا بلال رضی اللہ عنہ پر بھی نیند کا غلبہ ہو گیا۔ پھر نہ رسول اللہ ﷺ بیدار ہوئے اور نہ ہی سیدنا بلال رضی اللہ عنہ اور نہ ہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کوئی بیدار ہوا یہاں تک کہ دھوپ اُن پر آگئی تو رسول اللہ ﷺ اُن میں سے سب سے پہلے بیدار ہوئے تو رسول اللہ ﷺ نے دھوپ دیکھی تو گھبرا گئے اور فرمایا: اے بلال! تو سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میرے ماں باپ آپ پر قربان، میرے نفس کو بھی اسی نے روک لیا جس نے آپ ﷺ کے نفس مبارک کو روک لیا۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: یہاں سے کوچ کرو۔ پھر کچھ دور چلے۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے وضو فرمایا اور سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا۔ پھر انہوں نے نماز کی اقامت کہی تو آپ ﷺ نے ان کو صبح کی نماز پڑھائی۔ جب نماز پوری ہو گئی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ جو آدمی نماز پڑھنی بھول جائے تو جب اُسے یاد آجائے تو اسے چاہیے کہ وہ اس نماز کو پڑھ لے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ﴾ ''میری یاد کے لیے نماز قائم کر۔'' (مسلم:680)

سوال 2: نماز میں اللہ تعالیٰ کو یاد کرنا کیسے ممکن ہوتا ہے؟

جواب: (1) نماز میں انسان تمام سرگرمیوں سے کٹ جاتا ہے۔

(2) نماز میں انسان اللہ تعالیٰ سے رابطے میں ہوتا ہے؟ (3) نماز میں انسان رب کی نظروں کو خود پر محسوس کرے تو سچی یاد قائم ہو جاتی ہے۔

(4) نماز میں انسان رب پر نظریں لگا دے تو انسان کا رابطہ قائم ہو جاتا ہے۔

(5) کامیابی اس کے لیے ہے جو اللہ تعالیٰ کو یاد کر کے نماز قائم کرتا ہے۔ رب العزت نے فرمایا: ﴿قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى (۱۴) وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى (۱۵)﴾ ''یقیناً کامیاب ہو گیا وہ جو پاک ہو گیا۔ اور اس نے اپنے رب کا نام یاد کیا، پھر اس نے نماز پڑھی۔'' (اعلیٰ:14,15)

سوال3: نماز انسان کو کیا دیتی ہے؟

جواب: (1) نماز رب کی یاد کا ذریعہ ہے۔ اس لیے فرمایا: ﴿وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِىْ﴾ ''اور میری یاد کے لیے نماز قائم کرو'' (طٰہٰ:14)

(2) نماز کامیابی کا ذریعہ ہے۔ رب العزت نے فرمایا: ﴿قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى (١٤) وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى (١٥)﴾ ''یقیناً کامیاب ہو گیا وہ جو پاک ہو گیا۔ اور اس نے اپنے رب کا نام یاد کیا، پھر اس نے نماز پڑھی۔'' (الاعلیٰ:14,15)

(3) نماز سکون اور اطمینان کا ذریعہ ہے۔ (سیرت النبی از شبلی)

(4) انسان کو اپنی روحانی تڑپ، دلی بے چینی، قلبی اضطراب اور ذہنی شورش کے عالم میں جب دنیا اور دنیا کی ہر چیز فانی، عقل کی ہر تدبیر درماندہ، جسم کی ہر قوت عاجز اور سلامتی کا ہر راستہ بند نظر آتا ہے تو سکون و اطمینان کی ہر راحت اس کو صرف اسی ایک قادر مطلق کی پکار، دعا اور التجا سے ملتی ہے۔ وحی الٰہی نے اس نقطہ کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے ﴿اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ ؕ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ﴾ ''جو لوگ ایمان لائے اور ان کے دل اللہ تعالیٰ کی یاد سے اطمینان پاتے ہیں۔ سن لو! اللہ تعالیٰ کی یاد ہی سے دل اطمینان پاتے ہیں۔'' (الرعد:28)

(5) مصائب میں نماز ہی ثبات کا ذریعہ بنتی ہے اسی لیے فرمایا: ﴿وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ؕ وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ﴾ ''اور صبر اور نماز کے ذریعے سے مدد مانگو اور بلاشبہ وہ (نماز) یقیناً بہت بڑی ہے مگر عاجزی کرنے والوں پر''۔ (البقرۃ:45)

(6) اللہ تعالیٰ کے آگے جھکنا ہی اس کی اطاعت ہے۔ اس کے ذریعے اس کے باقی قوانین کی بے چون و چرا اطاعت ممکن ہو پاتی ہے۔ ﴿تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ ؕ وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا﴾ ''ساتوں آسمان اور زمین اور جو ان میں ہیں سب اس کی تسبیح کرتے ہیں اور کوئی چیز نہیں مگر اس کی حمد کے ساتھ تسبیح کرتی ہے لیکن تم ان کی تسبیح نہیں سمجھتے یقیناً وہ ہمیشہ سے بے حد بردبار، نہایت بخشنے والا ہے۔'' (بنی اسرائیل:44) ﴿اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَسْجُدُ لَهٗ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِى الْاَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُوْمُ وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَآبُّ وَكَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ ؕ وَكَثِيْرٌ حَقَّ عَلَيْهِ الْعَذَابُ ؕ وَمَنْ يُّهِنِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّكْرِمٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ﴾ ''کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ یقیناً اللہ تعالیٰ ہی کو سجدہ کرتا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے اور سورج اور چاند اور تارے اور پہاڑ اور درخت اور جانور اور بہت سے لوگ بھی، اور بہت سے لوگ ایسے بھی ہیں جن پر عذاب ثابت ہو چکا ہے اور جسے اللہ تعالیٰ ذلیل کر دیتا ہے اسے پھر کوئی عزت دینے والا نہیں یقیناً اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔'' (الحج:18)

(7) نماز کے ذریعے ہی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کرنا ممکن ہوتا ہے۔ دل، زبان اور اعضاء سے شکر ادا کرنا تب ہی ممکن ہوتا ہے جب دل اور دماغ پر اس کی عظمت اور اپنی کم مائیگی کا نقش بیٹھ جائے۔ اس کی محبت اور اس کی حاضری کا ناقابل زوال یقین دل کے اندر قائم کرنے

کے لیے نبی ﷺ نے فرمایا: احسان یہ ہے کہ تم اللہ کی عبادت اس طرح کرو گویا تم اسے دیکھ رہے ہو اگر یہ درجہ نہ حاصل ہو تو پھر یہ تو سمجھو کہ وہ تم کو دیکھ رہا ہے۔ (بخاری:50)

(8) نماز انسان کو اخلاقی کمزوریوں سے بچاتی ہے، نفسیاتی برائیوں سے ہٹاتی ہے اور روحانی ترقی کے درجات بلند کرتی ہے۔ رب العزت نے فرمایا: ﴿اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا (۱۹) اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوْعًا (۲۰) وَّاِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوْعًا (۲۱) اِلَّا الْمُصَلِّيْنَ (۲۲) الَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ دَآئِمُوْنَ (۲۳)﴾ ''بلاشبہ انسان کم ہمت پیدا کیا گیا ہے۔ جب اُس کو تکلیف پہنچتی ہے تو گھبرا جانے والا ہوتا ہے۔ اور جب اسے بھلائی پہنچتی ہے تو بہت روکنے والا ہوتا ہے۔ مگر وہ نمازی۔ جو اپنی نماز کی ہمیشہ پابندی کرنے والے ہیں۔'' (المعارج:19,23)

(9) نماز برائی اور بے حیائی سے روکتی ہے۔ رب العزت کا فرمان ہے: ﴿اُتْلُ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنَ الْكِتٰبِ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ ؕ اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ ؕ وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَصْنَعُوْنَ﴾ ''آپ تلاوت کرو اس کتاب میں سے جو آپ کی طرف وحی کی گئی ہے اور نماز قائم کرو۔ یقیناً نماز بے حیائی اور بُرے کاموں سے روکتی ہے اور اللہ تعالیٰ کا ذکر یقیناً بہت بڑا ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ جانتا ہے''۔ (العنکبوت:45)

(10) نبی ﷺ نے فرمایا: اگر کسی کے گھر کے سامنے ایک صاف شفاف نہر بہتی ہو، جس میں وہ دن میں پانچ مرتبہ نہاتا ہو تو کیا اس کے بدن پر کوئی میل کچیل رہ جائے گا؟ لوگوں نے عرض کی: یا رسول اللہ! نہیں۔ فرمایا: نماز بھی اس طرح گناہوں کو دھو دیتی ہے جس طرح پانی میل کو۔ (ابن ماجہ:1397)

﴿اِنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ اَكَادُ اُخْفِيْهَا لِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍ بِمَا تَسْعٰى﴾

''یقیناً قیامت آنے والی ہے، قریب ہے کہ میں اُسے چھپاؤں تا کہ ہر شخص کو اس کا بدلہ دیا جائے جو اس نے کوشش کی'' (15)

سوال 1: ﴿اِنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ اَكَادُ اُخْفِيْهَا لِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍ بِمَا تَسْعٰى﴾ ''یقیناً قیامت آنے والی ہے، قریب ہے کہ میں اُسے چھپاؤں تا کہ ہر شخص کو اس کا بدلہ دیا جائے جو اس نے کوشش کی'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿اِنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ﴾ ''یقیناً قیامت آنے والی ہے'' یعنی قیامت ضرور آئے گی۔ اس کے آنے میں کوئی شک نہیں۔ آسمان و زمین کے ہر شخص سے قیامت کا علم پوشیدہ رکھا گیا ہے۔

(2) ﴿اَكَادُ اُخْفِيْهَا﴾ ''قریب ہے کہ میں اُسے چھپاؤں'' رب العزت نے فرمایا کہ میں قیامت کے آنے کی صحیح تاریخ کو چھپائے ہوئے ہوں اور یہ راز کسی پر ظاہر نہیں کرنا چاہتا۔ (السراج المنیر:1154/2)

(3) قیامت کے علم کی حقیقت کے بارے میں رب العزت نے فرمایا: ﴿يَسْـَٔلُكَ النَّاسُ عَنِ السَّاعَةِ ؕ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ

اللّٰهِ ؕ وَمَا یُدۡرِیۡكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ تَكُوۡنُ قَرِیۡبًا﴾ ''لوگ آپ سے قیامت کے بارے میں پوچھتے ہیں، آپ کہہ دیں بلاشبہ اُس کا علم صرف اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہے اور آپ کو کیا چیز خبر دیتی ہے، شاید کہ قیامت قریب ہی ہو؟'' (الاحزاب:63)

(4) قیامت کے بارے میں نہ کوئی نبی جانتا ہے، نہ فرشتہ۔ اللہ تعالیٰ نے ساری مخلوقات سے چھپا کر رکھا ہے: ﴿اِنَّ اللّٰهَ عِنۡدَهٗ عِلۡمُ السَّاعَةِ ۚ وَیُنَزِّلُ الۡغَیۡثَ ۚ وَیَعۡلَمُ مَا فِی الۡاَرۡحَامِ ؕ وَمَا تَدۡرِیۡ نَفۡسٌ مَّاذَا تَكۡسِبُ غَدًا ؕ وَمَا تَدۡرِیۡ نَفۡسٌۢ بِاَیِّ اَرۡضٍ تَمُوۡتُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِیۡمٌ خَبِیۡرٌ﴾ ''یقیناً اللہ تعالیٰ کے پاس ہی قیامت کا علم ہے اور وہی بارش برساتا ہے اور وہ جانتا ہے جو کچھ رحموں میں ہے اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ کل وہ کیا کمائی کرے گا؟ اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ وہ کس زمین میں مرے گا؟ یقیناً اللہ تعالیٰ ہی سب کچھ جاننے والا، پوری خبر رکھنے والا ہے۔ (لقمان:34)

(5) قیامت کو پوشیدہ رکھنے کا سبب یہ ہے کہ ہر شخص اُس کے آنے سے پہلے عمل کرے اور پھر کامیاب ہونے کے لیے کوشش کرے تاکہ اُسے اس کے اعمال کا صلہ دیا جائے۔

(6) ﴿لِتُجۡزٰی كُلُّ نَفۡسٍۭ بِمَا تَسۡعٰی﴾ ''تاکہ ہر شخص کو اس کا بدلہ دیا جائے جو اس نے کوشش کی'' اللہ تعالیٰ نے قیامت کے آنے کی حکمت بیان فرمائی ہے کہ ہر شخص نے زندگی میں جو کام کیے ہیں اسے ان کی جزا دی جائے۔''

(7) قیامت کی گھڑی کا تصور انسان کو بے راہ روی سے بچاتا ہے۔ قیامت کی توقع انسان کے اندر خوف پیدا کرتی ہے۔

(8) قیامت کے دن تمام انسانوں کو ان کے اعمال ہی کا بدلہ دیا جائے گا۔ اس حقیقت کو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں مختلف مقامات پر واضح فرمایا ہے: ﴿وَلِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الۡاَرۡضِ ۙ لِیَجۡزِیَ الَّذِیۡنَ اَسَآءُوۡا بِمَا عَمِلُوۡا وَیَجۡزِیَ الَّذِیۡنَ اَحۡسَنُوۡا بِالۡحُسۡنٰی﴾ ''اور اللہ تعالیٰ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے تاکہ جنہوں نے برائیاں کیں اُنہیں اس کا بدلہ دے جو انہوں نے عمل کیا اور جن لوگوں نے بھلائی کی انہیں بھلائی کے ساتھ بدلہ دے'' (النجم:31)

(9) ﴿اِصۡلَوۡهَا فَاصۡبِرُوۡۤا اَوۡ لَا تَصۡبِرُوۡا ۚ سَوَآءٌ عَلَیۡكُمۡ ؕ اِنَّمَا تُجۡزَوۡنَ مَا كُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ﴾ ''اُس جہنم میں داخل ہو جاؤ، پھر تم صبر کرو یا نہ کرو، تم پر برابر ہے۔ تمہیں اُنہی اعمال کا بدلہ دیا جا رہا ہے جو تم کیا کرتے تھے۔'' (الطور:16)

(10) ﴿فَمَنۡ یَّعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّةٍ خَیۡرًا یَّرَهٗ ﴿۷﴾ وَمَنۡ یَّعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا یَّرَهٗ ﴿۸﴾﴾ ''تو جو ذرّہ برابر نیکی کرے گا وہ اُس کو دیکھ لے گا۔ اور جو ذرّہ برابر بدی کرے گا وہ اُس کو دیکھ لے گا۔'' (الزلزال:7,8)

﴿فَلَا یَصُدَّنَّكَ عَنۡهَا مَنۡ لَّا یُؤۡمِنُ بِهَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ فَتَرۡدٰی﴾

''سو تمہیں اس سے روک نہ دے کوئی شخص جو اس پر ایمان نہیں لایا اور اپنی خواہش کے پیچھے لگا ہوا ہے، پس تم ہلاک ہو جاؤ گے'' (16)

سوال 1: ﴿فَلَا یَصُدَّنَّكَ عَنۡهَا مَنۡ لَّا یُؤۡمِنُ بِهَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ فَتَرۡدٰی﴾ ''سو تمہیں اس سے روک نہ دے کوئی شخص جو اس

پر ایمان نہیں لایا اور اپنی خواہش کے پیچھے لگا ہوا ہے، پس تم ہلاک ہو جاؤ گے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1)﴿فَلَا يَصُدَّنَّكَ عَنْهَا مَنْ لَّا يُؤْمِنُ بِهَا﴾ ''سو تمہیں اس سے روک نہ دے کوئی شخص جو اس پر ایمان نہیں لایا'' اللہ رب العزت نے اس لیے چوکنا کیا ہے کہ ایسا شخص جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے غافل ہوتا ہے اس کی فطرت میں بگاڑ ہوتا ہے اور وہ خوب صورت باتوں سے فریب دے سکتا ہے لہٰذا ایسے لوگوں سے چوکنا رہو جو خواہش پرست ہوں کہیں تم بھی آخرت کے اندیشے کو گم نہ کر بیٹھو۔

(2)﴿وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ فَتَرْدٰى﴾ ''اور اپنی خواہش کے پیچھے لگا ہوا ہے، پس تم ہلاک ہو جاؤ گے'' جو شخص اپنی خواہشات کی پیروی کرتا ہے وہ قیامت کے بارے میں شبہات پیدا کرتا ہے کیونکہ اس کا مقصد خواہشات کے پیچھے بھاگنا ہوتا ہے یہی چیز اسے خود ایمان لانے سے روکتی ہے اور اسی کے لیے وہ دوسروں کے دلوں میں بھی وسوسے ڈالتا ہے۔

(3) ایسے لوگوں سے بچیں جو باطل کی طرف بلائیں اور دلوں میں شبہات پیدا کریں۔ ایسی کتابوں سے بھی بچیں۔

(4) ایسے لوگوں کے راستے پر آپ چلے تو ہلاک ہو جائیں گے۔

(5) جو بھی کسی ایسے شخص کی پیروی کرے گا اس کا انجام بہت برا ہو گا جیسا کہ رب العزت نے فرمایا: ﴿وَمَا يُغْنِىْ عَنْهُ مَالُهٗٓ اِذَا تَرَدّٰى﴾ ''اور اُس کا مال اُس کے کام نہ آئے گا جب وہ (جہنم میں) گرے گا۔'' (اللیل:11)

﴿وَمَا تِلْكَ بِيَمِيْنِكَ يٰمُوْسٰى﴾

''اور اے موسیٰ! یہ تمہارے دائیں ہاتھ میں کیا ہے؟'' (17)

سوال 1: ﴿وَمَا تِلْكَ بِيَمِيْنِكَ يٰمُوْسٰى﴾ ''اور اے موسیٰ! یہ تمہارے دائیں ہاتھ میں کیا ہے؟'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) رب العزت نے جب ایمان کے بنیادی امور کا ذکر فرمایا تو ایسی نشانیاں دکھانے کا ارادہ کیا جن سے ان کے دل مطمئن ہو جائیں اور ان کے ایمان کو قوت ملے۔

(2) ''اور اے موسیٰ! یہ تمہارے دائیں ہاتھ میں کیا ہے؟'' یہ سوال اس لئے کیا گیا کہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے ذہن میں لاٹھی کا لاٹھی ہونا حقیقت بن کر تازہ ہو جائے تا کہ جب لاٹھی میں تبدیلی آئے تو وہ اس حقیقت کو قبول کر سکیں۔

﴿قَالَ هِىَ عَصَاىَ ۚ اَتَوَكَّؤُا عَلَيْهَا وَاَهُشُّ بِهَا عَلٰى غَنَمِىْ وَلِىَ فِيْهَا مَاٰرِبُ اُخْرٰى﴾

''موسیٰ نے کہا: ''یہ میری لاٹھی ہے میں اس پر ٹیک لگاتا ہوں اور میں اس کے ساتھ اپنی بکریوں پر پتے جھاڑتا ہوں اور اس میں میرے لیے اور بھی کئی ضرورتیں ہیں'' (18)

سوال 1: ﴿قَالَ هِىَ عَصَاىَ ۚ اَتَوَكَّؤُا عَلَيْهَا وَاَهُشُّ بِهَا عَلٰى غَنَمِىْ وَلِىَ فِيْهَا مَاٰرِبُ اُخْرٰى﴾ ''موسیٰ نے کہا: ''یہ میری لاٹھی ہے میں اس پر ٹیک لگاتا ہوں اور میں اس کے ساتھ اپنی بکریوں پر پتے جھاڑتا ہوں اور اس میں میرے لیے اور بھی کئی

ضرورتیں ہیں‘‘اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿قَالَ هِيَ عَصَايَ﴾’’موسیٰ نے کہا: یہ میری لاٹھی ہے‘‘ سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے اپنے عصا کے بارے میں بتایا اور رب العزت نے اسے کمال درجے کا حیرت انگیز معجزہ بنادیا جو سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی سچائی کی دلیل ہے۔

(2)﴿اَتَوَكَّؤُا عَلَيْهَا وَاَهُشُّ بِهَا عَلٰى غَنَمِيْ﴾’’میں اس پر ٹیک لگاتا ہوں اور میں اس کے ساتھ اپنی بکریوں پر پتے جھاڑتا ہوں‘‘ سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے عصا کے دو فوائد بتائے ایک تو یہ کہ چلتے چلتے میں اس پر ٹیک لگا کر کھڑا ہو جاتا ہوں، دوسرے جانوروں کے لیے فائدہ ہے کہ جب میں بکریاں چراتا ہوں تو میں درختوں سے پتے بھی جھاڑ لیتا ہوں۔

(3)سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے اخلاق حسنہ کا ذکر ہے کہ وہ کیسے جانوروں سے اچھا سلوک کرتے تھے۔

(4)یہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ کی عنایت کی دلیل تھی۔

(5)﴿وَلِيَ فِيْهَا مَاٰرِبُ اُخْرٰى﴾’’اور اس میں میرے لیے اور بھی کئی ضرورتیں ہیں‘‘ سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے جن دوسرے فوائد کے بارے میں بتایا اللہ تعالیٰ نے ان کا ذکر نہیں فرمایا۔

(6)سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ لاٹھی کا پکڑنا انبیاء کی سنت میں سے ہے اور مومن کے لیے نشانی ہے۔(تفسیر منیر:540/8)

(7)امام حسن بصری کہتے ہیں: اس لاٹھی کی چھ خصوصیات ہیں۔(i)انبیاء کی سنت ہے۔(ii)صالحین کی زینت ہے۔(iii)دشمنوں کے لیے یہ اسلحہ ہے۔(iv)کمزوروں کے لیے مددگار ہے۔(v)منافقوں کے لیے غم ہے(vi)اور اطاعت میں اضافہ کرنے کا سبب ہے۔(تفسیر منیر:540/8)

﴿قَالَ اَلْقِهَا يٰمُوْسٰى﴾

’’اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ’’پھینک دو اس کو اے موسیٰ!‘‘(19)

سوال1:﴿قَالَ اَلْقِهَا يٰمُوْسٰى﴾’’اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ’’پھینک دو اس کو اے موسیٰ!‘‘اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)اللہ تعالیٰ نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو معجزہ عطا کرنا چاہتے تھے جو عصائے موسیٰ علیہ السلام کے نام سے مشہور ہے۔

(2)سیدنا موسیٰ علیہ السلام کا ذہن اس قدر بیدار تھا اور وہ بالکل تیار تھے کہ جو حکم ملے اس کو فوراً کر ڈالیں۔اطاعت بیداری کے ساتھ ہوتی ہے۔غفلت کے ساتھ نہیں ہوتی اور جوں ہی اللہ تعالیٰ نے حکم دی:﴿اَلْقِهَا يٰمُوْسٰى﴾’’پھینک دو اس کو اے موسیٰ‘‘﴿فَاَلْقٰهَا﴾’’تو موسیٰ نے اس کو پھینک دیا۔‘‘

﴿فَاَلْقٰىهَا فَاِذَا هِيَ حَيَّةٌ تَسْعٰى﴾

’’تو موسیٰ نے اس کو پھینک دیا تو اچانک وہ ایک سانپ تھا جو دوڑ رہا تھا‘‘(20)

سوال1:﴿فَاَلۡقٰهَا فَاِذَا هِیَ حَیَّۃٌ تَسۡعٰی﴾ ’’تو موسیٰ نے اس کو پھینک دیا تو اچانک وہ ایک سانپ تھا جو دوڑ رہا تھا‘‘ اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿فَاَلۡقٰهَا فَاِذَا هِیَ حَیَّۃٌ تَسۡعٰی﴾ ’’تو موسیٰ نے اس کو پھینک دیا تو اچانک وہ ایک سانپ تھا جو دوڑ رہا تھا‘‘ اللہ تعالیٰ کے حکم سے یہ عصا ایک بہت بڑے سانپ میں تبدیل ہو گیا اور موسیٰ علیہ السلام خوف کھا کر بھاگے اور پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھا۔ اس سانپ کا وصف یہ بیان فرمایا کہ وہ حرکت کرتا تھا یہ ایک وہم کے ازالے کے لئے تھا جو ممکن تھا کہ کہیں یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ یہ سب تخیل کی کارفرمائی ہے اور اس میں کوئی حقیقت نہیں۔ پس اس کے حرکت کرنے نے اس وہم کا ازالہ کر دیا۔ (تفسیر سعدی:1608/2)

(2) لاٹھی کے سانپ بننے، ہتھیلی کے چمک اٹھنے اور ہارون علیہ السلام کے وزیر و شریک ہونے کا ذکر تورات میں بھی ہے (خروج4) نیز یہ کہ خدا نے فرمایا ’’اب تو جا میں تجھے فرعون کے پاس بھیجتا ہوں (خروج3:12)(تفسیر ترجمان القرآن:448/2)

(3) یہ واضح رہے کہ مصر میں جہاں موسیٰ کو تبلیغ کرنی تھی، سانپ کی حیثیت ایک دیوتا کی تھی، اور اس کی پوجا ہوا کرتی تھی۔ (تفسیر ماجدی:229/3)

(4) سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے لاٹھی پھینکی تو وہ سانپ بن گئی۔ یوں زندگی کا معجزہ ظاہر ہو گیا۔ زندگی ایسے ہی آتی ہے۔ اس کا راز کبھی کوئی جان نہیں پایا کہ یہ کہاں سے آتی ہے اور کس طرح سے آتی ہے؟ یہ عقدہ انسان پر نہیں کھلا۔ انسان کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ جسے چاہے زندہ کر دے اور جسے چاہے مار ڈالے۔

﴿قَالَ خُذۡهَا وَلَا تَخَفۡ ٭ سَنُعِیۡدُهَا سِیۡرَتَهَا الۡاُوۡلٰی﴾

’’اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ’’اس کو پکڑو اور ڈرو مت! جلد ہی ہم اسے اس کی پہلی حالت پر لوٹا دیں گے‘‘ (21)

سوال1:﴿قَالَ خُذۡهَا وَلَا تَخَفۡ ٭ سَنُعِیۡدُهَا سِیۡرَتَهَا الۡاُوۡلٰی﴾ ’’اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ’’اس کو پکڑو اور ڈرو مت! جلد ہی ہم اسے اس کی پہلی حالت پر لوٹا دیں گے‘‘ اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿قَالَ خُذۡهَا وَلَا تَخَفۡ﴾ ’’اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ’’اس کو پکڑو اور ڈرو مت!‘‘ یعنی تجھے اس سے کوئی تکلیف نہیں آئے گی۔

(2) سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے عصا نے یک لخت سانپ کا روپ اختیار کیا تھا اس لیے زندگی کے اس معجزے سے دہشت کھا گئے حالانکہ یہ واقعہ ہمارے سامنے مسلسل ہوتا ہے لیکن تدریجی طور پر اس لیے محسوس نہیں ہوتا کہ مٹی پودوں اور درختوں میں بدلتی ہے لیکن آہستگی سے ہونے والا کام دہشت زدہ نہیں کرتا البتہ اچانک مٹی سے بنی لکڑی زندہ سانپ میں بدل جائے تو انسان دہشت زدہ ہو سکتا ہے۔

(3) زندگی کا معجزہ ہر کوئی ساری زندگی دیکھتا ہے۔ کیا آپ نے کبھی دانے کو گندم بنتے نہیں دیکھا؟ کیا بیج سے پورا درخت اگتے نہیں دیکھا؟ کیا اسی طرح سے بچوں کی پیدائش کو نہیں دیکھا؟ کہاں سے آغاز ہوتا ہے اور کہاں اللہ تعالیٰ کی طرف سے مکمل بچہ بنا کر بھیج دیا جاتا ہے۔ سبحان اللہ! کس طرح سے انسان اپنے سامنے زندگی کو ظہور میں آتے دیکھتا ہے لیکن یہ بات انسان کا ذہن اس لیے قبول نہیں کرتا کہ بیج

کو فصل بنتے ہوئے کئی مہینے لگ جاتے ہیں اور یہاں لاٹھی یکدم سانپ بن گئی۔ یعنی طریقہ کار تو وہی ہے لیکن بہت تیزی کے ساتھ ہو گیا۔

(4)﴿سَنُعِيدُهَا سِيرَتَهَا الْأُولَىٰ﴾ ''جلد ہی ہم اسے اس کی پہلی حالت پر لوٹا دیں گے'' یعنی ہم اسے اس کی اصلی ہیئت اور صفت کی طرف لوٹا دیں گے جو عصا کی ہوتی ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے ایمان اور تسلیم ورضا سے اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کی اور سانپ کو پکڑ لیا اور سانپ اسی جانے پہچانے عصا میں تبدیل ہو گیا۔ یہ (پہلا) معجزہ ہے۔ (تفسیر سعدی: 1608/2)

(5) اللہ تعالیٰ چاہتے تھے کہ عصا کو دوبارہ اپنی اصلی حالت پر لے آئیں تاکہ معجزہ دوسری شکل میں ظاہر ہو جائے یہ زندگی سے موت تک کا سفر تھا جو اچانک ظاہر ہو گیا۔ یعنی سانپ اچانک لکڑی بن گیا۔ یہ آنکھوں پر جادو نہیں کیا گیا تھا۔ یہ حقیقت تھی۔ یہی تو بڑا معجزہ تھا۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو پہلا معجزہ ''زندگی کا معجزہ'' عطا کیا گیا۔ انہیں خود بھی پتہ نہیں تھا لیکن معجزہ ان کے ہاتھوں سے ظاہر ہو رہا تھا۔

﴿وَاضْمُمْ يَدَكَ إِلَىٰ جَنَاحِكَ تَخْرُجْ بَيْضَاءَ مِنْ غَيْرِ سُوءٍ آيَةً أُخْرَىٰ﴾

''اور اپنا ہاتھ اپنی بغل سے ملا دو وہ سفید چمکتا ہوا بغیر عیب کے نکلے گا، یہ دوسری نشانی ہے'' (22)

سوال 1: ﴿وَاضْمُمْ يَدَكَ إِلَىٰ جَنَاحِكَ تَخْرُجْ بَيْضَاءَ مِنْ غَيْرِ سُوءٍ آيَةً أُخْرَىٰ﴾ ''اور اپنا ہاتھ اپنی بغل سے ملا دو وہ سفید چمکتا ہوا بغیر عیب کے نکلے گا، یہ دوسری نشانی ہے'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1)﴿وَاضْمُمْ يَدَكَ إِلَىٰ جَنَاحِكَ﴾ ''اور اپنا ہاتھ اپنی بغل سے ملاؤ'' یہ دوسرا معجزہ ہے۔ (2) اپنا ہاتھ اپنی بغل سے ملا لو۔

(3)﴿تَخْرُجْ بَيْضَاءَ مِنْ غَيْرِ سُوءٍ﴾ ''وہ سفید چمکتا ہوا بغیر عیب کے نکلے گا'' یعنی بغیر برص کے سفید چمکتا ہوا نکلے گا۔''

(4)﴿آيَةً أُخْرَىٰ﴾ ''یہ دوسری نشانی ہے'' اس نشانی کی وضاحت رب العزت نے سورہ القصص میں یوں کی ہے: ﴿اُسْلُكْ يَدَكَ فِي جَيْبِكَ تَخْرُجْ بَيْضَاءَ مِنْ غَيْرِ سُوءٍ ز وَاضْمُمْ إِلَيْكَ جَنَاحَكَ مِنَ الرَّهْبِ فَذَٰنِكَ بُرْهَانَانِ مِنْ رَبِّكَ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَمَلَئِهِ ط إِنَّهُمْ كَانُوا قَوْمًا فَاسِقِينَ﴾ ''اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں ڈالو، بغیر کسی عیب کے سفید چمکتا ہوا نکلے گا اور خوف سے (بچنے کے لیے) اپنا بازو اپنے ساتھ ملا لو سو یہ تمہارے رب کی طرف سے دو دلیلیں ہیں فرعون اور اُس کے سرداروں کے لئے یقیناً وہ بڑے نافرمان لوگ ہیں۔'' (القصص: 32)

﴿لِنُرِيَكَ مِنْ آيَاتِنَا الْكُبْرَىٰ﴾

''تاکہ ہم تمہیں اپنی بڑی نشانیوں میں سے کچھ دکھائیں'' (23)

سوال 1: ﴿لِنُرِيَكَ مِنْ آيَاتِنَا الْكُبْرَىٰ﴾ ''تاکہ ہم تمہیں اپنی بڑی نشانیوں میں سے کچھ دکھائیں'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿لِنُرِيَكَ مِنْ آيَاتِنَا الْكُبْرَىٰ﴾ ''تاکہ ہم تمہیں اپنی بڑی نشانیوں میں سے کچھ دکھائیں'' مذکور افعال یعنی عصا کا سانپ بن

جانااور ہاتھ کا دیکھنے والوں کے لئے سفید چمکدار ہوجانا صرف اس لئے سرانجام دیئے ہیں تاکہ ہم تجھ کو اپنی بڑی بڑی نشانیوں کا مشاہدہ کروائیں، جو تیری رسالت کی صحت اور جو کچھ تو لے کر آیا ہے اس کی حقیقت پر دلالت کرتی ہیں اور یوں تجھ کو اطمینان قلب حاصل ہوگا، تیرے علم میں اضافہ ہوگا اور تو اللہ تعالیٰ کی حفاظت اور نصرت کے وعدے پر بھروسہ کرے گا، نیز یہ نشانیاں ان لوگوں کے سامنے حجت اور دلیل ہوں گی جن کی طرف تجھ کو مبعوث کیا جارہا ہے۔ (تفسیر سعدی:1608/2)

﴿اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى﴾

''اب تم فرعون کے پاس جاؤ، یقیناً اس نے سرکشی کی ہے'' (24)

سوال 1: ﴿اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى﴾ ''اب تم فرعون کے پاس جاؤ، یقیناً اس نے سرکشی کی ہے'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ﴾ ''اب تم فرعون کے پاس جاؤ'' اللہ رب العزت نے نبوت کے بعد مصر کے بادشاہ فرعون کی طرف مبعوث کیا۔

(2) ﴿اِنَّهٗ طَغٰى﴾ ''یقیناً اس نے سرکشی کی ہے'' یعنی وہ اپنے کفر وفساد میں، زمین میں تغلب اور کمزوروں پر ظلم کرنے میں حد سے بڑھ گیا ہے حتیٰ کہ اس نے ربوبیت اور الوہیت کا دعویٰ کردیا۔ ﴿قَبَّحَهُ اللّٰهُ﴾ یعنی اس کی سرکشی اس کی ہلاکت کا سبب ہے، لیکن یہ اللہ تعالیٰ کی بے پایاں رحمت، اس کی حکمت اور اس کا عدل ہے کہ وہ کسی کو اس وقت تک عذاب نہیں دیتا جب تک کہ انبیاء ومرسلین کے ذریعے سے اس پر حجت قائم نہیں کردیتا۔ (تفسیر سعدی:1609/2)

(3) فرعون یعنی بادشاہ مصر۔ اس پر توریت اور ساری تاریخوں کا اتفاق ہے کہ فرعون، سیدنا موسیٰ علیہ السلام کا معاصر تھا، وہ متکبر، جابر وفاسق تھا اور خدا کا اوتار تو بہرحال ہر فرعون مصر سمجھا ہی جاتا تھا۔ فرعون کسی بادشاہ کا شخصی نام نہ تھا، بلکہ اس نسل شاہی کے سارے ہی تاجداروں کا ایک عمومی لقب تھا، اور یہ خاص فرعون اپنے ظلم اور زیادتیوں میں اور بڑھا ہوا تھا۔ (تفسیر ماجدی:231/3)

(4) سیدنا موسیٰ پر واضح کیا گیا کہ آپ کو اس عظیم مہم کے لیے چنا گیا ہے۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو یہ کہنے کا حکم دیا تھا: ﴿فَقُلْ هَلْ لَّكَ اِلٰٓى اَنْ تَزَكّٰى (۱۸) وَاَهْدِيَكَ اِلٰى رَبِّكَ فَتَخْشٰى (۱۹)﴾ ''پس کہہ دو کہ کیا تیرے لیے کوئی رغبت ہے کہ تم پاکیزگی اختیار کرو؟ اور میں تمہارے رب کی طرف تمہاری راہ نمائی کروں کہ تم ڈرنے لگ جاؤ؟'' (النازعات:18,19)

رکوع نمبر 11

﴿قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِيْ صَدْرِيْ﴾

''موسیٰ نے کہا: ''اے میرے رب! میرے لئے میرا سینہ کھول دے'' (25)

سوال1: ﴿قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِيْ صَدْرِيْ﴾ ''موسیٰ نے کہا: ''اے میرے رب! میرے لئے میرا سینہ کھول دے''اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ''موسیٰ نے کہا: ''اے میرے رب! میرے لئے میرا سینہ کھول دے''اس وقت موسیٰ علیہ السلام کو معلوم ہوا کہ انہوں نے بہت بڑی ذمہ داری کا بوجھ اٹھالیا ہے اور انہیں ایک جابر اور سرکش انسان کی طرف مبعوث کیا گیا ہے، جس کا مصر میں مقابلہ کرنے والا کوئی نہیں جب کہ موسیٰ علیہ السلام تن تنہا ہیں، علاوہ ازیں ان سے ایک قتل بھی سرزد ہو چکا تھا، لیکن انہوں نے اپنے رب کے حکم کی تعمیل کی اور انشراح صدر کے ساتھ اس کو قبول کیا اور اللہ تعالیٰ سے مدد اور اسباب کی فراہمی کا سوال کیا جن کی بنا پر دعوت کی تکمیل ہوتی ہے، چنانچہ عرض کیا: ﴿رَبِّ اشْرَحْ لِيْ صَدْرِيْ﴾ یعنی اے اللہ! میرے سینے کو کھول دے اور اسے وسعت عطا کر تاکہ میں قولی اور فعلی اذیتیں برداشت کرسکوں اور میرا قلب تکدر کا شکار نہ ہو اور میرا سینہ تنگ نہ ہو کیونکہ انسان کا سینہ جب تنگ ہوتا ہے تو وہ مخلوق کی ہدایت اور ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دینے کا اہل نہیں رہتا۔ رب العزت نے نبی ﷺ سے فرمایا: ﴿فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ۖ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ ۚ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ﴾ ''پس اللہ تعالیٰ کی بڑی رحمت ہی کی وجہ سے آپ ان کے لیے نرم ہو گئے ہیں اور اگر آپ بدخُلق اور سخت دل ہوتے تو یقیناً وہ آپ کے آس پاس سے منتشر ہو جاتے، سو آپ انہیں معاف کر دیں اور اُن کے لئے بخشش مانگیں اور معاملات میں ان سے مشورہ کریں، پھر جب آپ پختہ ارادہ کرلیں تو اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کریں، بلاشبہ اللہ تعالیٰ بھروسہ کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔'' (آل عمران: 159) لوگ (داعی کی) نرم خوئی، کشادہ دلی اور ان کے بارے میں اس سے انشراح صدر کی بنا پر قبول حق کے قریب آتے ہیں۔ (تفسیر سعدی: 1609/2)

(2) یعنی اے میرے رب میرے دل کو وسعت دے یہاں تک کہ میں اس کا خوف نہ کھاؤں اور یہ بھی کہ میرے دل کو اسلام کے لیے نرم کردے یہاں تک کہ میں اس پر ثابت قدم ہو جاؤں۔ (تفسیر سمرقندی: 410/2)

(3) یعنی اس (دل) کو وسعت دے اور اسے ایمان اور نبوت کا نور عطا فرما۔ (صفوۃ التفاسیر: 203/2)

(4) رب العزت نے نبی ﷺ کے شرح صدر کے بارے میں فرمایا: ﴿اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ﴾ کیا ہم نے آپ کے لئے آپ کا سینہ نہیں کھول دیا؟ (الم نشرح: 1)

(5) سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ اپنی قوم کے ایک شخص مالک بن صعصعہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ''میں بیت اللہ کے پاس نیم خوابی کے عالم میں تھا (کچھ سو رہا تھا اور کچھ جاگ رہا تھا) اچانک میں نے ایک بولنے والے کی آواز سنی، وہ کہہ رہا تھا تین آدمیوں میں سے ایک (محمد ہیں)، پھر میرے پاس سونے کا ایک طشت لایا گیا، اس میں زمزم کا پانی تھا، اس نے میرے سینے کو چاک کیا یہاں سے یہاں تک''، قتادہ کہتے ہیں: میں نے انس سے کہا: کہاں تک؟ انہوں نے کہا: آپ نے فرمایا: ''پیٹ کے نیچے تک''، پھر آپ

نے فرمایا: ''اس نے میرا دل نکالا، پھر اس نے میرے دل کو زمزم سے دھویا، پھر دل کو اس کی جگہ پر رکھ دیا گیا اور ایمان وحکمت سے اسے بھر دیا گیا اس حدیث میں ایک لمبا قصہ ہے''۔ (ترمذی:3346)

(6) قرآن مجید میں جس شرح صدر کا مذکور ہے، وہ روایات بالا کی تصدیق فرماتا ہے اور بایں ہمہ وسیع تر معانی کا اظہار کرتا ہے آیات ذیل پر غور کرو۔ ﴿فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ ۚ وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي السَّمَآءِ ۭ كَذٰلِكَ يَجْعَلُ اللّٰهُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ﴾ ''تو جس شخص کو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ اسے ہدایت دے، اس کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیتا ہے اور جسے وہ چاہتا ہے کہ اسے گمراہ کردے اس کا سینہ تنگ، نہایت گھٹا ہوا بنا دیتا ہے گویا کہ وہ مشقت سے آسمان میں چڑھ رہا ہے، اس طرح اللہ تعالیٰ گندگی ڈال دیتا ہے اُن لوگوں پر جو ایمان نہیں لاتے۔'' (الانعام:125)

(7) ﴿اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰي نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ۭ فَوَيْلٌ لِّلْقٰسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ مِّنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ۭ اُولٰۗئِكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ﴾ ''کیا پھر وہ شخص جس کا سینہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کے لیے کھول دیا، سو وہ اپنے رب کی طرف سے ایک روشنی پر ہے (کسی کافر جیسا ہو سکتا ہے)؟ پس اُن کے لیے تباہی ہے جن کے دل اللہ تعالیٰ کی یاد سے سخت ہو گئے، یہی لوگ کھلی گمراہی میں ہیں۔'' (الزمر:22)

(8) ﴿مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِهٖٓ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَىِٕنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ وَلٰكِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰهِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ﴾ ''اس نے اپنے ایمان کے بعد اللہ تعالیٰ سے کفر کیا ماسوا اُس کے جسے مجبور کیا گیا ہو مگر اُس کا دل ایمان پر مطمئن ہو، لیکن جس نے اپنے سینے کو کفر کے لیے کھول دیا تو ان پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہے اور اُن کے لیے بہت بڑا عذاب ہے۔'' (النحل:106)

﴿وَيَسِّرْ لِيْٓ اَمْرِيْ﴾

''اور میرے کام کو میرے لیے آسان کردے'' (26)

سوال 1: ﴿وَيَسِّرْ لِيْٓ اَمْرِيْ﴾ ''اور میرے کام کو میرے لیے آسان کردے'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَيَسِّرْ لِيْٓ اَمْرِيْ﴾ ''اور میرے کام کو میرے لیے آسان کردے۔'' اللہ تعالیٰ تنگی اور آسانی کا مالک ہے اس کے سوا کوئی آسانیاں پیدا نہیں کر سکتا۔ (2) نبی ﷺ یہ دعا کرتے تھے: ﴿اَللّٰهُمَّ لَا سَهْلَ اِلَّا مَا جَعَلْتَهٗ سَهْلًا وَّاَنْتَ تَجْعَلُ الْحَزْنَ اِذَا شِئْتَ سَهْلًا﴾ ''اے اللہ! نہیں ہے کوئی کام آسان مگر وہی جسے تو آسان کردے اور تو مشکل کام کو آسان کر دیتا ہے جب تو چاہے۔'' (صحیح ابن حبان:24217)

(3) یعنی میرے لئے میرا ہر معاملہ اور اپنے راستے میں میری ہر منزل کو آسان کردے، میرے سامنے جو مشکلات اور سختیاں ہیں ان کو نرم کر دے۔ معاملے کو آسان کرنا یہ ہے کہ داعی نہایت آسانی کے ساتھ تمام معاملات کو ان کے اپنے اپنے دائرے میں نمٹا سکے۔ ہر شخص سے اس

کے مزاج کی مناسبت سے مخاطب ہو اور اسے اس طریقے سے دعوت دے جو قبول حق کے قریب تر ہو۔ (تفسیر سعدی: 1610/2)

﴿وَاحۡلُلۡ عُقۡدَةً مِّنۡ لِّسَانِیۡ﴾

''اور میری زبان کی گرہ کو کھول دے'' (27)

سوال 1: ﴿وَاحۡلُلۡ عُقۡدَةً مِّنۡ لِّسَانِیۡ﴾ ''اور میری زبان کی گرہ کو کھول دے'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَاحۡلُلۡ عُقۡدَةً مِّنۡ لِّسَانِیۡ﴾ ''اور میری زبان کی گرہ کو کھول دے'' (i) سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے یہ درخواست اس لیے کی تھی کہ لوگ اُن کی بات کو سمجھ جائیں۔ (ii) تا کہ پوری وضاحت سے بات کو بیان کیا جا سکے۔ (iii) تا کہ اپنا دفاع بھی کیا جا سکے۔

(2) ادائے فرائض میں سہولت ڈھونڈھنا اور آسانی تلاش کرنا ایک امر طبعی بشری ہے اور منصب نبوت کے منافی ہونا الگ رہا، عین سنت انبیاء ہے۔ (تفسیر ماجدی: 232/3)

(3) اس دور میں ابلاغ کا واحد ذریعہ صرف کسی خطیب کا خطابت و زبان آوری ہی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ اس زمانہ میں خطیبوں کو سوسائٹی میں سب سے زیادہ عزت حاصل تھی۔ عرب میں تو یہ حال تھا کہ جو شخص قبیلہ کا خطیب ہوتا وہی اس کا زعیم اور قائد ہوتا۔ (تفسیر تدبر القرآن: 38/5)

﴿يَفۡقَهُوۡا قَوۡلِیۡ﴾

''تا کہ وہ میری بات سمجھیں'' (28)

سوال 1: ﴿يَفۡقَهُوۡا قَوۡلِیۡ﴾ ''تا کہ وہ میری بات سمجھیں'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿يَفۡقَهُوۡا قَوۡلِیۡ﴾ ''تا کہ وہ میری بات سمجھیں'' موسیٰ علیہ السلام کی زبان میں ثقل تھا جس کی وجہ سے ان کی بات مشکل سے سمجھ میں آتی تھی جیسا کہ مفسرین کی رائے ہے اور جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اس بارے میں فرمایا: ﴿وَاَخِیۡ هٰرُوۡنُ هُوَ اَفۡصَحُ مِنِّیۡ لِسَانًا﴾ ''میرا بھائی ہارون زبان میں مجھ سے زیادہ فصیح ہے'' (القصص: 34) سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ وہ ان کی زبان کی گرہ کھول دے تا کہ لوگ ان کی بات کو سمجھ سکیں اور خطاب اور معانی کے بیان کا مقصد پورا ہو سکے۔ (تفسیر سعدی: 1610/2)

(2) اچھی طرح بات سمجھانے کی قدرت ہو تو انسان رب کا پیغام پہنچا سکتا ہے۔

(3) اپنی بات کو عمدہ انداز میں دوسرے تک پہنچانا عظیم نعمت ہے جو رب العزت نے عطا کی ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿اَلرَّحۡمٰنُ (۱) عَلَّمَ الۡقُرۡاٰنَ (۲) خَلَقَ الۡاِنۡسَانَ (۳) عَلَّمَهُ الۡبَيَانَ (۴)﴾ ''وسیع رحمت والے نے۔ قرآن کی تعلیم دی۔ اُس نے انسان کو پیدا کیا۔ اُسے بولنا سکھایا۔'' (الرحمٰن: 1,4)

(4) سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے بیان کا مقصد پورا کرنے کی دعا کی کہ میں اس طرح بیان کرنے کے قابل ہو جاؤں کہ لوگ میری بات سمجھ سکیں۔

﴿وَاجۡعَلۡ لِّیۡ وَزِيۡرًا مِّنۡ اَهۡلِیۡ﴾

''اور میرے لیے میرے خاندان سے ایک معاون مقرر کردے''(29)

سوال1:﴿وَاجۡعَلۡ لِّیۡ وَزِیۡرًا مِّنۡ اَہۡلِیۡ﴾''اور میرے لیے میرے خاندان سے ایک معاون مقرر کردے''اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿وَاجۡعَلۡ لِّیۡ وَزِیۡرًا مِّنۡ اَہۡلِیۡ﴾''اور میرے لیے میرے خاندان سے ایک معاون مقرر کردے''سیدنا موسیٰ علیہ السلام چاہتے تھے جیسے وزیر بوجھ اُٹھانے والا ہوتا ہے، بادشاہ کا بوجھ اُٹھاتا ہے ایسے ہی میرے خاندان میں سے کوئی میرے ساتھ بوجھ اُٹھانے والا ہو جائے۔

(2) یعنی میرے گھر والوں میں سے میرا مددگار بنادے جو میری مدد کرے، جو میرا بوجھ بٹائے اور جن لوگوں کی طرف مجھے رسول بنا کر بھیجا جارہا ہے ان کے مقابلے میں مجھے تقویت دے اور اللہ تعالیٰ سے یہ بھی دعا کی یہ مددگار ان کے گھر والوں میں سے ہو اس لیے کہ یہ صلہ رحمی کا ایک طریقہ ہے۔(تفسیر سعدی:1610/2)

(3)﴿وَاَخِیۡ ہٰرُوۡنُ ہُوَ اَفۡصَحُ مِنِّیۡ لِسَانًا فَاَرۡسِلۡہُ مَعِیَ رِدۡاً یُّصَدِّقُنِیۡۤ ۫ اِنِّیۡۤ اَخَافُ اَنۡ یُّکَذِّبُوۡنِ﴾''میرا بھائی ہارون زبان میں مجھ سے زیادہ فصیح ہے، تو اُسے میرے ساتھ مددگار کے طور پر بھیج دے کہ وہ میری تائید کرے، یقیناً میں ڈرتا ہوں کہ وہ مجھے جھٹلائیں گے۔''(القصص:34)

(4) سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا:''کیا تم اس پر خوش نہیں ہو کہ تم میرے لیے ایسے ہی ہو جیسے موسیٰ علیہ السلام کے لیے ہارون علیہ السلام تھے؟''(بخاری:3706)

(5) سیدنا عیسیٰ علیہ السلام نے بھی اسی طرح مدد طلب کی تھی۔﴿فَلَمَّاۤ اَحَسَّ عِیۡسٰی مِنۡہُمُ الۡکُفۡرَ قَالَ مَنۡ اَنۡصَارِیۡۤ اِلَی اللّٰہِ ؕ قَالَ الۡحَوَارِیُّوۡنَ نَحۡنُ اَنۡصَارُ اللّٰہِ ۚ اٰمَنَّا بِاللّٰہِ ۚ وَاشۡہَدۡ بِاَنَّا مُسۡلِمُوۡنَ﴾''پھر جب عیسیٰ نے ان سے کفر محسوس کیا تو کہا:''کون اللہ تعالیٰ کی طرف میرا مددگار ہے؟''حواریوں نے کہا:''ہم اللہ تعالیٰ کے مددگار ہیں، ہم اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے ہیں اور آپ گواہ ہو جائیں کہ یقیناً ہم فرماں بردار ہیں۔''(آل عمران:52)

(6) رب العزت نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی دعا قبول کر لی۔فرمایا:﴿قَالَ سَنَشُدُّ عَضُدَکَ بِاَخِیۡکَ وَنَجۡعَلُ لَکُمَا سُلۡطٰنًا فَلَا یَصِلُوۡنَ اِلَیۡکُمَا ۚ بِاٰیٰتِنَاۤ ۚ اَنۡتُمَا وَمَنِ اتَّبَعَکُمَا الۡغٰلِبُوۡنَ﴾''اللہ تعالیٰ نے فرمایا:''ہم جلد ہی تیرے بھائی کے ذریعے تیرا بازو مضبوط کریں گے۔اور ہم تم دونوں کو غلبہ دیں گے، سو وہ تم دونوں تک نہ پہنچیں گے، ہماری نشانیوں کے ساتھ، تم دونوں اور جو تم دونوں کی پیروی کریں گے، غالب ہونے والے ہیں۔''(القصص:35)

﴿ہٰرُوۡنَ اَخِی﴾

''ہارون کو جو میرا بھائی ہے''(30)

سوال 1: ﴿هٰرُوْنَ اَخِي﴾ ''ہارون کو جو میرا بھائی ہے۔'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿هٰرُوْنَ اَخِي﴾ ''ہارون کو جو میرا بھائی ہے۔'' سیدنا ہارون علیہ السلام سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے حقیقی بڑے بھائی تھے ان کو سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی دعا التجا پر نبوت عطا ہوئی تھی۔ (2) بائبل میں ہے کہ سیدنا ہارون علیہ السلام کے متعلق عبادت خانہ کا اہتمام تھا اور وہی امامت کرایا کرتے تھے۔

(3) قرآن مجید میں سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی زبان سے فرمایا گیا: (القصص:34) فصاحت و بلاغت کا تعلق الفاظ سے بھی ہے معنی سے بھی مناسب موقع اور اسلوب کلام سے بھی ہے۔

(4) نبی ﷺ کی فصاحت آپ ﷺ کے اقوال سے ظاہر ہوتی ہے۔ (i) ﴿مَا هَلَكَ امْرُءٌ عَرَفَ قَدْرَهٗ﴾ ''جو کوئی اپنی قدر جان لیتا ہے وہ ہلاک نہیں ہوتا۔'' (ii) ﴿حُبُّكَ لِلشَّيْءِ يُعْمِيْ وَيُصِمُّ﴾ ''کسی شے کی محبت انسان کو اندھا بہرہ کر دیتی ہے۔'' (iii) ﴿اَلْيَدُ الْعُلْيَا خَيْرٌ مِّنَ الْيَدِ السُّفْلٰى﴾ ''اوپر والا ہاتھ نیچے کے ہاتھ سے بہتر ہے۔'' (iv) ﴿اَلْخَيْرُ كَثِيْرٌ وَقَلِيْلٌ فَاعِلُهٗ﴾ ''نیکی کی اقسام تو بہت ہیں مگر کرنے والے کم ہیں۔''

﴿اشْدُدْ بِهٖٓ اَزْرِيْ﴾

''اس سے میری پشت کو مضبوط کر دے'' (31)

سوال 1: ﴿اشْدُدْ بِهٖٓ اَزْرِيْ﴾ ''اس سے میری پشت کو مضبوط کر دے'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿هٰرُوْنَ اَخِي﴾ ''اس سے میری پشت کو مضبوط کر دے'' سیدنا موسیٰ علیہ السلام چاہتے تھے کہ مہم کو آگے بڑھائیں اس وجہ سے قوت کی درخواست کی تھی۔ (تفسیر منیر: 553/8)

(2) صلہ رحمی کا ایک طریقہ ہے انسان کی نیکی کا سب سے زیادہ مستحق اس کا رشتہ دار ہوتا ہے، پھر اپنی دعا میں اس مددگار کا تعین کرتے ہوئے فرمایا: یعنی مجھے میرے بھائی کے ذریعے قوت عطا کر، اور میری کمر کو مضبوط کر۔ فرمایا: ﴿قَالَ سَنَشُدُّ عَضُدَكَ بِاَخِيْكَ وَنَجْعَلُ لَكُمَا سُلْطٰنًا فَلَا يَصِلُوْنَ اِلَيْكُمَا ۚ بِاٰيٰتِنَآ ۚ اَنْتُمَا وَمَنِ اتَّبَعَكُمَا الْغٰلِبُوْنَ﴾ ''اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''ہم جلد ہی تیرے بھائی کے ذریعے تیرا بازو مضبوط کریں گے۔ اور ہم تم دونوں کو غلبہ دیں گے، سو وہ تم دونوں تک نہ پہنچیں گے، ہماری نشانیوں کے ساتھ، تم دونوں اور جو تم دونوں کی پیروی کریں گے، غالب ہونے والے ہیں۔'' (القصص:35) (تفسیر سعدی: 1610/2)

﴿وَاَشْرِكْهُ فِيْٓ اَمْرِيْ﴾

''اور اس کو میرے کام میں شریک کر دے'' (32)

سوال 1: ﴿وَاَشْرِكْهُ فِيْٓ اَمْرِيْ﴾ ''اور اس کو میرے کام میں شریک کر دے'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿وَاَشْرِكْهُ فِيْٓ اَمْرِيْ﴾ ''اور اس کو میرے کام میں شریک کردے'' یعنی میرے ساتھ انہیں بھی نبوت میں شریک کردیجئے یعنی انہیں بھی رسول اور نبی بنادیں۔(2) یعنی میرے ساتھ اسے بھی فرعون کے پاس بھیجئے۔(جامع البیان:179/16)

(3) سیدنا موسیٰ علیہ السلام مشورے سے کام کرنا چاہتے تھے کیونکہ اس سے کام مؤثر طور پر ہوجاتے ہیں اس لیے اُنہوں نے شرکت ضروری سمجھی۔

(4) تفسیر خازن میں ﴿وَاَشْرِكْهُ فِيْٓ اَمْرِيْ﴾ کے حوالے سے ہے کہ امرِ نبوت میں میرے ساتھ شریک ہوجائے اور رسالت کا کام کرنے کے لیے، اس کی تبلیغ کرنے کے لیے میرے ساتھ مددگار ہوجائے۔

(5)﴿وَاَشْرِكْهُ فِيْٓ اَمْرِيْ﴾ سے مراد ہے کہ اسے میرے ساتھ رسالت کے کام میں شریک کردیں یہاں تک کہ ہم باہمی تعاون کریں۔

﴿كَيْ نُسَبِّحَكَ كَثِيْرًا﴾

''تاکہ ہم کثرت سے تیری تسبیح بیان کریں''(33)

سوال1:﴿كَيْ نُسَبِّحَكَ كَثِيْرًا﴾ ''تاکہ ہم کثرت سے تیری تسبیح بیان کریں'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)''تاکہ ہم کثرت سے تیری تسبیح بیان کریں'' تسبیح کرنے سے ہی مہم کی کامیابی کے لیے ضروری تھا کیونکہ اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ سے مضبوط رابطہ جڑتا ہے۔

(2) نبی اور انبیاء کے طریقہ پر کام کرنے والوں کی خلوت وجلوت دونوں ذکر وتسبیح ہوتی ہے۔ وہ مسجد میں جو کام کرتے ہیں وہ بھی ذکر وتسبیح ہے اور بازار میں جو کام کرتے ہیں وہ بھی ذکر وتسبیح ہے۔(تفسیر تدبر القرآن:41/5)

(3) موسیٰ علیہ السلام کو معلوم تھا کہ تمام عبادات اور دین کا دارومدار اللہ تعالیٰ کے ذکر پر ہے تو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ وہ ان کے ساتھ ان کے بھائی کو بھی نبوت عطا کردے، وہ نیکی اور تقویٰ میں ایک دوسرے کی مدد کریں گے اور اس طرح اللہ تعالیٰ کا ذکر یعنی تسبیح اور عبادات کی دیگر انواع میں اضافہ ہوگا۔(تفسیر سعدی:1610/2)

(4) تسبیح کرنا ہی مہم کی کامیابی کے لیے ضروری ہے کیونکہ اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ سے مضبوط رابطہ جڑتا ہے۔

﴿وَّنَذْكُرَكَ كَثِيْرًا﴾

''اور ہم کثرت سے تیرا ذکر کریں''(34)

سوال1:﴿وَّنَذْكُرَكَ كَثِيْرًا﴾ ''اور ہم کثرت سے تیرا ذکر کریں'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)''اور ہم کثرت سے تیرا ذکر کریں'' ذکر کثیر بھی تسبیح کثیر کی طرح مہم کی کامیابی کے لیے ضروری تھا۔ اللہ تعالیٰ کا ذکر انسان کے دل کو مطمئن رکھتا ہے۔ رب سے تعلق کو جوڑے رکھتا ہے۔ انسان مایوس نہیں ہوتا۔

(2) دو آدمی مل کر تبلیغ ودعوت کا کام قدرتاً زیادہ قوت کے ساتھ کرسکتے ہیں اور ظاہر ہے کہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی غرض اس وزارت سے محض

دینی امور میں تقویت اور مصالح دعوت وتبلیغ کی تحصیل وتکمیل تھی۔(تفسیر ماجدی:233/3)

(3) مسلسل رابطے کے لیے اللہ تعالیٰ نے تسبیح اور ذکر کثیر کا حکم دیا۔

سوال2: انسان کثرت سے ذکر کرنے والا کب ہوتا ہے؟

جواب: انسان کثرت سے ذکر کرنے والا نہیں ہوتا جب تک کھڑے بیٹھے اور لیٹے اللہ تعالیٰ کا ذکر نہ کرتا رہے۔(السراج المنیر:1158/2)

﴿اِنَّكَ كُنۡتَ بِنَا بَصِيۡرًا ﴾

''یقیناً تو ہی ہمارے حال کو خوب دیکھنے والا ہے''(35)

سوال1: ﴿اِنَّكَ كُنۡتَ بِنَا بَصِيۡرًا ﴾''یقیناً تو ہی ہمارے حال کو خوب دیکھنے والا ہے''اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب :(1)''یقیناً تو ہی ہمارے حال کو خوب دیکھنے والا ہے''سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے طویل سوال کئے تھے۔اپنی کمزوری کے ساتھ ضروریات کو سامنے رکھا اور اللہ تعالیٰ سے مدد چاہی۔مسلسل رابطے کے لیے تسبیح کثیر اور ذکر کثیر کا ذکر کیا اور اس طرح یہ واضح کیا کہ کمزور ہوں تو دیکھتا ہے تجھے سب معلوم ہے۔(2) سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی جانب سے توسل الی اللہ تعالیٰ ہے۔(ایسر التفاسیر:885)

(3) جو کچھ وہ اپنے رب سے طلب کررہے تھے۔ان کے دل کو یقین تھا کہ میرا رب دیکھتا ہے۔وہ میرے حالات کو جانتا ہے۔

(4)﴿بَصِيۡرًا ﴾یعنی ہمارے حال کو ہم سے زیادہ جاننے والا ہے۔

(5) اے اللہ! تو ہمارے حال، ہماری کمزوری اور ہمارے عجز کو جانتا ہے اور تو یہ بھی جانتا ہے کہ ہم ہر معاملے میں تیرے محتاج ہیں، تو ہمیں ہم سے زیادہ دیکھتا ہے اور ہم پر ہم سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔پس ہم نے تجھ سے جو سوال کیا ہے وہ ہمیں عطا کر کے ہمیں ممنون فرما اور ہماری دعا قبول فرما۔(تفسیر سعدی:1610،1611/2)

﴿قَالَ قَدۡ اُوۡتِيۡتَ سُؤۡلَكَ يٰمُوۡسٰى﴾

''اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یقیناً جو تم نے مانگا تجھے دے دیا گیا اے موسیٰ!''(36)

سوال1:﴿قَالَ قَدۡ اُوۡتِيۡتَ سُؤۡلَكَ يٰمُوۡسٰى﴾''اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یقیناً جو تم نے مانگا تجھے دے دیا گیا اے موسیٰ!''اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿قَالَ قَدۡ اُوۡتِيۡتَ سُؤۡلَكَ يٰمُوۡسٰى﴾''اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یقیناً جو تم نے مانگا تجھے دے دیا گیا اے موسیٰ!''اللہ تعالیٰ نے نام لے کر مطالبہ منظور کرلیا۔کافی دیر تک یہ تجلی کا سلسلہ قائم رہا۔ساری درخواستیں قبول ہوگئیں۔

(2) یعنی اے موسیٰ جو آپ نے مانگا یعنی شرح صدر، معاملے کی آسانی، زبان کی گرہ کا کھولنا، تمھاری بات کا قابل فہم ہونا، ہارون کے ذریعے

تمہارے ہاتھ مضبوط کرنا۔ ہم نے آپ کو سب کچھ عطا کر دیا۔

(3) سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں جس وقت موسیٰ کو نبی بنایا گیا اسی وقت ہارون کو بھی نبی بنا دیا۔ (السراج المنیر:158/2)

سوال 2: سیدنا موسیٰ علیہ السلام کا سوال کس امر پر دلالت کرتا ہے؟

جواب: (1) موسیٰ علیہ السلام کا سوال اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ آپ کو اللہ تعالیٰ کی کامل معرفت حاصل تھی، آپ کمال درجے کے ذہین وفطین تھے اور تمام معاملات کی کامل معرفت رکھتے تھے اور کامل خیر خواہی سے بہرہ ور تھے، نیز یہ اس بات کی بھی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دینے والا اور مخلوق کی راہ نمائی کرنے والا۔ خاص طور پر جب اس داعی کے مخاطب اہل عناد، متکبر اور سرکش لوگ ہوں۔ کشادہ دلی، اذیتوں پر بربادی اور فصاحت زبان، جس کے ذریعے سے وہ اپنے مقاصد اور ارادوں کی تعبیر پر قادر ہو، محتاج ہوتا ہے بلکہ اس مقام پر فائز شخص کے لئے فصاحت و بلاغت نہایت ضروری ملکہ ہے کیونکہ اسے کثرت سے بحث و تکرار کی ضرورت پیش آتی ہے، علاوہ ازیں یہ بھی اس کی ضرورت ہے کہ وہ حتی المقدور حق کو خوب صورت اور مزین کر کے پیش کرے تا کہ لوگوں کے دلوں میں اس کی محبت پیدا ہو اور باطل کی قباحت و شناعت کو اجاگر کرے تا کہ لوگ اس سے متنفر ہوں۔

(2) داعی حق اس بات کا بھی محتاج ہے کہ اس کے معاملے میں آسانی پیدا ہو اور وہ اس کے لئے درست طریق کار اختیار کرے۔ حکمت، اچھی نصیحت اور بہترین طریق گفتگو کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ کے راستے کی طرف دعوت دے اور لوگوں کے ساتھ ان کے حسب حال معاملہ کرے اور ان سب باتوں کی تکمیل یہ ہے کہ جو شخص یہ وصف رکھتا ہو اس کے کچھ اعوان و مددگار ہوں جو اس کے مقصد کے حصول میں اس کی مدد کریں کیونکہ جب آوازیں زیادہ ہوں گی تو وہ زیادہ اثر انداز ہوں گی، اسی لئے موسیٰ علیہ السلام نے ان امور کا سوال کیا تھا جو انہیں عطا کر دیئے گئے۔

(3) اگر آپ انبیاء کی حالت پر غور کریں گے، جن کو مخلوق کی طرف بھیجا گیا، تو ان کے احوال کے مطابق ان کو اسی حال میں پائیں گے۔ خاص طور پر افضل الانبیاء خاتم المرسلین جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو، جو ہر صفت کمال میں بلند ترین درجے پر فائز تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جس طرح شرح صدر، تیسیر امر، فصاحت زبان، حسن تعبیر و بیان اور حق کی راہ میں اعوان و انصار یعنی صحابہ و تابعین اور ان کے بعد آنے والوں سے نوازا گیا، دوسرے انبیاء کو یہ خوبیاں اس انداز سے میسر نہیں آئیں۔ (تفسیر سعدی:1611،1612/2)

﴿وَلَقَدۡ مَنَنَّا عَلَيۡكَ مَرَّةً أُخۡرَىٰٓ﴾

''اور بلاشبہ یقیناً ہم نے ایک بار اور تم پر احسان کیا'' (37)

سوال 1: ﴿وَلَقَدۡ مَنَنَّا عَلَيۡكَ مَرَّةً أُخۡرَىٰٓ﴾ ''اور بلاشبہ یقیناً ہم نے ایک بار اور تم پر احسان کیا'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَلَقَدۡ مَنَنَّا عَلَيۡكَ مَرَّةً أُخۡرَىٰٓ﴾ ''اور بلاشبہ یقیناً ہم نے ایک بار اور تم پر احسان کیا'' سیدنا موسیٰ علیہ السلام پر انعامات وعنایات حق اس وقت مبذول ہوئیں کہ شرف ہم کلامی سے نوازا گیا، نبوت و رسالت عطا ہوئی، خاص معجزات عطا ہوئے اس کے ساتھ یہاں حق تعالیٰ

اپنی وہ نعمتیں بھی ان کو یاد دلاتے ہیں جو شروع پیدائش سے لے کر اس وقت تک، زندگی کے ہر دور میں آپ پر مبذول ہوتی رہیں اور مسلسل آزمائشوں اور جان کے خطروں کے درمیان قدرت حق نے کن حیرت انگیز طریقوں سے ان کی حفاظت فرمائی۔(تفسیر معارف القرآن:6/82)

(2) اللہ تعالیٰ نے فرعونیت کی دستبرد سے بچا کر زندہ رکھنے کے احسان کا ذکر کیا ہے۔

(3) اللہ تعالیٰ نے بچپن میں کیے جانے والے احسان کا ذکر کیا ہے۔

(4) یعنی وہ احسان جو ہم نے تیری ماں پر وحی کر کے تجھ پر کیا تھا جب کہ فرعون بچوں کے در پے تھا۔اس وقت تیری زندگی کے لیے ہم نے کیسے تیری ماں کے دل میں ڈالا کہ آپ تابوت بناؤ، آپ اس میں موسیٰ کو رکھو، تابوت ایسا ہونا چاہیے، دریا میں بہا دو پھر اس کی بہن کو ساتھ ساتھ بھیج دو۔(جامع البیان:16/180)

﴿إِذْ أَوْحَيْنَآ إِلَىٰٓ أُمِّكَ مَا يُوحَىٰٓ﴾

''جب ہم نے تمہاری ماں کی جانب وحی کی جو بھی وحی کی جاتی ہے''(38)

سوال1:﴿إِذْ أَوْحَيْنَآ إِلَىٰٓ أُمِّكَ مَا يُوحَىٰٓ﴾ ''جب ہم نے تمہاری ماں کی جانب وحی کی جو بھی وحی کی جاتی ہے'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب(1):﴿إِذْ أَوْحَيْنَآ إِلَىٰٓ أُمِّكَ مَا يُوحَىٰٓ﴾ ''جب ہم نے تمہاری ماں کی جانب وحی کی جو بھی وحی کی جاتی ہے۔'' اللہ تعالیٰ نے اُم موسیٰ علیہ السلام کے دل میں بچے کو فرعون کی دستبرد سے بچانے کے لیے بات ڈال دی تھی۔

(2) نیند کی حالت میں ان کے دل کے اندر یہ بات راسخ ہو گئی تھی۔

(3) سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں اسی طرح کی وحی کی گئی تھی جیسے نبیوں کی طرف وحی کی جاتی ہے واللہ اعلم!(الجامع لاحکام القرآن القرطبی:6/95)

﴿أَنِ ٱقْذِفِيهِ فِى ٱلتَّابُوتِ فَٱقْذِفِيهِ فِى ٱلْيَمِّ فَلْيُلْقِهِ ٱلْيَمُّ بِٱلسَّاحِلِ يَأْخُذْهُ عَدُوٌّ لِّى وَعَدُوٌّ لَّهُۥ ۚ وَأَلْقَيْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةً مِّنِّى وَلِتُصْنَعَ عَلَىٰ عَيْنِىٓ﴾

''یہ کہ تو اسے صندوق میں ڈال، پھر اس کو دریا میں پھینک دو، پھر لازم ہے کہ دریا اس کو کنارے پر ڈال دے اور اسے ایک شخص اُٹھالے گا جو میرا بھی دشمن ہے اور اس کا بھی دشمن ہے اور میں نے اپنی طرف سے تم پر ایک محبت ڈال دی اور تا کہ تم میرے سامنے پرورش کیے جاؤ''(39)

سوال1:﴿أَنِ ٱقْذِفِيهِ فِى ٱلتَّابُوتِ فَٱقْذِفِيهِ فِى ٱلْيَمِّ فَلْيُلْقِهِ ٱلْيَمُّ بِٱلسَّاحِلِ يَأْخُذْهُ عَدُوٌّ لِّى وَعَدُوٌّ لَّهُۥ﴾ ''یہ کہ تو اسے صندوق میں ڈال، پھر اس کو دریا میں پھینک دو، پھر لازم ہے کہ دریا اس کو کنارے پر ڈال دے اور اسے ایک شخص

اُٹھالے گا جو میرا بھی دشمن ہے اور اس کا بھی دشمن ہے'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1)﴿اَنِ اقۡذِفِيۡهِ فِى التَّابُوۡتِ﴾ ''یہ کہ تو اسے صندوق میں ڈال'' اللہ تعالیٰ نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کی طرف الہام کیا تھا کہ موسیٰ کو صندوق میں ڈال دو۔ کیونکہ اس فرعون نے بچوں کو ذبح کرنے کا حکم دے رکھا تھا۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے انہیں چھپا کر صندوق میں رکھ دیا کیونکہ انہیں موسیٰ کے بارے میں سخت خوف لاحق تھا۔

(2)﴿فَاقۡذِفِيۡهِ فِى الۡيَمِّ﴾ ''پھر اس کو دریا میں پھینک دو'' اللہ تعالیٰ نے حکم دیا تھا کہ بچے کو صندوق میں رکھ کر دریائے نیل میں ڈال دو توام موسیٰ نے انہیں دریا میں ڈال دیا۔

(3)﴿فَلۡيُلۡقِهِ الۡيَمُّ بِالسَّاحِلِ﴾ ''دریا اس کو کنارے پر ڈال دے'' پانی میں شعور نہیں ہے دماغ نہیں ہے لیکن وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کو قبول کرتا ہے۔ اسے کس نے بتایا کہ صندوق کو بہا کے عین فرعون کے محل کے دروازے کے سامنے لے کر جانا ہے۔ آپ پانی کے شعور کو دیکھیں۔ اس میں سوئی ڈالیں ڈوب جائے گی، پورا جہاز نہیں ڈوبے گا۔ پانی کو کس نے بتا دیا کہ سوئی کو ڈبونا ہے اور ہمیشہ ہی ڈبونا ہے اور پورے کا پورا جہاز تیرتا چلا جائے کبھی تو پانی بھول جائے۔ پانی اللہ تعالیٰ کے حکم کا پابند ہے وہی کرتا ہے جو رب چاہتا ہے۔

(4) اللہ تعالیٰ نے دریا کو حکم دیا تھا کہ صندوق کو ساحل پر یعنی کنارے پر ڈال دے۔

(5)﴿يَاۡخُذۡهُ عَدُوٌّ لِّىۡ وَعَدُوٌّ لَّهٗ﴾ ''اور اسے ایک شخص اُٹھالے گا جو میرا بھی دشمن ہے اور اس کا بھی دشمن ہے'' اللہ تعالیٰ نے اپنی تقدیر میں لکھ رکھا تھا اور ایسا ہی ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے مقدر کر دیا کہ صندوق کو اللہ تعالیٰ اور سیدنا موسیٰ علیہ السلام کا سب سے بڑا دشمن پکڑ لے۔

(7)﴿عَدُوٌّ لِّىۡ وَعَدُوٌّ لَّهٗ﴾ ''جو میرا بھی دشمن ہے اور اس کا بھی دشمن ہے'' میں نے چاہا تھا کہ تجھے میں وہاں لے جاؤں جہاں پر تیرا اور میرا مشترکہ دشمن رہتا ہے پھر میں دیکھوں کہ وہ دشمن تیری طرف کیسے دیکھتا ہے وہ جو تیرے قتل کے درپے ہے میں نے اس ہی کے ہاتھوں میں تجھے پکڑا دیا۔ یہ اللہ تعالیٰ نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام پر کیے جانے والے دوسرے احسان کا ذکر کیا ہے۔

(8) فرعون نے محل کے باہر تیرتے ہوئے تابوت کو دیکھا تو اُسے باہر نکال لیا اُس میں ایک معصوم بچہ تھا جسے اپنی بیوی کی فرمائش پر پرورش کے لیے رکھ لیا۔ (9) اللہ تعالیٰ نے یہ مقدر کر رکھا تھا کہ موسیٰ کی پرورش اور تربیت فرعون کے ہاتھوں ہو۔

(10) فرعون کی زندگی کا عجیب واقعہ ہے۔ اس کی اولاد نہیں تھی بچے کو دیکھ کر دل نرم ہو گیا، اسے گھر لے آیا اور بیوی کی فرمائش پر رکھ بھی لیا۔ ایسے موقع پر خاص طور پہ کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دیا ہے۔ یہ نہیں دیکھا کہ کیوں دیا ہے۔ انسان کی سوچ یہاں تک پہنچ بھی نہیں سکتی۔ اب دشمن کے ہاتھوں میں ایسا بچہ پہنچ گیا جس نے مستقبل میں نبوت کا کام کرنا تھا لیکن انتظام ایسا کیا جس کا کوئی توڑ ہی نہیں۔ دنیا میں جو بھی انتظامات کیے جاتے ہیں ان کا کوئی نہ کوئی حل نکل آتا ہے، مثلاً VIPs یا جو صدر وغیرہ کے پیچھے ایسے محافظ کھڑے ہوتے ہیں کہ جیسے ہی کوئی خطرے کی بات ہو وہ بٹن دباتے ہیں تو وہ شخص ایسے حصار میں آجاتا ہے وہاں گولی بھی اثر نہیں کرتی۔ اب خیمہ کسی پر تان دیا جائے، کسی کے آگے کوئی آڑ رکھ دی جائے تو اس کو ہٹایا جا سکتا ہے لیکن یہ جو محبت کا پردہ ہے اس کا کیا کریں!

سوال 2: ﴿وَاَلۡقَيۡتُ عَلَيۡكَ مَحَبَّةً مِّنِّيۡ ۚ وَلِتُصۡنَعَ عَلٰى عَيۡنِيۡ﴾ ''اور میں نے اپنی طرف سے تم پر ایک محبت ڈال دی اور تا کہ تم میرے سامنے پرورش کیے جاؤ'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَاَلۡقَيۡتُ عَلَيۡكَ مَحَبَّةً مِّنِّيۡ﴾ ''اور میں نے اپنی طرف سے تم پر ایک محبت ڈال دی'' اللہ تعالیٰ نے کمزور بچے پر محبت کو ڈھال بنا دیا۔ کوئی نظر اس پر برائی سے پڑ ہی نہیں سکتی۔ وہ اپنا دفاع نہیں کر سکتا لیکن محبت اس کا دفاع کر رہی ہے۔ محبت کی یہ چادر ہر خطرے سے بچاتی چلی جا رہی ہے۔

(2) یہ محبت اللہ تعالیٰ کی جانب سے خصوصی محافظ تھی۔ ﴿فَالۡتَقَطَهٗۤ اٰلُ فِرۡعَوۡنَ لِيَكُوۡنَ لَهُمۡ عَدُوًّا وَّحَزَنًا ؕ اِنَّ فِرۡعَوۡنَ وَهَامٰنَ وَجُنُوۡدَهُمَا كَانُوۡا خٰطِـئِيۡنَ ﴿۸﴾ وَقَالَتِ امۡرَاَتُ فِرۡعَوۡنَ قُرَّتُ عَيۡنٍ لِّىۡ وَلَكَ ؕ لَا تَقۡتُلُوۡهُ ۖ عَسٰٓى اَنۡ يَّنۡفَعَنَاۤ اَوۡ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا وَّهُمۡ لَا يَشۡعُرُوۡنَ ﴿۹﴾﴾ ''اُسے فرعون کے گھر والوں نے اُٹھایا تا کہ وہ اُن کے لیے دشمن ہو اور غم کا باعث ہو۔ یقیناً فرعون اور ہامان اور اُن دونوں کے لشکر خطا کار تھے۔ اور فرعون کی بیوی نے کہا کہ میرے لیے اور تمہارے لیے آنکھوں کی ٹھنڈک ہے، تم اُسے قتل نہ کرو، اُمید ہے کہ وہ ہمیں نفع دے یا ہم اُسے بیٹا ہی بنا لیں اور وہ سمجھتے نہیں تھے۔'' (القصص: 8,9)

(3) سیدنا موسیٰ علیہ السلام حصار میں ہیں کہ جو نظر سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی طرف اُٹھتی ہے تو وہ محبت سے بھرپور واپس جاتی ہے۔ یہ ایسی محبت ہے کہ ہر دل محبت سے بھر جاتا ہے۔ دشمنی کہاں گئی؟ اس بچے کو ہی تو قتل کروانا تھا۔ جسے اللہ رکھے اسے کون چکھے! بھلا رب کا بھی کوئی مقابلہ کر سکتا ہے؟ کبھی آپ نے غور کیا کہ ننھا بچہ خود اپنا دفاع نہیں کر سکتا، یہ فرعون کا مقابلہ کرنے کون آیا ہے؟ بادشاہوں کے لشکر مقابلے کے لیے آتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے مقابلے کے لیے جس نے کہا تھا ﴿انا ربکم الاعلیٰ﴾ ''میں تمہارا بڑا رب ہوں'' ننھا بچہ، ننھا لشکر لا کر کھڑا کر دیا، جو اپنے پاؤں پر کھڑا بھی نہیں ہو سکتا۔ اب مقابلہ جاری ہے محبت کا اور دشمنی کا۔ اور اللہ تعالیٰ نے کیسا ہتھیار دیا ہے۔ اس واقعے کو اس نظر سے دیکھیں کہ اللہ تعالیٰ کا دشمن چاہتا ہے کہ کوئی اللہ کا نام لیوا نہ ہو۔ اس نے بنی اسرائیل کی اولادیں ختم کرا دیں کہ کوئی ایسا ان میں پیدا نہ ہو جائے، جو میری بادشاہی کو چیلنج کرے اور اب بہت خوش اور مطمئن ہے کہ کوئی چیلنج کرنے والا پیدا نہیں ہونے دیا۔ اور اللہ تعالیٰ کا طریقہ کار دیکھیں دو طرح کی فوجیں ہیں۔ ایسی فوجیں کبھی نہیں دیکھیں جو تابوت میں آئی ہوں اور ان کو خوشی خوشی وصول کیا گیا ہو۔ اور اکیلے ہی آئے ہیں۔ ایک یہ ننھے موسیٰ علیہ السلام اور پھر بڑے موسیٰ علیہ السلام۔ ابھی اللہ تعالیٰ نے کہا کہ جاؤ فرعون کے پاس تو یہ دوسری بار جانا ہے۔ پہلی بار تو اللہ تعالیٰ نے خود ہی بھیج دیا۔ فوراً پھر تیار ہو گئے ہیں کہ ٹھیک ہے میں جاؤں گا ضرور لیکن آپ میرا سینہ کھول دیں۔ میری زبان کی گرہ کو کھول دیں۔ اور اب جب مشن پر جانے کے لیے تیار ہیں تو کہتے ہیں کہ میرے ساتھ کسی کو بھیج دو۔ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ جب میں نے تمہیں پہلے بھیجا تھا تو اپنی محبت کی چھاؤں میں بھیجا تھا، اپنی محبت کی چادر تم پر ڈال دی اور کوئی نظر تمہیں برائی سے دیکھ ہی نہیں سکی۔ مقابلہ کتنا زبردست ہے۔ کسی کو پتہ ہی نہیں کہ میرے ساتھ کیا بن گئی ہے۔

(4) اہل تاویل نے محبت کے معنوں میں اختلاف کیا ہے: کچھ لوگوں نے کہا کہ اس سے مراد یہ ہے کہ اس کو بندوں کا محبوب بنادیا تھا۔ کچھ لوگوں نے یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ محبت ان پر ڈال دی۔ پھر انہیں سیدہ آسیہ نے جو فرعون کی بیوی تھیں، اپنا بیٹا بنالیا۔ پھر ان کی پرورش کی، ان کی تربیت کی اور پھر فرعون کی طرف اللہ تعالیٰ نے انہیں لوٹا دیا۔ دیکھیں محبت کی چادر اوڑھا کر اللہ تعالیٰ دشمنوں کے گھر میں پالتے ہیں کہ اب کسی اور گھر میں نہیں اسی گھر میں تمہاری پرورش ہوگی۔

(5) ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے محبت کی تھی اور سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو مخلوق کے لیے محبوب بنالیا تھا۔ (تفسیر قرطبی)

(6) اللہ تعالیٰ نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو اپنی نظروں میں پالا حالانکہ دن رات فرعون کی نظریں سیدنا موسیٰ علیہ السلام پر پڑتی تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے، فرعون اور آل فرعون کی نظروں میں بھی پالا، اللہ تعالیٰ نے دشمن کی آنکھ کا تارا بنا کر، بری نظر سے بچا کر پالا تھا۔ فرعون کی نظر بظاہر تو اپنی ہے لیکن اللہ تعالیٰ اسی نظر کے ذریعے کیسا کام لے رہے ہیں کہ وہ جب دیکھے اللہ تعالیٰ کی نظر سے ہی دیکھے۔ جیسے اللہ تعالیٰ موسیٰ علیہ السلام سے محبت کرتے تھے ایسے ہی فرعون کے دل میں بھی محبت ڈال دی۔ اس لیے ان کی زندگی میں جو چیز تھی وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تھی۔

(7) ﴿وَلِتُصۡنَعَ عَلٰی عَیۡنِیۡ﴾ ''اور تا کہ تم میرے سامنے پرورش کیے جاؤ'' اللہ تعالیٰ نے فرعون کی نظروں کے سامنے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو پالا اس کے دونوں ہاتھوں میں، دشمن کی آنکھوں کا تارا بنا کر، اُس کی بُری نظر سے بچا کر پالا کیونکہ اس کی نظر پر اللہ تعالیٰ کی نظر ہے۔

(8) سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے پاس جو کچھ بھی تھا کچھ بھی دنیا کی طرف سے نہیں تھا، دنیا تو انہیں قتل کر دینا چاہتی تھی۔ ان کی پرورش بھی، تربیت بھی، حفاظت بھی، مشن بھی، کچھ بھی دنیا کی طرف سے نہیں تھا، نہ دنیا کے لیے تھا۔

(9) تفسیر مراغی میں ہے: جیسے چرواہا بکریوں کو اپنی نظر میں رکھتا ہے اسی طرح سے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اپنی نظر میں رکھا۔

(10) جیسے کوئی تخلیق کرنے والا کسی چیز کو تخلیق کرتا ہے، جیسے کوئی چیز Paint کی جا رہی ہو تو نظروں کے سامنے Paint ہوتی ہے، Cooking ہو رہی ہو تو اپنی نظروں کے سامنے ہو رہی ہوتی ہے۔ اسی طرح سے جیسے کوئی چیز Factory میں بن رہی ہو تو اپنے سامنے بن رہی ہے تو اللہ تعالیٰ یہ کہتے ہیں کہ دیکھو تمہیں تو ہم نے اپنی نظروں میں پالا تھا، تم پر اپنی محبت کی چادر اوڑھائی تھی۔

(11) سیدنا موسیٰ علیہ السلام جہاں بھی پل رہے تھے، جہاں کہیں جو کچھ کر رہے تھے اللہ تعالیٰ کی نظروں میں تھے۔ مستقبل کا مشن تھا جو سیدہ آسیہ کے پاس، فرعون کے پاس آیا تھا، جب پل بڑھ کر جوان ہوئے تو یہی مشن تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے مدین پہنچادیا۔ تب بھی اللہ تعالیٰ کی نظروں میں تھے اور اب واپس آگئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی نظروں میں پال کر اپنے مشن کے لیے تیار کیا۔

سوال 3: اللہ تعالیٰ نے سیدنا موسیٰ کو اپنی نظروں میں کیوں پالا تھا؟

جواب: (1) اللہ تعالیٰ نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو اپنی نظروں میں اپنا بنانے کے لیے پالا تھا، اپنی نظروں میں دعوت دینے کے لیے پالا تھا۔

(2) اللہ تعالیٰ نے سیدنا موسیٰ کو اپنی نظروں میں اس لیے پالا تھا تا کہ ان کے نفس میں ان کا کوئی حصہ نہ رہے۔ نہ اپنا حصہ رہے نہ کسی اور کا۔

جب سب کچھ رب کی طرف سے تھا تو وہ رب کے مشن کے لیے تھے۔

﴿اِذْ تَمْشِيْٓ اُخْتُكَ فَتَقُوْلُ هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰي مَنْ يَّكْفُلُهٗ ۭ فَرَجَعْنٰكَ اِلٰٓي اُمِّكَ كَيْ تَقَرَّ عَيْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ ڛ وَقَتَلْتَ نَفْسًا فَنَجَّيْنٰكَ مِنَ الْغَمِّ وَفَتَنّٰكَ فُتُوْنًا ڣ فَلَبِثْتَ سِنِيْنَ فِيْٓ اَهْلِ مَدْيَنَ ڏ ثُمَّ جِئْتَ عَلٰي قَدَرٍ يّٰمُوْسٰى﴾

''جب تمہاری بہن چل رہی تھی، چنانچہ وہ کہنے لگی کہ کیا میں تمہاری راہ نمائی کروں جو اس کی اچھی طرح پرورش کرے گی؟ پس ہم نے تمہیں تمہاری ماں کی طرف لوٹا دیا تا کہ اس کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں اور وہ غم نہ کرے اور تم نے ایک شخص کو قتل کر دیا پھر ہم نے اس غم سے تمہیں نجات دی اور ہم نے تمہیں مختلف آزمایا، خوب آزمانا، پھر تم کئی سال مدین والوں میں رہے پھر تم اپنے مقررہ وقت پر آئے اے موسیٰ!'' (40)

سوال 1: ﴿اِذْ تَمْشِيْٓ اُخْتُكَ فَتَقُوْلُ هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰي مَنْ يَّكْفُلُهٗ ۭ فَرَجَعْنٰكَ اِلٰٓي اُمِّكَ كَيْ تَقَرَّ عَيْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ﴾ ''جب تمہاری بہن چل رہی تھی، چنانچہ وہ کہنے لگی کہ کیا میں تمہاری راہ نمائی کروں جو اس کی اچھی طرح پرورش کرے گی؟ پس ہم نے تمہیں تمہاری ماں کی طرف لوٹا دیا تا کہ اس کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں اور وہ غم نہ کرے'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿اِذْ تَمْشِيْٓ اُخْتُكَ﴾ ''جب تمہاری بہن چل رہی تھی'' سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے واقعے میں ایک اور کردار ہے۔ حفاظت کا ایک خوبصورت انداز رب العزت نے اس منظر میں سیدنا موسیٰ کی بہن کو دکھایا ہے۔ جب کہ ان کی بہن چل رہی تھی۔

(2) سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کے دل میں یہ بات بھی ڈالی گئی کہ تابوت کی نگرانی بہن کرتی رہے۔ اس لیے ماں نے بیٹی سے کہا، ذرا دیکھتی رہنا یہ کہاں جا کر کنارے سے لگتا ہے۔ بہن چلتی رہی اور پتہ چلا فرعون کے محل کے کنارے۔ بہن کے دل کا کیا حال ہوا ہوگا کہ جہاں سے بچانے کے لیے تابوت میں ڈالا تھا وہیں پہنچ گیا۔ لیکن دس بارہ سال کی بہن بالکل Worried نہیں ہے پر اعتماد ہے آگے محل میں جا پہنچتی ہے۔ محل میں آمد و رفت لگی ہے۔ دودھ پلانے والی عورتیں لائی جا رہی ہیں کہ بچے کو میں دودھ پلا دوں، میں پلا دوں۔ کہاں تو جان کے لالے تھے اور کہاں بادشاہ نے بیٹے کو Adopt کر لیا ہے اور اس کے لیے ہر ایک خدمت دینے کو تیار ہے۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی بہن بھی پہنچ گئیں۔

(3) ﴿هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰي مَنْ يَّكْفُلُهٗ﴾ ''چنانچہ وہ کہنے لگی کہ کیا میں تمہاری راہ نمائی کروں جو اس کی اچھی طرح پرورش کرے گی؟'' فرعون کے کارندے دودھ پلانے والیوں کو ایک ایک کر کے بچے کے پاس لائے مگر اس نے کسی کی چھاتی کو قبول نہ کیا۔ موسیٰ علیہ السلام کی بہن آئی اور فرعون اور اس کے کارندوں سے کہنے لگی۔ کیا میں تمہاری راہ نمائی کروں جو اس کی اچھی طرح پرورش کرے

گی؟(تفسیر سعدی:1613,1614/2)(4)ماحول ایسا تھا کہ ہر ایک پریشان تھا۔

(5)﴿فَرَجَعۡنٰكَ اِلٰۤى اُمِّكَ كَىۡ تَقَرَّ عَيۡنُهَا وَلَا تَحۡزَنَ﴾"پس ہم نے تمہیں تمہاری ماں کی طرف لوٹا دیا تا کہ اس کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں اور وہ غم نہ کرے" موسیٰ علیہ السلام اپنی ماں کے پاس پہنچ گئے(i)سیدنا موسیٰ خوب صورت تھے ہر عورت کا دل چاہتا تھا اسے بیٹا بنا لے۔(ii) پھر جب شاہی محل میں رکھا گیا تو دایاں تلاش کی گئیں لیکن رب العزت نے ان کا دودھ حرام کر رکھا تھا جیسا کہ فرمایا: اور ہم نے پہلے ہی اُس پر دودھ پلانے والیوں کو حرام کر رکھا تھا۔(iii)اتنے میں موسیٰ علیہ السلام کی بہن نے آ کر کہا:﴿فَقَالَتۡ هَلۡ اَدُلُّكُمۡ عَلٰۤى اَهۡلِ بَيۡتٍ يَّكۡفُلُوۡنَهٗ لَـكُمۡ وَهُمۡ لَهٗ نٰصِحُوۡنَ﴾"تو لڑکی نے کہا کہ کیا میں ایسے گھروالوں پر تمہاری راہ نمائی کروں جو تمہارے لیے اس کی پرورش کریں اور وہ اُس کے لیے خیر خواہ ہوں۔"(القصص:12)(iv)محل میں یہ ہنگامہ صرف اس لئے برپا تھا کہ اس فیصلے تک پہنچائے کہ موسیٰ علیہ السلام کی بہن بچے کو گود میں لے کر ماں کے پاس چلی جائیں۔(v)ماحول میں سب پریشان تھے، کہ بچے نے ایک ہنگامہ برپا کر دیا تھا۔فرعون کے محل میں جہاں کسی کو دم مارنے کی اجازت نہیں تھی ننھے موسیٰ نے شور کیا ہوا تھا چیخ چیخ کے حال خراب ہے اور ہر چیخ کے ساتھ سب لوگوں کی یہ خواہش ہے کسی طرح کوئی انتظام ہو جائے۔ ٹیلی فون تو اس دور میں تھا نہیں لیکن خادم بہت تھے۔ پورے علاقے میں لوگ پہنچ گئے ہوں گے کہ بادشاہ کے بیٹے کو کون دودھ پلا سکتا ہے اور اسی کے نتیجے میں خواتین اکٹھی ہوئیں تھی محل میں اور موسیٰ کسی عورت کو توجہ ہی نہیں دے رہے تھے بس مٹھیاں بند کر کے چیخے ہی جا رہے تھے جیسے بچوں کی عادت ہوتی ہے جب انہوں نے کوئی بات نہیں مانی ہوتی اب بچے کو کوئی کیا سمجھائے جتنا بھی اسکو چپ کرائیں کچھ سمجھ نہیں آتا۔ بالکل حالات فرق ہو جاتے ہیں یہ مقابلہ ہے۔یعنی پہلے ننھے موسیٰ آئے، اللہ تعالیٰ نے محبت کی چادر ڈال دی اب موسیٰ علیہ السلام کی بھوک کا کوئی توڑ ہی نہیں ہے کسی کے پاس۔ پھر کیا کیا جائے ایسے میں بچی کی بات دل کو لگ گئی کہ کیا میں آپ کی رہنمائی کروں؟ جو اس کی پرورش اچھی طرح سے کر دے یہ سیدنا موسیٰ کی بہن نے محل میں جا کے مشورہ دیا۔اس طرح اللہ تعالیٰ نے بچے کو دشمن سے لے کر اس کی ماں کے حوالے کر دیا۔اب انہوں نے اس کو بیٹا بنا لیا تھا تو وہ کسی قیمت پر اس سے جدا ہونے کے لیے تیار نہیں تھے۔لیکن سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی آہ و بکا نے، ان چیخوں نے ماحول پیدا کر دیا۔کتنا وقت لگا ہو گا سیدنا موسیٰ کتنا چیخے ہوں گے کیونکہ ظاہر ہے یہ خبر سارے علاقے تک پہنچی ہو گی اور پھر خواتین کا آنا جانا اور دیکھیں تو سہی مصر کی کیا صورتحال بنی ہو گی پورے مصر میں چرچا ہوا ہو گا۔اللہ تعالیٰ نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو ماں تک پہنچانے کی وجہ بتائی ہے۔فرمایا:﴿كَىۡ تَقَرَّ عَيۡنُهَا﴾"تا کہ اس کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں۔" بیٹے کی جدائی ماں برداشت نہیں کر پاتی اور ننھے بچے کی، جس کو اپنے ہاتھوں سے دریا برد کر دیا ہو اب صبر کیسے آئے؟ اور اس کا غم دور ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ کو اپنے بندے کتنے عزیز ہیں ایک ماں کے غم کو دور کرنے کے لیے، اس کی آنکھوں کو ٹھنڈا رکھنے کے لیے اس کو دوبارہ ماں کے پاس واپس لے آئے۔

سوال 2:﴿وَقَتَلۡتَ نَفۡسًا فَنَجَّيۡنٰكَ مِنَ الۡغَمِّ وَفَتَنّٰكَ فُتُوۡنًا فَلَبِثۡتَ سِنِيۡنَ فِىۡۤ اَهۡلِ مَدۡيَنَ﴾"اور تم نے ایک

شخص کو قتل کر دیا پھر ہم نے اس غم سے تمہیں نجات دی اور ہم نے تمہیں مختلف آزمایا، خوب آزمانا، پھر تم کئی سال مدین والوں میں رہے پھر تم اپنے مقررہ وقت پر آئے اے موسیٰ!'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1)﴿وَقَتَلۡتَ نَفۡسًا﴾ ''اور تم نے ایک شخص کو قتل کر دیا'' سیدنا موسیٰ کا واقعہ ایک ایسے موڑ پر آن پہنچا ہے۔ جب وہ ایسے وقت شہر میں داخل ہوئے جب لوگ غفلت میں تھے انہوں نے دیکھا کہ دو لوگ لڑ رہے ہیں ان میں سے ایک قوم موسیٰ سے تھا اور دوسرا ان کی دشمن قوم قبطی سے تھا۔ رب العزت نے فرمایا: ﴿وَدَخَلَ الۡمَدِيۡنَةَ عَلٰى حِيۡنِ غَفۡلَةٍ مِّنۡ اَهۡلِهَا فَوَجَدَ فِيۡهَا رَجُلَيۡنِ يَقۡتَتِلٰنِ هٰذَا مِنۡ شِيۡعَتِهٖ وَهٰذَا مِنۡ عَدُوِّهٖ ۚ فَاسۡتَغَاثَهُ الَّذِىۡ مِنۡ شِيۡعَتِهٖ عَلَى الَّذِىۡ مِنۡ عَدُوِّهٖ ۙ فَوَكَزَهٗ مُوۡسٰى فَقَضٰى عَلَيۡهِ قَالَ هٰذَا مِنۡ عَمَلِ الشَّيۡطٰنِ ؕ اِنَّهٗ عَدُوٌّ مُّضِلٌّ مُّبِيۡنٌ﴾ ''اور وہ شہر میں ایسے وقت داخل ہوا جب کہ اس کے رہنے والے غفلت میں تھے تو اس نے اس میں دو آدمیوں کو پایا کہ وہ آپس میں لڑ رہے تھے، یہ اُس کی قوم میں سے اور یہ اُس کے دشمنوں میں سے تھا۔ تو جو اُس کی قوم میں سے تھا اُس نے موسیٰ سے اُس شخص کے خلاف مدد طلب کی جو اُس کے دشمنوں میں سے تھا، تو موسیٰ نے اُس کو ایک گھونسا مارا پھر اُس کا کام تمام کر دیا۔ موسیٰ نے کہا: ''یہ شیطان کے کاموں میں سے ہے یقیناً وہ کھلا گمراہ کرنے والا دشمن ہے۔'' (القصص:15) مقتول قبطی تھا۔

(2) ﴿فَنَجَّيۡنٰكَ مِنَ الۡغَمِّ﴾ ''پھر ہم نے اس غم سے تمہیں نجات دی'' سیدنا موسیٰ علیہ السلام غم میں مبتلا تھے ایک تو قتل ہو گیا دوسرے گناہ کی سزا۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کی اور رب نے بخش دیا۔

(3) سیدنا موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی نظروں میں پل رہے تھے اللہ تعالیٰ نے اُن کی تربیت کی تھی اُس لیے اُن کے ضمیر نے ملامت کی کہ گناہ کر دیا ہے۔

(4) سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو معلوم ہوا کہ حکومتی کارندے ان کی تلاش میں ہیں تاکہ انہیں قتل کر دیا جائے۔ تو وہ وہاں سے فرار ہو کر مدین پہنچ گئے۔

(5) ﴿وَفَتَنّٰكَ فُتُوۡنًا﴾ ''اور ہم نے تمہیں مختلف آزمایا'' یعنی ہم نے تجھ کو آزمایا اور تجھ کو اپنے تمام احوال میں راست رو پایا، یا ہم تجھ کو مختلف احوال واطوار میں منتقل کرتے رہے یہاں تک کہ تو اپنے اس مقام کو پہنچ گیا جہاں تجھے پہنچنا تھا۔ (تفسیر سعدی:1613،1614/2)

(6) مجاہد کہتے ہیں: پھر ہم نے تمہیں غم سے نجات دی۔ (جامع البیان:183/16)

(7) اس سے مراد یہ ہے کہ قتل کرنے کی وجہ سے جو قلق، پریشانی بے چینی اور روح پہ ایک بوجھ آ جاتا ہے اس سے تمہیں بچا لیا۔

(8) انہیں غم لاحق ہوا تھا سیدنا موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی نگاہوں میں پل رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی تربیت کی تھی اس لیے ان کے ضمیر نے ملامت کی۔ انہیں احساس ہو گیا کہ گناہ کر دیا ہے تو اللہ تعالیٰ نے سیدنا موسیٰ کو غم سے بچا لیا اور مصر سے بھی بچا لیا۔ اس ماحول سے نکال کر مدین پہنچا دیا۔ ممکن ہے اللہ تعالیٰ نے ان کو استغفار سکھا دی ہو۔ ''اور ہم نے مختلف آزمائشوں سے تمہیں جانچا'' یعنی جیسے اللہ تعالیٰ نے کبھی خوف ڈال دیا کہ اب موسیٰ علیہ السلام کیا کرتے ہیں۔ قتل کر دینے کا خوف بہت ہی عجیب نوعیت کا ہوتا ہے۔ اہل وعیال سے دوری برداشت کی۔ وطن سے دوری، ملازمت سے مشقت، بھیڑیں چرانے کی آزمائش جب کہ انہوں نے محل میں پرورش پائی تھی۔ تفسیر مراغی میں ہے: سیدنا موسیٰ علیہ السلام

نے ایک کے بعد ایک مشقت اٹھائی تھی اور اللہ تعالیٰ نے انہیں اخلاص عطا کیا تھا جس کی وجہ سے وہ کامیاب رہے۔ (تفسیر المراغی:93/6)

(9) اللہ تعالیٰ نے اس دور میں، جب بچے قتل کیے جاتے تھے، سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو قتل ہونے سے بچالیا۔ ان کی والدہ نے تابوت کے ذریعے سے ان کی حفاظت کی تھی اور کس طرح سے سیدنا موسیٰ نے فرعون کی داڑھی پہ ہاتھ ڈالا تھا اور فرعون غضب ناک ہوگیا تھا اور کس طرح سے قبطی کے قتل کے بعد انہیں مدین جانا پڑا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ہر طریقے سے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو جانچا تھا۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو کیوں آزمایا تھا؟ اللہ تعالیٰ نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام سے نبوت کا بڑا کام لینا تھا اس لیے انہیں مشقت میں ڈالنا ضروری تھا۔ اس کے بغیر نبوت کے فرائض انجام نہیں دیے جاسکتے۔ ابن عباس کہتے ہیں کہ ہم نے تمہیں ابتلاء میں آزمائش میں مبتلا کیا۔

(10) ﴿فَلَبِثۡتَ سِنِيۡنَ فِيۡۤ اَهۡلِ مَدۡيَنَ﴾ ''پھر تم کئی سال مدین والوں میں رہے۔'' یعنی جب تمہارے قتل کے منصوبے بنے اور تم مدین آگئے۔ اللہ تعالیٰ نے خفیہ طریقے سے نکال کر مدین پہنچادیا۔ سیدنا موسیٰ مدین میں تقریباً آٹھ یا دس برس تک ٹھہرے۔

(11) اللہ رب العزت نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کا قول نقل فرمایا ہے: ﴿وَلَمَّا تَوَجَّهَ تِلۡقَآءَ مَدۡيَنَ قَالَ عَسٰى رَبِّيۡۤ اَنۡ يَّهۡدِيَنِيۡ سَوَآءَ
السَّبِيۡلِ ﴿٢٢﴾ وَلَمَّا وَرَدَ مَآءَ مَدۡيَنَ وَجَدَ عَلَيۡهِ اُمَّةً مِّنَ النَّاسِ يَسۡقُوۡنَ ۖ وَوَجَدَ مِنۡ دُوۡنِهِمُ امۡرَاَتَيۡنِ تَذُوۡدٰنِ ۚ قَالَ
مَا خَطۡبُكُمَا ؕ قَالَتَا لَا نَسۡقِيۡ حَتّٰى يُصۡدِرَ الرِّعَآءُ ٚ وَاَبُوۡنَا شَيۡخٌ كَبِيۡرٌ ﴿٢٣﴾ فَسَقٰى لَهُمَا ثُمَّ تَوَلّٰۤى اِلَى الظِّلِّ فَقَالَ رَبِّ
اِنِّيۡ لِمَاۤ اَنۡزَلۡتَ اِلَيَّ مِنۡ خَيۡرٍ فَقِيۡرٌ ﴿٢٤﴾ فَجَآءَتۡهُ اِحۡدٰٮهُمَا تَمۡشِيۡ عَلَى اسۡتِحۡيَآءٍ ۫ قَالَتۡ اِنَّ اَبِيۡ يَدۡعُوۡكَ لِيَجۡزِيَكَ اَجۡرَ مَا
سَقَيۡتَ لَنَا ؕ فَلَمَّا جَآءَهٗ وَقَصَّ عَلَيۡهِ الۡقَصَصَ ۙ قَالَ لَا تَخَفۡ ٙ نَجَوۡتَ مِنَ الۡقَوۡمِ الظّٰلِمِيۡنَ ﴿٢٥﴾ قَالَتۡ اِحۡدٰٮهُمَا يٰۤاَبَتِ
اسۡتَاۡجِرۡهُ ۖ اِنَّ خَيۡرَ مَنِ اسۡتَاۡجَرۡتَ الۡقَوِيُّ الۡاَمِيۡنُ ﴿٢٦﴾ قَالَ اِنِّيۡۤ اُرِيۡدُ اَنۡ اُنۡكِحَكَ اِحۡدَى ابۡنَتَيَّ هٰتَيۡنِ عَلٰٓى اَنۡ
تَاۡجُرَنِيۡ ثَمٰنِيَ حِجَجٍ ۚ فَاِنۡ اَتۡمَمۡتَ عَشۡرًا فَمِنۡ عِنۡدِكَ ۚ وَمَاۤ اُرِيۡدُ اَنۡ اَشُقَّ عَلَيۡكَ ؕ سَتَجِدُنِيۡۤ اِنۡ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰلِحِيۡنَ
﴿٢٧﴾﴾ ''اور جب موسیٰ نے مدین کی طرف رُخ کیا، اُس نے کہا: ''اُمید ہے کہ میرا رب سیدھی راہ کی طرف میری راہ نمائی کرے گا۔'' اور جب وہ مدین کے کنویں پر پہنچا تو اُس پر لوگوں کے ایک گروہ کو پایا جو پانی پلا رہے تھے اور اُن سے الگ دو عورتوں کو پایا جو اپنے (جانوروں) روک رہی تھیں موسیٰ نے کہا: ''تم دونوں کا کیا معاملہ ہے؟'' انہوں نے کہا: ''ہم پانی نہیں پلاتیں یہاں تک کہ چرواہے پلا کر واپس لے جائیں اور ہمارے والد بہت بوڑھے ہیں۔'' چنانچہ اُس نے اُن دونوں کے (جانوروں کو) پانی پلا دیا، پھر وہ پلٹ کر سائے کی طرف چلا گیا تو اُس نے کہا: ''اے میرے رب جو بھلائی بھی آپ مجھ پر نازل کردیں، یقیناً میں محتاج ہوں۔'' تو اُن دونوں میں سے ایک انتہائی شرم وحیا کے ساتھ چل کر اُس کے پاس آئی، اُس نے کہا: ''یقیناً میرے والد آپ کو بلاتے ہیں تاکہ آپ نے ہمارے لیے جو پانی پلایا اُس کا آپ کو بدلہ دیں۔'' تو جب وہ اُس کے پاس آیا اور اُس سے سارا حال بیان کیا، اُس نے کہا: ''ڈرو نہیں تم نے ظالم قوم سے نجات پائی ہے۔'' اُن دونوں میں سے ایک نے کہا: ''اے میرے ابا جان! اسے اُجرت پر رکھ لیں۔ یقیناً بہترین آدمی جسے آپ اجرت پر رکھیں

مضبوط، امانت دار ہی ہے۔'' اُس نے کہا: ''یقیناً میں ارادہ رکھتا ہوں کہ اپنی ان دو بیٹیوں میں سے ایک کا نکاح تمہارے ساتھ کردوں اس شرط پر کہ تم آٹھ سال تک میری مزدوری کرو، پھر اگر دس سال پورے کردو تو تمہاری طرف سے احسان ہے اور میں تم پر مشقت کا ارادہ نہیں رکھتا، تم انشاء اللہ جلد ہی مجھے نیک لوگوں میں سے پاؤ گے۔'' (القصص:27_22)

(12)﴿ثُمَّ جِئْتَ عَلٰى قَدَرٍ يّٰمُوْسٰى﴾ ''پھر تم اپنے مقررہ وقت پر آئے اے موسیٰ!'' مقررہ وقت پر طور کی دائیں جانب آئے تھے۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے لیے یہ وقت اللہ تعالیٰ کی تقدیر میں مقرر تھا۔ سیدنا موسیٰ اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتے تھے۔

(13) دس سالہ مدت گزر جانے کے بعد سیدنا موسیٰ علیہ السلام اپنے گھر والوں کو لے کر مصر روانہ ہوئے، پھر انہوں نے آگ دیکھی، عصا اژدھا بنا، ہاتھ چاند کی طرح روشن ہوا۔

(14) یعنی تو اس مقام پر اتفاقاً، بغیر قصد و ارادہ اور بغیر ہماری تدبیر کے نہیں پہنچا بلکہ ہمارے لطف و کرم اور اندازے سے یہاں پہنچا ہے۔ (تفسیر سعدی:1613,1614/2)

﴿وَاصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِي﴾

''اور میں نے تمہیں خاص طور پر اپنے لئے بنایا ہے'' (41)

سوال 1:﴿وَاصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِي﴾ ''اور میں نے تمہیں خاص طور پر اپنے لئے بنایا ہے'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿وَاصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِي﴾ ''اور میں نے تمہیں خاص طور پر اپنے لئے بنایا ہے'' یعنی اے موسیٰ! آپ پر اللہ تعالیٰ کی نظر عنایت ہے۔ آپ کو میں نے خاص توجہ دی ہے۔ خاص تربیت کی ہے تا کہ آپ میرے محبوب بندے بن جاؤ۔ بندوں میں سے بھی جب کوئی کسی کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے اور وہ چاہتا کہ وہ شخص بلند مقام تک پہنچ جائے تو وہ اسے اس مقام تک پہنچانے کے لئے انتہائی کوشش کرتا ہے۔ اس کے مقابلے میں رب کریم جسے اپنا بنا لے جسے اپنے لئے چن لے کیا آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ وہ رب اس کے ساتھ کیا معاملہ کرے گا؟

سوال 2: اللہ تعالیٰ کسے اپنے کام کا بنا لیتے ہیں؟

جواب: (1) اللہ تعالیٰ اپنی ذات سے اُوپر اُٹھ جانے والے کو اپنے کام کا بنا لیتے ہیں۔ جو لوگ خواہشات کی محبت میں مبتلا رہتے ہیں وہ کسی بھی کام کے نہیں ہوتے۔ جو ذات کی محبت میں ہوتے ہیں، خواہشات کی محبت میں مبتلا رہتے ہیں جنہیں اپنی مٹی سے محبت ہے۔ مٹی سے بنے انسانوں کی محبت زیادہ حاوی ہے، جن کے لیے ان کا بزنس ان کا گھر زیادہ اہم ہوتا ہے۔ وہ مٹی سے چمٹنے والے لوگ ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے کام کے نہیں ہوتے۔ جو اپنی ذات سے اوپر اٹھ کر دیکھتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو اپنے کام کا بنا لیتے ہیں۔

(2) اللہ تعالیٰ اُسے اپنے کام کا بنا لیتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی حاضری کا شعور رکھتا ہو۔

(3) جواللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے جینا اور اللہ تعالیٰ کی خوشی کی خاطر مرجانا چاہتا ہو۔ (4) جو اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے لیے خالص کرلے۔

(5) جو اپنی زندگی، اپنی عبادت، اپنی قربانی اللہ تعالیٰ کے نام کردے۔ (6) جو اللہ تعالیٰ کا ہو کر رہنا چاہے۔

(7) جو اللہ تعالیٰ کے زمین پر اصلاحی پروگرام کو سمجھ کر اُس میں شامل ہونا چاہے۔

(8) جو اپنی ذات میں، اپنے اہل وعیال، اپنے رشتہ داروں سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کا حصہ لگائے۔

(9) جو جہاد کا حق ادا کریں اور وہ اللہ تعالیٰ کے مشن کو ایسے قبول کرلیں جیسے مشن کو قبول کیا جاتا ہے۔

سوال 3: اللہ تعالیٰ نے سیدنا موسیٰ کو اپنے کس کام کا بنالیا تھا؟

جواب: (1) البحر المحیط میں ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو اپنے دین کی تبلیغ کے لیے چن لیا تھا کہ آپ لوگوں کو ایسے دین کی دعوت دیں جس میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی دعوت نہ دی جاتی ہو۔

(2) اللہ تعالیٰ نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو اپنا بنالیا تھا، اپنی ذات کے لیے مختص کرلیا تھا۔ اپنے ذکر کے کام کا بنالیا تھا۔

(3) اللہ تعالیٰ نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو اپنا پیغام پہنچانے کے مشن پر فائز کیا یوں انہیں اپنی دعوت کے کام کا بنالیا۔

سوال 4: اللہ تعالیٰ کسی کو اپنے کام کا کس طرح سے بنالیتے ہیں؟

جواب: اللہ تعالیٰ مشکل حالات میں رکھ کر اپنے کام کا بناتے ہیں۔ رکوع اور سجدوں کے مواقع دے کر، اپنی عبادت کی لذت دے کر اپنے کام کا بناتے ہیں، بھلائی کے کام کروا کر اپنے کام کا بناتے ہیں، انا پرستی نکال کر تواضع ڈال کر اپنے کام کا بناتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ عبودیت کے آخری مرحلے میں پہنچا کر اپنے کام کا بنالیتے ہیں۔

﴿اِذۡهَبۡ اَنۡتَ وَاَخُوۡكَ بِاٰيٰتِىۡ وَلَا تَنِيَا فِىۡ ذِكۡرِىۡ﴾

''تم اور تمہارا بھائی میری نشانیوں کے ساتھ جاؤ اور تم دونوں میری یاد میں سستی نہ کرنا'' (42)

سوال 1: ﴿اِذۡهَبۡ اَنۡتَ وَاَخُوۡكَ بِاٰيٰتِىۡ وَلَا تَنِيَا فِىۡ ذِكۡرِىۡ﴾ ''تم اور تمہارا بھائی میری نشانیوں کے ساتھ جاؤ اور تم دونوں میری یاد میں سستی نہ کرنا'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿اِذۡهَبۡ اَنۡتَ وَاَخُوۡكَ بِاٰيٰتِىۡ﴾ ''تم اور تمہارا بھائی میری نشانیوں کے ساتھ جاؤ'' اللہ تعالیٰ نے سیدنا موسیٰ کو اپنے کام کے لئے چن لیا، انتخاب کرلیا، انہیں اپنے کام کا بنالیا اب انہیں کام پر بھیجا ہے کہ مشن پر جاؤ۔

(2) ﴿بِاٰيٰتِىۡ﴾ ''میری نشانیوں کے ساتھ'' یعنی میرے دلائل کے ساتھ فرعون کے پاس جاؤ اور اسے میرا پیغام پہنچاؤ۔ (جامع البیان: 188/16) یہ ہے وہ مشن جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے سیدنا موسیٰ اور سیدنا ھارون کو بھیجا تھا، بات ہے مشن پہ روانگی کی وہ مشن جو خصوصی طور پہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کے سپرد کیا اور عمومی طور پہ امت مسلمہ کو خاص طور پہ اس کا حامی بنایا۔ یعنی تمام امتوں میں سے یہ امت مسلمہ کا فریضہ ہے کہ وہ انسانوں

تک اللہ تعالیٰ کے پیغام کو پہنچادے۔مشن پر روانگی سے پہلے اللہ تعالیٰ نے یاددلایا کہ کیسے میں نے تمہیں اپنے کام کا بنالیا تھا۔تین چیزیں اس وقت آپ کے سامنے رکھنا چاہتی ہوں کام کا بنانے کے لیے۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا:(i) کہ تم پہ اپنی طرف سے محبت ڈال دی تھی۔(ii) اور تا کہ تو میرے سامنے میری نگاہوں میں پلے اور میری نظروں میں پروان چڑھے۔(iii) اور میں نے تمہیں اپنے کام کا بنالیا ہے۔

(3) یعنی تم پر اپنی محبت ڈال دی۔میں نے تمہیں اپنی نظروں میں پالا اور اب میری نظروں میں رہتے رہتے تم اس قابل ہو گئے ہو کہ میں تمہیں مشن پر بھیج دوں۔لہٰذا اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:﴿وَلَا تَنِيَا فِي ذِكْرِي﴾ تم اور تمہارا بھائی میری نشانیوں کے ساتھ جاؤ اور تم دونوں میری یاد میں سستی نہ کرنا۔اللہ تعالیٰ نے سیدنا موسیٰ کے حوالے سے یہاں یہ واضح کیا کہ طور پہ جب ان کو نبوت عطاء کی گئی تب اللہ تعالیٰ نے انہیں مشن پہ بھیجنا چاہا تو سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے کہا تھا کہ آپ ھارون کو بھی میرے ساتھ مددگار کے طور پہ بھیج دیں۔اب یہاں درخواست قبول کرلی گئی پھر فرمایا: جاؤ تم اور تمہارا بھائی میری نشانیوں کے ساتھ۔

(4)﴿وَلَا تَنِيَا فِي ذِكْرِي﴾ ''اور تم دونوں میری یاد میں سستی نہ کرنا'' یعنی میرا ذکر ہمیشہ کرتے رہو اور اس کو دائمی طور پر قائم رکھتے ہوئے ہوئے کسی سستی کا شکار نہ ہو، میرے ذکر کو لازم بناؤ جیسا کہ تم دونوں نے ان الفاظ میں وعدہ کیا ہے۔﴿كَيْ نُسَبِّحَكَ كَثِيرًا (٣٣) وَنَذْكُرَكَ كَثِيرًا (٣٤)﴾ ''تا کہ ہم کثرت سے تیری تسبیح بیان کریں۔اور ہم کثرت سے تیرا ذکر کریں۔'' (سورہ طہٰ:33،34) اس لیے اللہ تبارک وتعالیٰ کا ذکر تمام معاملات میں مدد معونت فراہم کر کے ان کو سہل بناتا ہے اور ان معاملات کے بوجھ میں تخفیف کرتا ہے۔(تفسیر سعدی:1614،1615/2)

(5) اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی تعریف کی جو ہر حالت میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں۔﴿الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللَّهَ قِيَامًا وَقُعُودًا وَعَلَىٰ جُنُوبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هَٰذَا بَاطِلًا سُبْحَانَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ﴾ ''وہ لوگ جو کھڑے اور بیٹھے اور اپنے پہلوؤں پر لیٹے بھی اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے ہیں اور آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں غور وفکر کرتے ہیں، اے ہمارے رب! تو نے یہ سب کچھ بے مقصد نہیں بنایا، آپ پاک ہیں، سو ہمیں آگ کے عذاب سے بچالیں۔'' (آل عمران:191)

(6) رب العزت نے دشمن سے ملاقات کے موقع پر بھی ذکر کا حکم دیا ہے۔﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا لَقِيتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوا وَاذْكُرُوا اللَّهَ كَثِيرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ﴾ ''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! جب تم مدمقابل ہو کسی گروہ کے تو ثابت قدم رہو اور اللہ تعالیٰ کو کثرت سے یاد کرو تا کہ تم فلاح پاؤ۔'' (الانفال:45)

(7) جب ایک مؤمن کا مشاہدہ، اس کی زندگی کا ہر واقعہ اس کے ایمانی شعور کو بیدار کرنے والا بن جائے تو یہ اس کے لیے ایسا سرمایہ بن جاتا ہے جو اُس کی یادوں کا حصہ بن جاتا ہے یہی ایمان کی غذا بن جاتا ہے۔یہی یادیں انسان کو رب سے جوڑے رکھتی ہیں پھر انسان جس چیز پر نظر ڈالتا ہے نظر رب کی یاد لے کر آتی ہے زبان کھلتی ہے تو اُس سے یہ یاد آواز کی صورت میں باہر آتی ہے اُس کے کان سنتے ہیں تو سماعتیں اُسے رب سے جوڑ دیتی ہیں اور اُس کے یادوں بھرے دل سے سماعت، بصارت، کلام اور اعضاء کا عمل مربوط ہو جاتا ہے حتیٰ کہ وہ سراپا یادِ

الٰہی بن جاتا ہے جیسے غالب نے کہا۔ غالب ندیم دوست سے آتی ہے بوئے دوست اور جیسے کسی نے کہا:

گفتگو کسی سے ہو تیرا دھیان رہتا ہے ٹوٹ ٹوٹ جاتا ہے سلسلہ تکلم کا

سوال 2: قرآن مجید میں ذکر کی ترغیب کے لئے کیا اسلوب اختیار کیے گئے ہیں؟

جواب: (1) قرآن مجید میں ذکر کی ترغیب وتحریص کے لئے اور بھی اسلوب اختیار کئے گئے ہیں۔ مثلاً: اللہ تعالیٰ کو بھول جانا ہی اللہ تعالیٰ کے نظرانداز کرنے کا باعث ہے فرمایا: ﴿نَسُوا اللّٰهَ فَنَسِيَهُمْ﴾ ''وہ بھول گئے اللہ تعالیٰ کو تو اس نے بھی انہیں بھلا دیا۔'' (التوبۃ:67)

(2) دلوں کو طمانیت وتسکین، ذکر الٰہی سے حاصل ہوتا ہے فرمایا: ﴿اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ﴾ ''سن لو! اللہ تعالیٰ کی یاد ہی سے دل سکون پاتے ہیں۔'' (الرعد:28)

(3) ذکر سے غافل لوگ اطاعت کے لائق نہیں فرمایا: ﴿وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا﴾ ''آپ ایسے شخص کی اطاعت نہ کریں جس کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا ہے اور جو اپنی خواہش کے پیچھے چلا ہے اور جس کا معاملہ حد سے گزرا ہوا ہے۔'' (الکہف:28)

(4) ذکر سے غفلت سے انسان شیطان کا رفیق بن جاتا ہے فرمایا: ﴿وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ﴾ ''اور جو شخص رحمان کے ذکر سے اندھا بن جاتا ہے ہم اُس کے لیے ایک شیطان مقرر کر دیتے ہیں۔ چنانچہ وہی اُس کا ساتھی بن جاتا ہے۔'' (الزخرف:36)

(5) جو انسان ذکر سے اعراض کرتا ہے وہ دنیاوی زندگی پر فریفتہ ہو جاتا ہے۔ فرمایا: ﴿فَاَعْرِضْ عَنْ مَّنْ تَوَلّٰى ۙ عَنْ ذِكْرِنَا وَلَمْ يُرِدْ اِلَّا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ؕ ذٰلِكَ مَبْلَغُهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ ؕ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اهْتَدٰى﴾ ''چنانچہ اس سے منہ پھیر لو جو ہماری نصیحت سے منہ موڑتا ہے اور دنیا کی زندگی کے سوا کچھ نہیں چاہتا۔ یہ اُن کے علم کی حد ہے حد ہے، بلاشبہ آپ کا رب ہی خوب جانتا ہے کہ اُس کے راستے سے کون بھٹک گیا ہے اور وہی خوب جانتا ہے کہ راہِ راست پر کون ہے؟ (النجم:30,29)

(6) شیطان کے تسلط کے سبب، انسان اللہ کے ذکر سے غافل ہو جاتا ہے، فرمایا: ﴿اِسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطٰنُ فَاَنْسٰىهُمْ ذِكْرَ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ الشَّيْطٰنِ ؕ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ الشَّيْطٰنِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ﴾ ''شیطان اُن پر غالب آچکا ہے، سو اُس نے اُنہیں اللہ تعالیٰ کی یاد بھلا دی، یہی لوگ شیطانی گروہ ہیں سن لو! شیطان کا گروہ ہی یقیناً خسارہ پانے والا ہے۔'' (المجادلہ:19)

(7) اللہ تعالیٰ کا ذکر بصیرت افروز اور چشم کشا ہے اور استغفار پر آمادہ کرتا ہے فرمایا: ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّيْطٰنِ تَذَكَّرُوْا فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ﴾ ''یقیناً جو لوگ اللہ تعالیٰ سے ڈر گئے جب انہیں شیطان کے اثر سے کوئی بُرا خیال چھو بھی جاتا ہے تو وہ فوراً چونک پڑتے ہیں، پھر اچانک وہ بصیرت والے ہوتے ہیں۔ (الاعراف:201)

(8) ﴿وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ ۪ وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ ڞ وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰي مَا فَعَلُوْا وَھُمْ يَعْلَمُوْنَ﴾ ''وہ ایسے لوگ ہیں جب کوئی برائی کر بیٹھیں یا اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھیں تو وہ اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے ہیں پھر وہ اپنے گناہوں کے لیے بخشش مانگتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے سوا گناہوں کو کون معاف کرسکتا ہے؟ اور اس پر جو انہوں نے کیا جان بوجھ کر اصرار نہیں کرتے۔'' (آل عمران:135)

(9) قربانی کا مقصد اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے فرمایا: ﴿وَلِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلٰي مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ ۭ فَاِلٰـهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَلَهٗٓ اَسْلِمُوْا ۭ وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِيْنَ﴾ ''اور ہم نے ہر اُمت کے لیے قربانی کو مقرر کیا ہے تاکہ وہ ان مویشی چوپایوں پر اللہ تعالیٰ کا نام ذکر کریں جو اُس نے انہیں عطا کر رکھے ہیں، سو تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے تو تم اسی کے فرماں بردار بنو، اور آپ عاجزی اختیار کرنے والوں کو خوشخبری دے دیں۔'' (الحج:34)

(10) کسی قسم کی مصروفیت و مشغولیت اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غافل نہ کرے فرمایا: ﴿رِجَالٌ ۙ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَاۗءِ الزَّكٰوةِ ڒ يَخَافُوْنَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيْهِ الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُ﴾ ''وہ لوگ جنہیں تجارت اور خرید و فروخت اللہ تعالیٰ کی یاد سے اور نماز قائم کرنے سے اور زکوٰۃ ادا کرنے سے غافل نہیں کرتی وہ اس دن سے ڈرتے رہتے ہیں جس میں دل اور آنکھیں اُلٹ جائیں گی۔'' (النور:37)

(11) اللہ تعالیٰ کے ذکر سے قسوۃ ''سختی و شدت'' ہلاکت و تباہی کا باعث ہے فرمایا: ﴿اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰي نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ۭ فَوَيْلٌ لِّلْقٰسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ مِّنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ﴾ ''کیا پھر وہ شخص جس کا سینہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کے لیے کھول دیا، سو وہ اپنے رب کی طرف سے ایک روشنی پر ہے؟ (کسی کافر جیسا ہوسکتا ہے) پس اُن کے لیے تباہی ہے جن کے دل اللہ تعالیٰ کی یاد سے سخت ہوگئے، یہی لوگ کھلی گمراہی میں ہیں۔'' (الزمر:22) ﴿اَلَمْ يَاْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ ۙ وَلَا يَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلُ فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْاَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوْبُهُمْ ۭ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ﴾ ''کیا ایمان والوں کے لئے ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ اُن کے دل اللہ تعالیٰ کے ذکر کے لیے اور جو حق نازل ہوا ہے اُس کے لیے جھک جائیں؟ اور وہ اُن لوگوں جیسے نہ ہوجائیں جن کو پہلے کتاب دی گئی تھی، پھر اُن پر جب لمبی مدت گزر گئی تو اُن کے دل سخت ہوگئے اور اُن میں سے اکثریت نافرمان ہے۔'' (الحدید:16)

(12) اس طرح قرآن مجید میں ذکر الٰہی کی ترغیب و تاکید کے لئے مختلف گوں ناگوں اسلوب اختیار کئے گئے ہیں اور احادیث مبارکہ میں بھی اس کی ترغیب کے لئے متنوع تعبیرات اختیار کی گئی ہیں مثلاً بخاری اور مسلم میں سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ سے بیان کرتے ہیں۔ ﴿مَثَلُ الَّذِيْ يَذْكُرُ رَبَّهٗ وَالَّذِيْ لَا يَذْكُرُهٗ مَثَلُ الْحَيِّ وَالْمَيِّتِ﴾ ''اس شخص کی مثال جو اللہ تعالیٰ کو یاد کرتا ہے، زندہ انسانوں کی طرح اور اس کو یاد نہیں کرتا وہ مردہ کے حکم میں ہے''

(13)﴿مَثَلُ الْبَيْتِ الَّذِيْ يُذْكَرُ اللّٰهُ فِيْهِ وَالْبَيْتِ الَّذِيْ لَايُذْكَرُ اللّٰهُ فِيْهِ مَثَلُ الْحَيِّ وَالْمَيِّتِ﴾ ''جس گھر میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جاتا ہے وہ زندہ انسانوں کا گھر ہے اور جس میں اللہ تعالیٰ کا ذکر نہیں کیا جاتا وہ مردہ شخص کا گھر ہے'' (مسلم)

(14) گویا ذاکر کا دل اس زندہ انسان کی طرح ہے جو زندہ لوگوں کے گھروں میں ہے اور اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غافل اس مردہ کی طرح ہے جو مردہ لوگوں کے گھروں میں ہے بلاشبہ غافلوں کے اجسام ان کے دلوں کی قبریں ہیں اور ان کے دل ان میں مردوں کی طرح ہیں جو قبروں میں ہیں۔(ذکر الٰہی، امام ابن قیم:27-24)

سوال3: اللہ تعالیٰ کے ذکر سے کیا مراد ہے؟

جواب: (1) اللہ تعالیٰ کے ذکر سے مراد انسان کے دل میں آنے والی وہ یاد ہے جس میں یقین شامل ہو۔

(2) اس سے مراد لسانی ذکر ہے بھی ہے، قلبی ذکر بھی ہے اور عملی ذکر بھی۔ یہ بات توجہ طلب ہے اللہ تعالیٰ کی وہ یاد جس میں یقین شامل ہو یقین انسان کو کیا دیتا ہے؟ اور یقین انسان کو کیسے آتا ہے؟ مثلاً ایک انسان نماز پڑھتا ہے، مومن تینتیس بار کہتا ہے سبحان اللہ۔ اتنی بار دل کے اندر یقین اترتا ہے۔ اتر تو سکتا ہے لیکن سبحان اللہ کہنا ایسے نہیں ہے جیسے بے سوچے سمجھے الفاظ ادا کیے جاتے ہیں۔ عام طور پر سبحان اللہ یا الحمدللہ یا اللہ اکبر کہنے میں شعور کا دخل نہیں ہوتا اگرچہ یہ اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے، لیکن جو ذکر انسان کو فائدہ دیتا ہے وہ ایسا نہیں ہوتا۔ سیدنا علیؓ نے ایک بار کسی کو استغفر اللہ، استغفر اللہ، کہتے دیکھ لیا تو کہنے لگے۔ توبۃ الکذابین جھوٹوں کی توبہ کہ دل میں ندامت، شرمندگی نہیں ہے۔ شرمندگی کے بغیر ہی استغفار کے الفاظ صرف زبان سے ادا کیے جا رہے ہیں۔ یہ الفاظ کی ادائیگی انسان کے اندر یقین پیدا نہیں کرتی ان الفاظ پہ اجر کتنا ملے گا یہ اللہ کا معاملہ ہے لیکن جس ذکر کی وجہ سے دعوت میں تاثیر پیدا ہوتی ہے، انسان کی زندگی بدلتی ہے، زندگی پر اثر مرتب ہوتا ہے وہ شعوری ذکر ہے غور و فکر کرنے والے کو نصیب ہوتا ہے۔ ایک انسان اپنی زبان سے کہہ رہا ہے سبحان اللہ۔ اپنے آپ سے پوچھے تو سہی سبحان اللہ کیوں کہا کس پہ کہا، کوئی اچھی، خوبصورت، بہترین چیز دیکھ کر آپ کہتے ہیں سبحان اللہ کیا بات ہے کہ اللہ ہی کے لائق ہے اللہ ہی بنا سکتا ہے لیکن عین سبحان اللہ کہتے ہوئے سارے (Switches Off) رابطے منقطع ہیں، صرف زبان چل رہی ہے عین استغفر اللہ کہتے ہوئے سارے (Switches Off) کچھ پتہ نہیں استغفار کیوں ہو رہی ہے لیکن یہ سلسلہ جاری رہے۔ یہ ذکر دراصل ذکر میں کمی ہے کہ ذکر بھی ہو اور اس میں کمی بھی ہو یعنی زبان تو ذکر کرے دل شامل ہی نہ ہو دل کا ذکر ہو ہی نہ یہ ہے اصل میں خرابی۔ ذکر زبان سے بھی ہوتا ہے دل سے بھی۔ جیسے ماں کے لیے اپنا بچہ بچہ کسی مشکل میں ہے تو ماں جب بچے کو یاد کرے گی تو اس کی مشکل کے حوالے سے۔ فرض کریں کسی کو بخار ہے تھوڑی دیر کے بعد خیال آئے گا اس کو بخار ہے پھر خیال آئے گا بخار ہے پتہ نہیں میڈیسن لی ہے یا نہیں پھر خیال آئے گا کچھ کھایا ہے یا نہیں، بچہ یاد آئے، بہن بھائی، ماں باپ یا دوست احباب اپنے کاموں کی وجہ سے۔ اور اللہ تعالیٰ یاد آئے تو صرف الفاظ ہی یاد آئیں فقط الفاظ پیچھے ذہن بالکل خالی، خالی دل کے ساتھ اپنے رب کو یاد کرتے رہیں؟ یہی کمی ہے۔ پیغمبروں سے توقع نہیں کی جا سکتی کہ وہ اللہ تعالیٰ کی یاد میں کہیں کمی کریں۔ ہرگز نہیں لیکن تاکید اس لیے کی جاتی ہے کہ اس کا خاص طور پر اہتمام کرنا ہے یہ دعوت کی پہلی شرط ہے پہلا اصول

ہے اللہ تعالیٰ کی یاد۔ اللہ تعالیٰ کی یاد میں کمی نہ کرنا۔ اللہ تعالیٰ کی یاد مومن کے لیے بڑی اہمیت کی حامل ہوتی ہے یہ مومن کا سرمایہ ہے جیسے مادی زندگی کے مختلف کاموں کے لیے سرمایے کی ضرورت پڑتی ہے۔ ایسے ہی روحانی اور شعوری ضروریات کو پورا کرنے کے لیے ذکر کی ضرورت ہوتی ہے یہ کرنسی جس کے پاس نہیں ہے اسے کوئی مال نہیں ملے گا۔ اسے اس کے بدلے میں کچھ نہیں ملے گا۔ ذکر کے بدلے میں انسان کو سکون ملتا ہے، رب العزت فرماتے ہیں:﴿اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ﴾ ''یاد رکھو! اللہ تعالیٰ کی یاد سے ہی دل اطمینان پاتے ہیں۔'' (الرعد:28)

سوال 4: اللہ تعالیٰ کا ذکر ایک مؤمن کا، ایک داعی کا سرمایہ کیسے بن جاتا ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ کی یاد میں دلوں کا اطمینان ہے۔ ذکر دل کا اطمینان بنتا ہے جب ایک مؤمن کا مشاہدہ، اس کی زندگی کا ہر واقعہ اس کے ایمانی شعور کو بیدار کرنے والا بن جائے۔ مثلاً ایک انسان پھلوں کو دیکھے تو اسے محض پھلوں والی دکان، یا اس کا ذائقہ نہیں اللہ تعالیٰ کی رحمت یاد آئے۔ اللہ تعالیٰ کتنا مہربان ہے اسے معلوم ہے یہ رنگ یہ ذائقے، یہ خوشبوئیں یہ میری ضرورت ہے مجھے پسند ہے اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے اہتمام کیا۔ مومن کی نگاہ دنیا میں ہر چیز پر ایسے ہی پڑتی ہے موسموں کی تبدیلی پر، نیا پھل آنے پر، نئے پتے آنے پر، بادل آنے پر، بارش برسنے پر، تیز دھوپ نکلنے پر، ہواؤں کے چلنے پر ہر واقعہ مومن کے لیے سرمایہ ہے کیونکہ اس کی ہر نظر ایمان لے کر لوٹتی ہے جس جس چیز کو دیکھیں یادوں کا سرمایہ بڑھتا جائے یہ بنک بیلنس ہے اور وہ انسان کتنا محروم ہے جس کی ہر نظر خالی لوٹ آئے۔ کبھی کوئی خالی (Message) آئے کیا کیفیت ہوتی ہے انسان کی؟ لیکن اللہ تعالیٰ کے ساتھ معاملہ کرتے ہیں کہ ہر دفعہ ہی خالی (Message)، دل خالی، سوچ نہیں شعور نہیں، ایمانی غذا ہی نہیں۔ جو انسان کائنات پر غور وفکر کرتا ہے ذات پر غور وفکر کرتا ہے اس کے لیے ہر واقعہ ایمان کی غذا بن جاتا ہے یہ اس کے لیے سرمایہ اکٹھا ہوتا ہے یہ اس کا بنک بیلنس یہ آخرت کا بنک بیلنس تو مومن کے پاس کتنی خوبصورت یادیں ہیں یہ ایمانی رزق ہے جو دنیا کے دسترخوان سے مومن حاصل کرتا ہے۔ (ایسا سمجھ لیں کہ دسترخوان بچھا ہوا ہے اب مومن نے اس دسترخوان سے اپنی پسند کی چیزیں اٹھاتے جانا ہے یوں اس کے ایمان میں اضافہ ہوتا ہے۔) جو اُس کی یادوں کا حصہ بن جاتا ہے یہی ایمان کی غذا بن جاتا ہے۔ یہی یادیں انسان کو رب سے جوڑے رکھتی ہیں۔ (کسی وقت یاد کا سلسلہ ٹوٹتا نہیں، چھوٹتا نہیں) پھر انسان جس چیز پر نظر ڈالتا ہے نظر رب کی یاد لے کر آتی ہے، زبان کھلتی ہے تو اُس سے یہ یاد آواز کی صورت میں باہر آتی ہی یاد ایسی چیز ہے جس کا وجود بھی ہے وہ وجود ہمیں محسوس نہیں ہوتا لیکن جب ایک انسان صرف یہی یادیں اپنے ذہن میں رکھے تو اس کی زندگی پر وہ اثرات مرتب نہیں ہوتے جب تک کہ یاد مجسم نہ ہو جائے اور مجسم ہوتی ہے جب زبان سے نکلتی ہے آواز میں ڈھلتی ہے دوسروں کے کانوں تک پہنچتی ہے دعوت بن جاتی ہے۔ اپنی یادیں ہوں گی تو یہ باتیں دوسروں سے کریں گے۔ یہ یادوں کی Sharing ہے دعوت جو آپ نے لیا غور وفکر کرتے ہوئے۔ یہی آپ دوسروں تک پہنچا دیں۔

دیکھا ہے جو کچھ میں نے اوروں کو بھی دکھلا دے

یارب دل مسلم کو وہ زندہ تمنا دے

جو قلب کو گرما دے جو روح کو تڑپا دے

یہ ایمان ہے جو انسان کو الفاظ کے ذریعے، شعور کے میدان میں لاتا ہے لیکن اگلا کام انسان کو خود کرنا ہے کہ اب ان الفاظ کے توسط سے حقیقت سمجھ آ گئی اب غور و فکر کرے۔تو وہ سب کچھ نصیب ہونا شروع ہو جاتا ہے۔فرض کریں ایک ٹیلر نے کپڑے سینے سیکھ لیے۔اس کے پاس کپڑا بھی موجود ہے۔لیکن وہ کپڑے کاٹتا ہی نہیں ہے پھر سلائی کیسے کرے گا۔یہی حال ہے اس ایمان والے کا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی کتاب سے بہت لیتا ہے لیکن جب ایک چیز کو اپنے اندر بسانا ہے، عین اس موقع پہ وہ پیچھے ہٹ جائے۔پھر اسے ایمان کہاں سے نصیب ہو۔ایمان کی غذا کائنات سے نصیب ہوگی۔انسان چاہتا ہے کہ الفاظ سے ہی ایمان مل جائے۔وحی کے الفاظ مددگار ہیں۔ان کے توسط سے انسان کو ہنر آ گیا کہ اس نے جہان پہ کیسے نظر ڈالنی ہے؟ مشاہدے سے کیسے غذا حاصل کرنی ہے اب اگلا کام اس نے خود کرنا ہے۔انسان کا جیسے دل کرتا ہے Cook یا Driver رکھ لیا جاتا ہے باقی کام کسی سے کروالیں۔غور و فکر بھی کسی سے ہی کروالیں جو غور و فکر کرے گا ایمان اسی کو ملے گا اور جو غور و فکر نہیں کرے گا اس کو کچھ بھی نہیں ملے گا۔

یاد تو اسی کے لیے ہے جو انہی یادوں کے لیے اردگرد دیکھتا ہے۔اللہ تعالیٰ کی یاد فائدہ دیتی ہے اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں مومن یادوں بھری زندگی بسر کرنے کے قابل ہو جائے۔یہ یادیں مومن کا سرمایہ بن جاتی ہیں اور یہ سرمایہ جب دل کے اندر ہوتا ہے تو زبان پہ آتا ہے اظہار چاہتا ہے کیونکہ اندر رکھا نہیں جا سکتا۔اسی طرح سے لسانی اور عملی ذکر وجود میں آتا ہے۔اور لسانی ذکر خواہ تنہائی میں ہو یا لوگوں کے سامنے۔تنہائی میں انسان کی رب کے ساتھ سرگوشی ہے کہ یا اللہ تو پاک ہے تو پاک ہے اللہ تو پاک ہے۔جب یہ الفاظ سمجھ کر ادا کرتے ہیں انسان کی کیفیت بدلتی ہے۔لیکن جس وقت انسان سمجھ نہیں رہا ہوتا تو ایک فرض سمجھ کے ادا کرتا ہے۔وہ ذکر جو دل کا میل دور کر دیتا ہے وہ شعوری ذکر ہے۔نبی ﷺ نے فرمایا: ہر چیز کی کوئی نہ کوئی صفائی ستھرائی کرنے والی چیز ہے اور دل کی صفائی کرنے والی چیز اللہ تعالیٰ کی یاد ہے۔تو وہ ذکر دل کو صاف کرے گا جس میں آپ کی شعوری کاوش ہوگی جس وقت انسان زبان سے ذکر کرے تب رب سے جڑ جائے۔جب رب کا ذکر سنے تو اپنی سماعتوں سے رب سے جڑ جائے۔پہلے تو دل کی یاد تھی اب بات پہنچ گئی سماعت تک، بصارت تک، اعضاء کے عمل تک، زبان کے عمل تک۔ہر جگہ پورا جسم ہی لگا ہوا ہے۔حتیٰ کہ انسان سراپا ہدایت الٰہی بن جاتا ہے۔جو لوگ اپنے پیاروں کو بہت یاد کرتے ہیں روتے دھوتے ہیں ہر وقت کی Tension، پھر Depression میں چلے جاتے ہیں کوئی چیز اچھی نہیں لگتی پھر کھانا پینا کم ہو جاتا ہے، انسان کی زندگی کے معمولات ہی بدل جاتے ہیں۔افضل سرمایہ وہ ہے جو قوت دے نہ کہ قوت ہی ختم کر دے۔انسانوں کی یاد انسانوں کو گھلاتی ہے، برباد کرتی ہے۔اللہ تعالیٰ کی یاد انسان کو قوت دیتی ہے۔اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:﴿وَلَا تَنِيَا فِي ذِكْرِي﴾ میرے ذکر میں کمی نہ کرنا۔اور اللہ تعالیٰ نے یہ اس موقع پہ کہا جب سیدنا موسیٰ نے اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کی تھی کہ یا اللہ میں اس لیے یہ چاہتا ہوں تاکہ ہم کثرت سے تیرا ذکر کریں کثرت سے تیری تسبیح کریں۔یہ صرف سیدنا موسیٰ اور سیدنا ھارون کا

معاملہ نہیں تھا صحابہ کرام کا بھی یہی معاملہ تھا کہ جب آپس میں بیٹھتے تو اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے۔ مثلاً احادیث نبوی سناتے، کلام اللہ کے بارے میں کوئی نا کوئی بات ایک دوسرے سے پوچھتے اور یوں اللہ تعالیٰ کے ساتھ یادوں بھرا سلسلہ جڑا رہتا۔ دعوت دینے والے کو سب سے پہلے اپنی زندگی کو درست کرنے کی ضرورت ہے جس کی طرف وہ بلانے جارہا ہے وہ رب کی ذات ہے۔ اگر رب کی ذات کی طرف دعوت دینی ہے تو رب کی ہی طرف دعوت دینی ہے اور اگر رب کے بارے میں چند الفاظ یاد ہیں تو یہ الفاظ یاد نہیں ہیں۔ الفاظ یاد تب بنتے ہیں جب ان کے توسط سے انسان کو فائدہ حاصل ہو۔ بندہ مومن کے شعور کو ساری کائنات سے ہٹا کر ایک طرف لگا دیا۔ یہی رجوع الی اللہ ہے پہلے انسان اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا ہے پھر اپنے عمل سے بھی اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا ہے۔ آپ یہاں ہیں گھر لوٹنا چاہتے ہیں، کلاس روم کی طرف سے رخ پھیریں گے پھر گھر پہنچیں گے اسی طرح جو انسان اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرے گا باقیوں کی طرف سے رخ پھیر لے گا۔ اس کی سوچیں، یادیں اس کا دل باقی لوگوں کے لیے آماجگاہ نہیں بنتا۔ اس کی یادوں کا رخ رب کی طرف رہتا ہے۔ اس کی دعوت کا رخ بھی رب ہی کی طرف رہتا ہے۔ اس کے اعمال کا رخ بھی رب ہی کی طرف رہتا ہے اس کا کلام اس کی سماعت، اس کی بصارت نظریں بھی کنٹرول میں ہیں۔ اور پھر جو وہ پڑھے جو دیکھے، جس ماحول میں رہے جس ماحول میں وہ کام انجام دے، اعضاء کا عمل ہو یا زبان کا، یا دل کا، ہر عمل کا رخ اللہ تعالیٰ کی طرف ہو۔ یہی رجوع الی اللہ ہے۔ قیامت کے دن جب ہر ایک نے اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹنا ہے یہ جبراً ہوگا اس سے پہلے انسان سے یہ چاہا کہ وہ اپنے رب کی طرف لوٹ جائے۔ دنیا میں ہر چیز انسان کو اپنی طرف کھینچتی ہے۔ اللہ تعالیٰ یہ چاہتے ہیں کہ میرے بندے کا دل میری یاد ہی کی طرف لگا رہے۔ یادوں کا معاملہ ایسے ہی ہے جیسے انسان جس رنگ کی عینک لگائے ماحول میں وہی رنگ دکھتا ہے۔ ایسے ہی جو رب کی یاد میں رہتا ہے وہ پورے ماحول میں جو کچھ بھی دیکھتا ہے ہر جگہ اسے رب کی یاد ملتی ہے۔

﴿اِذْهَبَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى﴾

''تم دونوں فرعون کی طرف جاؤ، یقیناً وہ سرکش ہوگیا ہے'' (43)

سوال 1: ﴿اِذْهَبَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى﴾ ''تم دونوں فرعون کی طرف جاؤ، یقیناً وہ سرکش ہوگیا ہے'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ''تم دونوں فرعون کی طرف جاؤ، یقیناً وہ سرکش ہوگیا ہے'' یعنی فرعون سرکشی، ظلم اور کفر کی ساری حدود توڑ چکا ہے۔ اس نے کہا:

﴿اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى﴾ ''میں تمہارا سب سے بلند رب ہوں۔'' (النازعات:24)

(2) ﴿مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرِيْ﴾ ''میں تو اپنے سوا تمہارے لیے کسی معبود کو نہیں جانتا۔'' (القصص:38)

(3) ﴿قَالَ لَئِنِ اتَّخَذْتَ اِلٰهًا غَيْرِيْ لَاَجْعَلَنَّكَ مِنَ الْمَسْجُوْنِيْنَ﴾ ''فرعون نے کہا: ''اگر تم نے میرے سوا کسی کو معبود بنایا تو میں ضرور تمہیں قید کیے ہوئے لوگوں میں شامل کردوں گا۔'' (الشعراء:29)

﴿فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى﴾

''پھر دونوں اس سے نرم بات کہو شاید کہ وہ نصیحت قبول کرے یا ڈر جائے'' (44)

سوال 1: ﴿فَقُوۡلَا لَہٗ قَوۡلًا لَّیِّنًا لَّعَلَّہٗ یَتَذَکَّرُ اَوۡ یَخۡشٰی﴾ ''پھر دونوں اس سے نرم بات کہو شاید کہ وہ نصیحت قبول کرے یا ڈر جائے'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ''پھر دونوں اس سے نرم بات کہو شاید کہ وہ نصیحت قبول کرے یا ڈر جائے'' لفظی آداب کا خیال رکھتے ہوئے، نرمی کے ساتھ نہایت سہل اور لطیف بات کیجیے، فحش گوئی، ڈینگیں مارنے، سخت الفاظ اور درشت افعال سے پرہیز کیجئے۔

(2) ﴿لَّعَلَّہٗ﴾ ''شاید کہ وہ'' شاید وہ اس نرم گوئی کے سبب سے۔

(3) ﴿یَتَذَکَّرُ﴾ ''وہ نصیحت قبول کرے'' نصیحت پکڑے جو اس کو فائدہ دے اور وہ اس پر عمل کرنے لگے۔

(4) ﴿اَوۡ یَخۡشٰی﴾ ''یا ڈر جائے'' اور نقصان دہ چیز سے ڈرے اور اسے ترک کردے کیونکہ نرم گوئی اس کی طرف دعوت دیتی ہے اور سخت گوئی لوگوں کو اس سے متنفر کرتی ہے۔

(5) اللہ تعالیٰ نے ''نرم گوئی'' کی اپنے ارشاد میں تفسیر بیان کی ہے۔ ﴿فَقُلۡ ہَلۡ لَّکَ اِلٰۤی اَنۡ تَزَکّٰی (۱۸) وَ اَہۡدِیَکَ اِلٰی رَبِّکَ فَتَخۡشٰی (۱۹)﴾ ''پس کہہ دو کہ کیا تیرے لیے کوئی رغبت ہے کہ تم پاکیزگی اختیار کرو؟ اور میں تمہارے رب کی طرف تمہاری راہ نمائی کروں کہ تم ڈرنے لگ جاؤ؟'' (النازعات: 18،19)

(6) کیونکہ اس قول میں جو نرمی اور آسانی پنہاں ہے اور سختی اور درشتی سے جس طرح پاک ہے، غور کرنے والے پر مخفی نہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے (ھل) کا لفظ استعمال کیا ہے جو ''عرض'' اور ''مشاورت'' پر دلالت کرتا ہے جس سے کوئی شخص نفرت نہیں کرتا اور اسے ہر قسم کی گندگی سے تطہیر اور تزکیہ کی طرف بلایا ہے۔ جس کی اصل شرک کی گندگی سے تطہیر ہے جسے ہر عقل سلیم قبول کرتی ہے۔ آپ نے یہ نہیں فرمایا: ﴿اُزَکِّیۡکَ﴾ ''میں تجھے پاک کروں'' بلکہ فرمایا: (تَزَکّٰی) یعنی ''تو خود پاک ہو جائے۔''

(7) پھر موسیٰ علیہ السلام نے اسے اس کے رب کی طرف بلایا جس نے اس کی پرورش کی اور اسے ظاہری اور باطنی نعمتوں سے نوازا جن پر شکر اور ذکر کرنا چاہیے۔ اس لئے فرمایا: ﴿وَ اَہۡدِیَکَ اِلٰی رَبِّکَ فَتَخۡشٰی﴾ ''اور میں تمہارے رب کی طرف تمہاری راہ نمائی کروں کہ تم ڈرنے لگ جاؤ؟'' (النازعات: 19)

(8) جب فرعون نے اس کلام نرم ونازک کو قبول نہ کیا، جس کا حسن دلوں کو پکڑ لیتا ہے تو معلوم ہوا کہ اس کو وعظ ونصیحت کا کوئی فائدہ نہیں تو اللہ تعالیٰ نے اسے اسی طرح پکڑ لیا جس طرح ایک غالب اور مقتدر ہستی پکڑتی ہے۔ (سعدی: 1615/2)

(9) نرم بات سے دعوت دی جائے تو کوئی شخص ضد اور ہٹ دھرمی پر نہیں اُترتا۔ (i) نرم بات سرکش اور جھوٹی برائی میں جینے والوں کو بھی غصے میں نہیں آنے دیتی۔ (ii) نرم بات دلوں کو جگا دیتی ہے۔ (iv) نرم بات کی وجہ سے سرکش لوگ بھی بات سننے اور اس پر غور کرنے کے لیے تیار ہو

جاتے ہیں۔(۷)نرم بات کی وجہ سے لوگ قریب آجاتے ہیں، متاثر ہوتے ہیں اور ہدایت قبول کر لیتے ہیں۔

(10)سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نبی ﷺ کی زوجہ مطہرہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: نرمی جس چیز میں ہوتی ہے وہ اسے خوبصورت بنا دیتی ہے اور جس چیز سے نرمی نکال دی جاتی ہے تو وہ چیز بدصورت ہو جاتی ہے۔(مسلم:6602)

(11)سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''آسانی کرو اور سختی نہ کرو، خوش کرو اور نفرت نہ دلاؤ۔'' (صحیح بخاری:69)

(12)﴿لَعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوۡ يَخۡشٰى﴾ ''شاید کہ وہ نصیحت قبول کرے یا ڈر جائے'' اللہ تعالیٰ نے فرعون کے ساتھ نرمی برتنے کے لیے کہا کیونکہ نرم بات کی وجہ سے یہ توقع ہو سکتی ہے کہ فرعون بھی ڈر جائے یا نصیحت قبول کر لے۔ اللہ تعالیٰ کو اگرچہ نتیجے کا پہلے سے علم ہوتا ہے اور اس کا علم مستقبل کے معاملات میں ایسا ہی ہے جیسا کہ حال کے واقعات یا ماضی کے واقعات کے بارے میں پھر بھی کسی شخص کے بارے میں عملاً فیصلہ تبھی ہو سکتا ہے جب کہ نیکی یا بدی اُس سے سرزد ہو جائے۔

(13)کسی سرکش کو دعوت دینا اُسی صورت ممکن ہو سکتا ہے جب دعوت دینے والے کو یہ یقین ہو کہ وہ راہ راست پر آسکتا ہے وہ بھی نصیحت قبول کر سکتا ہے۔اس کے دل میں بھی خدا کا خوف پیدا ہو سکتا ہے۔سرکش کو دعوت دینا تب ناممکن ہو جاتا ہے جب دعوت دینے والا یہ سوچ کہ وہ سیدھے راستے پر آہی نہیں سکتا اس طرح دعوت میں وہ قوت ہی نہیں رہتی۔

(14)﴿اُدۡعُ اِلٰى سَبِيۡلِ رَبِّكَ بِالۡحِكۡمَةِ وَالۡمَوۡعِظَةِ الۡحَسَنَةِ وَجَادِلۡهُمۡ بِالَّتِىۡ هِىَ اَحۡسَنُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعۡلَمُ بِمَنۡ ضَلَّ عَنۡ سَبِيۡلِهٖ وَهُوَ اَعۡلَمُ بِالۡمُهۡتَدِيۡنَ﴾ ''اپنے رب کے راستے کی طرف حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ دعوت دیں اور اُن سے اس طریقے سے بحث کریں جو زیادہ اچھا ہو یقیناً آپ کا رب اُن کو زیادہ جانتا ہے جو اُس کے راستے سے بھٹک گئے ہیں اور وہ ہدایت یافتہ لوگوں کو بھی خوب جانتا ہے۔'' (النحل:125)

سوال 2:خوئے دل نوازی کیا ہے؟

جواب:(1)اللہ تعالیٰ کے کلام نبی پاک کی احادیث اور سلف صالحین کے اقوال واعمال اس ''خوئے دل نوازی'' کی تشریح کے سلسلے میں بہت کچھ مواد ملتا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ راہ حق کی طرف دعوت دینے والے کا مزاج واخلاق ایسا ہونا چاہیے کہ وہ اپنی نرم مزاجی وخوش خلقی تہذیب وشائستگی، حلم وعفو، شفقت ومہربانی اور محبت وہمدردی سے دوسروں کے دلوں کو جیت سکے تاکہ لوگ اس کی زبان سے نکلی ہوئی باتوں کو وقعت دیں۔

(2)حق کی طرف بلانے والوں کے لئے ضروری ہے ان کی زبان شیریں، رویہ ہمدردانہ اور گفتگو شفیقانہ ہو۔وہ لوگوں کی زیادتیوں پر صبر کر کے تیوریوں کے جواب میں مسکراہٹیں دے سکتے ہوں۔

(3)ان کا کام نفرت انگیز مضامین سے پاک ہو وہ کسی فرد یا جماعت کو نام لے کر برا نہ کہتے ہوں ان کی گفتگو میں تعریفیں اور طعن وتشنیع نہ ہو

ان کا پیرایہ گفتگو توہین آمیز نہ ہو۔

(4) ان میں اتنی دانش مندی، وسعت نگاہ اور وسعت قلبی موجود ہو کہ دوسروں کے نقطہ نگاہ کو سمجھ سکیں اور ان کی مجبوریوں کو پیش نظر رکھ سکیں وہ لوگوں کو برا بھلا کہنے یا جسمانی تکلیف پہنچانے سے بہت دور ہوں۔

(5) وہ بنی نوع انسان کے لئے عموماً اور توحید کے علمبرداروں کے لیے خصوصاً شفیق و مہربان ہوں اور اپنے اخلاق پسندیدہ کے ذریعے لوگوں سے تعلقات اور میل ملاپ قائم رکھیں تاکہ انہیں بات کہنے کا اور ان کی بات کو سننے والوں کے دلوں میں راہ پانے کا موقع ملتا رہے۔

(6)﴿فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ۖ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ ۚ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ﴾ ''پس اللہ تعالیٰ کی بڑی رحمت ہی کی وجہ سے آپ ان کے لیے نرم ہوگئے ہیں اور اگر آپ بدخُلق اور سخت دل ہوتے تو یقیناً وہ آپ کے آس پاس سے منتشر ہوجاتے، سو آپ انہیں معاف کردیں اور اُن کے لئے بخشش مانگیں اور معاملات میں ان سے مشورہ کریں، پھر جب آپ پختہ ارادہ کرلیں تو اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کریں، بلاشبہ اللہ تعالیٰ بھروسہ کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔'' (آل عمران:159) اس آیت میں ایک تو نبی ﷺ کے نرم مزاج ہونے کو امت کے لیے خدا کی ایک رحمت قرار دیا گیا اور دوسری طرف یہ حقیقت بھی واضح کردی گئی ہے کہ حق کی طرف دعوت دینے والا اگر سخت مزاج اور سخت دل ہوگا تو لوگ اسے چھوڑ کر چلے جائیں گے۔

(7) اس آیت پاک کی روشنی میں غور کریں تو پھر یہ سمجھنا بے حد مشکل ہوجاتا ہے کہ بعض ''دینداروں'' نے سخت مزاجی، سخت کلامی، سخت گیری اور بحث بازی کو دین کے تقاضے کیوں بنالیا ہے ان کا یہ رویہ بے شمار لوگوں کو دین کی طرف لانے کے بجائے انہیں اس سے دور بھگانے کا ذریعہ بن جاتا ہے کیونکہ جس چیز کی طرف سختی اور کرختگی سے بلایا جائے گا لوگ اس میں بہت کم کشش محسوس کریں گے۔

(8) جو لوگ دین کے نمائندوں کی حیثیت سے سختی اور کرختگی اختیار کرتے ہیں وہ لوگوں کو یہ سمجھنے پر مجبور کردیتے ہیں دین شاید سختی اور کرختگی ہی سکھاتا ہے حالانکہ دین جو کچھ سکھاتا ہے وہ اوپر کی آیت پاک اور ذیل کی عبارت سے بالکل واضح ہے۔

(9)﴿وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًاۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۭ كَذٰلِكَ زَيَّنَّا لِكُلِّ اُمَّةٍ عَمَلَهُمْ ۠ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ مَّرْجِعُهُمْ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ ''اور وہ اللہ تعالیٰ کے سوا جن کو پکارتے ہیں اُنہیں برا بھلا نہ کہو کہ وہ بھی بغیر علم کے حد سے گزر کر اللہ تعالیٰ کو بُرا بھلا کہیں گے اسی طرح ہم نے ہر گروہ کے لئے اس کا عمل خوش نما بنادیا ہے، پھر انہیں اپنے رب کی طرف ہی پلٹنا ہے تو وہ اُنہیں بتادے گا جو وہ عمل کیا کرتے تھے۔'' (انعام:108)

(10)﴿وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ﴾ ''اور لوگوں سے منہ پھیر کر بات نہ کرو اور زمین میں اکڑ کر نہ چلو، یقیناً اللہ تعالیٰ کسی خود پسند، فخر کرنے والے سے محبت نہیں کرتا۔'' (لقمان:18)

(11)﴿وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيۡمٍ﴾ ''اور بلاشبہ آپ یقیناً عظیم اخلاق پر ہیں۔'' (القلم:4)

(12) سیدنا ابن عباس کا بیان ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا ''اے مسلمانو! تم میں سب سے اچھے وہ ہیں جن کے اخلاق اچھے ہیں اور جو تواضع اور فروتنی سے جھکے جاتے ہیں اور تم میں سب سے برے وہ لوگ ہیں جو بدزبان اور بدگو اور دریدہ دہن ہوں۔ (بیہقی فی شعب الایمان)

(13) سیدنا ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''میزان میں جو چیز سب سے زیادہ بھاری ہوگی وہ حسن اخلاق ہے'' (ترمذی:2002)

(14) سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اے عائشہ رضی اللہ عنہا! اللہ تعالیٰ رفیق ہے اور رفق (یعنی نرمی) کو پسند کرتا ہے اور نرمی اختیار کرنے کی بناء پر وہ اس قدر عطا فرماتا ہے کہ جو سختی یا اس کے علاوہ کسی اور وجہ سے اس قدر عطا نہیں فرماتا۔'' (صحیح مسلم:6601)

(15) سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! ''اللہ تعالیٰ تمام معاملات میں نرمی اور ملائمت کو پسند کرتا ہے۔'' (بخاری:6024)

(16) سیدنا ابوذر اور سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہما سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''تم جہاں کہیں بھی ہو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو، اور گناہ کے بعد نیکی کرلیا کرو، وہ اسے مٹادیتی ہے اور لوگوں کے ساتھ اچھے خلق سے پیش آیا کرو'' (ترمذی)

(17) ایک فتح کے بعد سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے سیدنا خالد بن ولید کو لکھا کہ ''فارسیوں اور ان قوموں کی جو فارسی حکومت کی رعایا ہوں، تالیف قلب کرو تا کہ وہ اسلام لے آئیں اور اس کے خیر خواہ ہو جائیں۔''

(18) سیدنا اسماعیل شہید کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ ایک دن وہ اپنے ایک گہرے دوست مولوی رستم علی کے ساتھ چاندنی چوک میں سے گزر رہے تھے کہ ایک پہلوان سید صاحب کو گالیاں دینی شروع کردیں اس پر مولوی رستم علی صاحب کو غصہ آگیا اور تلوار نکال کر اسے مارنے دوڑے۔ سید صاحب نے جھپٹ کر مولوی رستم علی کا ہاتھ پکڑ لیا اور فرمایا کہ میاں رستم علی کیا کرتے ہو اور وہ گالیاں بے جا نہیں دیتا بلکہ وہ ٹھیک کہتا ہے کیونکہ وہ یہی کہتا ہے کہ یہ تو بڑا بددین ہے جو نئی نئی باتیں نکالتا ہے، سو اس میں وہ کیا بے جا کہتا ہے میری باتیں اس کے لئے تو واقعی نئی ہیں علماء نے یہ باتیں ان بے چاروں کو کہاں سنائی ہیں پھر اس کو نئی کیوں نہ معلوم ہوں اور وہ گالیاں کیوں نہ دے''۔

(19) راہ حق کی طرف بلانے والوں کو ان آیات الٰہی، احادیث نبویہ اور سلف صالحین کے اقوال و اعمال کی روشنی میں اپنا رویہ معین کرنا چاہیے لوگوں کے دلوں میں کوئی بات نقش کرنے سے پہلے انہیں وہ بات سننے پر آمادہ کرنا پڑتا ہے اور جس شخص کو یقین ہوگا کہ آپ اس کے حقیقی خیر خواہ اور چاہنے والے ہیں وہ آپ کی بات سننے کے کے لیے زیادہ جلدی تیار ہوگا بہ نسبت اس شخص کے جس کی نگاہ میں آپ کی حیثیت ایک سخت مزاج نکتہ چیں سے زیادہ نہ ہو۔ (20) اسلام دین فطرت ہے اور فطرت انسانی نرمی ہمدردی اور محبت سے لازماً متاثر ہوتی ہے۔

(21) داعی کے لیے حق گوئی ایک بہت بڑا وصف ہے مگر حق بات کہتے ہوئے یہ تو ضروری نہیں کہ اسے کہنے کے لیے لہجہ اور الفاظ ایسے استعمال کیے جائیں جو سننے والے کے سینے سے پار ہو جائیں۔

(22) دنیا میں سب سے بڑے حق گو انبیائے کرام تھے مگر ان پاکبازوں نے تو اپنی انتہائی شریر، بدکردار اور تنگ کرنے والی قوموں کو

بھی ''اے میری قوم'' کہہ کر ہی مخاطب کیا اور ان کی شرارتوں کا جواب خیر خواہی اور دعاؤں ہی سے دیا۔

(23) دعوت دین صرف زبان ہی سے نہیں دی جاتی بلکہ اپنے اعمال وافعال، محبت وہمدردی اور حسن سلوک سے بھی دی جاتی ہے اگر ہم حسن سلوک اور مہر ومحبت ہی کی بساط تہہ کر کے رکھ دیں گے تو ہمارے خشک وعظ سے کون متاثر ہوگا۔ خوئے دل نوازی اس وقت بھی بے حد ضروری ہے جب معاملہ غیر مسلموں کو دعوت دینے کا ہو۔ کجا یہ کہ خود اصلاح کرتے وقت سخت گیری، حقارت اور درشتی سے کام لیا جائے۔

(24)﴿وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ (۲۱۴) وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ (۲۱۵)﴾ ''اپنے قریبی رشتے داروں کو ڈرائیں۔ اور آپ مومنوں میں سے جو آپ کے پیچھے چلیں ان کیلئے اپنے بازو جھکائے رکھیں۔'' (الشعراء:214,215)

(25) سیدنا براء بن عازب صحابی کے پاس ایک دفعہ ابوداؤد آئے۔ سیدنا براء نے خود انہیں سلام کیا اور ان کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا اور خوب ہنسے اور پھر فرمایا ''جانتے ہو میں نے ایسا کیوں کیا؟ نبی ﷺ نے ایک دفعہ میرے ساتھ ایسا ہی کیا تھا اور فرمایا تھا کہ جب دو مسلمان آپس میں ایسے ملیں اور کوئی ذاتی غرض درمیان میں نہ ہو تو دونوں کی مغفرت کی جاتی ہے۔ (مسند)

(26) سیدنا جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا کہ ''جو نرمی سے محروم رہا وہ تمام بھلائی سے محروم رہا'' (مسلم:6600)

(27) مسلمانوں کے شیریں زبانی اور پختہ کرداری سے عاری ہو جانے کا افسوس کرتے ہوئے علامہ اقبال فرماتے ہیں اے لاالٰہ کے وارث، باقی نہیں ہے تجھ میں گفتار دلبرانہ، کردار قاہرانہ

(28) دعوت دین دینے والوں کے لیے یہ یاد رکھنا ضروری ہے کہ ان کے لیے اصل نمونہ رسول خدا ﷺ کا کردار ہے کیا آپ لوگوں کو دین سکھاتے وقت سخت مزاجی اور سخت گیری کا ثبوت دیتے تھے؟ یا انہیں چھوٹی چھوٹی اور معمولی معمولی باتوں پر سب کے سامنے برملا ٹوکتے تھے؟ یا ایسا رویہ اختیار کرتے تھے جس سے اپنی برتری اور دوسرے کی کمتری کا اظہار ہوتا ہو؟ آپ نرم خو، نرم مزاج، شفیق اور مہربان تھے؟

(29) سیدنا مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک بار ہم کچھ ہم عمر نوجوان رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں رہنے کے لیے پہنچے اور ہم آپ کی خدمت میں ''بیس رات تک رہے واقعی اللہ کے رسول ﷺ انتہائی رحیم اور نرم دل تھے جب آپ نے محسوس کیا کہ اب ہمیں گھر والوں کی یاد ستا رہی ہے ہم سے پوچھنے لگے کہ تم لوگ اپنے پیچھے گھر میں کن کن لوگوں کو چھوڑ کر آئے ہو ہم نے تفصیل بتائی تو فرمایا کہ اچھا تو اب تم لوگ اپنے گھر والوں کے پاس جاؤ اور ان کے ساتھ رہو اور ''جو کچھ تم نے سیکھا ہے'' تم سکھاؤ اور انہیں نیک باتوں کی تلقین کرو اور جب نماز کا وقت آجائے تو تم میں سے کوئی ایک اذان دے اور جو تم میں سب سے بڑا ہو تمہارا امام بنے'' (مسلم)

(30) صحیح بخاری میں سیدنا براء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ 6ھ ذیقعدہ میں نبی ﷺ عمرہ کرنے مکہ کی طرف گئے تو کفار نے اندر نہ آنے دیا پھر مسلمانوں اور کفار کے درمیان ایک معاہدہ ہوا جس کی رو سے مسلمان آئندہ سال مکہ میں آسکتے تھے مگر صرف تین دن ہی قیام کر سکتے تھے چنانچہ آئندہ سال نبی ﷺ مکے گئے اور جب وہ معینہ مدت گزر گئی تو لوگ سیدنا علی کے پاس پہنچے کہ اب اپنے ساتھی سے کہیں کہ وہ یہاں

سے چلے جائیں کیونکہ معینہ مدت گزر گئی ہے چنانچہ نبی ﷺ وہاں سے روانہ ہوئے جب نبی ﷺ وہاں سے چلے تو حمزہ کی بیٹی چچا چچا کہتی آپ کے پیچھے ہولی سیدنا علی نے اس کا ہاتھ پکڑا اور اسے سیدہ فاطمہ کو دے دیا۔ سیدہ فاطمہ نے اسے سوار کرلیا اب سیدنا علی سیدنا جعفر اور سیدنا زید کے درمیان اس لڑکی کے باعث جھگڑا ہونے لگا سیدنا علی کہتے تھے کہ میں اس لڑکی کا حق دار ہوں کیونکہ یہ میرے چچا کی بیٹی ہے سیدنا جعفر دعویٰ کرتے تھے کہ یہ میرے چچا کی بیٹی ہے اور اس کی خالہ میری بیوی ہے سیدنا زید یہ کہہ کر اپنا حق ثابت کرتے تھے کہ یہ میرے بھائی کی بیٹی ہے ان لوگوں کے باہمی اختلاف کو دیکھ کر نبی ﷺ نے ان کے درمیان فیصلہ چکاتے ہوئے لڑکی کی خالہ کے حق میں فیصلہ دے دیا اور فرمایا: ''خالہ بمنزلہ ماں کے ہے'' پھر آپ ﷺ نے سیدنا علی کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: ''تو مجھ سے ہے اور میں تجھ سے ہوں''۔ اور سیدنا جعفر کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: ''تم صورت و سیرت میں مجھ سے زیادہ مشابہ ہو'' اور سیدنا زید کو تسلی دی کہ ''تو ہمارا بھائی ہے اور ہمارا مولا ہے'' اس طرح نبی ﷺ نے فیصلہ تو اسی کے حق میں دیا جسے زیادہ مستحق سمجھا مگر اپنی شیریں گفتاری کے سب کو اپنی اپنی جگہ مطمئن کر دیا۔

(31) سیدنا معاویہ بن الحکم سلمی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں اس دوران میں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھ رہا تھا، اچانک نمازیوں میں سے ایک شخص کو چھینک آ گئی۔ میں نے یرحمک اللہ (اللہ تجھ پر رحم کرے) کہہ کر اس کا جواب دیا، تو نمازی مجھ کو گھورنے لگے میں نے کہا'' کہا تم اپنی ماؤں کو گم کرو مجھ کو کیوں گھور ہے ہو وہ یہ سن کر اپنے ہاتھوں کو اپنی رانوں پر مارنے لگے جب میں نے دیکھا کہ وہ مجھے خاموش ہی کرانا چاہتے ہیں (تو مجھے خوب ہی غصہ آیا) لیکن میں خاموش ہو گیا جب رسول اللہ ﷺ نماز سے فارغ ہوئے، میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں میں نے آپ سے پہلے اور آپ کے بعد کوئی آپ سے زیادہ اچھی تعلیم دینے والا معلّم نہیں دیکھا، پس خدا کی قسم نہ آپ نے مجھے ڈانٹا، نہ مارا اور نہ برا بھلا کہا (بلکہ) فرمایا کہ نماز میں انسانی کلام میں سے کچھ (زبان پر لانا) درست نہیں ہے نماز تو اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کرنے اس کی بڑائی بیان کرنے اور قرآن پڑھنے کا نام ہے۔ (مسلم:1199)

(32) سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کے اخلاق کا حال بیان کرتے ہوئے فرماتی ہیں: ''نبی ﷺ کی عادت کسی کو برا بھلا کہنے کی نہیں تھی۔ برائی کے بدلے میں برائی نہیں کرتے تھے بلکہ درگزر کرتے تھے اور معاف فرما دیتے تھے آپ نے کبھی کسی سے اپنے ذاتی معاملے میں انتقام نہیں لیا۔ آپ نے نام لے کر کبھی کسی مسلمان پر لعنت نہیں کی۔ آپ نے کبھی کسی غلام کو، کسی کنیز کو، کسی عورت کو، خادم کو، جانور کو اپنے ہاتھ سے نہیں مارا۔ آپ نے کبھی کسی کی کوئی درخواست رد نہیں فرمائی سوائے اس کے کہ وہ ناجائز ہو۔ آپ جب گھر کے اندر تشریف لاتے تو نہایت خنداں، ہنستے اور مسکراتے ہوئے۔''

(33) سیدہ ہند بن ابی ہالہ نبی ﷺ کے اخلاق کے بارے میں یوں رقم طراز ہیں: ''آپ نرم خو تھے، سخت مزاج نہ تھے، کسی کی توہین روا نہیں رکھتے تھے، چھوٹی چھوٹی باتوں پر اظہار شکر فرماتے تھے، کسی چیز کو برا نہیں کہتے تھے، کھانا جس قسم کا سامنے آ جاتا تناول فرما لیتے اور اس کو برا نہ کہتے، کوئی اگر کسی امر حق کی مخالفت کرتا تو آپ کو غصہ آ جاتا اور اس کی پوری حمایت کرتے لیکن خود اپنے ذاتی معاملے پر آپ کو کبھی

غصہ نہیں آیا اور نہ کسی سے انتقام لیا۔'' (شمائل ترمذی)

(34) امام حسین نے سیدنا علی سے نبی ﷺ کے اخلاق وعادات کی نسبت سوال کیا تو سیدنا علی نے آپ کا اخلاق بیان کرتے ہوئے فرمایا: ''آپ خندہ جبیں، نرم خو، مہربان طبع تھے، سخت مزاج اور تنگ دل نہ تھے، بات بات پر شور نہیں کرتے تھے کوئی برا کلمہ کبھی منہ سے نہیں نکالتے تھے عیب جو اور سخت گیر نہ تھے کوئی ایسی بات ہوتی جو آپ کو ناپسند ہوتی تو اس سے اغماض فرماتے تھے کوئی آپ سے کچھ امید رکھتا تو نہ اس کو مایوس کرتے تھے اور نہ منظوری ظاہر فرماتے تھے، اپنے نفس سے تین چیزیں آپ نے دور کردی تھیں بحث ومباحثہ، ضرورت سے زیادہ بات کرنا اور جو بات مطلب کی نہ ہو اس میں پڑنا، دوسروں کے متعلق بھی تین باتوں سے پرہیز کرتے تھے کسی کو برا نہیں کہتے تھے، کسی کی عیب گیری نہیں کرتے تھے ،کسی کے اندرونی حالات کی ٹوہ میں نہیں رہتے تھے وہی باتیں کرتے تھے جن سے کوئی مفید نتیجہ نکل سکتا تھا۔ جب آپ کلام کرتے صحابہ اس طرح خاموش ہوکر اور سر جھکا کر سنتے گویا ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہیں جب آپ چپ ہوتے'' تو وہ آپس میں بات چیت کرتے کوئی دوسرا بات کرتا تو جب تک وہ بات ختم نہ کر لیتا چپ سنا کرتے لوگ جن باتوں پر ہنستے آپ بھی مسکرا دیتے، جن پر لوگ تعجب کرتے آپ بھی کرتے کوئی باہر کا آدمی اگر بے باکی سے گفتگو کرتا تو آپ تحمل فرماتے۔ دوسروں کے منہ سے اپنی تعریف سننا پسند نہیں فرماتے تھے لیکن اگر کوئی آپ کے احسان وانعام کا شکریہ ادا کرتا تو قبول فرماتے جب تک بولنے والا خود چپ نہ ہوجاتا، آپ اس کی بات درمیان سے نہیں کاٹتے تھے، نہایت فیاض، راست گو، نہایت نرم طبع اور نہایت خوش صحبت تھے۔ گو کوئی دفعتاً آپ کو دیکھتا تو مرعوب ہوجاتا، لیکن جیسے جیسے آشنا ہوتا جاتا آپ سے محبت کرنے لگتا۔'' (شمائل ترمذی)

(35) خوش خلقی، خندہ روئی اور دوسروں کی مدارات ودل جوئی کرنے کے سلسلے میں بزرگوں کے کئی اقوال روایت کیے گئے ہیں۔ سیدنا عبد اللہ بن مبارک نے حسن اخلاق کی تعریف تین باتوں سے فرمائی ہے۔ جب آدمی کسی سے ملے تو ہنستے مسکراتے چہرے سے ملے۔ اللہ تعالیٰ کے محتاج اور ضرورت مند بندوں پر خرچ کرے۔ کسی کو تکلیف نہ پہنچائے۔

(36) خواجہ معین الدین چشتی فرماتے ہیں کہ جس شخص میں تین خصلتیں ہوں گی، اللہ تعالیٰ اسے دوست رکھے گا۔ (i) سخاوت: دریا کی فیاضی کی مانند کہ جس کا جی چاہے اس سے پانی پی لے۔ (ii) شفقت: آفتاب کی شفقت کی مانند کہ ہر جگہ یکساں روشنی دیتا ہے۔ (iii) تواضع: زمین کی تواضع کی مانند کہ اس پر اچھا برا ہر قسم کا انسان رہتا ہے۔

(37) شیخ سعدی فرماتے ہیں'' دنیا کمانا ہنر نہیں ہے اگر ہوسکے تو ایک مرتبہ ہی کسی کا دل جیت لے''۔

(38) دعوت دین کے سلسلے میں جن امور کو خصوصی طور پر پیش نظر رکھنا چاہیے ان میں ایک یہ ہے کہ بحث بازی سے بچا جائے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نبی ﷺ کے اخلاق کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''اپنے نفس سے تین چیزیں آپ نے بالکل دور کردی تھیں، بحث مباحثہ، ضرورت سے زیادہ بات کرنا اور جو بات مطلب کی نہ ہو اس میں پڑنا''۔

(39) حقیقت یہ ہے کہ کج بحثیاں زبانیں تو بند کردیتی ہیں مگر دلوں کو نہیں کھول سکتیں اور لوگ قریب آنے کے بجائے اور زیادہ دور ہوجاتے

ہیں اور اس طرح انسان جیت کر بھی ہار جاتا ہے جو انسان اس بات پر خوشی محسوس کرتا ہے کہ اس نے ایسی دلیل دی کہ دوسرا جواب نہ دے سکا وہ یہ بھول جاتا ہے کہ اس کا اصل مقصد لوگوں کو لاجواب کرنا نہ تھا بلکہ انہیں دین کی طرف مائل کرنا تھا اور انہیں لاجواب کر کے اس نے انہیں دین سے اور بھی زیادہ دور کر دیا ہے یہ تو اپنی کوششوں کی خود ہی نفی کرنا ہوا۔

(40) عقل مندی کا تقاضہ تو یہ ہے کہ لوگ تلخ کلامیاں کریں بھی تو داعی برداشت کر کے جواب میں شیریں کلامی ہی سے ملے اور حسن سلوک سے لوگوں کے دلوں کو قریب لانے کی کوشش کرے نہ کہ انہیں اپنی قوت استدلال کا تختۂ مشق بنا کر دور بھگائے۔

(41) شیخ سعدی کا مقولہ ہے کہ: ''شیریں کلامی اور نرم زبانی غضبناک انسان (کے غضب) کی آگ پر پانی جیسا اثر کرتی ہے''۔

(42) بشر حافی کا فرمان ہے: اللہ تعالیٰ کی محبت کی نشانی اخلاق اور امر و نہی میں رسول خدا کی اتباع ہے'' واضح رہے کہ حرم کو براہ راست جاننے کی تکلیف گوارا کرنے والے بہت کم ہوتے ہیں۔ زیادہ تو وہی ہوتے ہیں جنہیں حرم کی طرف لے جانے والے میر کارواں کے کردار اور سلوک سے متاثر ہونا ہوتا ہے اور اگر اسی میں خوئے دلنوازی نہ ہوگی تو پھر اہل کارواں کا کارواں سے ٹوٹ جانا یا خود حرم ہی سے بدگماں ہو جانا کچھ بعید نہیں۔ اس سے زیادہ بدقسمت کون ہوگا جس کی بدخلقی سخت مزاجی اور سخت گیری کے باعث لوگ دین سے بدظن ہو جائیں۔ (داعی کے اوصاف:60.72)

(43) سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''کیا میں تمہیں ایسے لوگوں کی خبر نہ دوں جو جہنم کی آگ پر یا جہنم کی آگ ان پر حرام ہے؟ جہنم کی آگ لوگوں کے قریب رہنے والے، آسانی کرنے والے، اور نرم اخلاق والے پر حرام ہے'' (ترمذی:2488)

(44) اللہ تعالیٰ نے فرعون کے ساتھ نرمی برتنے کے لیے کہا کیونکہ نرم بات کی وجہ سے یہ توقع ہو سکتی ہے کہ فرعون بھی ڈر جائے یا نصیحت قبول کر لے۔ اللہ تعالیٰ کو اگرچہ نتیجے کا پہلے سے علم ہوتا ہے اور اس کا علم مستقبل کے معاملات میں ایسا ہی ہے جیسا کہ حال کے واقعات یا ماضی کے واقعات کے بارے میں پھر بھی کسی شخص کے بارے میں عملاً فیصلہ تبھی ہو سکتا ہے جب کہ نیکی یا بدی اُس سے سرزد ہو جائے۔

﴿قَالَا رَبَّنَآ اِنَّنَا نَخَافُ اَنۡ يَّفۡرُطَ عَلَيۡنَآ اَوۡ اَنۡ يَّطۡغٰى﴾

''دونوں نے کہا: ''اے ہمارے رب! یقیناً ہمیں خوف ہے کہ وہ ہم پر زیادتی کرے گا یا وہ سرکشی کرے گا'' (45)

سوال 1: ﴿قَالَا رَبَّنَآ اِنَّنَا نَخَافُ اَنۡ يَّفۡرُطَ عَلَيۡنَآ اَوۡ اَنۡ يَّطۡغٰى﴾ ''دونوں نے کہا: ''اے ہمارے رب! یقیناً ہمیں خوف ہے کہ وہ ہم پر زیادتی کرے گا یا وہ سرکشی کرے گا'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿قَالَا﴾ ''دونوں نے کہا'' سیدنا موسیٰ اور سیدنا ہارون نے کہا۔

(2) ﴿رَبَّنَآ اِنَّنَا نَخَافُ اَنۡ يَّفۡرُطَ عَلَيۡنَآ﴾ ''اے ہمارے رب! یقیناً ہمیں خوف ہے کہ وہ ہم پر زیادتی کرے گا'' یعنی اے ہمارے رب! ہمیں ڈر لگتا ہے کہ کہیں آپ پیغام پہنچانے سے پہلے وہ ہمیں سزا نہ دے، یعنی ہمیں مار نہ دے یا عقوبت خانے میں ہی پہنچا دے۔

(3) فرعون متکبر اور ظالم بادشاہ تھا اس لیے انہیں اندیشہ ہوا کہ اس کے سوا کسی اور کا پیغام دیا جا رہا ہے تو وہ غصے میں بھڑک اُٹھے گا۔
(4) "یا وہ سرکشی کرے گا" وہ حق کے خلاف تکبر سے اقتدار وسلطنت، اپنے اعوان اور اپنی افواج کی بنا پر سرکشی نہ دکھائے۔
(5) یعنی سرکشی اور ظلم میں بڑھ جائے گا۔ (سعدی: 1615,1616/2)

﴿قَالَ لَا تَخَافَآ اِنَّنِیۡ مَعَکُمَاۤ اَسۡمَعُ وَاَرٰی﴾

"اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "ڈرو مت! یقیناً میں تم دونوں کے ساتھ ہوں، میں سن رہا ہوں اور میں دیکھ رہا ہوں" (46)

سوال 1: ﴿قَالَ لَا تَخَافَآ اِنَّنِیۡ مَعَکُمَاۤ اَسۡمَعُ وَاَرٰی﴾ "اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "ڈرو مت! یقیناً میں تم دونوں کے ساتھ ہوں، میں سن رہا ہوں اور میں دیکھ رہا ہوں" اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿قَالَ لَا تَخَافَآ﴾ "اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "ڈرو مت!" رب العزت نے فرمایا فرعون سے نہ ڈرو کہ وہ تم پر زیادتی کرے گا۔
(2) ﴿اِنَّنِیۡ مَعَکُمَاۤ اَسۡمَعُ وَاَرٰی﴾ "یقیناً میں تم دونوں کے ساتھ ہوں، میں سن رہا ہوں اور میں دیکھ رہا ہوں" میں تمہارے ساتھ ہوں، تم دونوں کی حفاظت کر رہا ہوں، تمہارے دشمن کی باتیں سن رہا ہوں اور سب کے حالات دیکھ رہا ہوں تم دونوں کی کوئی بات مجھ سے چھپی ہوئی نہیں۔ میری مدد اور تائید تمہارے ساتھ ہے میں تم سے غافل نہیں ہوں یوں رب کے وعدے سے سیدنا موسیٰ اور سیدنا ہارون کا دل مطمئن ہو گیا۔

﴿فَاۡتِیٰهُ فَقُوۡلَاۤ اِنَّا رَسُوۡلَا رَبِّکَ فَاَرۡسِلۡ مَعَنَا بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ وَلَا تُعَذِّبۡهُمۡ ؕ قَدۡ جِئۡنٰکَ بِاٰیَۃٍ مِّنۡ رَّبِّکَ ؕ وَالسَّلٰمُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الۡهُدٰی﴾

"تو دونوں اُس کے پاس جاؤ اور کہو کہ یقیناً ہم دونوں تیرے رب کے بھیجے ہوئے ہیں چنانچہ بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ بھیج دے اور اُن کو عذاب نہ دے، یقیناً ہم تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس ایک نشانی لے کر آئے ہیں اور سلام ہو اس پر جو ہدایت کے پیچھے چلا" (47)

سوال 1: ﴿فَاۡتِیٰهُ فَقُوۡلَاۤ اِنَّا رَسُوۡلَا رَبِّکَ فَاَرۡسِلۡ مَعَنَا بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ وَلَا تُعَذِّبۡهُمۡ قَدۡ جِئۡنٰکَ بِاٰیَۃٍ مِّنۡ رَّبِّکَ ؕ وَالسَّلٰمُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الۡهُدٰی﴾ "تو دونوں اُس کے پاس جاؤ اور کہو کہ یقیناً ہم دونوں تیرے رب کے بھیجے ہوئے ہیں چنانچہ بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ بھیج دے اور اُن کو عذاب نہ دے، یقیناً ہم تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس ایک نشانی لے کر آئے ہیں اور سلام ہو اس پر جو ہدایت کے پیچھے چلا۔" اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿فَاۡتِیٰهُ﴾ "تو دونوں اُس کے پاس جاؤ" رب العزت نے حکم دیا کہ دونوں فرعون کے پاس جاؤ۔

(2)﴿فَقُوۡلَاۤ﴾ ''اور کہو'' فرعون کو اسلام کی دعوت دو اور کہو کہ بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ بھیج دو۔

(3)﴿اِنَّا رَسُوۡلَا رَبِّكَ﴾ ''کہ یقیناً ہم دونوں تیرے رب کے بھیجے ہوئے ہیں'' فرعون کے دور میں ہر قوم اور ہر قبیلے کے اپنے رب ہوتے تھے، یہ بت پرستانہ خرافات میں سے ہے۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام اور سیدنا ہارون علیہ السلام کے توسط سے یہ پیغام دیا گیا کہ جس کی طرف سے ہم آئے ہیں وہ صرف ہمارا اور اسرائیل کا نہیں تمہارا بھی رب ہے اسی بات میں فرعون کے رب ہونے کی نفی بھی تھی۔

(4)﴿فَاَرۡسِلۡ مَعَنَا بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ ۙ۬ وَ لَا تُعَذِّبۡهُمۡ﴾ ''چنانچہ بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ بھیج دے اور اُن کو عذاب نہ دے'' رب العزت نے حکم دیا کہ فرعون سے بنی اسرائیل جو کہ انبیاء کی اولاد میں ان کی واپسی کا مطالبہ کرو تا کہ وہ قید اور غلامی کے عذاب سے بچ جائیں اپنے معاملات کے بارے میں خود فیصلہ کریں۔ اور فرعون سے کہو کہ بنی اسرائیل کو قید میں رکھ کر انہیں عذاب نہ دو۔

(5)اللہ تعالیٰ نے یہ حکم اس لیے دیا تھا کہ بنی اسرائیل اصلاً توحید پرست تھے مگر مشرکانہ تہذیب سے متاثر ہو گئے تھے اور فرعون نے انہیں محنت مزدوری میں اس طرح لگا رکھا تھا کہ وہ ایک رب اور اُس کے سامنے جوابدہی کی سوچ رکھنے کے قابل نہ ہوسکیں اس لیے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ بنی اسرائیل کو مشرکانہ ماحول سے نکالو تا کہ شرک اور جاہلیت سے نکل کر ان کی اسلامی تربیت ممکن بنائی جاسکے۔

(6)﴿قَدۡ جِئۡنٰكَ بِاٰيَةٍ مِّنۡ رَّبِّكَ﴾ ''یقیناً ہم تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس ایک نشانی لے کر آئے ہیں'' ہم تمہارے پاس اپنی صداقت کی نشانی لے کر آئے ہیں۔

(7) یہ معجزہ تھا جو اس امر کی دلیل تھا کہ سیدنا موسیٰ اور سیدنا ہارون دونوں اپنے رب کے سچے رسول ہیں۔ (ایسر التفاسیر:887)

(8)﴿فَاَلۡقٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِىَ ثُعۡبَانٌ مُّبِيۡنٌ (۱۰۷) وَّنَزَعَ يَدَهٗ فَاِذَا هِىَ بَيۡضَآءُ لِلنّٰظِرِيۡنَ (۱۰۸)﴾ ''تو موسیٰ نے اپنی لاٹھی پھینکی تو اچانک وہ ایک ظاہر اژدھا تھی۔ اور اُس نے اپنا ہاتھ نکالا تو اچانک وہ دیکھنے والوں کے لیے سفید چمکتا ہوا تھا۔'' (الاعراف:108,107)

(9)﴿وَالسَّلٰمُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الۡهُدٰى﴾ ''اور سلام ہو اس پر جو ہدایت کے پیچھے چلا'' یعنی جس نے ایمان اور تقویٰ کی ہدایت پائی اس کے دونوں جہانوں کے عذاب سے نجات ہے۔

(10)یعنی جس نے صراط مستقیم کی پیروی کی اور شرع مبین سے راہ نمائی لی، اسے دنیا و آخرت کی سلامتی حاصل ہوگئی۔ (تفسیر سعدی:1616/2)

(11)(i) یہ سلام تحیہ نہیں سلامتی کی دعوت ہے جیسا کہ نبی ﷺ نے بادشاہوں کے نام خطوط لکھے تو یہ پیغام دیا جیسے ہرقل شاہ روم کو رسول اللہ ﷺ نے لکھا تھا اسلام قبول کرو سلامتی میں رہو گے۔ (ii) یہاں سلام کے ساتھ شرط عائد کی گئی ہے کہ اس کے لیے سلام ہے جس نے ہدایت کی پیروی کی۔

(12)''اللہ تعالیٰ کے بندے اور اس کے رسول محمد ﷺ کی جانب سے ہرقل عظیم روم کی طرف اس شخص پر سلام جو ہدایت کی پیروی کرے۔ تم اسلام لاؤ سالم رہو گے۔ اسلام لاؤ اللہ تعالیٰ تمہیں تمہارا اجر دوبارہ دے گا اور اگر تم نے رُوگردانی کی تو تم پر اریسیوں (رعایا)

کا (بھی) گناہ ہوگا۔ اے اہلِ کتاب! ایک ایسی بات کی طرف آؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان برابر ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو نہ پوجیں، اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کریں اور اللہ کے بجائے ہمارا بعض بعض کو رب نہ بنائے۔ پس اگر لوگ رُخ پھیریں تو کہہ دو کہ تم لوگ گواہ رہو ہم مسلمان ہیں۔'' (بخاری:1773)

﴿اِنَّا قَدْ اُوْحِيَ اِلَيْنَآ اَنَّ الْعَذَابَ عَلٰى مَنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى﴾

''بلاشبہ یقیناً ہماری طرف وحی کی گئی ہے کہ بے شک اُس شخص پر عذاب ہے جس نے جھٹلایا اور منہ موڑا'' (48)

سوال 1: ﴿اِنَّا قَدْ اُوْحِيَ اِلَيْنَآ اَنَّ الْعَذَابَ عَلٰى مَنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى﴾ ''بلاشبہ یقیناً ہماری طرف وحی کی گئی ہے کہ بے شک اُس شخص پر عذاب ہے جس نے جھٹلایا اور منہ موڑا۔'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿اِنَّا قَدْ اُوْحِيَ اِلَيْنَآ﴾ ''بلاشبہ یقیناً ہماری طرف وحی کی گئی ہے'' یعنی ہمارے رب کی طرف سے ہمارے پاس جو وحی آئی ہے اس میں ہمیں خبر دی گئی ہے یعنی یہ بات ہماری طرف سے نہیں رب العالمین کی طرف سے ہے۔

(2) ﴿اَنَّ الْعَذَابَ عَلٰى مَنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى﴾ ''کہ بے شک اُس شخص پر عذاب ہے جس نے جھٹلایا اور منہ موڑا'' اللہ تعالیٰ کا عذاب خاص طور پر ان لوگوں کے لیے ہے جنہوں نے انبیاء کو جھٹلایا اور ان کی اطاعت نہیں کی اور جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی آیات کو جھٹلایا اور اس کی اطاعت سے منہ موڑا۔ ﴿فَاَمَّا مَنْ طَغٰى (٣٧) وَاٰثَرَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا (٣٨) فَاِنَّ الْجَحِيْمَ هِيَ الْمَاْوٰى (٣٩)﴾ ''مگر جس نے سرکشی کی، اور دنیا کی زندگی کو ترجیح دی۔ تو یقیناً جہنم اُس کا ٹھکانہ ہوگی۔'' (النازعات:37،39)

(3) ﴿فَاَنْذَرْتُكُمْ نَارًا تَلَظّٰى (١٤) لَا يَصْلٰىهَآ اِلَّا الْاَشْقَى (١٥) الَّذِيْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى (١٦)﴾ ''پس میں نے تمہیں شعلہ مارتی آگ سے ڈرادیا ہے۔ جس میں اُس بڑے بدبخت کے سوا کوئی داخل نہیں ہوگا۔ جس نے جھٹلایا اور منہ موڑا۔'' (الیل:14،16)

(4) اس میں فرعون کو اللہ تعالیٰ اور اس کی آیات پر ایمان، انبیاء پر ایمان اور ان کی اطاعت کی ترغیب دی گئی اور اعراض اور تکذیب پر اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈراوا ہے۔ فرعون پر نصیحت کا کوئی اثر نہیں ہوا اس نے ظلم اور زیادتی سے رب کے بارے جھگڑا کیا پھر انکار کردیا ﴿فَلَا صَدَّقَ وَلَا صَلّٰى (٣١) وَلٰكِنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى (٣٢) ثُمَّ ذَهَبَ اِلٰٓى اَهْلِهٖ يَتَمَطّٰى (٣٣) اَوْلٰى لَكَ فَاَوْلٰى (٣٤) ثُمَّ اَوْلٰى لَكَ فَاَوْلٰى (٣٥)﴾ ''سو نہ اُس نے سچ مانا اور نہ نماز پڑھی۔ بلکہ اُس نے جھٹلایا اور منہ پھیرا۔ پھر اکڑتا ہوا اپنے گھر والوں کی طرف چلا گیا۔ تیرے لیے یہی لائق ہے، پھر یہی لائق ہے۔ پھر تیرے لیے یہی لائق ہے، پھر یہی لائق ہے۔'' (القیامہ:31،35)

﴿قَالَ فَمَنْ رَّبُّكُمَا يٰمُوْسٰى﴾

فرعون نے کہا: ''تو تم دونوں کا رب کون ہے؟ اے موسیٰ!'' (49)

سوال 1: ﴿قَالَ فَمَنْ رَّبُّكُمَا يٰمُوْسٰى﴾ ''فرعون نے کہا: ''تو تم دونوں کا رب کون ہے؟ اے موسیٰ!'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)فرعون نے کہا:''توتم دونوں کا رب کون ہے؟اے موسیٰ!''فرعون نے سیدنا موسیٰ کومخاطب کر کے انکار کے طور پر کہا:تمہارا رب کون ہے؟(2)فرعون نے اس لیے سیدنا موسیٰ کومخاطب کیا کہ اس نے جان لیا تھا کہ سیدنا ہارون ان کے وزیر ہیں۔(تفسیر مراغی:98/6)

﴿قَالَ رَبُّنَا الَّذِیۡۤ اَعۡطٰی کُلَّ شَیۡءٍ خَلۡقَہٗ ثُمَّ ہَدٰی﴾

موسیٰ نے کہا:''ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر چیز کواس کی صورت عطا کی، پھر اُسے راستہ دکھایا''(50)

سوال1:﴿قَالَ رَبُّنَا الَّذِیۡۤ اَعۡطٰی کُلَّ شَیۡءٍ خَلۡقَہٗ ثُمَّ ہَدٰی﴾''موسیٰ نے کہا:''ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر چیز کواس کی صورت عطا کی، پھر اُسے راستہ دکھایا''اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿قَالَ﴾''موسیٰ نے کہا''سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے نہایت وضاحت سے جواب دیا تھا۔﴿رَبُّنَا الَّذِیۡۤ اَعۡطٰی کُلَّ شَیۡءٍ خَلۡقَہٗ﴾''ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر چیز کواس کی صورت عطا کی''فرمایا ہمارا رب وہ ہے جو خالق ہے۔بے مثال کاریگر ہے جس نے کائنات کی ہر چیز کوساری مخلوقات کو پیدا کیے۔جس نے ہر مخلوق کو مناسب شکل دی۔جس نے ہر ایک کو وہ سب کچھ دیا جس کے وہ لائق تھا۔

(2)یعنی ہمارا رب وہ ہے جس نے تمام مخلوقات کو پیدا کیا اور ہر مخلوق کو اپنی حسن تخلیق،حسن صنعت اور اس کی ضرورت کے مطابق وجود عطا کیا،مثلاً کسی کو بڑا،کسی کو چھوٹا اور کسی کو متوسط جسم عطا کیا اور یہی حال تمام صفات کا ہے۔(سعدی:1617,1618/2)

(3)﴿ثُمَّ ہَدٰی﴾''اُسے راستہ دکھایا''یعنی جس مخلوق کو جس مقصد کے لیے پیدا کیا اسے وہ سب کچھ عطا کیا اور اس کی راہ نمائی کی ہے۔جس نے ہر مخلوق کے لیے اس کا عمل،اس کی اجل اور اس کا رزق لکھ دیا،ساری مخلوق اسی راستے پر ہے جس پر وہ پیدا کی گئی ہے۔

(4)﴿الَّذِیۡۤ اَحۡسَنَ کُلَّ شَیۡءٍ خَلَقَہٗ وَ بَدَاَ خَلۡقَ الۡاِنۡسَانِ مِنۡ طِیۡنٍ﴾''جس نے ہر چیز کو اچھا بنایا جو اس نے پیدا کی اور اُس نے انسان کی تخلیق کی ابتدا تھوڑے سے گارے سے کی۔''(السجدہ:7)

(5)رب کی خصوصیت کو واضح کرنے کے لیے ہر چیز کو ہدایت دینے کی بات کی۔چونکہ ساری مخلوقات اللہ تعالیٰ کی فکر اور ہدایات پر عمل کر رہی ہیں اس لیے ان کے خالق کے وجود کا ثبوت ملتا ہے۔

(6)وہ ہستی جس نے تمام مخلوقات کو پیدا کیا اور انہیں ایسی بہترین تخلیق عطا کی کہ عقل انسانی اس سے زیادہ خوبصورت تخلیق پیش نہیں کر سکتی اور وہ ہستی جس نے تمام مخلوقات میں ان کے مصالح کی طرف راہنمائی ودیعت کی،وہی حقیقت میں رب کائنات ہے۔اس رب کا انکار، سب سے بڑی چیز کے وجود کا انکار کرنا ہے اور یہ حقیقت کا انکار اور صریح جھوٹ ہے۔اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ انسان نے بعض ایسے امور کا انکار کیا ہے جو یقینی طور پر معلوم ہیں تو ان کا رب کائنات کا انکار کرنا سب سے بڑا انکار ہے،اس لئے جب فرعون اس قطعی دلیل کا مقابلہ نہ کر سکا تو اصل مقصد سے ہٹ کر جھگڑنے پر اتر آیا اور موسیٰ علیہ السلام سے کہنے لگا(سعدی:1617,1618/2)

(7)وہی ہر چیز کا معبود اور بادشاہ ہے جس نے ہر عضو کو بنایا اسے اس کا کام سکھایا،جس نے ساری کائنات بنائی اور ہر چیز کی تقدیر مقرر کی۔

﴿قَالَ فَمَا بَالُ الْقُرُوْنِ الْاُوْلٰى﴾

فرعون نے کہا: ''پھر تو پہلے زمانوں کے لوگوں کا کیا حال ہے؟'' (51)

سوال 1: ﴿قَالَ فَمَا بَالُ الْقُرُوْنِ الْاُوْلٰى﴾ ''فرعون نے کہا: ''پھر تو پہلے زمانوں کے لوگوں کا کیا حال ہے؟'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: ''فرعون نے کہا: ''پھر تو پہلے زمانوں کے لوگوں کا کیا حال ہے؟'' سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے جب یہ دلیل دی کہ ہمارا رب وہ ہے جس نے ہمیں رسول بنا کر بھیجا، جس نے ہمیں پیدا کیا، اور روزی پہنچائی، جس نے اندازہ لگایا اور راہ سمجھائی، فرعون پہلے لوگوں کا حوالہ دے کر جھگڑنے لگا کہ جن پہلے لوگوں نے اللہ کی عبادت نہیں کی بلکہ غیروں کی پوجا کی ان کا کیا حشر ہوگا۔ (مختصر ابن کثیر: 1171/2)

﴿قَالَ عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ فِيْ كِتٰبٍ ۚ لَا يَضِلُّ رَبِّيْ وَلَا يَنْسَى﴾

''موسیٰ نے کہا: ''اُس کا علم میرے رب کے پاس ایک کتاب میں ہے، میرا رب نہ بھولتا ہے اور نہ وہ غلطی کرتا ہے'' (52)

سوال 1: ﴿قَالَ عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ فِيْ كِتٰبٍ ۚ لَا يَضِلُّ رَبِّيْ وَلَا يَنْسَى﴾ ''موسیٰ نے کہا: ''اُس کا علم میرے رب کے پاس ایک کتاب میں ہے، میرا رب نہ بھولتا ہے اور نہ وہ غلطی کرتا ہے۔'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿قَالَ عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ﴾ ''موسیٰ نے کہا: ''اُس کا علم میرے رب کے پاس'' سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے کہا: میرے رب نے ان کے اچھے برے اعمال کو شمار کر کے محفوظ کر دیا ہے۔

(2) ﴿فِيْ كِتٰبٍ﴾ ''ایک کتاب میں ہے'' اپنی کتاب یعنی لوح محفوظ میں اس کے علم سے اور اس کی خبر سے کوئی چیز نہیں چھوٹتی۔

(3) ﴿لَا يَضِلُّ رَبِّيْ وَلَا يَنْسَى﴾ ''میرا رب نہ بھولتا ہے اور نہ وہ غلطی کرتا ہے۔'' یعنی میرا رب نہ تو غلطی کرتا ہے کہ کوئی چیز اس کے شمار کرنے اور لکھنے سے چھوٹ جائے اور نہ اسے کوئی بات بھولتی ہے۔

(4) یعنی پہلے لوگوں کے جو اعمال آگے چلے گئے قیامت کے دن انہیں اپنے اعمال کا سامنا کرنا ہوگا اور سب کو ان کے اعمال کا بدلہ دیا جائے گا۔ (5) مخلوق کے علم میں دو عیب پائے جاتے ہیں ایک تو کسی یعنی کسی چیز کا پورا احاطہ نہ کرنا اور دوسرا بھول جانا، تو رب ان دونوں عیبوں سے پاک ہے۔ وہ برکت والا اور بلند کرنے والا ہے۔ ﴿قَالَ لَقَدْ عَلِمْتَ مَآ اَنْزَلَ هٰٓؤُلَآءِ اِلَّا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ بَصَآئِرَ ۚ وَاِنِّيْ لَاَظُنُّكَ يٰفِرْعَوْنُ مَثْبُوْرًا﴾ ''موسیٰ نے کہا: ''ان کو نازل نہیں فرمایا مگر آسمانوں وزمین کے پروردگار ہی نے، بصیرت (کا سامان ہیں)، اور اے فرعون! واقعی میں سمجھتا ہوں کہ تو یقیناً ہلاک کیا ہوا ہے۔'' (بنی اسرائیل: 102)

(6) سیدنا موسیٰ علیہ السلام کا جواب بہت ہی بلیغ ہے آپ نے فرمایا مجھے پچھلوں کے حشر کی کیا خبر؟ البتہ اتنا یقین کے ساتھ جانتا ہوں کہ بہر حال

ان کے ساتھ انصاف ہی ہوا ہوگا۔اور میرے علیم وخبیر، ہمہ میں، ہمہ داں خدا نے ان کے ساتھ معاملہ وہی کیا ہوگا،جس کے مستحق وہ اپنے عمل اورنامۂ اعمال کے لحاظ سے ہوں گے۔وہاں غلطی یا بھول چوک کا کیا سوال؟(تفسیر ماجدی:242/3)

﴿الَّذِیۡ جَعَلَ لَکُمُ الۡاَرۡضَ مَهۡدًا وَّسَلَكَ لَكُمۡ فِيۡهَا سُبُلًا وَّاَنۡزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ؕ فَاَخۡرَجۡنَا بِهٖۤ اَزۡوَاجًا مِّنۡ نَّبَاتٍ شَتّٰى﴾

''وہی ہے جس نے زمین کوتمہارے لیے فرش بنایااوراس میں تمہارے لیے راستے بنادیےاورآسمان سے کچھ پانی اُتاراپھراُس کے ذریعے سے مختلف نباتات کی کئی قسمیں نکالیں''(53)

سوال1:﴿الَّذِیۡ جَعَلَ لَکُمُ الۡاَرۡضَ مَهۡدًا وَّسَلَكَ لَكُمۡ فِيۡهَا سُبُلًا وَّاَنۡزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ؕ فَاَخۡرَجۡنَا بِهٖۤ اَزۡوَاجًا مِّنۡ نَّبَاتٍ شَتّٰى﴾''وہی ہے جس نے زمین کوتمہارے لیے فرش بنایااوراس میں تمہارے لیے راستے بنادیےاور آسمان سے کچھ پانی اُتاراپھراُس کے ذریعے سے مختلف نباتات کی کئی قسمیں نکالیں''اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿الَّذِیۡ جَعَلَ لَکُمُ الۡاَرۡضَ مَهۡدًا﴾''وہی ہے جس نے زمین کوتمہارے لیے فرش بنایا''یعنی اس نے زمین کوتمہارے لیے قرارگاہ بنایاجس پرتم آرام اورسکون سے رہتے ہواوردوردراز کے سفر بھی کرتے ہو۔تم اس پر عمارتیں تعمیر کرتے ہو،کھیتی باڑی کرتے ہو، باغات لگاتے ہو۔اس نے تمہارے لیے زمین کوایسے مسخر کیا ہے کہ وہ تمہیں فائدہ پہنچانے سے انکارنہیں کرتی۔

(2)﴿وَّسَلَكَ لَكُمۡ فِيۡهَا سُبُلًا﴾''اوراس میں تمہارے لیے راستے بنادیے''یعنی ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچانے کے لیے راستے بنائےاس کی وجہ سےتم زمین پرجہاں جاناچاہوآسانی سے جاسکتے ہواوراپنے علاقوں کی نسبت سفر میں زیادہ نفع اٹھاتے ہو۔

(3)﴿وَّاَنۡزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ؕ﴾''اورآسمان سے کچھ پانی اُتارا''یعنی اللہ تعالیٰ نے آسمان سے بارش نازل فرمائی۔﴿فَاَخۡرَجۡنَا بِهٖۤ اَزۡوَاجًا مِّنۡ نَّبَاتٍ شَتّٰى﴾''پھراُس کے ذریعے سے مختلف نباتات کی کئی قسمیں نکالیں''اللہ تعالیٰ نے زمین سے طرح طرح کی بوٹیوں کے جوڑے پیدا کیے قسم قسم کے اناج،پھل پھول جن کے رنگ ذائقے،وضع قطع مختلف ہیں۔

(4)یعنی اللہ تعالیٰ نے انسانوں اورجانوروں ساری مخلوقات کے لیے رزق فراہم کیا۔اگرسب کے لیے رزق نہ ہوتاتوزمین پر رہنے والے سب ہلاک ہوجاتے۔

﴿كُلُوۡا وَارۡعَوۡا اَنۡعَامَكُمۡ ؕ اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِى النُّهٰى﴾

''کھاؤاوراپنے مویشیوں کوچراؤ،بلاشبہ اس میں عقل مندوں کے لئے یقیناً بہت سی نشانیاں ہیں''(54)

سوال1:﴿كُلُوۡا وَارۡعَوۡا اَنۡعَامَكُمۡ ؕ اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِى النُّهٰى﴾''کھاؤاوراپنے مویشیوں کوچراؤ،بلاشبہ اس میں

عقل مندوں کے لئے یقیناً بہت سی نشانیاں ہیں'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿كُلُوْا وَارْعَوْا اَنْعَامَكُمْ﴾ ''کھاؤ اور اپنے مویشیوں کو چراؤ'' اللہ تعالیٰ نے احسان کے طور پر اس آیت کریمہ کو بیان فرمایا ہے تاکہ یہ اس بات کی دلیل ہو کہ تمام نباتات مباح ہیں اور ان میں سے کوئی چیز حرام نہیں سوائے ضرر رساں نباتات کے، مثلاً زہر وغیرہ۔(تفسیر سعدی:1619/2)

(2)﴿اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي النُّهٰى﴾ ''بلاشبہ اس میں عقل مندوں کے لئے یقیناً بہت سی نشانیاں ہیں'' یعنی جو پھل اور غذائیں انسان کے لیے پیدا کیں اور جو خشک اور سبز چارے جانوروں کے لیے بنائے اس میں اللہ کے رب اور یہی معبود ہونے کے پختہ دلائل ہیں۔

(3)﴿لِّاُولِي النُّهٰى﴾ ''عقل مندوں کے لئے'' قتادہ نے کہا: اس سے مراد اہل تقویٰ، اہل ورع ہیں۔(ابن ابی حاتم)

(4) یعنی اس میں پختہ عقل اور فکر راست رکھنے والوں کے لئے اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم، اس کے احسان، اس کی رحمت، اس کے بے پایاں جود و سخا اور اس کی عنایت کامل کی نشانیاں ہیں اور یہ اس حقیقت پر دلیل ہیں کہ وہی رب معبود اور وہی مالک محمود ہے جس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں۔ حمد، مدح اور ثنا کا اس ہستی کے سوا کوئی مستحق نہیں جس نے یہ تمام نعمتیں عطا کی ہیں، نیز یہ اس امر پر بھی دلیل ہیں کہ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ پس اس نے جس طرح زمین کو اس کے مردہ ہو جانے کے بعد زندہ کیا اسی طرح وہ مردوں کو دوبارہ زندہ کرے گا۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں عقل مندوں کو خاص طور پر مخاطب کیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ عقل مند لوگ ہی ان نشانیوں سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور ان کو عبرت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ ان کے علاوہ دیگر لوگ بہائم اور چوپایوں کی مانند ہیں، وہ ان نشانیوں کو عبرت کی نظر سے نہیں دیکھتے اور نہ ان کی بصیرت کو ان نشانیوں کے مقاصد تک رسائی حاصل ہے بلکہ ان کے لئے ان نشانیوں میں اتنا ہی حصہ ہے جتنا بہائم (چوپایوں) کا ہے۔ وہ کھاتے ہیں، پیتے ہیں اور ان کے دل غافل اور جسم اعراض کرنے والے ہیں۔﴿وَكَاَيِّنْ مِّنْ اٰيَةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَمُرُّوْنَ عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُوْنَ﴾ ''آسمانوں اور زمین میں کتنی ہی نشانیاں ہیں جن پر سے وہ لوگ گزر جاتے ہیں اور وہ ان سے منہ موڑنے والے ہوتے ہیں'' (سورہ یوسف:105)(تفسیر سعدی:1619/2)

(5) عقل سلیم رکھنے والے رب کی نشانیوں سے اسے پہچان جاتے ہیں۔ یا اللہ! ہمیں ایسے لوگوں میں شامل فرما دینا جو تجھے تیری نشانیوں کو پہچانتے ہیں۔ جو دلائل کو مان کر تیرے آگے جھک جاتے ہیں۔

رکوع نمبر 12

﴿مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى﴾

''اسی زمین سے ہم نے تمہیں پیدا کیا اور اسی میں ہم تمہیں لوٹائیں گے اور اسی میں سے ہم تمہیں دوبارہ نکالیں گے'' (55)

سوال1:﴿مِنۡهَا خَلَقۡنٰكُمۡ وَفِيۡهَا نُعِيۡدُكُمۡ وَمِنۡهَا نُخۡرِجُكُمۡ تَارَةً اُخۡرٰى﴾ ''اسی زمین سے ہم نے تمہیں پیدا کیا اور اسی میں ہم تمہیں لوٹائیں گے اور اسی میں سے ہم تمہیں دوبارہ نکالیں گے'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿مِنۡهَا خَلَقۡنٰكُمۡ﴾ ''اسی زمین سے ہم نے تمہیں پیدا کیا'' یعنی ہم نے تمہیں زمین کی مٹی سے بنایا۔

(2) آدم علیہ السلام مٹی سے پیدا کیے گئے تھے جو سارے انسانوں کے باپ ہیں۔

(3)﴿وَفِيۡهَا نُعِيۡدُكُمۡ﴾ ''اور اسی میں ہم تمہیں لوٹائیں گے'' اور تمہیں اپنی موت کے بعد اسی زمین میں جانا ہے۔رب العزت نے فرمایا:﴿قَالَ فِيۡهَا تَحۡيَوۡنَ وَفِيۡهَا تَمُوۡتُوۡنَ وَمِنۡهَا تُخۡرَجُوۡنَ﴾ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''اسی میں تم جیو گے اور اسی میں تم مرو گے اور اُسی میں سے تم نکالے جاؤ گے۔'' (الاعراف:25) (4) انسان کو زمین میں ہی دفن کیا جاتا ہے۔

(5)﴿وَمِنۡهَا نُخۡرِجُكُمۡ﴾ ''اور اسی میں سے ہم تمہیں نکالیں گے'' یعنی قیامت کے دن اسی سے پیدا کیے جاؤ گے۔

(6)﴿تَارَةً اُخۡرٰى﴾ ''دوبارہ'' یعنی پہلی بار بھی مٹی سے پیدا کیے گئے اور دوسری بار بھی مٹی سے ہی نکالے جاؤ گے۔﴿يَوۡمَ يَدۡعُوۡكُمۡ فَتَسۡتَجِيۡبُوۡنَ بِحَمۡدِهٖ وَتَظُنُّوۡنَ اِنۡ لَّبِثۡتُمۡ اِلَّا قَلِيۡلًا﴾ ''جس دن وہ تمہیں پکارے گا تو تم اس کی تعریف کے ساتھ لبیک کہو گے اور تم سمجھو گے کہ تم بہت تھوڑی دیر ہی رہے۔'' (اسراء:52)

(7) اللہ تعالیٰ نے اس کو واضح کیا ہے کہ زمین جو ماں کی گود کی طرح ہے زندہ انسانوں کو بھی اپنے اندر سمیٹتی ہے اور مردہ انسانوں کو بھی اور اسی سے انسان ایسے برآمد کر لیے جائیں گے جیسے ماں کے پیٹ میں پروان چڑھنے والا بچہ برآمد کر لیا جاتا ہے۔

(8) جس طرح وہ ہمیں عدم سے وجود میں لایا اسی طرح وہ ہمیں دوبارہ زندہ کرے گا اور ہمیں ہمارے اعمال کی جزا دے گا۔

(9) موت کے بعد دوبارہ زندگی پر دو واضح عقلی دلیلیں ہیں۔(i) زمین کے مردہ ہو جانے کے بعد اس میں سے دوبارہ نباتات کو نکالنا۔ (ii) زمین میں سے نکال کر انسانوں کو دوبارہ وجود میں لانا۔

(10) انسان کی زمین سے پیدائش، زمین کے اندر رہائش اور زمین سے برآمدگی سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اس کی زمین سے پیدائش بے مقصد نہیں ہے کہ پیدا ہو کچھ عرصہ زندہ رہے پھر ختم ہو جائے بلکہ اس کی پیدائش اور اس کا وجود با مقصد ہے اور با مقصد وجود با مقصد انجام چاہتا ہے۔جس انسان کو رب نے عقل عطا کی اور زمین پر زندگی گزارنے کے لیے ہر طرح کے مواقع دیئے، جس کو زندگی جیسی دولت عطا کی ، پھر جس کو موت آلیتی ہے، پھر جس کو اسی زمین سے اٹھا لینا ہے اس کی زمین پر زندگی یوں ہی محض کھانے پینے، سونے جاگنے، رزق کمانے خرچ کرنے کے لیے کیسے ہو سکتی ہے؟ پھر اسے عقل دینے کی ضرورت سمجھ نہیں آتی، پھر اس کے پاس انبیاء کو بھیجنے کی ضرورت سمجھ نہیں آتی۔زمین پر انسان کا ہونا، پھر زمین سے واپس بلا لیا جانا یعنی زمین کی گود کے اندر قبر کے اندر رہنا پھر زمین سے برآمد کر لیا جانا یہ ثابت کرتا ہے کہ زمین پر انسان کی زندگی بے مقصد نہیں ہے۔یہی اللہ تعالیٰ کی ذات کی واحدانیت کا ثبوت بھی ہے اور آخرت کا بھی۔

سوال 2: فرعون کے ذکر کے ساتھ زمین کا تذکرہ کیوں کیا گیا؟

جواب: فرعون اپنی ذات کی بڑائی میں مبتلا تھا۔ وہ اپنے آپ کو سب سے بڑا رب کہلاتا تھا حالانکہ وہ زمین کا بیٹا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس موقع پر احساس دلایا کہ دیکھو اس مٹی سے پیدا ہوئے اسی میں تم مر کر جاؤ گے اسی سے تم نکالے جاؤ گے۔ یہ بتاؤ بڑائی تمہارے لیے ہے ہی کب؟ تم بڑائی کا حق رکھتے ہی کیسے ہو؟ اللہ تعالیٰ نے زمین کا تذکرہ کر کے فرعون کی بڑائی کو توڑا ہے۔

﴿وَلَقَدۡ اَرَيۡنٰهُ اٰيٰتِنَا كُلَّهَا فَكَذَّبَ وَاَبٰى﴾

''اور بلاشبہ یقیناً ہم نے فرعون کو اپنی سب نشانیاں دکھائیں تو اُس نے جھٹلایا اور انکار کیا'' (56)

سوال 1: ﴿وَلَقَدۡ اَرَيۡنٰهُ اٰيٰتِنَا كُلَّهَا فَكَذَّبَ وَاَبٰى﴾ ''اور بلاشبہ یقیناً ہم نے فرعون کو اپنی سب نشانیاں دکھائیں تو اُس نے جھٹلایا اور انکار کیا'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَلَقَدۡ اَرَيۡنٰهُ اٰيٰتِنَا كُلَّهَا﴾ ''اور بلاشبہ یقیناً ہم نے فرعون کو اپنی سب نشانیاں دکھائیں'' اللہ تعالیٰ نے واضح فرمایا ہے کہ اس نے فرعون کو ہر طرح کی نشانیاں دکھائیں لیکن وہ کفر سے باز نہ آیا۔

(2) ﴿فَكَذَّبَ وَاَبٰى﴾ ''تو اُس نے جھٹلایا اور انکار کیا'' فرعون نے جھٹلایا اور انکار کیا اور نشانیوں کو جادوگری قرار دیا۔

(3) ایک تو زندگی کا معجزہ عصاء تھا جو کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کا اظہار تھا کہ وہ جو چاہے کر سکتا ہے اور دوسرے سیدنا موسیٰ اور سیدنا ہارون علیہما السلام کے روشن دین پر ہونے کا معجزہ یعنی ید بیضاء تھا کہ جب ہاتھ نکالتے تھے چمکتا ہوا ہوتا تھا۔

(4) یعنی اس نے تکبر اور سرکشی سے ان نشانیوں کا انکار کیا جو موسیٰ اور ہارون علیہما السلام اپنے رب کی طرف سے لائے تھے۔ (تفسیر جامع البیان: 195/16)

﴿قَالَ اَجِئۡتَنَا لِتُخۡرِجَنَا مِنۡ اَرۡضِنَا بِسِحۡرِكَ يٰمُوۡسٰى﴾

''اُس نے کہا: ''اے موسیٰ! کیا تم ہمارے پاس آئے ہو کہ اپنے جادو سے ہمیں ہمارے ملک سے نکال دو؟'' (57)

سوال 1: ﴿قَالَ اَجِئۡتَنَا لِتُخۡرِجَنَا مِنۡ اَرۡضِنَا بِسِحۡرِكَ يٰمُوۡسٰى﴾ ''اُس نے کہا: ''اے موسیٰ! کیا تم ہمارے پاس آئے ہو کہ اپنے جادو سے ہمیں ہمارے ملک سے نکال دو'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿اَجِئۡتَنَا لِتُخۡرِجَنَا مِنۡ اَرۡضِنَا﴾ ''اُس نے کہا: ''اے موسیٰ! کیا تم ہمارے پاس آئے ہو کہ ہمیں ہمارے ملک سے نکال دو'' یعنی مصر سے نکال دو جس پر فرعون بادشاہ تھا۔

(2) ﴿بِسِحۡرِكَ يٰمُوۡسٰى﴾ ''اے موسیٰ! اپنے جادو سے'' اس نے عصاء اور ید بیضا کی طرف اشارہ کرتے ہوئے انہیں جادو قرار دیا۔

(3) مصر میں بنی اسرائیل کی کثرت تھی۔ ان کی تعداد میں اضافہ ہو رہا تھا۔ فرعون نے بنی اسرائیل کے لڑکوں کو قتل کروانے اور لڑکیوں کو زندہ

رکھنے کا سلسلہ جاری رکھا۔اس طرح یہ پتہ چلتا ہے کہ مصر میں بنی اسرائیل کو سیاسی عمل کے لحاظ سے غلام بنایا گیا تھا۔جب غلام کے نمائندے آئے تو فرعون کو یوں ہی لگا کہ یہ قوم کو آزاد کروانے آئے ہیں اور ہمیں ہماری زمین میں بے دخل کرنا چاہتے ہیں یعنی بنی اسرائیل اگر آج مصر سے چلے جائیں گے تو کل حملہ کرکے قبضہ بھی کرلیں گے۔

(4) یہود کے مقدس دینی ادب سے پتہ چلتا ہے کہ جب سیدنا موسیٰ عَلَیۡہِ السَّلَام ان افراد کو نکال کرلے گئے تھے تو وہ تعداد میں چھ لاکھ تھے جو کہ ایک بہت بڑی تعداد ہوتی ہے۔اگر اتنی بڑی آبادی نکل کر چلی جائے تو یہ خطرہ لاحق رہتا ہے کہ یہ افراد آزاد ہوگئے تو کہیں ہماری حکومت نہ چھن جائے۔جب دو افراد اور وہ بھی قوم کے نمائندے اس کے پاس گئے تو اس نے اپنے قدموں تلے کی زمین سرکتی ہوئی محسوس کی۔اس سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اس کی آئیڈیولوجی کتنی بودی اور کمزور تھی۔اس کو خود بھی یہ یقین نہیں تھا کہ میں سب سے بڑا رب ہوں۔بھلا کوئی رب بھی یہ سوال کرتا ہے کہ تم ہمیں ہماری زمین سے نکالنے آئے ہو؟ کتنی مضحکہ خیز بات ہے۔اس سے یہ پتہ لگتا ہے کہ اس کو اپنے رب ہونے کا خود بھی یقین نہیں تھا۔

﴿فَلَنَاۡتِيَنَّكَ بِسِحۡرٍ مِّثۡلِهٖ فَاجۡعَلۡ بَيۡنَنَا وَبَيۡنَكَ مَوۡعِدًا لَّا نُخۡلِفُهٗ نَحۡنُ وَلَاۤ اَنۡتَ مَكَانًا سُوًى﴾

”تو ہم بھی تمہارے پاس ضرور ایسا ہی جادو لائیں گے چنانچہ ہمارے اور اپنے درمیان ایک وعدے کا وقت مقرر کرلو، نہ ہم اُس کے خلاف کریں گے اور نہ تم ،ایسی جگہ میں جو ہموار ہو“ (58)

سوال1: ﴿فَلَنَاۡتِيَنَّكَ بِسِحۡرٍ مِّثۡلِهٖ فَاجۡعَلۡ بَيۡنَنَا وَبَيۡنَكَ مَوۡعِدًا لَّا نُخۡلِفُهٗ نَحۡنُ وَلَاۤ اَنۡتَ مَكَانًا سُوًى﴾ ”تو ہم بھی تمہارے پاس ضرور ایسا ہی جادو لائیں گے چنانچہ ہمارے اور اپنے درمیان ایک وعدے کا وقت مقرر کرلو، نہ ہم اُس کے خلاف کریں گے اور نہ تم ،ایسی جگہ میں جو ہموار ہو“ اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿فَلَنَاۡتِيَنَّكَ بِسِحۡرٍ مِّثۡلِهٖ﴾ ”تو ہم بھی تمہارے پاس ضرور ایسا ہی جادو لائیں گے“ فرعون سرکش حکمران تھا جن کا یہ مزاج ہوتا ہے کہ وہ حق کی طرف بلانے والوں کو اقتدار کا طلب گار سمجھتے ہیں پھر ان کے دلائل کے مقابلے میں اپنے دلائل ان کے کلام کے مقابلے میں اپنا کلام اور ان کے جادو کے مقابلے میں اپنا جادو لاتے ہیں۔

(2) فرعون نے کہا تھا کہ میں سب سے بڑا رب ہوں لیکن حق کا یہ مزاج ہے کہ جہاں حق کی دعوت دی جائے باطل مٹ جاتا ہے۔جہاں حق آتا ہے تو لوگ مغلوب ہوجاتے ہیں۔اب جب سیدنا موسیٰ عَلَیۡہِ السَّلَام اور ہارون عَلَیۡہِ السَّلَام نے حق بات کہی تو مغلوب ہوتے ہوئے فرعون نے محض نشانیاں دیکھیں تو اس نے کہا کہ ہم بھی ایسا جادو لائیں گے۔

(3) ﴿فَاجۡعَلۡ بَيۡنَنَا وَبَيۡنَكَ مَوۡعِدًا لَّا نُخۡلِفُهٗ نَحۡنُ وَلَاۤ اَنۡتَ﴾ ”چنانچہ ہمارے اور اپنے درمیان ایک وعدے کا وقت مقرر کرلو، نہ ہم اُس کے خلاف کریں گے اور نہ تم“ یعنی ہم سے وعدہ کرو ہم میں سے کوئی وعدہ خلافی نہ کرے اور ہم سب کھلے میدان میں جمع ہوکر جادو

کامقابلہ جادو سے کریں اور مقررہ تاریخ پر سب پہنچ جائیں۔

(4)﴿مَكَانًا سُوًى﴾ ''ایسی جگہ میں جو ہموار ہو۔'' یعنی اس کا ہمیں بھی علم ہو اور تمہیں بھی۔ یا کوئی ہموار میدان ہو جہاں ان کرتبوں کا مشاہدہ ممکن ہو۔ (تفسیر سعدی:1621/2)

سوال 2: ایمان والوں کے پاس سرکش حکمرانوں کے مقابلے میں کون سی طاقت ہوتی ہے؟

جواب: سرکش حکمران اہل حق کا مقابلہ کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن وہ کبھی اہل حق کے مقابلے میں کامیاب نہیں ہو سکتے چاہے کتنے ہی مکر، کتنے ہی حیلے اور کتنی ہی تدبیریں کر لیں کیونکہ ان کے پاس مقابلے میں وہ سب کچھ نہیں ہوتا جو اہل ایمان کے پاس ہوتا ہے۔ مثلاً اہل ایمان کے پاس تو ایمان ہے لیکن ان سرکش حکمرانوں کے پاس اپنا کچھ نہیں ہے۔ اہل حق کے پاس اللہ تعالیٰ کی مدد ہوتی ہے اور اہل باطل اس کے مقابلے میں مادی قوت لے کر آتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں کوئی قوت نہیں ٹھہرتی اس لیے اہل باطل کبھی کامیاب نہیں ہوتے حتیٰ کہ اگر اہل حق اکیلے رہ جائیں تو بھی اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت سے ثابت قدم رہتے ہیں جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کے وہ صحابی، خبیب بن عدی رضی اللہ عنہ جن کو لوگوں نے قائل کرنے کی کوشش کی تھی: کیا تم یہ بات پسند کرو گے کہ اس وقت محمد ﷺ تمہاری جگہ یہاں ہوتے اور تم اس تکلیف سے نجات پا جاتے؟ تو خبیب رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: (اور اس وقت ان کے جسم سے بے تحاشا خون بہہ رہا تھا) واللہ! مجھے تو اتنا بھی گوارا نہیں کہ میں امن واطمینان کے ساتھ اپنے اہل و عیال میں رہوں اور ان کے پاؤں کے تلوے میں ایک کانٹا بھی چبھ جائے۔ (سیرت ابن ہشام، مترجم:401)

﴿قَالَ مَوْعِدُكُمْ يَوْمُ الزِّيْنَةِ وَاَنْ يُّحْشَرَ النَّاسُ ضُحًى﴾

''موسیٰ نے کہا: ''تمہارے وعدے کا وقت میلے کا دن ہے اور یہ کہ لوگ دن چڑھے جمع کیے جائیں'' (59)

سوال 1: ﴿قَالَ مَوْعِدُكُمْ يَوْمُ الزِّيْنَةِ وَاَنْ يُّحْشَرَ النَّاسُ ضُحًى﴾ ''موسیٰ نے کہا: ''تمہارے وعدے کا وقت میلے کا دن ہے اور یہ کہ لوگ دن چڑھے جمع کیے جائیں'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1)﴿قَالَ مَوْعِدُكُمْ يَوْمُ الزِّيْنَةِ﴾ ''سیدنا موسیٰ نے کہا: ''تمہارے وعدے کا وقت میلے کا دن ہے'' موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کی بات کے جواب میں کہا کہ آؤ شوق سے مقابلہ کرو۔ عید کا دن ٹھیک، چھٹی کا دن ہے جس میں سب جمع ہو سکیں گے۔

(2) یہ دن ان کی عید کا دن تھا۔ جس میں وہ اپنے کام کاج سے فارغ ہوتے تھے اور تمام مشاغل منقطع کر دیتے تھے۔ (تفسیر سعدی:1621/2)

(3)﴿وَاَنْ يُّحْشَرَ النَّاسُ ضُحًى﴾ ''اور یہ کہ لوگ دن چڑھے جمع کیے جائیں'' سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے رات کی بجائے دن اور وہ بھی چاشت کا وقت مقرر کیا تا کہ لوگ کھلم کھلا اللہ تعالیٰ کے نبی سے معجزات دیکھ لیں۔

(4) انبیاء کے کام میں دھوکہ نہیں ہوتا۔ ان کے کام روشن اور واضح ہوتے ہیں۔ جب کہ شعبدے باز رات کا وقت مقرر کرتے ہیں۔

﴿فَتَوَلّٰى فِرْعَوْنُ فَجَمَعَ كَيْدَهٗ ثُمَّ اَتٰى﴾

''پھر فرعون واپس لوٹا تو اس نے اپنی ساری تدبیریں جمع کیں، پھر (مقابلے) پر آ گیا'' (60)

سوال1:﴿فَتَوَلّٰى فِرْعَوْنُ فَجَمَعَ كَيْدَهٗ ثُمَّ اَتٰى﴾ ''پھر فرعون واپس لوٹا تو اس نے اپنی ساری تدابیر جمع کیں، پھر (مقابلے) پر آ گیا'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿فَتَوَلّٰى فِرْعَوْنُ﴾ ''پھر فرعون واپس لوٹا'' جب میدان مقابلہ اور تاریخ طے پا گئی تو فرعون سارے شہروں سے چھوٹے بڑے جادوگر جمع کرنے لگا۔﴿وَقَالَ فِرْعَوْنُ ائْتُوْنِيْ بِكُلِّ سٰحِرٍ عَلِيْمٍ﴾ ''اور فرعون نے کہا کہ ہر ماہر جادوگر کو میرے پاس لاؤ۔'' (یونس:79)

(2) اس دور میں جادو کا دور دورہ تھا۔ فرعون نے ترغیب دلا کر ایک بڑی تعداد جمع کر لی۔ رب العزت نے فرمایا:﴿وَّقِيْلَ لِلنَّاسِ هَلْ اَنْتُمْ مُّجْتَمِعُوْنَ (۳۹) لَعَلَّنَا نَتَّبِعُ السَّحَرَةَ اِنْ كَانُوْا هُمُ الْغٰلِبِيْنَ (۴۰)﴾ ''اور لوگوں سے کہا گیا: ''کیا تم جمع ہونے والے ہو؟'' شاید کہ ہم جادوگروں کے پیروکار بن جائیں اگر وہ غالب رہنے والے ہوں۔'' (الشعراء:39,40)

﴿قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰى وَيْلَكُمْ لَا تَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا فَيُسْحِتَكُمْ بِعَذَابٍ ۚ وَقَدْ خَابَ مَنِ افْتَرٰى﴾

''موسیٰ نے اُن سے کہا کہ تمہارا برا ہو! اللہ تعالیٰ پر جھوٹ نہ باندھو، ورنہ وہ تمہیں ایک عذاب سے فنا کر دے گا،
اور یقیناً جھوٹ جس نے بھی گھڑا وہ نامراد ہوا'' (61)

سوال1:﴿قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰى وَيْلَكُمْ لَا تَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا فَيُسْحِتَكُمْ بِعَذَابٍ ۚ وَقَدْ خَابَ مَنِ افْتَرٰى﴾ ''موسیٰ نے اُن سے کہا کہ تمہارا بُرا ہو! اللہ تعالیٰ پر جھوٹ نہ باندھو، ورنہ وہ تمہیں ایک عذاب سے فنا کر دے گا، اور یقیناً جھوٹ جس نے بھی گھڑا وہ نامراد ہوا'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰى وَيْلَكُمْ لَا تَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا﴾ ''موسیٰ نے اُن سے کہا کہ تمہارا بُرا ہو! اللہ تعالیٰ پر جھوٹ نہ باندھو'' اس موقع پر سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے جادوگروں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ تم پر افسوس ہے، تم اللہ تعالیٰ پر جھوٹ نہ باندھو۔

(2)﴿فَيُسْحِتَكُمْ بِعَذَابٍ﴾: یعنی وہ تمہیں اپنے عذاب سے ہلاک کر دے گا۔ (ایسر التفاسیر:891)

(3) یعنی اپنے جادو کے ذریعے سے اپنے باطل مسلک کی مدد کر کے حق پر غالب آنے کی کوشش نہ کرو اور نہ اللہ تعالیٰ پر افترا پردازی کرو ورنہ عذاب الٰہی تمہیں تباہ کر دے گا۔ تمہاری کوشش اور تمہاری بہتان درازی ناکام ہو جائے گی اور تمہیں فتح و نصرت اور فرعون اور اس کے درباریوں کے ہاں کوئی عزت وجاہ حاصل نہیں ہوگی اور تم اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچ سکو گے۔ (تفسیر سعدی:1621/2)

(4)﴿وَقَدْ خَابَ مَنِ افْتَرٰی﴾ ''اور یقیناً جھوٹ جس نے بھی گھڑا وہ نامراد ہوا'' یعنی جھوٹ باندھنے والا ہمیشہ نامراد رہتا ہے۔ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''(جھوٹ سے بچو، کیونکہ) جھوٹ فسق و فجور کی طرف لے جاتا ہے اور فسق و فجور جہنم کی طرف لے جاتے ہیں اور آدمی جھوٹ بولتا رہتا ہے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک جھوٹا لکھ دیا جاتا ہے۔'' (مسلم)

سوال 2: سیدنا موسیٰ نے مقابلے سے پہلے لوگوں کو کیا نصیحت کی؟

جواب: سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے مقابلے سے پہلے لوگوں کو اخلاص اور دل کی گہرائیوں سے نصیحت کی۔ (1) اللہ تعالیٰ پر تہمت نہ لگاؤ اور اللہ تعالیٰ کی نشانی کو جادو نہ کہو۔

(2) حق کے مقابلے میں جھوٹ یعنی جادو نہ گھڑو، یہ خطرناک فعل ہے۔ تم سمجھتے ہو کہ ویسی ہی چیز بنالاؤ گے تو دونوں کی حقیقت مختلف ہے۔ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کا مقابلہ جادو سے نہ کرو۔ اس کا یقینی نتیجہ ہلاکت ہے۔ (3) اللہ تعالیٰ کی دُنیا میں جھوٹے کبھی کامیاب نہیں ہوسکتے۔

﴿فَتَنَازَعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ وَاَسَرُّوا النَّجْوٰى﴾

''تو انہوں نے اپنے معاملے میں آپس میں جھگڑا کیا اور انہوں نے پوشیدہ سرگوشی کی'' (62)

سوال 1: ﴿فَتَنَازَعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ وَاَسَرُّوا النَّجْوٰى﴾ ''تو انہوں نے اپنے معاملے میں آپس میں جھگڑا کیا اور انہوں نے پوشیدہ سرگوشی کی۔'' سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی تقریر کا ابتدائی نتیجہ کیا نکلا؟

جواب: (1) ﴿فَتَنَازَعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ﴾ ''تو انہوں نے اپنے معاملے میں آپس میں جھگڑا کیا'' سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی تقریر کے نتیجے میں ان کے درمیان اختلاف ہوگیا اور اُن میں سے ایک گروہ نے کہا یہ جادوگر کا نہیں نبی کا کلام ہے، دوسروں نے کہا ہماری طرح کا جادوگر ہے۔ (ابن کثیر)

(2) اللہ تعالیٰ کا کلام سچا ہے جو دلوں کو متاثر کرتا ہے۔ جادوگر جب کلام سے متاثر ہوئے تو ان کے درمیان جھگڑا ہوگیا کہ موسیٰ علیہ السلام حق پر ہیں یا نہیں؟

(3) ساحروں کی جماعت سیدنا موسیٰ اور ان سے مقابلہ کے معاملہ میں خود مختلف الرائے ہوگئی۔ ساحروں کی جماعت میں تردد و انتشار بہت ممکن ہے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی مؤثر تبلیغی تقریر کا نتیجہ ہو۔ (تفسیر ماجدی: 245/3)

﴿قَالُوْٓا اِنْ هٰذٰنِ لَسٰحِرٰنِ يُرِيْدٰنِ اَنْ يُّخْرِجٰكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ بِسِحْرِهِمَا وَيَذْهَبَا بِطَرِيْقَتِكُمُ الْمُثْلٰى﴾

''انہوں نے کہا کہ بلاشبہ یہ دونوں یقیناً جادوگر ہیں وہ دونوں ارادہ رکھتے ہیں کہ اپنے جادو سے تمہیں تمہاری زمین سے نکال

دیں اور تمہارے مثالی طریقہ زندگی کا خاتمہ کردیں۔'' (63)

سوال 1: ﴿قَالُوۡۤا اِنۡ هٰذٰنِ لَسٰحِرٰنِ یُرِیۡدٰنِ اَنۡ یُّخۡرِجٰكُمۡ مِّنۡ اَرۡضِكُمۡ بِسِحۡرِهِمَا وَیَذۡهَبَا بِطَرِیۡقَتِكُمُ الۡمُثۡلٰی﴾ ''انہوں نے کہا کہ بلاشبہ یہ دونوں یقیناً جادوگر ہیں وہ دونوں ارادہ رکھتے ہیں کہ اپنے جادو سے تمہیں تمہاری زمین سے نکال دیں اور تمہارے مثالی طریقہ زندگی کا خاتمہ کردیں'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿قَالُوۡۤا اِنۡ هٰذٰنِ لَسٰحِرٰنِ﴾ '' انہوں نے کہا کہ بلاشبہ یہ دونوں یقیناً جادوگر ہیں'' انہوں نے ایک دوسرے کے حوصلے بلند کرنے کے لیے دلائل دیئے کہ ہارون علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام بہت خطرناک جادوگر ہیں جو مصر پر قبضہ کرنے چاہتے ہیں لہٰذا ان کا متحد ہوکر مقابلہ کرنا چاہیے۔

(2) ﴿یُرِیۡدٰنِ اَنۡ یُّخۡرِجٰكُمۡ مِّنۡ اَرۡضِكُمۡ بِسِحۡرِهِمَا﴾ ''وہ دونوں ارادہ رکھتے ہیں کہ اپنے جادو سے تمہیں تمہاری زمین سے نکال دیں'' سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ اور علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے اس جگہ طریقہ کی یہی تفسیر منقول ہے کہ یہ لوگ چاہتے ہیں کہ تمہاری قوم کے سرداروں اور باعزت لوگوں کو ختم کردیں اس لئے تم لوگوں کو چاہیے کہ مقابلہ کے لئے اپنی پوری تدبیر و توانائی صرف کرو اور سب جادوگر صف بستہ ہوکر یک بارگی ان کے مقابلے پر عمل کرو۔ (تفسیر معارف القرآن: 124/6)

(3) ﴿وَیَذۡهَبَا بِطَرِیۡقَتِكُمُ الۡمُثۡلٰی﴾ ''اور تمہارے مثالی طریقہ زندگی کا خاتمہ کردیں'' اس سے مراد افضل طریقہ ہے۔ اُن دنوں مصر میں مشرکانہ عقائد کی بنیاد پر ہی سیاسی اور معاشرتی نظام کی بنیاد تھی۔ جس سب سے بڑے دیوتا سورج کے اوتار کی حیثیت سے فرعون قوم کا بادشاہ تھا اُس نے قوم کے اندر تعصب کو اُبھارا کہ اگر اہل توحید کی حیثیت ہوگی تو ہمارا قومی نظام ختم ہوجائے گا۔

(4) یعنی سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں انہوں نے پروپیگنڈا کیا کہ وہ تمہاری روزی کو ختم کرنا چاہتا ہے، تم سے حسد کرتا ہے، ریاست میں تمہارے مقام کو ختم کرنا چاہتا ہے۔

﴿فَاَجۡمِعُوۡا كَیۡدَكُمۡ ثُمَّ ائۡتُوۡا صَفًّا ۚ وَقَدۡ اَفۡلَحَ الۡیَوۡمَ مَنِ اسۡتَعۡلٰی﴾

''چنانچہ آج اپنی تدبیریں پختہ کرو، پھر صف بستہ ہوکر آؤ اور یقیناً آج جس نے غلبہ حاصل کیا وہی کامیاب ہوا'' (64)

سوال 1: ﴿فَاَجۡمِعُوۡا كَیۡدَكُمۡ ثُمَّ ائۡتُوۡا صَفًّا ۚ وَقَدۡ اَفۡلَحَ الۡیَوۡمَ مَنِ اسۡتَعۡلٰی﴾ ''چنانچہ آج اپنی تدبیریں پختہ کرو، پھر صف بستہ ہوکر آؤ اور یقیناً آج جس نے غلبہ حاصل کیا وہی کامیاب ہوا'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿فَاَجۡمِعُوۡا كَیۡدَكُمۡ﴾ ''چنانچہ آج اپنی تدبیریں پختہ کرو'' یعنی سب مل کر ایسے کرتب دکھاؤ کہ ایک ہی بار موسیٰ پر غلبہ پا جاؤ۔ یعنی اپنی رائے اور بات پر متفق ہوکر، ایک دوسرے کی مدد کرتے ہوئے یک بارگی موسیٰ پر غلبہ حاصل کرلو۔ (تفسیر سعدی: 1623/2)

(2) ﴿ثُمَّ ائۡتُوۡا صَفًّا﴾ ''پھر صف بستہ ہوکر آؤ'' تاکہ تم بہتر طریقے سے اپنا کام کرسکو اور دلوں میں تمہاری ہیبت بیٹھ جائے اور تاکہ تم

میں سے کوئی اس کام کو نہ چھوڑے جس کی وہ قدرت رکھتا ہے۔ (تفسیر سعدی:1623/2)

(3) صف بہ صف یعنی سب مل کر۔ انہوں نے آپس میں ایک دوسرے کو غیرت دلائی کہ آج تو ہمارے فن پر حملہ ہے، فن کی عزت کا سوال ہے، اس کا تحفظ ہم سب پر واجب ہے۔ (تفسیر ماجدی:246/3)

(4) ﴿وَقَدۡ اَفۡلَحَ الۡيَوۡمَ مَنِ اسۡتَعۡلٰى﴾ ''اور یقیناً آج جس نے غلبہ حاصل کیا وہی کامیاب ہوا'' یعنی آج جو جیتا وہی سکندر ہے، وہی کامیاب ہے۔ ہم جیتے تو بادشاہ کی طرف سے انعام ملے گا اور اگر وہ دونوں جیتے تو عظیم ریاست پر قبضہ کرلیں گے۔

سوال 2: فرعون نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے مقابلے کے لیے کس چیز کی دعوت دی؟

جواب: (1) فرعون نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے مقابلے کے لیے اپنی تدبیریں اکٹھی کرنے اور متحد ہونے کی دعوت دی۔

(2) فرعون نے قوم کو اُبھارا کہ آج جو جیتا وہی غالب رہے گا۔ لہٰذا آج کے دن کے خسارے کو برداشت نہیں کیا جا سکتا۔ سب نکلو، سب اپنے نظام کو بچانے کے لیے اس کو غالب کرنے کی فکر کرلو۔

﴿قَالُوۡا يٰمُوۡسٰٓى اِمَّاۤ اَنۡ تُلۡقِىَ وَاِمَّاۤ اَنۡ نَّكُوۡنَ اَوَّلَ مَنۡ اَلۡقٰى﴾

انہوں نے کہا: ''اے موسیٰ! تم پھینکتے ہو یا کہ ہم پہلے ہوں جو پھینکیں؟'' (65)

سوال 1: ﴿قَالُوۡا يٰمُوۡسٰٓى اِمَّاۤ اَنۡ تُلۡقِىَ وَاِمَّاۤ اَنۡ نَّكُوۡنَ اَوَّلَ مَنۡ اَلۡقٰى﴾ '' انہوں نے کہا: ''اے موسیٰ! تم پھینکتے ہو یا کہ ہم پہلے ہوں جو پھینکیں'' مقابلہ کے آغاز کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿قَالُوۡا يٰمُوۡسٰٓى اِمَّاۤ اَنۡ تُلۡقِىَ﴾ انہوں نے کہا: ''اے موسیٰ! یا کہ تم پھینکتے ہو'' جب جادوگر موسیٰ علیہ السلام کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار ہو گئے تو انہوں نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ پہلے تم اپنا کمال دکھاؤ گے۔

(2) ﴿وَاِمَّاۤ اَنۡ نَّكُوۡنَ اَوَّلَ مَنۡ اَلۡقٰى﴾ ''یا کہ ہم پہلے ہوں جو پھینکیں'' جادوگروں نے کہا: موسیٰ تم پھینکتے ہو یا ہم پھینکیں؟ یہ آغاز چیلنج اور اُصول کے تحت ہے۔

(3) ساحر حضرت موسیٰ سے دریافت کر رہے ہیں جیسا کہ آج بھی کھلاڑی مقابلہ کے وقت دریافت کرتے ہیں کہ کہئے پہلی بازی کس کی رہے گی؟ یا دوسری اصلاح میں پہلا وار کس کا ہوگا؟ یہ ساحر حضرت موسیٰ سے القاء سحر کی اجازت نہیں طلب کر رہے ہیں۔ اجازت دینے کے قابل وہ انہیں سمجھتے ہی کب تھے، القاء سحر پر تو وہ کمربستہ تھے ہی، دریافت صرف اتنا کر رہے ہیں کہ پہلی بازی کس کی ہوگی۔ (تفسیر ماجدی:247/3)

﴿قَالَ بَلۡ اَلۡقُوۡا‌ ۚ فَاِذَا حِبَالُهُمۡ وَعِصِيُّهُمۡ يُخَيَّلُ اِلَيۡهِ مِنۡ سِحۡرِهِمۡ اَنَّهَا تَسۡعٰى﴾

موسیٰ نے کہا: ''بلکہ تم ہی پھینکو۔'' تو یکا یک ان کی رسیاں اور ان کی لاٹھیاں، اُن کے جادو سے موسیٰ کو خیال ڈالا جاتا تھا

کہ واقعی وہ دوڑ رہی ہیں'' (66)

سوال1:﴿قَالَ بَلْ اَلْقُوْا ۚ فَاِذَا حِبَالُهُمْ وَعِصِيُّهُمْ يُخَيَّلُ اِلَيْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ اَنَّهَا تَسْعٰى﴾ ''موسیٰ نے کہا: ''بلکہ تم ہی پھینکو'' تو یکا یک ان کی رسیاں اوران کی لاٹھیاں، اُن کے جادو سے موسیٰ کو خیال ڈالا جاتا تھا کہ واقعی وہ دوڑ رہی ہیں'' سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے چیلنج کو کیسے قبول کیا اوراس کے بعد کیا ہوا وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿قَالَ بَلْ اَلْقُوْا﴾ ''موسیٰ نے کہا: ''بلکہ تم ہی پھینکو'' سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے جادوگروں کو اقدام کرنے کے لیے کہا تا کہ انہیں پتہ چل جائے کہ وہ جادوگروں کی بڑی تعداد اور جادو کے کرتبوں سے خوف زدہ نہیں ہیں۔

(2) سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے اس طرح جادوگروں کو سوچنے کا موقع دے دیا کہ ہمارے جادو کی اور عصا کے کام کی کیا حیثیت ہے جسے اللہ تعالیٰ کی تائید حاصل ہے۔

(3) سیدنا موسیٰ علیہ السلام جانتے تھے کہ تھوڑی دیر بعد عصا سارے جادو کو نگل جائے گا۔اس طرح جادوگر سوچنے پر مجبور ہو جائیں گے۔

(4)﴿فَاِذَا حِبَالُهُمْ وَعِصِيُّهُمْ يُخَيَّلُ اِلَيْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ اَنَّهَا تَسْعٰى﴾ ''تو یکا یک ان کی رسیاں اوران کی لاٹھیاں، اُن کے جادو سے موسیٰ کو خیال ڈالا جاتا تھا کہ واقعی وہ دوڑ رہی ہیں'' جادوگر کرتب دکھانے لگے، ادھر رسیاں اور لاٹھیاں ڈالی گئیں اور ادھر خیال ڈالے گئے اور رسیاں اور لاٹھیاں دوڑنے لگیں اور ہر طرف ان کے دوڑنے کی وجہ سے لگتا تھا سانپ بھاگ رہے ہیں۔رب العزت نے اس کے بارے میں فرمایا:﴿قَالَ اَلْقُوْا ۚ فَلَمَّآ اَلْقَوْا سَحَرُوْٓا اَعْيُنَ النَّاسِ وَاسْتَرْهَبُوْهُمْ وَجَآءُوْ بِسِحْرٍ عَظِيْمٍ﴾ ''موسیٰ علیہ السلام نے کہا: ''تم ہی پھینکو'' پھر جب انہوں نے پھینکا (تو) لوگوں کی آنکھوں پر جادو کر دیا اور انہیں دہشت زدہ کر دیا اور وہ بہت بڑا جادو لے آئے۔ (الاعراف:116) اور جادو کیا تھا سانپوں کا سیلاب تھا جس نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو بھی دہشت زدہ کر دیا۔

﴿فَاَوْجَسَ فِيْ نَفْسِهٖ خِيْفَةً مُّوْسٰى﴾

''چنانچہ موسیٰ نے اپنے دل میں کچھ ڈر محسوس کیا'' (67)

سوال1:﴿فَاَوْجَسَ فِيْ نَفْسِهٖ خِيْفَةً مُّوْسٰى﴾ ''چنانچہ موسیٰ نے اپنے دل میں کچھ ڈر محسوس کیا'' سیدنا موسیٰ علیہ السلام دل میں کیوں ڈر گئے؟

جواب:(1) جب موسیٰ علیہ السلام کو رسیاں اور لاٹھیاں سانپ بن کر چلتی ہوئی محسوس ہوئیں۔﴿فَاَوْجَسَ فِيْ نَفْسِهٖ خِيْفَةً مُّوْسٰى﴾ 'چنانچہ موسیٰ نے اپنے دل میں کچھ ڈر محسوس کیا'' تو موسیٰ علیہ السلام اپنے دل میں ڈر گئے جیسا کہ طبیعت بشری کا تقاضا ہے، ورنہ حقیقت میں انہیں اللہ تعالیٰ کے وعدے اوراس کی نصرت کا پورا یقین تھا۔ (تفسیر سعدی:1624/2)

(2) جادو خوف ناک تھا اور وہ یہ بھول گئے تھے کہ وہ ان سے زیادہ قوی ہیں اور یہ ایک طبیعی چیز ہے جو نبوت کے منافی نہیں ہے نبی کیونکہ بشر

ہوتا ہے اس لیے اس کی بشریت کے کچھ تقاضے ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نبی کی خود حفاظت فرماتا ہے۔

(3) سیدنا موسیٰ علیہ السلام کا خوف اس وجہ سے بھی تھا کہ میرے عصا سے پہلے کہیں لوگ جادوگروں سے متاثر نہ ہو جائیں کیونکہ طریقہ ایک ہی تھا۔ جادوگروں نے لاٹھیاں پھینکی تھیں اور سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے بھی لاٹھی ہی پھینکی تھی۔ اب یہ فیصلہ کے لیے کیسے ہوگا کہ جادو کون سا ہے اور معجزہ کون سا۔

﴿قُلْنَا لَا تَخَفْ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعْلٰى﴾

''ہم نے کہا: ڈرو مت! یقیناً تم ہی غالب ہو'' (68)

سوال 1: ﴿قُلْنَا لَا تَخَفْ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعْلٰى﴾ ''ہم نے کہا: ڈرو مت! یقیناً تم ہی غالب ہو'' اللہ تعالیٰ نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے اندیشے کو کیسے دور کیا؟

جواب: (1) ﴿قُلْنَا﴾ اللہ تعالیٰ نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو ثابت قدم رکھنے کے لیے فرمایا: ﴿لَا تَخَفْ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعْلٰى﴾ ''ڈرو مت! یقیناً تم ہی غالب ہو''۔

(2) اللہ تعالیٰ نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ کسی کے لحاظ سے ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے آپ ہی غالب رہو گے کیونکہ آپ کے پاس سچائی اور ایمان ہے۔ سچائی اور ایمان مغلوب نہیں ہوتے۔

﴿وَاَلْقِ مَا فِيْ يَمِيْنِكَ تَلْقَفْ مَا صَنَعُوْا ۭ اِنَّمَا صَنَعُوْا كَيْدُ سٰحِرٍ ۭ وَلَا يُفْلِحُ السّٰحِرُ حَيْثُ اَتٰى﴾

اور پھینک دو جو تمہارے دائیں ہاتھ میں ہے، جو کچھ انہوں نے بنایا اسے ابھی وہ نگل جائے گا، یقیناً جو کچھ انہوں نے بنایا ہے جادوگر کی چال ہے اور جادوگر کبھی کامیاب نہیں ہوتا جہاں سے بھی وہ آئے۔'' (69)

سوال 1: ﴿وَاَلْقِ مَا فِيْ يَمِيْنِكَ تَلْقَفْ مَا صَنَعُوْا ۭ اِنَّمَا صَنَعُوْا كَيْدُ سٰحِرٍ ۭ وَلَا يُفْلِحُ السّٰحِرُ حَيْثُ اَتٰى﴾ ''اور پھینک دو جو تمہارے دائیں ہاتھ میں ہے، جو کچھ انہوں نے بنایا اسے ابھی وہ نگل جائے گا، یقیناً جو کچھ انہوں نے بنایا ہے جادوگر کی چال ہے اور جادوگر کبھی کامیاب نہیں ہوتے جہاں سے بھی وہ آئے'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَاَلْقِ مَا فِيْ يَمِيْنِكَ﴾ ''اور پھینک دو جو تمہارے دائیں ہاتھ میں ہے'' رب العزت نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ اپنا عصا زمین پر پھینک دو۔ اللہ رب العزت کی جانب سے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو اقدام کے لیے تیار کیا جا رہا تھا کہ اس جادو کا علاج اب عصا کے ذریعے سے ہوگا۔

(2) ﴿تَلْقَفْ مَا صَنَعُوْا﴾ ''جو کچھ انہوں نے بنایا اسے ابھی وہ نگل جائے گا'' یعنی یہ جو سانپوں کا سیلاب ہے اس پر عصا بند باندھے گا۔ عصا پھینک دو یہ جادوگروں کے کرتبوں کو نگل جائے گا اور ایسا ہی ہوا۔ ادھر سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے عصا ڈالا اور ادھر وہ سارے بناوٹی سانپ نگل

گیا۔میدان میں لاٹھیاں اور رسیاں باقی رہ گئیں۔

(3) بعض علما نے ﴿تَلْقَفْ مَا صَنَعُوْا﴾ کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ عصا سے بنا ہوا اژدھا جس طرف رخ کرتا اور جہاں جہاں پہنچتا وہاں سے شعبدہ کا اثر ختم ہوجاتا تھا حتیٰ کہ آخر میں جادوگروں کی لاٹھیاں اور رسیاں ہی میدان میں رہ گئیں جو جادوگر اپنے ساتھ لائے تھے۔(تیسیر القرآن:73/3)

(4) ﴿اِنَّمَا صَنَعُوْا كَيْدُ سٰحِرٍ﴾ ''جو کچھ انہوں نے بنایا ہے جادوگر کی چال ہے'' جادوگروں نے نظر بندی کے عمل کے سبب ان کو متاثر کیا، اُن کی رسیاں لاٹھیاں واقعتاً سانپ نہیں بنی تھیں بلکہ تخیل متاثر تھا جس کی وجہ سے وہ سانپ نظر آتی تھیں۔

(5) ﴿وَلَا يُفْلِحُ السّٰحِرُ حَيْثُ اَتٰى﴾ ''اور جادوگر کبھی کامیاب نہیں ہوتا جہاں سے بھی وہ آئے۔'' جادوگر جھوٹا ہوتا ہے اور جھوٹ سچ کے مقابلے میں ٹھہر نہیں سکتا۔سچائی کی قوت باطل کو نگل جاتی ہے۔اس لیے باطل کبھی کامیاب نہیں ہوتا۔نبی ﷺ نے فرمایا: جب تم جادوگر کو پکڑ لوتو اسے قتل کر ڈالو، پھر آپ ﷺ نے یہ آیت پڑھی اور فرمایا کہ جادوگر جہاں بھی مل جائے اسے امان نہ دی جائے۔(ابن ابی حاتم)

(6) حقیقت یہ ہے کہ معجزے، کرامت اور جادو میں فرق ہوتا ہے۔یہ فرق کیا ہے؟ جادو میں کیا ہوتا ہے؟ جادوگر جو ارادہ کرتا ہے وہ لوگوں کو دکھائی دیتا ہے حالانکہ اس کی حقیقت کچھ اور ہوتی ہے۔مثلاً فرعون نے جب جادوگروں کو مقابلے کے لیے کہا تو انہوں نے لاٹھیاں اور رسیاں پھینکیں جو لوگوں کو سانپ دکھائی دے رہی تھیں۔جادو میں جادوگر کے کچھ افعال اور اقوال کی وجہ سے نظر بندی ہوجاتی ہے۔کرامت کے لیے کسی قسم کی کوئی محنت کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔کرامت اتفاقاً ظاہر ہوتی ہے مثلاً: سیدہ مریم علیہا السلام کی کرامت کیا تھی؟ سیدنا زکریا عَلَیْہِ السَّلَام جب ان کے پاس جاتے تو بے موسم کے پھل ان کے پاس پاتے تھے۔اللہ تعالیٰ جس کے ہاتھ سے جو ظاہر کرنا چاہے کر سکتا ہے اس میں کسی انسان کا کمال نہیں ہے، یہ بھی رب ہی کا کمال ہے۔مختصر یہ کہ جادو تو افعال اور اقوال سے ہوتا ہے، اس میں محنت ہوتی ہے لیکن کرامت اتفاقاً ہوتی ہے اور معجزہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبی کے ہاتھ پر دکھایا جاتا ہے۔معجزہ غیر نبی کے ہاتھ پر نہیں دکھایا جاتا۔

سوال 2: جادوگروں کے عمل کی کیا حقیقت تھی؟

جواب: جادوگروں نے نظر بندی کے عمل کے سبب کو متاثر کیا اُن کی رسیاں اور لاٹھیاں واقعتاً سانپ نہیں بنیں تھیں بلکہ تخیل متاثر تھا جس کی وجہ سے وہ سانپ نظر آتی تھیں۔یہ ہے دنیا کی زندگی کی حقیقت انسان کا خیال متاثر ہوجائے تو گھٹیا چیزیں کتنی بڑی ہوجاتی ہیں لگتا ہے کہ دنیا کی زندگی کبھی ختم نہیں ہوگی۔خیال متاثر ہوجائے تو انسان کو دنیا سب سے بڑی حقیقت دکھائی دیتی ہے اور اگر رب کی ذات کا شعور مل جائے تو انسان کو دنیا بہت حقیر دکھائی دیتی ہے۔تخیل غلام ہے، شیطان انسان کو وہ کچھ دکھاتا ہے جو اصل حقیقت نہیں ہے۔

سوال 3: سیدنا موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام کے عصا نے کیا کام کیا؟

جواب: وہ بہت بڑا سانپ بن کر میدان میں دوڑنے لگا اور جادوگروں کے جادو کو نگل گیا۔

سوال4: جادوگروں پر اس کا کیا اثر ہوا؟

جواب: جادوگر کلام سن کر متاثر تو تھے ہی اب اُنہوں نے سچائی کو کھلی آنکھوں کے ساتھ دیکھ لیا اور یقین کرلیا کہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے پاس انسانی جادو نہیں اللہ تعالیٰ کا معجزہ ہے۔

﴿فَأُلْقِيَ السَّحَرَةُ سُجَّدًا قَالُوٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ هٰرُوْنَ وَمُوْسٰى﴾

''تو جادوگر سجدے میں گرا دیے گئے اور اُنہوں نے کہا: ''ہم موسیٰ اور ہارون کے رب پر ایمان لے آئے ہیں'' (70)

سوال1: ﴿فَأُلْقِيَ السَّحَرَةُ سُجَّدًا قَالُوٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ هٰرُوْنَ وَمُوْسٰى﴾ ''تو جادوگر سجدے میں گرا دیے گئے اور اُنہوں نے کہا: ''ہم موسیٰ اور ہارون کے رب پر ایمان لے آئے ہیں'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿فَأُلْقِيَ السَّحَرَةُ سُجَّدًا قَالُوٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ هٰرُوْنَ وَمُوْسٰى﴾ ''تو جادوگر سجدے میں گرا دیے گئے اور اُنہوں نے کہا: ''ہم موسیٰ اور ہارون کے رب پر ایمان لے آئے ہیں۔'' جب جادوگروں نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ دیکھا تو انہوں نے ہتھیار ڈال دیئے کیونکہ اُنہیں جادو کے بارے میں تو ہر قسم کی معلومات تھیں۔ انہیں یہ یقین حاصل ہوگیا تھا کہ یہ سیدنا موسیٰ کا کمال درجے کا جادو نہیں ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ نشانی ہے اور اس پر وہی قدرت رکھتا ہے جس کے حکم سے ہر چیز وجود میں آجائے۔ یہ سوچ تھی جس نے جادوگروں کو سجدے میں ڈال دیا۔

(2) رب العزت نے فرمایا: ﴿فَأُلْقِيَ السَّحَرَةُ سٰجِدِيْنَ (46) قَالُوٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (47) رَبِّ مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ (48)﴾ ''پھر سارے جادوگر سجدے کی حالت میں ڈال دیے گئے۔ انہوں نے کہا: ''ہم جہانوں کے رب پر ایمان لاتے ہیں۔ موسیٰ اور ہارون کے رب پر۔'' (الشعراء:48,46)

(3) پس اس بھرے مجمع میں حق ظاہر اور روشن ہوگیا اور مکر وفریب اور جادو باطل ہوگیا اور یہ چیز اہل ایمان کے لئے ایک واضح دلیل اور رحمت بن گئی اور معاندین حق پر حجت قائم ہوگئی۔ (تفسیر سعدی:1624/2)

سوال2: جادوگروں کو کس چیز نے سجدے میں گرا دیا تھا؟

جواب: جادوگروں کو حق کی پہچان نے سجدہ میں گرا دیا تھا۔ انہوں نے حقیقت کو جان لیا تھا۔ جادوگروں نے یقین کے ساتھ جان لیا تھا جو کچھ سیدنا موسیٰ علیہ السلام لے کر آئے ہیں وہ جادو نہیں معجزہ ہے۔ اور اُنہوں نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام اور سیدنا ہارون علیہ السلام کے رب پر ایمان لانے کا اقرار کرلیا۔ کیونکہ وہ رب کو پہلے بھی جانتے تو تھے لیکن ایسے نہیں جانتے تھے۔ اب تو ان کی ذات کے اندر چھپے ہوئے جذبے نے سر اٹھایا تھا۔ ہر انسان کسی بالاتر ہستی کے سامنے جھکنا چاہتا ہے بچھنا چاہتا ہے، سجدے کرنا چاہتا ہے اسی وجہ سے آپ کسی کافر کو دیکھیں، کسی ملحد کو، کسی بے دین کو دیکھیں ہر ایک کے اندر یہ خواہش موجود ہے کہ کوئی بڑا ہو جس کے سامنے میں چھوٹا ہو جاؤں لیکن انسان جب حقیقت کو نہیں سمجھتا تو خود

کو بڑا بنالیتا ہے اور اپنے مقابلے میں اپنے رب کو ماننے کے لیے بھی تیار نہیں ہوتا۔تو یہاں جادوگروں نے اپنے رب کو پہچان لیا تھا اس لیے سجدے میں گرادیے گئے اور انہوں نے رب پر ایمان لانے کا اقرار کرلیا۔

سوال 3: جادوگر خود سجدے میں نہیں گئے تھے انہیں ڈال دیا گیا تھا کون سی چیز تھی جس نے سجدے میں گرادیا؟

جواب: جادوگر کلام سن کر متاثر تو تھے اب سچائی کو انہوں نے آنکھوں سے دیکھ لیا یقین کرلیا کہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے پاس انسانی جادو نہیں رب کا دیا ہوا معجزہ ہے جادوگروں کے اندر ایمان اترا تھا وہ یقین جو انہیں جادو اور معجزے کی حقیقت کو معلوم کرنے کے بعد حاصل ہوا تھا یہ یقین ان کے اندر رچ بس گیا تھا اسی یقین کی وجہ سے ان کے حالات مختلف ہوگئے وہ متاثر ہوگئے۔

﴿قَالَ اٰمَنْتُمْ لَهٗ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ۭ اِنَّهٗ لَكَبِيْرُكُمُ الَّذِيْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ ۚ فَلَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ وَّلَاُوصَلِّبَنَّكُمْ فِيْ جُذُوْعِ النَّخْلِ ۡ وَلَتَعْلَمُنَّ اَيُّنَآ اَشَدُّ عَذَابًا وَّاَبْقٰى﴾

''فرعون نے کہا: ''تم اس پر ایمان لے آئے ہو اس سے پہلے ہی کہ میں تمہیں اس کی اجازت دیتا؟ یقیناً وہ ضرور تمہارا بڑا ہے جس نے تمہیں جادو سکھایا پس یقیناً میں ضرور تمہارے ہاتھ پاؤں مخالف سمتوں سے کاٹوں گا اور میں کھجور کے تنوں پر تمہیں ضرور پھانسی دوں گا اور تمہیں ضرور معلوم ہوجائے گا کہ ہم میں سے کون عذاب دینے میں زیادہ سخت اور زیادہ باقی رہنے والا ہے؟'' (71)

سوال 1: ﴿قَالَ اٰمَنْتُمْ لَهٗ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ۭ اِنَّهٗ لَكَبِيْرُكُمُ الَّذِيْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ﴾ ''فرعون نے کہا: ''تم اس پر ایمان لے آئے ہو اس سے پہلے ہی کہ میں تمہیں اس کی اجازت دیتا؟'' جادوگروں کے ایمان کا فرعون پر کیا اثر ہوا؟

جواب: (1) ﴿قَالَ اٰمَنْتُمْ لَهٗ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ﴾ ''فرعون نے کہا: ''تم اس پر ایمان لے آئے ہو اس سے پہلے ہی کہ میں تمہیں اس کی اجازت دیتا؟'' فرعون نے کہا: تم نے اُس کو مان لیا اس سے پہلے کہ میں تمہیں اس کی اجازت دیتا؟ وقت کے فرعون ایسے ہی کہا کرتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں لوگوں کے دل ہمارے قابو اور قبضے میں ہیں۔ یہ لوگ ہماری مرضی سے سوچیں، ہماری مرضی سے بولیں، ہماری مرضی کے مطابق زندگی گزاریں۔ غلاموں کے ساتھ ایسا ہی سلوک ہوتا ہے۔ فرعون نے بھی یہ چاہا تھا۔ اس نے حیران ہوکر کہا کہ میں نے تو تمہیں اجازت نہیں دی تم نے کیسے اسلام قبول کرلیا؟

(2) یعنی مجھ سے پوچھے اور میری اجازت کے بغیر تم نے ایمان لانے کا اقدام کیسے کرلیا؟ چونکہ وہ اپنے ہر معاملے میں فرعون کے مطیع تھے اور اس کا نہایت ادب کرتے تھے، اس لئے فرعون کو ان کا ایمان لانا بڑا عجیب سا لگا۔ اس کا خیال تھا کہ وہ اس معاملے میں بھی اس کی اطاعت کریں گے۔ اس دلیل اور برہان کو دیکھ لینے کے بعد فرعون اپنے کفر اور سرکشی میں بڑھتا ہی چلا گیا۔ (تفسیر سعدی: 1624,1625/2)

(3) فرعون نے ایمان کی حقیقت کو نہیں سمجھا۔ اس نے سچائی کو اپنا فرمان بردار بنا کر رکھنا چاہا لیکن سچائی کو زیر نہیں کرسکا۔ اس لیے سخت سزا کا حکم سنادیا۔ حق اور سچ لے کر اٹھنے والوں کے ساتھ یہ معاملہ ہوتا ہی رہتا ہے۔ لوگ ڈرتے ہیں کہ کہیں حق کی بات بڑی نہ ہوجائے۔

(4)﴿اِنَّهٗ لَكَبِيْرُكُمُ الَّذِيْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ﴾ ''یقیناً وہ ضرور تمہارا بڑا ہے جس نے تمہیں جادو سکھایا'' سیدنا موسیٰ علیہ السلام جادوگروں کو جانتے تک نہیں تھے لیکن جب جادوگروں نے ایمان لانے کا فیصلہ کیا تو فوراً الزام تراشی کا رویہ سامنے آ گیا۔ اندر کی خرابی کھل کے سامنے آئی، اس نے کہا یہ تو تمہارا بڑا ہے، اسی نے تو تمہیں جادو سکھایا ہے۔

(5) فرعون نے اپنی خفت مٹانے کے لیے یہ ظاہر کیا کہ موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کو جادوگروں پر جو غلبہ حاصل ہوا ہے وہ ان کے آپس کے گٹھ جوڑ کی وجہ سے اور ان کی سازش کی وجہ سے جو فرعون اور اس کی قوم کے خلاف تھی کہ وہ ان کو سرزمین مصر سے باہر نکال دیں۔

(6) رب العزت نے فرمایا: (قَالَ فِرْعَوْنُ اٰمَنْتُمْ بِهٖ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ۚ اِنَّ هٰذَا لَمَكْرٌ مَّكَرْتُمُوْهُ فِي الْمَدِيْنَةِ لِتُخْرِجُوْا مِنْهَآ اَهْلَهَا ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ﴾ فرعون نے کہا: ''تم اس سے پہلے ہی اس پر ایمان لے آئے ہو کہ میں تمہیں اجازت دوں، یقیناً یہ تو ایک سازش ہے جو تم نے شہر میں کی ہے تا کہ تم اس کے باشندوں کو یہاں سے نکال دو، سو تم بہت جلد ہی جان لو گے۔ (الاعراف:123)

(7)﴿فَاسْتَخَفَّ قَوْمَهٗ فَاَطَاعُوْهُ ۚ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ﴾ ''سو اُس نے اپنی قوم کو ہلکا کر دیا تو انہوں نے اُس کی اطاعت کی، یقیناً وہ نافرمان لوگ تھے۔'' (الزخرف:54)

سوال 2:﴿فَلَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ وَّلَاُوصَلِّبَنَّكُمْ فِيْ جُذُوْعِ النَّخْلِ﴾ ''پس یقیناً میں ضرور تمہارے ہاتھ پاؤں مخالف سمتوں سے کاٹوں گا اور میں کھجور کے تنوں پر تمہیں ضرور پھانسی دوں گا'' فرعون نے طاقت کے ذریعے حق کو دبانے کی کوشش کی، اس کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) فرعون نے جادوگروں کو دھمکی دی کہ میں تمہارے ہاتھ پاؤں مخالف سمتوں سے کٹوا دوں گا اور کھجور کے تنوں پر سولی دوں گا۔

(2) فرعون کو پتہ چل گیا تھا کہ میرا جادوگروں کے دل پر کوئی اختیار نہیں۔ دل تو اللہ تعالیٰ کی دو کریم اُنگلیوں کے درمیان ہیں، وہ جیسے چاہے انھیں پھیرتا ہے۔ ایمان کی بشاشت جب دلوں میں شامل ہو جائے تو انسان پیچھے نہیں ہٹ سکتے۔

(3)﴿وَّلَاُوصَلِّبَنَّكُمْ فِيْ جُذُوْعِ النَّخْلِ﴾ ''اور میں کھجور کے تنوں پر تمہیں ضرور پھانسی دوں گا'' سولی دینے کی سزا دنیا کی قدیم ترین سزاؤں میں سے ہے اور جب تک متمدن حکومتوں نے سولی گھر نہیں بنوائے تھے، قدیم ترین طریقہ یہی درختوں پر لٹکا دینے کا تھا اور کھجور کے درخت مصر میں عام تھے۔ (تفسیر ماجدی:250/3)

سوال 3:﴿وَلَتَعْلَمُنَّ اَيُّنَآ اَشَدُّ عَذَابًا وَّاَبْقٰى﴾ ''اور تمہیں ضرور معلوم ہو جائے گا کہ ہم میں سے کون عذاب دینے میں زیادہ سخت اور زیادہ باقی رہنے والا ہے؟'' فرعون نے جادوگروں کو اپنے دین پر قائم رکھنے کے لیے آخری کام کیا کیا؟

جواب:﴿وَلَتَعْلَمُنَّ اَيُّنَآ اَشَدُّ عَذَابًا وَّاَبْقٰى﴾ ''اور تمہیں ضرور معلوم ہو جائے گا کہ ہم میں سے کون عذاب دینے میں زیادہ سخت اور زیادہ باقی رہنے والا ہے؟'' فرعون نے کہا کہ میں تمھیں ایسی سزا دوں گا کہ پھر تمھیں پتہ لگ جائے گا کہ کس کا عذاب زیادہ سخت اور

دیر پا ہے۔

﴿قَالُوْا لَنْ نُّؤْثِرَكَ عَلٰى مَا جَآءَنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالَّذِيْ فَطَرَنَا فَاقْضِ مَآ اَنْتَ قَاضٍ ۭ اِنَّمَا تَقْضِيْ هٰذِهِ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا﴾

''جادوگروں نے کہا: ''ہم تمہیں اُن پر ہرگز ترجیح نہیں دیں گے جو واضح دلائل میں سے ہمارے پاس آ گئے ہیں اور نہ ہی اُس ذات پر جس نے ہمیں پیدا کیا، چنانچہ فیصلہ کرو جو تم فیصلہ کرنے والے ہو یقیناً تم صرف اس دنیا کی زندگی کا فیصلہ کرو گے'' (72)

سوال 1: ﴿قَالُوْا لَنْ نُّؤْثِرَكَ عَلٰى مَا جَآءَنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالَّذِيْ فَطَرَنَا﴾ جادوگروں نے کہا: ''ہم تمہیں اُن پر ہرگز ترجیح نہیں دیں گے جو واضح دلائل میں سے ہمارے پاس آ گئے ہیں اور نہ ہی اُس ذات پر جس نے ہمیں پیدا کیا'' جادوگروں پر ایمان لانے کا کیا اثر ہوا؟

جواب: (1) ﴿قَالُوْا لَنْ نُّؤْثِرَكَ﴾ ''جادوگروں نے کہا: ''ہم تمہیں اُن پر ہرگز ترجیح نہیں دیں گے'' یعنی ہم تیری عبادت اور تیری اطاعت کو ہرگز اختیار نہیں کریں گے اور تمہارے دین کی ہرگز پیروی نہیں کریں گے۔ (تفسیر سمرقندی: 423/2)

(2) ﴿عَلٰى مَا جَآءَنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ﴾ ''جو واضح دلائل میں سے ہمارے پاس آ گئے ہیں'' سیدنا ابن عباس کہتے ہیں کہ جو ہمارے پاس روشن دلیلیں آ گئیں یعنی یقین اور علم آیا ہے۔

(3) یعنی جو علم اور یقین ہمیں نصیب ہوا ہے تم اب ہمیں نہیں پھیر سکتے۔ چاہے کاٹ ڈالو یا برباد کر دو پرواہ نہیں۔

(4) یعنی ہمارے پاس ایسی واضح نشانیاں آئی ہیں جو ہمارے لیے دلیل اور راہ نما ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہی ہمارا رب ہے جو ایک ہے، قادر ہے، مالک ہے، وہ عظیم ہے اس کے سوا کسی معبود کی کوئی حقیقت نہیں۔

(5) ﴿وَالَّذِيْ فَطَرَنَا﴾ ''اور نہ ہی اُس ذات پر جس نے ہمیں پیدا کیا'' کیا تجھے ہم اس پر ترجیح دیں جس نے ہمیں پیدا کیا؟

(6) جادوگروں نے فرعون کی دھمکی کا یہ جواب دیا کہ ہم روشن نشانیاں آنے کے بعد سچائی پر تجھے ترجیح نہیں دے سکتے۔

(7) اس طرح جادوگروں کے لیے ان کا ایمان بہت بڑی قوت بن گیا جس کے سامنے ہر طاقت چھوٹی اور کمزور نظر آتی ہے۔ جادوگروں نے فرعون کی دھمکی کا یہ جواب دیا کہ ہم روشن نشانیاں آنے کے بعد سچائی پر تجھے ترجیح نہیں دے سکتے۔

(8) جادوگروں نے فرعون کی قوت اور اقتدار کو چیلنج کرنا شروع کر دیا تھا۔ جادوگروں نے کہا تم زیادہ سے زیادہ اس زندگی کا فیصلہ کر سکتے ہو۔ ساحر اتنی ہی دیر میں ایمان کی برکتوں سے پوری طرح مشرف اور عزم وارادہ کے پختہ ہو چکے تھے۔ ایمان کی حلاوت ان کے رگ و پے میں نفوذ وسرایت کر چکی تھی، اور عقیدہ آخرت ان کی ذہنیت کا جز بن چکا تھا۔

(9) جادوگروں نے فرعون کی قوت اور اقتدار کو چیلنج کرنا شروع کر دیا تھا۔ جادوگروں نے کہا تم زیادہ سے زیادہ اس زندگی کا فیصلہ کر سکتے ہو۔جادوگروں نے رب سے عاجزی کا اظہار کرتے ہوئے مغفرت کی دُعائیں کیں۔

سوال2:﴿فَاقْضِ مَآ اَنْتَ قَاضٍ ؕ اِنَّمَا تَقْضِیْ هٰذِهِ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا﴾ ''چنانچہ فیصلہ کرو جو تم فیصلہ کرنے والے ہو یقیناً تم صرف اس دنیا کی زندگی کا فیصلہ کرو گے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿فَاقْضِ مَآ اَنْتَ قَاضٍ﴾ ''چنانچہ فیصلہ کرو جو تم فیصلہ کرنے والے ہو'' یعنی تم زیادہ سے زیادہ کیا کر سکتے ہو؟ ہاتھ پاؤں کاٹ دو گے تو کاٹ دو، سولی چڑھا سکتے ہو تو چڑھا دو، سخت سزا دے سکتے ہو تو دے لو۔

(2)﴿اِنَّمَا تَقْضِیْ هٰذِهِ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا﴾ ''یقیناً تم صرف اس دنیا کی زندگی کا فیصلہ کرو گے'' اس درجہ جرات و بے خوفی بس ایمان کامل ہی سے پیدا ہو سکتی ہے۔جادوگروں کے اس کلام میں اس بات کی دلیل ہے کہ عقل مند کے لئے مناسب ہے کہ وہ دنیا کی لذتوں اور آخرت کی لذتوں، دنیا کے عذاب اور آخرت کے عذاب کے مابین موازنہ کرے۔(تفسیر سعدی:1626,1627/2)

(3) کہاں تو فرعون کے دربار میں جادوگر کہہ رہے تھے کہ اگر ہم نے مقابلہ کیا تو آپ ہمیں بدلہ تو دیں گے؟ تو فرعون نے کہا تھا میں تمہیں اپنا مصاحب بنا لوں گا اور تمہیں اس کا صلہ ملے گا لیکن اب جادوگروں کا کیا حال ہے کہ کہتے ہیں تم جو کرنا چاہتے ہو کر لو۔زیادہ سے زیادہ کیا کھینچو گے؟ جان! ہماری جان جو پہلے ہی بکی ہوئی ہے، مال کھینچو گے؟ تو وہ رب کا ہے، ہمارے پاس ہے ہی کیا؟ اپنا تو کچھ بھی نہیں۔

(4) مومن تو بڑے سکون میں ہوتا ہے کیونکہ مومن کے پاس جو کچھ ہے وہ تو رب کی امانت ہے۔لہٰذا مومن بے فکر ہوتا ہے کہ میرے پاس جو کچھ بھی ہے رب ہی کا ہے۔رب کے پاس چلا جائے گا، لہٰذا جو کسی نے کرنا ہے کر لے۔کس قدر اعتماد ہے اپنے رب کی ذات پر کہ تمہاری حکومت دنیا سے آگے نہیں جا سکتی، تم جو فیصلہ کرو گے یہاں کے لیے کرو گے اور یہ دنیا کی زندگی مختصر ہے اور دنیا کی سزا ہمارے لیے بہت آسان ہے۔افق کے پار اس جہان میں دیکھنے والوں کی کیسی Goal Setting ہے مقصد پر نظر جمائے ہوئے حق کے راہی کیسی عظیم زندگی بسر کرتے ہیں جس میں وقت کے فرعون کا خوف نہیں، کسی سزا کا ڈر نہیں، کوئی سودے بازی نہیں۔واضح موقف ہے، رب کے ہیں، اسی کو ترجیح دیں گے۔اس کے لیے جئیں گے، اس کے لیے جان دیں گے۔اللہ اکبر

﴿اِنَّآ اٰمَنَّا بِرَبِّنَا لِیَغْفِرَ لَنَا خَطٰیٰنَا وَمَآ اَكْرَهْتَنَا عَلَیْهِ مِنَ السِّحْرِ ؕ وَاللّٰهُ خَیْرٌ وَّاَبْقٰی﴾

''یقیناً ہم تو اپنے رب پر ایمان لائے ہیں تا کہ وہ ہمارے لیے ہمارے گناہ بخش دے اور اُس جادو کے کام کو جس پر تو نے ہمیں مجبور کیا اور اللہ تعالیٰ بہتر اور سب سے زیادہ باقی رہنے والا ہے''(73)

سوال1:﴿اِنَّآ اٰمَنَّا بِرَبِّنَا لِیَغْفِرَ لَنَا خَطٰیٰنَا وَمَآ اَكْرَهْتَنَا عَلَیْهِ مِنَ السِّحْرِ ؕ وَاللّٰهُ خَیْرٌ وَّاَبْقٰی﴾ ''یقیناً ہم تو اپنے

رب پر ایمان لائے ہیں تاکہ وہ ہمارے لیے ہمارے گناہ بخش دے اور اُس جادو کے کام کو جس پر تو نے ہمیں مجبور کیا اور اللہ تعالیٰ بہتر اور سب سے زیادہ باقی رہنے والا ہے۔'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿اِنَّاۤ اٰمَنَّا بِرَبِّنَا﴾ ''یقیناً ہم تو اپنے رب پر ایمان لائے ہیں'' یعنی ہم نے توحید کا اقرار کرلیا اور ہم نے اپنے رب کے وعدوں اور وعیدوں کی تصدیق کی۔ (جامع البیان:209/16)

(2) ﴿لِيَغۡفِرَ لَنَا خَطٰيٰنَا﴾ ''تاکہ وہ ہمارے لیے ہمارے گناہ بخش دے'' یعنی یہ ہماری خوش نصیبی ہے کہ ہم ایمان لے آئے اور اس ایمان کی برکت سے اللہ تعالیٰ ہمارے گناہ معاف فرمادے گا۔

(3) ﴿وَمَاۤ اَكۡرَهۡتَنَا عَلَيۡهِ مِنَ السِّحۡرِ﴾ ''اور اُس جادو کے کام کو جس پر تو نے ہمیں مجبور کیا'' یعنی ہمیں اپنے رب سے امید ہے کہ ہمیں جادو کے جرم پر معاف کردے گا کہ جس کے ذریعے تو نے ہمیں حق کا مقابلہ کرنے کے لیے لالچ دلا کر راضی کرلیا تھا۔ تیرے کہنے سننے سے ہم اللہ تعالیٰ کے نبی کے خلاف مقابلے کے لیے ڈٹ گئے تھے۔

(4) ﴿وَاللّٰهُ خَيۡرٌ وَّاَبۡقٰى﴾ ''اور اللہ تعالیٰ بہتر اور سب سے زیادہ باقی رہنے والا ہے'' یعنی ہم تو اللہ تعالیٰ ہی کو ترجیح دیں گے جو بہترین ہے اور باقی رہنے والا ہے۔

(5) سبحان اللہ جادوگر کیسے ایمان پر ثابت قدم ہوگئے۔ ایمان انسانوں کے اندر ایسی ہی تبدیلی لے کر آتا ہے۔ جادوگروں نے فرعون کے مقابلے میں رب کی برتری کا اظہار کیا انہوں نے کہا ﴿وَاللّٰهُ خَيۡرٌ وَّاَبۡقٰى﴾ ''اور اللہ تعالیٰ بہتر اور سب سے زیادہ باقی رہنے والا ہے'' ایک ہی نشست میں ایمان کس درجے پر پہنچ گیا۔

سوال 2: جادوگروں نے حق کے دلائل کو اور حق تعالیٰ کو پہچان کر کیسے متاثر ہوگئے تھے؟

جواب: سیدنا موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام کی نصیحت نے جادوگروں کو متاثر کیا اور وہ ان کے دلوں میں جاگزیں ہوگئی، اس لئے موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام کی نصیحت کے بعد ان کے درمیان اختلاف اور تنازعہ پیدا ہوا لیکن فرعون نے ان جادوگروں کو اس مکروفریب پر عمل پیرا ہونے پر مجبور کردیا، اسی لئے انہوں نے جادو کے کرتب دکھانے سے پہلے فرعون کی بات دہرائی، ﴿قَالُوۡۤا اِنۡ هٰذٰٮنِ لَسٰحِرٰنِ يُرِيۡدٰنِ اَنۡ يُّخۡرِجٰكُمۡ مِّنۡ اَرۡضِكُمۡ بِسِحۡرِهِمَا وَيَذۡهَبَا بِطَرِيۡقَتِكُمُ الۡمُثۡلٰى﴾ ''انہوں نے کہا کہ بلاشبہ یہ دونوں یقیناً جادوگر ہیں وہ دونوں ارادہ رکھتے ہیں کہ اپنے جادو سے تمہیں تمہاری زمین سے نکال دیں اور تمہارے مثالی طریقہ زندگی کا خاتمہ کردیں۔'' (طٰہٰ:63) یہ کہہ کر وہ اپنے کام کی طرف متوجہ ہوگئے جس پر فرعون نے ان کو مجبور کیا تھا۔ شاید یہی نکتہ تھا کہ باطل کے ذریعے سے حق کی معارضت کی ناپسندیدگی ان کے دلوں میں جاگزیں ہوگئی تھی۔ انہوں نے جو کام سرانجام دیا وہ انہوں نے اغماض برتتے ہوئے سرانجام دیا۔ اسی نکتہ نے ان کے دلوں کو متاثر کیا، اس کے سبب سے اللہ تعالیٰ نے ان پر رحم فرمایا اور ان کو ایمان اور توبہ کی توفیق عطا فرمائی۔ (تفسیر سعدی:1626,1627/2)

﴿اِنَّهٗ مَنۡ یَّاۡتِ رَبَّهٗ مُجۡرِمًا فَاِنَّ لَهٗ جَهَنَّمَ ؕ لَا یَمُوۡتُ فِیۡهَا وَلَا یَحۡیٰی﴾

''بلاشبہ جو شخص اپنے رب کے سامنے مجرم بن کر آئے گا تو یقیناً اس کے لیے جہنم ہے، اس میں وہ نہ مرے گا اور نہ جیے گا'' (74)

سوال 1: ﴿اِنَّهٗ مَنۡ یَّاۡتِ رَبَّهٗ مُجۡرِمًا فَاِنَّ لَهٗ جَهَنَّمَ ؕ لَا یَمُوۡتُ فِیۡهَا وَلَا یَحۡیٰی﴾ ''بلاشبہ جو شخص اپنے رب کے سامنے مجرم بن کر آئے گا تو یقیناً اس کے لیے جہنم ہے، اس میں وہ نہ مرے گا اور نہ جیے گا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿اِنَّهٗ مَنۡ یَّاۡتِ رَبَّهٗ مُجۡرِمًا﴾ ''بلاشبہ جو شخص اپنے رب کے سامنے مجرم بن کر آئے گا'' مجرم بننے کا مطلب یہ ہے کہ انسان کے سامنے اللہ تعالیٰ کی نشانیاں آئیں اور وہ ان سے نصیحت حاصل نہ کرے، اُس کے سامنے حق کو عقلی دلائل کے ذریعے کھولا جائے اور وہ اس کو قبول نہ کرے، وہ مادی مصلحتوں سے اُٹھ کر اللہ تعالیٰ کا اعتراف نہ کرے۔

(2) ﴿فَاِنَّ لَهٗ جَهَنَّمَ﴾ ''تو یقیناً اس کے لیے جہنم ہے'' مرتے دم تک کفر پر جمے رہنے والوں کے لیے جہنم ہے۔

(3) ﴿لَا یَمُوۡتُ فِیۡهَا وَلَا یَحۡیٰی﴾ ''اس میں وہ نہ مرے گا اور نہ جیے گا'' یعنی جو اللہ تعالیٰ کا انکار کرے اور مرتے دم تک کافر اس جہان سے جائے۔ جہنم کا عذاب بہت ہی سخت، جس کی ہتھکڑیاں بہت بڑی، جس کی گہرائی بہت زیادہ اور جس کی گرمی اور سردی بہت المناک ہوگی اور جہنم میں ایسا عذاب دیا جائے گا جو دل وجگر کو پگھلا کر رکھ دے گا۔ جہنم کے عذاب کی ایسی شدت ہوگی کہ جس کو عذاب دیا جائے گا وہ اس عذاب میں مرے گا نہ جیے گا، نہ وہ مرے گا کہ اس کی جان چھوٹ جائے اور نہ وہ جئے گا کہ وہ اس زندگی سے لذت اٹھا سکے۔ اس کی زندگی قلبی، روحانی اور جسمانی عذاب سے لبریز ہوگی، جس کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔ یہ عذاب ایک گھڑی کے لئے بھی اس سے دور نہ ہوگا۔ وہ مدد کے لئے پکارے گا لیکن اس کی مدد نہ کی جائے گی اور وہ دعائیں کرے گا لیکن اس کی دعا قبول نہ ہوگی۔ ہاں! جب وہ پانی مانگے گا تو اسے پینے کے لئے ایسا پانی دیا جائے گا جو تیل کی تلچھٹ کی مانند ہوگا جو چہروں کو بھون کر رکھ دے گا۔ جب وہ پکارے گا تو اس کو جواب دیا جائے گا۔ ﴿قَالَ اخۡسَـُٔوۡا فِیۡهَا وَلَا تُكَلِّمُوۡنِ﴾ ''اللہ تعالیٰ فرمائے گا: یہیں خوار رہو اور مجھ سے بات نہ کرو''۔ (المومنون:108)

(4) رب العزت کا فرمان ہے: ﴿وَاسۡتَفۡتَحُوۡا وَخَابَ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِیۡدٍ (۱۵) مِّنۡ وَّرَآئِهٖ جَهَنَّمُ وَیُسۡقٰی مِنۡ مَّآءٍ صَدِیۡدٍ (۱۶) یَّتَجَرَّعُهٗ وَلَا یَكَادُ یُسِیۡغُهٗ وَیَاۡتِیۡهِ الۡمَوۡتُ مِنۡ كُلِّ مَكَانٍ وَّمَا هُوَ بِمَیِّتٍ ؕ وَمِنۡ وَّرَآئِهٖ عَذَابٌ غَلِیۡظٌ (۱۷)﴾ ''اور انہوں نے فیصلہ طلب کیا اور ہر سرکش، عناد رکھنے والا نامراد ہو گیا۔ اس کے پیچھے جہنم ہے اور اسے اس پانی سے پلایا جائے گا جو پیپ ہے۔ وہ اس کا گھونٹ گھونٹ پیے گا لیکن قریب بھی نہ ہوگا کہ حلق سے اُتارے اور موت اس پر ہر طرف سے آئے گی حالانکہ وہ مرنے والا نہیں ہوگا اور اس کے پیچھے ایک سخت عذاب ہے۔'' (ابراہیم:15,17)

(5) ﴿اِنَّ الَّذِیۡنَ كَفَرُوۡا بِاٰیٰتِنَا سَوۡفَ نُصۡلِیۡهِمۡ نَارًا ؕ كُلَّمَا نَضِجَتۡ جُلُوۡدُهُمۡ بَدَّلۡنٰهُمۡ جُلُوۡدًا غَیۡرَهَا لِیَذُوۡقُوا الۡعَذَابَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَزِیۡزًا حَكِیۡمًا﴾ ''بلاشبہ جن لوگوں نے ہماری آیات کا کفر کیا بہت جلد ہم انہیں آگ میں ڈالیں گے، جب بھی

ان کی کھالیں گل سڑ جائیں گی تو ہم انہیں اس کے علاوہ کھالیں بدل دیں گے تا کہ وہ عذاب چکھیں۔ یقیناً اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے ہی سب پر غالب، کمال حکمت والا ہے۔'' (النساء:56)

(6)﴿وَيَتَجَنَّبُهَا الْأَشْقَى (11) الَّذِي يَصْلَى النَّارَ الْكُبْرَى (12) ثُمَّ لَا يَمُوتُ فِيهَا وَلَا يَحْيَى (13)﴾ ''اور بدبخت اُس سے علیحدہ رہے گا۔ وہ جو بہت بڑی آگ میں داخل ہوگا۔ پھر اُس میں نہ وہ مرے گا اور نہ جیے گا۔ (الاعلیٰ:11,13)

(7)﴿وَنَادَوْا يَا مَالِكُ لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ ۖ قَالَ إِنَّكُم مَّاكِثُونَ (77)﴾ ''اور وہ پکاریں گے: ''اے مالک! تمہارا رب ہمارا خاتمہ ہی کر دے۔'' فرشتہ کہے گا: یقیناً تم ٹھہرنے والے ہو۔'' (الزخرف:77)

(8) سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ نبی ﷺ خطبہ دیتے ہوئے جب اس آیت پر پہنچے تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''جو لوگ دوزخ والے (کافر) ہیں وہ تو نہ اس میں جئیں گے اور نہ مریں گے اور جو دوزخ والے نہیں ہیں (یعنی گناہ گار مسلمان) تو آگ انہیں یک بارگی مار دے گی پھر شفاعت کرنے والے (پیغمبر) کھڑے ہو کر ان کی شفاعت کریں گے پھر انہیں گٹھڑیوں کی صورت میں ایک دریا پر جس کا نام ''الحیاۃ'' یا ''الحیوٰن'' ہوگا لایا جائے گا پھر (اس میں نہا کر) وہ اس طرح بڑھیں گے جس طرح گھاس پھوس سیلاب کی لائی ہوئی مٹی میں بڑھتا ہے۔'' (ابن کثیر بحوالہ مسلم وابن ابی حاتم) (تفسیر اشرف الحواشی:380/1)

(9) سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اصلی جہنمی تو جہنم ہی میں پڑے رہیں گے، انہیں وہاں نہ موت آئے گی اور (نہ آرام کی) زندگی ملے گی، ہاں ایسے لوگ بھی ہوں گے جنہیں ان کے گناہوں کی پاداش میں دوزخ میں ڈال دیا جائے گا، جہاں اللہ تعالیٰ انہیں موت دے دے گا اور وہ جل کر کوئلہ ہو جائیں گے۔ پھر شفاعت کی اجازت کے بعد گروہ گروہ کر کے نکالے جائیں گے اور جنت کی نہروں کے کناروں پر انہیں پھیلا دیا جائے گا اور جنتیوں سے فرمایا جائے گا کہ ان پر پانی ڈالو، تو وہ اس طرح اگیں گے جیسے دانہ اس مٹی میں اگتا ہے جسے پانی بہا کر لاتا ہے۔'' یہ سن کر ایک شخص کہنے لگا، گویا رسول اللہ ﷺ کچھ زمانہ جنگل میں گزار چکے ہیں۔ (مسلم، مسند احمد:11157)

سوال 2: مجرموں کے لیے آخرت میں کیا سزا ہے؟

جواب: مجرموں کے لیے آخرت میں سخت سزا ہے جو دُنیا کے مقابلے میں بہت بڑی ہے کیونکہ دُنیا محدود ہے مگر آخرت میں انسان کو ایسا عذاب ہوگا کہ نہ موت آئے گی نہ آرام کی زندگی ملے گی۔

﴿وَمَن يَأْتِهِ مُؤْمِنًا قَدْ عَمِلَ الصَّالِحَاتِ فَأُولَٰئِكَ لَهُمُ الدَّرَجَاتُ الْعُلَىٰ﴾

''اور جو شخص اپنے رب کے پاس مومن ہو کر آئے گا جس نے نیک عمل کیے ہوں گے تو ان لوگوں کے لیے بلند درجات ہیں'' (75)

سوال 1: ﴿وَمَن يَأْتِهِ مُؤْمِنًا قَدْ عَمِلَ الصَّالِحَاتِ فَأُولَٰئِكَ لَهُمُ الدَّرَجَاتُ الْعُلَىٰ﴾ ''اور جو شخص اپنے رب کے پاس مومن

ہوکر آئے گا جس نے نیک عمل کیے ہوں گے توان لوگوں کے لیے بلند درجات ہیں' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1)﴿وَمَنۡ يَّاۡتِهٖ مُؤۡمِنًا﴾ ''اور جو شخص اپنے رب کے پاس مومن ہوکر آئے گا'' یعنی جو طاغوت کا انکار کر کے اپنے رب پر ایمان لائے گا۔

(2) اور ان چیزوں کی تصدیق کرے گا جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئیں۔ (تفسیر الوسیط:3/215)

(3) جو رسولوں کی اور آخرت کی تصدیق کرے گا۔

(4)﴿قَدۡ عَمِلَ الصّٰلِحٰتِ﴾ ''جس نے نیک عمل کیے ہوں گے'' سیدنا ابن عباس کہتے ہیں: جس نے فرائض ادا کیے۔ (تفسیر الوسیط:3/215)

(5) جس نے شریعت پر عمل کیا، جس نے فرائض ادا کیے اور نواہی سے اجتناب کیا۔ (ایسر التفاسیر:895)

(6) جس نے واجبات کے ساتھ مستحب اعمال بھی انجام دیئے۔

(7)﴿فَاُولٰٓئِكَ لَهُمُ الدَّرَجٰتُ الۡعُلٰى﴾ ''توان لوگوں کے لیے بلند درجات ہیں'' یعنی ایسے لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ کا قرب ہے۔ (المحرر الوجیز:4/54)

(8) سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''جنتی لوگ اپنے سے بلند کمروں والوں کو اوپر اسی طرح دیکھیں گے جیسے چمکتے ستارے کو جو صبح کے وقت رہ گیا ہو، آسمان کے کنارے پورب یا پچھم میں دیکھتے ہیں۔ ان میں ایک دوسرے سے افضل ہوگا۔'' لوگوں نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! یہ تو انبیاء کے محل ہوں گے جنہیں ان کے سوا اور کوئی نہ پا سکے گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''نہیں، اس ذات کی قسم! جس کے ہاتھ میں میری جان ہے یہ ان لوگوں کے لیے ہوں گے جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور انبیاء کی تصدیق کی۔'' (بخاری:3256)

(9) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''میں نے خواب میں جنت دیکھی، میں نے اس میں ایک عورت کو دیکھا جو ایک محل کے کنارے وضو کر رہی تھی۔ میں نے پوچھا یہ کس کا محل ہے؟ تو فرشتوں نے بتایا کہ یہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا محل ہے مجھے ان کی غیرت یاد آئی اور میں وہاں سے فوراً لوٹ آیا۔'' یہ سن کر عمر رضی اللہ عنہ رو دیئے اور کہنے لگے، یارسول اللہ! کیا میں آپ ﷺ کے ساتھ بھی غیرت کروں گا؟'' (بخاری:3242)

(10) سیدنا ابو موسیٰ اشعری نے بیان کیا اور ان سے ان کے والد نے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا، ''(جنتیوں کا) خیمہ کیا ہے، ایک موتی ہے خولدار جس کی بلندی اوپر کو تیس میل تک ہے۔ اس کے ہر کنارے پر مومن کی ایک بیوی ہوگی جسے دوسرے نہ دیکھ سکیں گے۔'' (بخاری:3243)

(11) عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جنت میں سو درجے ہیں ہر دو درجوں میں اتنا فاصلہ ہے کہ جتنا آسمان و زمین میں اور فردوس سب سے اوپر کا درجہ ہے کہ اس میں سے جنت کی چاروں نہریں بہتی ہیں اور اس کے اوپر عرش ہے پھر جب سوال کرو تو تم اللہ تعالیٰ سے فردوس کا سوال کرو۔'' (ترمذی:2531)

(12) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جب تم مجھ پر درود بھیجو تو میرے لیے اللہ تعالیٰ سے ''وسیلہ'' کی دعا کرو، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا ''یارسول اللہ! وسیلہ کیا ہے؟'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ''جنت میں اعلیٰ ترین درجہ ہے، جو صرف ایک آدمی کو حاصل ہوگا اور میں امید کرتا ہوں کہ وہ میں ہی ہوں گا۔'' (مسند احمد)

﴿جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا مَنْ تَزَكّٰى﴾

''ہمیشہ کی جنتیں، جن کے نیچے سے نہریں بہتی ہوں گی، وہ ان میں ہمیشہ رہنے والے ہیں اور یہ اُس شخص کا بدلہ ہے جس نے پاکیزگی اختیار کی'' (76)

سوال 1: ﴿جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا مَنْ تَزَكّٰى﴾ ''ہمیشہ کی جنتیں، جن کے نیچے سے نہریں بہتی ہوں گی، وہ ان میں ہمیشہ رہنے والے ہیں اور یہ اُس شخص کا بدلہ ہے جس نے پاکیزگی اختیار کی۔'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ﴾ ''ہمیشہ کی جنتیں، جن کے نیچے سے نہریں بہتی ہوں گی'' یعنی جو ایمان اور یقین کی حالت میں اپنے رب سے ملے گا اس کے لیے رب العزت نے جنتیں تیار کی ہیں جن میں نہریں جاری ہیں۔

(2) ﴿خٰلِدِيْنَ فِيْهَا﴾ ''وہ ان میں ہمیشہ رہنے والے ہیں'' یعنی اس جنت سے وہ نکالے نہیں جائیں گے۔ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے انہیں جنت کا وارث بنا دیا جائے گا۔

(3) ﴿وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا مَنْ تَزَكّٰى﴾ ''اور یہ اُس شخص کا بدلہ ہے جس نے پاکیزگی اختیار کی'' یعنی پاکیزگی اختیار کرنے والوں کے لیے جنت ہے۔ (4) ابن کثیر کہتے ہیں: اپنے نفس کو گندگی، برائی اور شرک سے پاک کرے، اللہ کی عبادت کرے جو ایک ہے اور جس کا کوئی شریک نہیں اور مرسلین کی اطاعت کرے یہ پاکیزگی کا راستہ ہے۔ (تفسیر الاساس: 3373/7)

(5) اس شخص کی جزا ہے جو شرک، کفر، فسق اور معصیت سے اپنے آپ کو پاک کرتا ہے۔ وہ یا تو ان مذکورہ گناہوں کا ارتکاب کرتا ہی نہیں یا اگر اس سے کسی گناہ کا ارتکاب ہو جاتا ہے تو وہ توبہ کر لیتا ہے، نیز وہ اپنے نفس کو پاک کرتا ہے، ایمان اور عمل صالح کے ذریعے اس کی نشوونما کرتا ہے۔ ''تزکیہ'' کے دو معنی ہیں۔ (i) صاف کرنا اور گندگی کو زائل کرنا۔ (ii) بھلائی کے حصول میں اضافہ کرنا۔ زکوٰۃ کو انہی دو امور کی بنا پر زکوۃ کہا جاتا ہے۔ (تفسیر سعدی: 1628/2)

سوال 2: اپنے آپ کو پاک کرنے سے کیا مراد ہے؟

جواب: پاک کرنے سے مراد ہے: (i) خود کو جہالت اور غفلت سے پاک کرنا۔ (ii) اپنے آپ کو خواہشات سے پاک کرنا۔ (iii) ظلم اور تکبر سے

خود کو پاک کرنا۔

رکوع نمبر 13

﴿وَلَقَدْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِيْ فَاضْرِبْ لَهُمْ طَرِيْقًا فِي الْبَحْرِ يَبَسًا لَّا تَخٰفُ دَرَكًا وَّلَا تَخْشٰى﴾

''اور بلاشبہ یقیناً ہم نے موسیٰ کی طرف وحی کی کہ رات کے وقت میرے بندوں کو لے کر نکلو پھر ان کے لیے سمندر میں خشک راستہ بناؤ، نہ تم تعاقب کا خوف کھاؤ گے اور نہ ہی تم ڈرو گے'' (77)

سوال 1: ﴿وَلَقَدْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِيْ فَاضْرِبْ لَهُمْ طَرِيْقًا فِي الْبَحْرِ يَبَسًا لَّا تَخٰفُ دَرَكًا وَّلَا تَخْشٰى﴾ ''اور بلاشبہ یقیناً ہم نے موسیٰ کی طرف وحی کی کہ رات کے وقت میرے بندوں کو لے کر نکلو پھر ان کے لیے سمندر میں خشک راستہ بناؤ، نہ تم تعاقب کا خوف کھاؤ گے اور نہ ہی تم ڈرو گے'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَلَقَدْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى﴾ ''اور بلاشبہ یقیناً ہم نے موسیٰ کی طرف وحی کی'' فرعون نے جب سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے بنی اسرائیل کو غلامی سے آزاد کر کے ان کے سپرد کرنے کے مطالبے کو جب ٹال دیا تو رب العزت نے ان کی طرف وحی کی۔

(2) ﴿اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِيْ﴾ ''کہ رات کے وقت میرے بندوں کو لے کر نکلو'' یعنی فرعون اور آل فرعون کی بے خبری میں رات کے وقت بنی اسرائیل کو لے کر نکل جائیں۔

(3) جب صبح کے وقت وہ جاگے تو سارے شہر میں ایک بھی اسرائیلی نہ ملا۔

(4) فرعون کو جب یہ پتہ چلا تو غصے سے چکرا گیا، اس نے لشکر جمع کرنے کا حکم دے دیا اور سورج نکلتے ہی لشکر لے کر ان کے تعاقب میں نکل کھڑا ہوا اس موقع پر رب العزت نے سیدنا موسیٰ کو حکم دیا۔

(5) ﴿فَاضْرِبْ لَهُمْ طَرِيْقًا فِي الْبَحْرِ يَبَسًا﴾ ''پھر ان کے لیے سمندر میں خشک راستہ بناؤ'' اللہ تعالیٰ نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام پر وحی کی کہ دریا پر عصا مارو وہ تمہیں راستہ دے دے گا۔

(6) ﴿لَّا تَخٰفُ دَرَكًا وَّلَا تَخْشٰى﴾ ''نہ تم تعاقب کا خوف کھاؤ گے اور نہ ہی تم ڈرو گے'' سیدنا قتادہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ نہ تو فرعون تجھے پا سکے گا اور نہ تجھے اپنے آگے غرق ہو جانے کا خوف ہوگا ''تخشٰی'' سے مراد ہے آگے ڈوب جانے یا غرق ہو جانے کا خوف۔ (تفسیر جامع البیان: 211/16)

(7) ابن جریج کہتے ہیں کہ اصحاب موسیٰ نے یہ کہا تھا کہ یہ فرعون ہے یہ ہمیں پا لے گا اور یہ سمندر ہے اس میں ہم ڈوب جائیں گے تو اللہ تعالیٰ نے یہ بات نازل کی ﴿لَّا تَخٰفُ دَرَكًا﴾ ''تمہیں پکڑے جانے کا کوئی خوف نہ ہو'' یعنی فرعون والوں سے ﴿وَّلَا تَخْشٰى﴾ ''اور نہ تم ڈرو''

سمندر سے کہ اس میں تم ڈوب جاؤ گے۔(تفسیر جامع البیان:211/16)

(8)بات یہ ہے کہ جب کوئی قوم اللہ تعالیٰ پر توکل کر کے کمر ہمت باندھ لیتی ہے تو باوجود بے سروسامانی کے اللہ تعالیٰ اس کی اعانت فرماتا ہے اور غیب سے اس کے لیے غلبہ واقتدار کے سامان پیدا ہونا شروع ہو جاتے ہیں، دیکھ لیجئے کہ وہ دریا جس نے موسیٰ اور اس کی قوم کو راستہ دے دیا وہ فرعون کے لیے مرگ وہلاکت کا سامان بن گیا۔اس واقعہ سے ظاہر ہے کہ خدائی مدد موسیٰ علیہ السلام کے شامل حال تھی۔دریا کا پانی رک جانا اور اس سے راستہ بن جانا، یہ بہرصورت معجزہ ہے۔عام حالات میں ایسا نہیں ہوتا مگر اللہ تعالیٰ جس نے دریا اور سمندر پیدا کیے ہیں، وہ اگر چاہے تو چشم زدن میں تمام سمندروں کو خشکی سے بدل دے اور لوہے کو پانی کردے۔اس کی قدرت واستطاعت کے سامنے ہر چیز ممکن اور مطیع ہے۔(تفسیر سراج البیان 756/3)

سوال 2:اللہ تعالیٰ نے جادوگروں سے مقابلے کے بعد موسیٰ علیہ السلام کو کیسے سمندر سے گزروا دیا؟

جواب:(1)اللہ تعالیٰ نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا تھا کہ راتوں رات میرے بندوں کو لے چلو۔پیچھے دشمن ہے، آگے سمندر ہے، دائیں بائیں پُر پیچ پہاڑی راستے ہیں۔جائیں تو جائیں کہاں؟ راستہ تو رب بنانے والا ہے۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا:﴿وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا﴾ ''اور جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے، وہ اُس کے لیے نکلنے کا راستہ بنا دیتا ہے۔'' (الطلاق:2)

(2)سمندر میں خشک راستہ بن گیا۔وہ رب کائنات جس کا پانیوں پر حکم چلتا ہے وہ چاہے تو پتھروں کے پہاڑوں کی جگہ پانی کے پہاڑ بنا دے۔

(3)رب العزت نے موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی کی کہ اپنا عصا سمندر پر ماریں، انہوں نے عصا سمندر پر مارا تو وہ پھٹ گیا اور بارہ راستے بن گئے اور پانی راستوں کے اردگرد بلند پہاڑوں کی طرح کھڑا ہو گیا۔اللہ تعالیٰ نے سب راستوں کو خشک کر دیا۔ہاں یہ راستہ ایسے ہی بنا تھا سارا پانی درمیان سے ہٹ گیا، درمیان میں خشک راستہ ہے، نہ دائیں طرف کا پانی آتا ہے، نہ بائیں طرف کا پانی آتا ہے۔اور اردگرد پانی اتنی بڑی مقدار میں ٹھہر گیا جب کہ بظاہر کوئی رکاوٹ نہیں۔قرآن ہمیں بتاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ جب کسی چیز کو روکنا چاہتا ہے تو اس کے لیے آڑ بنا دیتا ہے جو نظر نہیں آتی۔مثلاً سورہ الرحمٰن میں پانیوں کے درمیان کے پردے کا تذکرہ ہے۔﴿بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيٰنِ﴾ ''کہ اُن دونوں کے درمیان پردہ ہے کہ وہ آگے نہیں بڑھتے۔'' (الرحمٰن:20) پردہ نظر نہیں آتا۔

(4)اس راستے سے گزرنے والوں کی کیفیت کیا ہو گی؟ شاید ادھر کا پانی چڑھ آئے یا ادھر کا اور پیچھے دشمن بھی ہے۔اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی واضح کر دیا تھا کہ نہ تم تعاقب کا خوف کھاؤ اور نہ (سمندر سے گزرتے ہوئے) تمہیں ڈر لگے کیونکہ جس رب نے پانیوں میں تمہارے لیے راستہ بنایا ہے وہ تمہارے لیے راستہ بنانا چاہتا ہے اور اس طرح سے اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کے لیے فرعونیت سے بچنے کے لیے راستہ بنا دیا کہ ان کو پکڑے جانے کا خوف بھی نہیں سمندر میں ڈوب جانے کا خوف بھی نہیں ہے۔

﴿فَاَتۡبَعَهُمۡ فِرۡعَوۡنُ بِجُنُوۡدِهٖ فَغَشِيَهُمۡ مِّنَ الۡيَمِّ مَا غَشِيَهُمۡ﴾

''پھر فرعون نے اپنے لشکروں کے ساتھ اُن کا پیچھا کیا تو اُن کو سمندر سے ڈھانپ لیا اس چیز نے جس نے انہیں ڈھانپا'' (78)

سوال 1: ﴿فَاَتۡبَعَهُمۡ فِرۡعَوۡنُ بِجُنُوۡدِهٖ فَغَشِيَهُمۡ مِّنَ الۡيَمِّ مَا غَشِيَهُمۡ﴾ ''پھر فرعون نے اپنے لشکروں کے ساتھ اُن کا پیچھا کیا تو اُن کو سمندر سے ڈھانپ لیا اس چیز نے جس نے انہیں ڈھانپا'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿فَاَتۡبَعَهُمۡ فِرۡعَوۡنُ بِجُنُوۡدِهٖ﴾ ''پھر فرعون نے اپنے لشکروں کے ساتھ اُن کا پیچھا کیا'' سیدنا موسیٰ علیہ السلام جب بنی اسرائیل کو لے کر نکلے تو فرعون پیچ وتاب کھانے لگا۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام اپنے لشکروں کو لے کر سمندر میں بنے ہوئے راستوں میں داخل ہو گئے۔

(2) ﴿فَغَشِيَهُمۡ مِّنَ الۡيَمِّ مَا غَشِيَهُمۡ﴾ ''پھر اُن کو سمندر کے پانی نے ڈھانپ لیا جیسا کہ ڈھانپ لیا'' رب العزت نے سمندر کو حکم دیا تو سمندر نے اتنا پانی فرعونیوں پر چڑھا دیا کہ لشکر موجوں کے تھپیڑے نہ سہہ سکا اور سارا لشکر ڈوب گیا۔ رب العزت نے فرمایا: ﴿وَاِذۡ فَرَقۡنَا بِكُمُ الۡبَحۡرَ فَاَنۡجَيۡنٰكُمۡ وَاَغۡرَقۡنَاۤ اٰلَ فِرۡعَوۡنَ وَاَنۡتُمۡ تَنۡظُرُوۡنَ﴾ ''اور (اس وقت کو یاد کرو) جب تمہاری وجہ سے ہم نے سمندر کو پھاڑ دیا، پھر ہم نے تمہیں نجات دی اور ہم نے آلِ فرعون کو غرق کر دیا اور تم دیکھ رہے تھے۔'' (البقرہ:50) بنی اسرائیل اپنے دشمنوں کو اپنے سامنے ڈوبتا ہوا دیکھ رہے تھے۔ سب سمندر کی تہہ میں پہنچ گئے تو سمندر اسی روانی کے ساتھ بہنے لگا۔ جب سیدنا موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کے ساتھ مکمل طور پر سمندر سے باہر آ گئے تب فرعون کا پورا لشکر سمندر میں داخل ہو چکا تھا۔

سوال 2: فرعون اور اس کے لشکروں کا پیچھا کرنے پر کیا انجام ہوا؟

جواب: (1) فرعون پیچھے لشکر لے کر پہنچا تو سمندر اس پر چھا گیا جیسے کہ چھا جانے کا حق تھا۔

(2) سمندر میں اتنا فہم کہاں سے آ گیا کہ ان لوگوں پر چڑھائی نہیں کرنی اور ان پر چڑھائی کرنی ہے؟ یہ فہم بے جان اشیاء کو بھی وہی دیتا ہے جو اپنی زندہ مخلوقات کو اور انسان کو فہم دینے والا ہے۔ پانی بھی پہچانتا ہے کون رب کا نافرمان ہے اور کون فرماں بردار۔ اللہ تعالیٰ خود پہچان دے دیتا ہے۔ کائنات کی مخلوقات نافرمانوں کی کتنی پہچان رکھتی ہیں۔

(3) سیدنا موسیٰ علیہ السلام اپنے لشکر یعنی بنی اسرائیل کو لے کر جب سمندر سے نکل گئے تو فرعون اور اس کا لشکر سمندر میں داخل ہو گیا عین درمیان میں پہنچے تو دونوں طرف کی لہروں کو حکم ہو گیا اپنی پہلی حالت پر واپس آ جاؤ یوں وہ جو کہتا تھا میں سب سے بڑا رب ہوں اللہ تعالیٰ نے اس کی ربوبیت کا دعویٰ غرق کر دیا۔

(4) رب العزت بتانا چاہتے ہیں کہ دیکھو باطل کا دعویٰ کرنے والے مٹ جایا کرتے ہیں۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ بتاتے ہیں تا کہ لوگ باطل نظریات سے، باطل عقائد سے بچ جائیں اور نہیں پتہ لگ جائے باطل عقیدے کا انجام کیا ہے۔

سوال3: اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر کیا احسانات کیے؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے بنواسرائیل پر بیک وقت تین احسان فرمائے: (i) فرعونیوں سے نجات۔ (ii) سر پر کھڑی موت کے بعد زندگی۔ (iii) دشمن کی مکمل طور پر ہلاکت۔ اور یہ واقعہ دس محرم کو پیش آیا تھا۔ (تیسیر القرآن: 76/3)

﴿وَاَضَلَّ فِرْعَوْنُ قَوْمَهٗ وَمَا هَدٰى﴾

''اور فرعون نے اپنی قوم کو گمراہ کیا اور صحیح راہ نمائی نہ کی'' (79)

سوال1: ﴿وَاَضَلَّ فِرْعَوْنُ قَوْمَهٗ وَمَا هَدٰى﴾ ''اور فرعون نے اپنی قوم کو گمراہ کیا اور صحیح راہ نمائی نہ کی'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَاَضَلَّ فِرْعَوْنُ قَوْمَهٗ﴾ ''اور فرعون نے اپنی قوم کو گمراہ کیا'' یعنی فرعون نے اپنی قوم کو گمراہ کیا اور انہیں کبھی سیدھا راستہ نہ دکھایا۔ (2) فرعون نے ان کو شرک اور بت پرستی کے راستے پر لگا کر گمراہ کیا تھا۔

(3) فرعون نے اپنی قوم کو سیدھے راستے سے ہٹا دیا تھا اور انہیں ایک ایسے راستہ پر چلا دیا تھا جس کا اختتام آگ پر تھا۔ اس نے انہیں اللہ تعالیٰ کے انکار اور رسول کی تکذیب پر لگا دیا تھا۔ قیامت کے دن وہ اپنی قوم کے آگے ہوگا اور انہیں جہنم میں داخل کر دے گا۔

(4) ﴿وَمَا هَدٰى﴾ ''اور اس نے ان کی صحیح راہ نمائی نہ کی'' اس سے مراد یہ ہے کہ انہیں سیدھے راستے پر نہیں چلایا۔ (تفسیر جامع البیان: 212/16)

(5) فرعون سیدھے راستے کو جانتا نہیں تھا چلا کیسے سکتا تھا؟ فرعون راہ نما نہیں تھا لیکن اس کے پاس اختیار اور اقتدار تھا۔ صاحب اقتدار لوگ اگر خود سیدھے راستے پر نہیں چلا سکتے تو کم از کم جو افراد سیدھے راستے کی طرف بلانے والے ہوں ان کو جگہ تو دے سکتے ہیں۔ فرعون نے رسول کے راستے پر چلنے سے روک دیا تھا، رسول کی پیروی سے روک دیا تھا، اس کی تصدیق سے اور اس کی بات ماننے سے روک دیا تھا اس وجہ سے لوگوں نے پیغمبر کی پیروی کرنے کی بجائے فرعون کی پیروی کی۔

(6) اس کے مقابلے میں فرعون نے انہیں کیا احساس دلایا؟ ﴿وَمَآ اَهْدِيْكُمْ اِلَّا سَبِيْلَ الرَّشَادِ﴾ ''میں تو تمہاری بھلائی کے راستے کی طرف ہی راہ نمائی کرتا ہوں۔'' (غافر: 29) یہ وہ جھانسا ہے جو ہر دور کے لیڈر اپنے پیرکاروں کو دیتے رہتے ہیں کہ جس راستے پر ہم چلانا چاہتے ہیں وہی بالکل ٹھیک ہے ساری تحریکیں اسی بنیاد پر چلتی ہیں اور اسی بنیاد پر لوگوں کو گمراہ کیا جاتا ہے۔

﴿يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ قَدْ اَنْجَيْنٰكُمْ مِّنْ عَدُوِّكُمْ وَوٰعَدْنٰكُمْ جَانِبَ الطُّوْرِ الْاَيْمَنَ وَنَزَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى﴾

''اے بنی اسرائیل! یقیناً ہم نے تمہیں تمہارے دشمن سے نجات دلائی اور ہم نے پہاڑ کی دائیں جانب کا تمہیں وعدہ دیا اور ہم نے تم

پر من وسلویٰ نازل کیا'' (80)

سوال1:﴿ یٰبَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ قَدۡ اَنۡجَیۡنٰکُمۡ مِّنۡ عَدُوِّکُمۡ ﴾ ''اے بنی اسرائیل! یقیناً ہم نے تمہیں تمہارے دشمن سے نجات دلائی'' اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو فرعونیوں سے کیسے نجات دلائی؟

جواب: (1)﴿ یٰبَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ قَدۡ اَنۡجَیۡنٰکُمۡ مِّنۡ عَدُوِّکُمۡ ﴾ ''اے بنی اسرائیل! یقیناً ہم نے تمہیں تمہارے دشمن سے نجات دلائی'' اللہ تبارک وتعالیٰ نے بنی اسرائیل کو اپنے احسانات یاد دلائے ہیں کہ تمہارے دشمن کو تمہاری آنکھوں کے سامنے ڈبو دیا۔ تخت اچھالے جاتے ہیں، تاج گرائے جاتے ہیں اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کے اختیار کو دیکھیے، پسی ہوئی قوم اٹھائی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دبی ہوئی، پسی ہوئی قوم کو اس طرح اٹھایا کہ ان کی آنکھوں کے سامنے ان کے دشمن کو غرق کر دیا، یہ بھی دبی ہوئی غلام قوم کے جذبہ وہمت (Moral) کو بلند کرنے کے لیے تھا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں کیا مقام دیا ہے۔ جس نے انہیں صدیوں سے غلام بنا رکھا تھا اس طاقت ور بادشاہ کو اللہ تعالیٰ جب چاہے لمحوں میں سمندر میں غرق کر سکتا ہے۔ طاقت اللہ تعالیٰ کی، قوت اللہ تعالیٰ کی، زور اللہ تعالیٰ کا، فیصلے اللہ تعالیٰ کے، ہدایت بھی اللہ تعالیٰ کی ہے لہٰذا اس کی ہدایت پر چلیں۔

(2)﴿ وَاِذۡ نَجَّیۡنٰکُمۡ مِّنۡ اٰلِ فِرۡعَوۡنَ یَسُوۡمُوۡنَکُمۡ سُوۡٓءَ الۡعَذَابِ یُذَبِّحُوۡنَ اَبۡنَآءَکُمۡ وَیَسۡتَحۡیُوۡنَ نِسَآءَکُمۡ ؕ وَفِیۡ ذٰلِکُمۡ بَلَآءٌ مِّنۡ رَّبِّکُمۡ عَظِیۡمٌ ﴿۴۹﴾ وَاِذۡ فَرَقۡنَا بِکُمُ الۡبَحۡرَ فَاَنۡجَیۡنٰکُمۡ وَاَغۡرَقۡنَاۤ اٰلَ فِرۡعَوۡنَ وَاَنۡتُمۡ تَنۡظُرُوۡنَ ﴾ ''اور (اس وقت کو یاد کرو) جب ہم نے تمہیں آلِ فرعون سے نجات دی، وہ تمہیں برے عذاب میں مبتلا کرتے تھے، وہ تمہارے بیٹوں کو بری طرح ذبح کرتے تھے اور تمہاری عورتوں کو زندہ رہنے دیتے تھے اور تمہارے لئے اس میں تمہارے رب کی طرف سے بہت بڑی آزمائش تھی۔ اور (اس وقت کو یاد کرو) جب تمہاری وجہ سے ہم نے سمندر کو پھاڑ دیا، پھر ہم نے تمہیں نجات دی اور ہم نے آلِ فرعون کو غرق کر دیا اور تم دیکھ رہے تھے۔'' (البقرۃ: 49,50)

(3) سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ جب رسول اللہ ﷺ مدینہ تشریف لائے تو یہودی عاشورہ کا روزہ رکھتے تھے۔ نبی ﷺ نے ان سے اس کے متعلق پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ اس دن سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے فرعون پر غلبہ پایا تھا۔ آپ نے اس پر فرمایا کہ پھر ہم ان کے مقابلے میں سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے زیادہ حق دار ہیں۔ مسلمانو! تم لوگ بھی اس دن روزہ رکھو۔ پھر آپ ﷺ نے یہود کی مشابہت سے بچنے کے لیے اس کے ساتھ ایک روزہ اور ملانے کا حکم صادر فرمایا جو اب بھی مسنون ہے۔ (بخاری: 1130)

سوال2:﴿ وَوٰعَدۡنٰکُمۡ جَانِبَ الطُّوۡرِ الۡاَیۡمَنَ ﴾ ''اور ہم نے پہاڑ کی دائیں جانب کا تمہیں وعدہ دیا'' اللہ تعالیٰ نے طور کی جانب ملاقات کا وعدہ کس مقصد کے لیے دیا تھا؟

جواب: (1) ملاقات کا وعدہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو تورات عطا کرنے کے لیے کیا، جس میں ان کی زندگی، ان کی دنیا اور ان کے دین کا نظام تھا۔

اللہ تعالیٰ نے دشمن سے نجات عطا کر کے دنیاوی نعمت کی تکمیل کی اور تورات عطا کر کے دینی نعمت کی تکمیل کر دی۔

(2) جب کبھی ملاقات ہوتی ہے تو ملاقات کے لیے مقام ضرور طے ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے مقام کا تعین کیا اور وعدہ دیا کہ جب تم بنی اسرائیل کو لے کر آؤ گے تو فلاں جگہ پر ہماری ملاقات ہوگی اور وہ طور کے دائیں کنارے پر (مصر سے نکلتے ہوئے جو دایاں کنارہ تھا وہاں) اب ملاقات ہوگی۔

سوال 3: یہ وعدہ کیوں دیا گیا؟

جواب: (1) اللہ تعالیٰ نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو تربیت کے لیے اور شریعت عطا کرنے کے لیے بلایا تھا تا کہ بنی اسرائیل عالمی کردار ادا کرنے کے لیے منظم ہو جائیں۔ یعنی بنی اسرائیل کے توسط سے پوری دنیا تک اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچے اور بنی اسرائیل سارے جہان والوں کے لیے نمونہ بن جائیں۔

(2) حقیقت یہ ہے کہ شریعت آتی ہی اسی وجہ سے ہے کہ لوگ اس شریعت کو قبول کریں اور اپنی زندگیوں میں نافذ کریں اور جہان والوں تک اس کا پیغام پہنچائیں پھر جہانوں پر اللہ تعالیٰ کی شریعت کو نافذ کر دیں۔

سوال 4: ﴿وَنَزَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى﴾ ''اور ہم نے تم پر من وسلویٰ نازل کیا'' اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے لیے بڑے پیمانے پر خوراک کے لیے من سلویٰ کا انتظام کیا، اس کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَنَزَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى﴾ ''اور ہم نے تم پر من وسلویٰ نازل کیا'' بظاہر پڑھنے میں تو چھوٹی سی بات ہے کہ من اور سلویٰ آیا تھا لیکن بنیادی طور پر یہ لاکھوں کے لشکر کے لئے کھانے کا انتظام تھا۔

(2) اس لشکر میں خوراک کی ترسیل (Transportation) ختم ہوگئی تھی جو مسلسل ایک پریشانی کا عمل تھا کہ اسے کیسے منگوایا جائے، کیسے بنایا جائے، کیسے کھلایا جائے۔ جب کسی بڑی فوج کے لیے کھانے کا انتظام ہوتا ہے تو پیچھے سے رسد پہنچائی جاتی ہے اور یہاں پیچھے تو دشمن تھا وہاں سے کھانے کا انتظام کیسے ہوسکتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ دیکھو تم تو شاہی مہمان بن کر گزر رہے تھے۔ تمہارے لیے شاہی انتظامات کئے گئے۔ اس کے بارے میں انسان جتنا غور وفکر کرتا ہے اور ان انتظامات کے بارے میں جاننے کی کوشش کرتا ہے اتنا ہی اللہ تعالیٰ کی قدرت پر اسے حیرت ہوتی ہے کہ وہ رب کیسا قدیر ہے وہ کیسا اختیار رکھنے والا ہے اور اس کے انتظامات کتنے بے مثال ہیں۔

(3) اس دور میں ممکن نہیں تھا کہ انسان اپنے Tins میں کھانے کو پیک کر لیتے۔ اتنی شدت کی دھوپ تھی کہ کھانا فوراً خراب ہو جائے۔ ان حالات میں اللہ تعالیٰ نے تروتازہ کھانے کا انتظام کر دیا۔ پانیوں پر پرندے آتے ہیں، خشکی پر پرندے نہیں آیا کرتے۔ وہ علاقہ جہاں پانی نہیں تھا وہاں اللہ تعالیٰ کے حکم سے پرندوں کے جھنڈ کے جھنڈ اس لشکر کے لیے آتے تھے۔

(4) ''سلویٰ'' بیٹر جتنے پرندے تھے اور پھر من جیسی سویٹ ڈش بھی عطا کی۔ رات کو یہ سوتے تھے اور پتوں پہ یہ دھنیے جیسے چھوٹے

دانے جمے ہوتے جن کو بنی اسرائیل وہاں سے اتارتے اور کھا لیتے۔

(5) ان کا سفر جاری تھا ایک مقام پر ٹھہرنا نہیں تھا۔ اس انتظام کا ایک خوبصورت پہلو یہ بھی ہے کہ اس میں نہ برتن چاہیے تھے، نہ برتنوں کی دھلائی چاہیے تھی، نہ کھانا کھلانے کے لیے دسترخوان بچھانے کی ضرورت تھی، نہ گاڑیوں کی، کہ پیچھے سے کھانا آئے نہ پیچھے سے مال چاہیے کہ اتنے بڑے پیمانے پر گوشت مہیا کرسکیں جیسا کہ یہود کے مقدس دینی ادب سے پتہ چلتا ہے کہ تقریباً یہ چھ لاکھ کے قریب لوگ تھے کم ہوں یا زیادہ، آسمان پر جھنڈ کے جھنڈ آتے ہوں گے گویا بادلوں کا سایہ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے ان احسانات کو یاد دلایا ہے چونکہ عالمی کردار ادا کرنے کے لیے بنی اسرائیل کو تیار کرنا تھا اس لیے ایک پسی ہوئی قوم کو اللہ تعالیٰ مشکل حالات سے گزار رہے ہیں تا کہ وہ بڑی ذمہ داری ادا کرنے کے قابل ہو جائیں۔

سوال 5: اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو کون سے احسانات یاد دلائے ہیں؟

جواب (1) اللہ تعالیٰ نے تمہیں تمہارے دشمن سے نجات دی۔

(2) اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو تربیت کے لیے بلایا تھا۔

(3) اور انہیں شریعت عطا کی تھی تا کہ بنی اسرائیل عالمی کردار کے لیے منتظم ہوں۔

(4) اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے من وسلویٰ نازل کیا تھا۔

سوال 6: بنی اسرائیل کے سفر سے ہمیں کیا سبق ملتا ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو کوئی چیز ذخیرہ نہیں کرنے دی۔ اس سے ہمیں یہ بہت بڑا پیغام ملتا ہے کہ بڑے مشن پر کام کرنے والے افراد اپنے لیے ذخیرہ کرنے لگیں تو آگے نہیں بڑھ سکتے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر تم اللہ تعالیٰ پر توکل کرو، جس طرح توکل کرنے کا حق ہے تو تم کو بھی ایسے رزق دیا جائے جیسا کہ پرندوں کو دیا جاتا ہے۔ صبح کو وہ گھونسلوں سے خالی پیٹ نکلتے ہیں۔ اور شام کو سیر ہو کر لوٹتے ہیں۔ (ترمذی:2344)

﴿كُلُوا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَلَا تَطْغَوْا فِيْهِ فَيَحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبِيْ ۚ وَمَنْ يَّحْلِلْ عَلَيْهِ غَضَبِيْ فَقَدْ هَوٰى﴾

''کھاؤ پاک چیزوں میں سے جو ہم نے تمہیں رزق دیا اور اس میں حد سے نہ بڑھو ورنہ میرا غضب تم پر ٹوٹ پڑے گا اور جس پر میرا غضب ٹوٹا تو یقیناً وہ ہلاک ہوا'' (81)

سوال 1: ﴿كُلُوا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَلَا تَطْغَوْا فِيْهِ فَيَحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبِيْ ۚ وَمَنْ يَّحْلِلْ عَلَيْهِ غَضَبِيْ فَقَدْ هَوٰى﴾ ''کھاؤ پاک چیزوں میں سے جو ہم نے تمہیں رزق دیا اور اس میں حد سے نہ بڑھو ورنہ میرا غضب تم پر ٹوٹ پڑے گا اور جس پر

میرا غضب ٹوٹا تو یقیناوہ ہلاک ہوا'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿كُلُوا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ﴾ ''کھاؤ پاک چیزوں میں سے جو ہم نے تمہیں رزق دیا'' یعنی جو طیب کھانا ہم نے تمہیں عطا کیا ہے اسے کھاؤ اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو۔ (2) اللہ رب العزت نے انسان کو عزت دی ہے کہ وہ پاک چیزیں کھائے۔

(3) یعنی جو روزی ہم نے تمہیں دے رکھی ہے اس میں سے کھاؤ اور میرے عطا کردہ رزق میں حد سے آگے نہ بڑھو کہ بلا ضرورت پرندے پکڑ لو اور میرے حکم کی خلاف ورزی کرو ورنہ میں تم سے ناراض ہو جاؤں گا اور میری ناراضی شقاوت کا باعث ہے۔ (مختصر ابن کثیر: 1180/2)

(4) ﴿وَلَا تَطْغَوْا فِيْهِ﴾ ''اور اس میں حد سے نہ بڑھو'' میرے رزق میں سرکشی نہ کرو کہ اللہ تعالیٰ کی حد کو پار کر جاؤ یا کفرانِ نعمت کرو یا اللہ تعالیٰ کی شریعت کے احکامات بدل دو یا تم ایک دوسرے پر ظلم کرنے لگو۔ (تفسیر الاساس: 3378/7)

(5) یعنی اتنا پیٹ بھر کر نہ کھاؤ کہ تمہیں اللہ تعالیٰ کی یاد ہی نہ آئے کیونکہ پیٹ بھر کر کھانا انسان کو غافل کر دیتا ہے۔ (تفسیر السلمی: 446/1)

(6) سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ یہ جو بات کہی ﴿وَلَا تَطْغَوْا فِيْهِ﴾ تو اس کا مطلب ہے کہ تم اس معاملے میں ظلم نہ کرو اور کفرانِ نعمت نہ کرو کیونکہ کفرانِ نعمت اور ظلم کر کے تم سرکشوں میں ہو جاؤ گے۔ اور خاص بات ہے کہ حلال اور پاک چیزیں کھا کر میری دی ہوئی غذاؤں سے قوت حاصل کر کے میری نافرمانی کے کام نہ کرو یہ سرکشی ہے اور ایک اور بات بھی کہی گئی کہ تم ذخیرہ نہ کرو۔ (تفسیر الخازن: 209/3)

(7) یعنی جو رزق ہم نے تمہیں دیا ہے اس پر شکر ادا کرو، زیادتی نہ کرو، اللہ تعالیٰ کی حدود سے تجاوز نہ کرو جیسے اسراف ہے یا اترا ہٹ یا اسی طرح سے مستحق سے روک دینا ہے۔

(8) ﴿فَيَحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبِيْ﴾ ''ورنہ میرا غضب تم پر ٹوٹ پڑے گا'' سرکشی کرنے والوں کی سزا اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اور اس کے غضب کے سوا کچھ نہیں۔

(9) ﴿وَمَنْ يَّحْلِلْ عَلَيْهِ غَضَبِيْ فَقَدْ هَوٰى﴾ ''اور جس پر میرا غضب ٹوٹا تو یقیناوہ ہلاک ہوا'' یعنی جس پر میرا غضب نازل ہوا وہ ہلاک اور خائب و خاسر ہوا کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور احسان سے محروم ہو گیا و راس کی ناراضی اور خسارہ اس کے حصے میں آیا۔ (تفسیر سعدی: 1630/2)

(10) اللہ تعالیٰ نے یہ واضح کیا کہ دیکھو فرعون سرکش تھا، اللہ تعالیٰ نے اُسے کیسے گرا دیا۔ وہ اپنے آپ کو بڑا سمجھتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے سمندر میں ڈبو کر بعد میں آنے والوں کو تکبر اور سرکشی کا انجام دکھایا ہے تا کہ وہ عبرت حاصل کریں۔

سوال 2: اللہ تعالیٰ نے انعامات یاد دلا کر بنی اسرائیل کو کیا نصیحت کی؟

جواب: (1) اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو نصیحت کی کہ پاک چیزیں کھاؤ لیکن سرکشی نہ کرو ورنہ تم پر میرا غضب نازل ہوگا۔ جس پر میرا غضب نازل ہوگا وہ تباہ ہو جائے گا اور جو ایمان لا کر نیک عمل کرنے والا ہو اس کے لیے میں بہت درگزر کرنے والا ہوں۔

(2) پاک چیزیں کھاؤ، یہ انسان کا اعزاز ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کے لیے پاک اور زیادہ کو الٹی کی چیزیں رکھی ہیں لیکن رویہ بھی کوالٹی کا

چاہیے اور وہ کیا ہے؟ سرکشی نہ کرو۔

سوال3: اللہ تعالیٰ نے سرکشوں کے انجام کے بارے میں بتایا ہے کہ ان پر میرا غضب ٹوٹا اور وہ گر کر رہ ہے، اس کی وضاحت کریں؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے یہ واضح کیا کہ دیکھو فرعون سرکش تھا اللہ تعالیٰ نے اُسے کیسے گرا دیا۔ وہ اپنے آپ کو بڑا سمجھتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو سمندر میں ڈبو کر بعد میں آنے والوں کو تکبر اور سرکشی کا انجام دکھایا ہے تا کہ وہ عبرت حاصل کریں۔

سوال4: سرکش کون ہوتا ہے؟

جواب: سرکش وہ ہے (i) جو حلال کو چھوڑ کر حرام کی طرف لپکے۔ (ii) جو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا انکار کرے۔ (iii) جو کفران نعمت کرے۔

﴿وَاِنِّیۡ لَغَفَّارٌ لِّمَنۡ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهۡتَدٰی﴾

''اور بلاشبہ جس شخص نے توبہ کی اور ایمان لایا اور نیک عمل کیے، پھر سیدھی راہ پر چلا، تو یقیناً میں بہت بخشنے والا ہوں'' (82)

سوال1: ﴿وَاِنِّیۡ لَغَفَّارٌ لِّمَنۡ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهۡتَدٰی﴾ ''اور بلاشبہ جس شخص نے توبہ کی اور ایمان لایا اور نیک عمل کیے، پھر سیدھی راہ پر چلا، تو یقیناً میں بہت بخشنے والا ہوں'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَاِنِّیۡ لَغَفَّارٌ﴾ ''تو یقیناً میں بہت بخشنے والا ہوں'' یعنی میں کثرت سے بخشنے والا ہوں، اپنے بندوں کو عذاب سے بچانے والا ہوں جب کہ وہ عذاب کے مستحق ہو چکے ہوں اور ان کے گناہوں سے درگزر کرنے والا ہوں۔

(2) ﴿لِّمَنۡ تَابَ﴾ ''اس شخص کے لیے جس نے توبہ کی'' یعنی جس نے شرک سے اجتناب کیا۔

(3) ﴿وَاٰمَنَ﴾ ''اور ایمان لایا'' یعنی کفر و شرک اور فسق و فجور سے توبہ کر کے اللہ تعالیٰ، اس کے فرشتوں، اس کے رسولوں، اس کی کتابوں اور آخرت کے دن پر اور تقدیر پر ایمان لے آیا۔

(4) ﴿وَعَمِلَ صَالِحًا﴾ ''اور نیک عمل کیے'' یعنی جس نے اپنے عمل کو اللہ تعالیٰ کے لیے خالص کر لیا اور نبی ﷺ کی سنت کے مطابق عمل کیا اور اپنے عمل میں اخلاص پیدا کر لیا رب العزت اس کو عذاب سے بچا لیں گے، ان کے گناہوں سے درگزر کریں گے اور انہیں بخش دیں گے۔

(5) ﴿ثُمَّ اهۡتَدٰی﴾ ''پھر سیدھی راہ پر چلا'' ربیع بن انس کہتے ہیں جس نے نبی ﷺ کی سنت کو لازم پکڑ لیا۔ (جامع البیان:213,214/16)

(6) قتادہ کہتے ہیں اس نے اسلام کو لازم پکڑ لیا پھر وہ اسی اسلام پر رہا۔ (جامع البیان:213,214/16)

سوال2: انسان اپنی غلطی سے نیکی اور ہدایت تک کا سفر کیسے کرتا ہے؟

جواب: (1) ایسا نہیں ہے کہ ایک بار انسان ہدایت کی طرف آئے تو وہ ہمیشہ ہی اسی طرف رہے گا۔ انسان اپنی زندگی میں مستقل سفر کرتا ہے اور اگر وہ ہدایت کا سفر نہیں کرتا تو گمراہی کا سفر تو ہو ہی رہا ہے۔ انسان ہدایت کے راستے پہ چلتے ہوئے خطا کر جاتا ہے۔ جب اس

سے گناہ ہوتا ہے تو پورے انسان کے عمل میں خرابی آ جاتی ہے۔ جس وقت انسان غلطی کرتا ہے اس وقت کی کیفیت ایسی ہوتی ہے کہ یوں لگتا ہے پورے کا پورا انسان خالی ہو گیا۔ پھر وہ نماز پڑھے تو نماز بھی خالی ہے، ذکر کرے تو وہ بھی خالی ہے، پھر وہ دعائیں مانگے تو وہ بھی خالی ہیں۔ پھر وہ کوئی نیکی کا کام کرنا چاہے صدقہ وخیرات کرنا چاہے تو وہ بھی خالی۔ جب تک وہ غلطی سے نکل نہیں جاتا اس وقت تک اس کی ذات کے اندر خلا پیدا ہوتا رہتا ہے۔ شیطان کے لیے یہ خلا بہت مؤثر ہے کیونکہ وہ ذات کے خلاء کو پر کرنے کے لیے انسان کو کھینچتا ہے۔ انسان بے کلی اور عجیب سا اضطراب محسوس کرتا ہے، اسے سمجھ نہیں آتی کیا کروں، کیا نہ کروں، کسی چیز میں دل نہیں لگتا۔ ہر کام بے دلی سے کرتا ہے۔ اسے پتہ نہیں چلتا۔ حقیقتاً وہ اندر سے اللہ تعالیٰ کے تعلق کو گم کر بیٹھتا ہے۔ وہ ٹوٹ جاتا ہے اور اندھیروں میں آ جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ الغفار ہے، الغفور ہے وہ بخشنے کے لیے تیار ہے لیکن اس کے لیے بندہ خود کوشش کرے اور مغفرت والے اعمال کرے۔

(2) انسان سے اپنی زندگی میں غلطیاں ہوتی ہیں۔ کبھی اجتماعی معاملات میں غلطیاں ہو جاتی ہیں، کبھی کسی کے حق میں کمی ہو جاتی ہے۔ اس کو چین نہیں ملتا، سمجھ نہیں آتی کہ اب کیا کروں۔ فرض کریں ایک انسان اللہ تعالیٰ کی طرف جانے کے لیے نیکی کا سفر طے کر رہا ہے۔ کہیں نمازیں، کہیں ذکر اذکار، کہیں صدقہ وخیرات، کہیں حقوق وفرائض کی ادائیگی کا سلسلہ ہے جو ہر جگہ پر ہی جاری رہتا ہے۔ یہ نیکیوں کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر ہے۔ اس کے توسط سے انسان کے اندر قوت رہتی ہے اور وہ ہدایت کے راستے پر آگے بڑھتا چلا جاتا ہے۔ یہ ہدایت کا سفر ہے۔ جتنی نیکیاں انسان کی طرف سے ہوتی رہتی ہیں ان نیکیوں کے توسط سے ہدایت کا راستہ کھلا رہتا ہے۔ جب غلطی ہوتی ہے تو انسان سرکشی تک آ جاتا ہے۔ جیسے پانی کے آگے رکاوٹ کھڑی کریں تو وہ دوسری طرف سے حد سے نکلنا شروع ہو جاتا ہے۔ اپنی حد اور دائرے سے باہر نکلنا ہی سرکشی ہے۔ یوں انسان ایک غلطی سے حد سے باہر نکلنے لگتا ہے۔ اب اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ اس غلطی کو ختم کر لیں تا کہ حد کے اندر رہیں۔ اب ایک انسان کو ندامت ہے کہ یہ میرے ساتھ کیا ہو گیا؟ اس ندامت کی وجہ سے وہ اللہ تعالیٰ کے آگے عاجزی سے جھک جاتا ہے۔ جب وہ اللہ تعالیٰ کا دامن تھام لیتا ہے، اپنے معاہدے کو دہراتا ہے پھر وہ نیک عمل کرتا رہتا ہے۔

﴿وَمَآ اَعۡجَلَكَ عَنۡ قَوۡمِكَ يٰمُوۡسٰى﴾

''اور کیا چیز تمہیں اپنی قوم سے جلدی لے آئی اے موسیٰ؟'' (83)

سوال 1: ﴿وَمَآ اَعۡجَلَكَ عَنۡ قَوۡمِكَ يٰمُوۡسٰى﴾ ''اور کیا چیز تمہیں اپنی قوم سے جلدی لے آئی اے موسیٰ'' سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے طور کی جانب جانے کی جلدی کیوں کی تھی؟

جواب: (1) ﴿وَمَآ اَعۡجَلَكَ عَنۡ قَوۡمِكَ يٰمُوۡسٰى﴾ ''اور کیا چیز تمہیں اپنی قوم سے جلدی لے آئی اے موسیٰ'' سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو طور پر تورات عطا کی جانی تھی جس کے لیے پوری قوم کو ساتھ لے کر جانا تھا لیکن وہ جلدی کر کے مقررہ دن سے پہلے پہنچ گئے۔ اللہ تعالیٰ سے

ملاقات کے شوق میں قوم کو پیچھے چھوڑ گئے تو رب العزت نے سوال کیا۔

(2) اے موسیٰ تجھے اپنی قوم سے کیا چیز جلدی لے آئی؟ یعنی کیوں جلدی آ گئے ہو؟ ابھی تو آنے کا وقت نہیں ہوا۔ اگر دیر سے آنا جرم ہے تو وقت سے پہلے آ جانا بھی بعض اوقات جرم بن جاتا ہے کہ جب حاضری کا وقت نہیں آیا تو پہلے کیوں آن پہنچے جب کہ قوم پیچھے ہے، قوم کو لے کر آتے تو وقت پر پہنچ جاتے۔

﴿قَالَ هُمۡ اُولَاۤءِ عَلٰۤى اَثَرِىۡ وَعَجِلۡتُ اِلَيۡكَ رَبِّ لِتَرۡضٰى﴾

''موسیٰ نے کہا: ''وہ لوگ میرے نشانِ قدم پر ہی ہیں اور اے میرے رب! میں جلدی آپ کی طرف آ گیا تا کہ آپ راضی ہو جائیں'' (84)

سوال1: ﴿قَالَ هُمۡ اُولَاۤءِ عَلٰۤى اَثَرِىۡ وَعَجِلۡتُ اِلَيۡكَ رَبِّ لِتَرۡضٰى﴾ ''موسیٰ نے کہا: ''وہ لوگ میرے نشانِ قدم پر ہی ہیں اور اے میرے رب! میں جلدی آپ کی طرف آ گیا تا کہ آپ راضی ہو جائیں'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿قَالَ هُمۡ اُولَاۤءِ عَلٰۤى اَثَرِىۡ﴾ ''موسیٰ نے کہا: ''وہ لوگ میرے نشانِ قدم پر ہی ہیں'' موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا: قوم میرے پیچھے پیچھے ہی آ رہی ہے وہ طور کے قریب پہنچ ٹھہر جائیں گے۔

(2) ﴿وَعَجِلۡتُ اِلَيۡكَ رَبِّ لِتَرۡضٰى﴾ ''اور اے میرے رب! میں جلدی آپ کی طرف آ گیا تا کہ آپ راضی ہو جائیں'' موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا کہ اے میرے رب! میں ان سے جلدی اس لیے آ گیا ہوں کہ میں تیری خوشی، تیری رضا اور تیری ملاقات کا شوق رکھتا ہوں اور یہ چاہتا ہوں کہ مجھے تیرا قرب ملے اور تو مجھ سے راضی ہو جائے۔

(3) سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے رب سے ملاقات کے اور رب کی باتیں سننے کے شوق میں عجلت کی تھی۔ وہ اپنی قوم کے ستر سرداروں کو لے کر آ رہے تھے۔ یہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے اپنی طرف سے اجتہاد کیا تھا لیکن اس اجتہاد میں خطا تھی اس وجہ سے ان پر عتاب ہوا کہ عجلت دین میں پسندیدہ چیز نہیں ہے۔

(4) رب العزت نے فرمایا: ﴿وَسَارِعُوۡۤا اِلٰى مَغۡفِرَةٍ مِّنۡ رَّبِّكُمۡ وَجَنَّةٍ عَرۡضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالۡاَرۡضُۙ اُعِدَّتۡ لِلۡمُتَّقِيۡنَ﴾ اور اپنے رب کی مغفرت اور جنت کی طرف دوڑو جس کی وسعت آسمانوں اور زمین جتنی ہے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والوں کے لیے تیار کی گئی ہے۔ (آل عمران: 133)

سوال2: دین میں شوق کا کیا مقام ہے؟

جواب: (1) شوق وہ چنگاری ہے جو دل کو گرمائے رکھتی ہے۔ وہ لپٹ ہے جو شمع قلب سے اُٹھتی ہے۔ شوق ہی اعضاء و جوارح سے اعمال

کرواتا ہے اور شوق ہی اعمال میں مداومت پیدا کرتا ہے۔شوق ہی ہے جو آلائے اخروی کو نعیم دنیوی سے بھی قریب تر دکھلاتا ہے اور شوق ہی ہے جو ہر ایک شکستہ پر کو مائل پرواز رکھتا ہے۔شوق ہی ہے جو غاروں کی گہرائی کو ناپتا ہے۔

(2) یہ شوق ہی ہے جو محبت صادق کی راہ میں مشعل افروزی کرتا ہے اور یہ شوق ہے جو کسی درمیانی منزل پر محبت آبلہ پا کو آرام نہیں لینے دیتا۔ یہ یاد رکھنا چاہئے کہ مقدار شوق، مقدار محبت پر مبنی ہے یہ محال ہے کہ فراوانی محبت میں شوق قاصر پایا جائے یا کمی محبت کی صورت میں شوق کثیر الوجدان ہو۔سچ ہے کہ سالک کے لئے شوق سے بڑھ کر اور کوئی سواری نہیں۔یہ وہی مرکب ہے جو گھاٹیوں کو پھاندتا ہے اور امتحان کے خطرناک پل سے صاف گزرتا ہوا جنت اللقاء تک پہنچا دیتا ہے۔''فَطُوْبٰی لِلْمُشْتَاقِیْنَ وَطُوْبٰی لِلْمُحِبِّیْنَ'' (رحمۃ للعلمین:263,264)

(3) اللہ تعالیٰ نے شوق کو سیدنا موسیٰ علیہ السلام میں مجسم کر کے دکھایا ہے اور نبی ﷺ نے شوق کو ایک سواری کی صورت بتایا ہے ﴿وَالشَّوْقُ مَرْکَبِیْ﴾ ''شوق میری سواری ہے'' (رحمۃ للعالمین) کہ شوق گویا ایک سواری ہے جس میں سوار ہو کر انسان یہ سفر طے کرتا ہے۔سچی بات یہ ہے کہ اسلام کا سفر شوق کے بغیر ہو نہیں سکتا۔ویسے تو دنیا میں کوئی سفر بھی شوق کے بغیر نہیں ہو سکتا۔بلکہ کوئی کام بھی شوق کے بغیر نہیں ہو سکتا۔

(4) نبی ﷺ کی دعا:﴿اَسْاَلُكَ لَذَّةَ النَّظَرِ اِلٰی وَجْهِكَ وَالشَّوْقَ اِلٰی لِقَائِكَ﴾''تیرے چہرے پر نگاہ ڈالنے کی لذت اور تیرے لقاء کے شوق کا سوال کرتا ہوں۔'' (مسند احمد)

(5) شوق آثار محبت میں سے ایک اثر کا نام ہے۔اس کا درجہ اصل محبت سے کمتر ہے کیونکہ شوق محبت ہی سے پیدا ہوتا ہے۔

(6) شوق ہے جو انسان کے اعمال کو بہت زیادہ منظم کر دیتا ہے۔نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جو شخص اللہ تعالیٰ سے ملنے کو پسند کرتا ہے اللہ تعالیٰ بھی اس سے ملنے کو پسند کرتا ہے اور جو شخص اللہ تعالیٰ سے ملنے کو ناپسند کرتا ہے اللہ تعالیٰ بھی اس سے ملنے کو ناپسند کرتا ہے۔(بخاری:6508)

﴿قَالَ فَاِنَّا قَدْ فَتَنَّا قَوْمَكَ مِنْۢ بَعْدِكَ وَاَضَلَّهُمُ السَّامِرِيُّ﴾

''اللہ تعالیٰ نے فرمایا:''پھر بلاشبہ ہم نے یقیناً تمہارے بعد تمہاری قوم کو آزمائش میں ڈال دیا اور سامری نے اُن کو گمراہ کر دیا ہے''(85)

سوال1:﴿قَالَ فَاِنَّا قَدْ فَتَنَّا قَوْمَكَ مِنْۢ بَعْدِكَ وَاَضَلَّهُمُ السَّامِرِيُّ﴾''اللہ تعالیٰ نے فرمایا:''پھر بلاشبہ ہم نے یقیناً تمہارے بعد تمہاری قوم کو آزمائش میں ڈال دیا اور سامری نے اُن کو گمراہ کر دیا ہے''بنی اسرائیل کو اللہ تعالیٰ نے کیسے فتنے میں مبتلا کیا؟

جواب:(1)﴿قَالَ فَاِنَّا قَدْ فَتَنَّا قَوْمَكَ مِنْۢ بَعْدِكَ﴾''اللہ تعالیٰ نے فرمایا:''پھر بلاشبہ ہم نے یقیناً تمہارے بعد تمہاری قوم کو آزمائش میں ڈال دیا''بنی اسرائیل کو سامری نامی شخص نے بچھڑا پوجنے پر لگا دیا۔اس فتنے کو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف منسوب کیا اور اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو خبر دے دی تھی کہ میں نے تیری قوم کو فتنے میں مبتلا کر دیا۔

(2)﴿وَاَضَلَّهُمُ السَّامِرِيُّ﴾ ''اور سامری نے اُن کو گمراہ کر دیا ہے''یعنی ہدایت کے راستے سے ہٹا دیا ہے اور غیر اللہ کی عبادت پر لگا

دیا ہے۔

سوال 2: جو فتنہ تو سامری نے کھڑا کیا اسے اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف کیسے منسوب کر لیا؟

جواب: اس دنیا میں جو کچھ ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کے فیصلوں سے ہوتا ہے۔ آزمائش جب بھی آتی ہے، اللہ تعالیٰ کے فیصلے سے آتی ہے۔ آزمائش اور امتحان کسی کے لیے خوشگوار نہیں ہوتا لیکن اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ اس کے ذریعے سے ایمان والوں کو آزمالیا جائے کہ کون کہاں Stand کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو سامری کے توسط سے آزمالیا۔

سوال 3: سامری نے لوگوں کو بچھڑا پوجنے پر لگا دیا تو اس نے اللہ تعالیٰ کی مرضی پوری کی پھر سامری مجرم کیسے ہو گیا؟

جواب: سامری سے اللہ تعالیٰ کا یہ مطالبہ نہیں تھا کہ وہ بچھڑا بنا کر اس کی پوجا کروائے۔ وہ مجرم بن گیا۔ اس نے اپنی Free will سے، اپنی خواہش سے، اپنی چاہت سے اس راستے کو اختیار کیا تو جب اس نے بچھڑا بنایا اور لوگوں کو اس کی پوجا پر لگا دیا تو وہ مجرم بن گیا۔ وہ چاہتا تو نہ بناتا۔ وہ مجبور نہیں تھا۔ مجبوری میں امتحان نہیں ہوتا۔ اختیار کی آزمائش ہے۔ اس اختیار میں وہ ناکام ہو گیا اور قوم کو بھی اپنے پیچھے لگا لیا۔

﴿فَرَجَعَ مُوْسٰۤى اِلٰى قَوْمِهٖ غَضْبَانَ اَسِفًا ۚ قَالَ يٰقَوْمِ اَلَمْ يَعِدْكُمْ رَبُّكُمْ وَعْدًا حَسَنًا ۬ؕ اَفَطَالَ عَلَيْكُمُ الْعَهْدُ اَمْ اَرَدْتُّمْ اَنْ يَّحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَخْلَفْتُمْ مَّوْعِدِيْ﴾

''تو موسیٰ غضبناک افسوس کرتا ہوا اپنی قوم کی طرف لوٹا۔ اُس نے کہا: ''اے میری قوم! کیا تمہارے رب نے تم سے اچھا وعدہ نہیں کیا تھا تو کیا تم پر لمبا زمانہ گزر گیا تھا؟ یا تم چاہتے ہو کہ تم پر تمہارے رب کی طرف سے غضب ٹوٹ پڑے؟ تو تم نے مجھ سے وعدہ خلافی کی'' (86)

سوال 1: ﴿فَرَجَعَ مُوْسٰۤى اِلٰى قَوْمِهٖ غَضْبَانَ اَسِفًا ۚ قَالَ يٰقَوْمِ اَلَمْ يَعِدْكُمْ رَبُّكُمْ وَعْدًا حَسَنًا ۬ؕ اَفَطَالَ عَلَيْكُمُ الْعَهْدُ اَمْ اَرَدْتُّمْ اَنْ يَّحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَخْلَفْتُمْ مَّوْعِدِيْ﴾ ''تو موسیٰ غضبناک افسوس کرتا ہوا اپنی قوم کی طرف لوٹا۔ اُس نے کہا: ''اے میری قوم! کیا تمہارے رب نے تم سے اچھا وعدہ نہیں کیا تھا تو کیا تم پر لمبا زمانہ گزر گیا تھا؟ یا تم چاہتے ہو کہ تم پر تمہارے رب کی طرف سے غضب ٹوٹ پڑے؟ تو تم نے مجھ سے وعدہ خلافی کی'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿فَرَجَعَ مُوْسٰۤى اِلٰى قَوْمِهٖ غَضْبَانَ اَسِفًا﴾ ''تو موسیٰ غضبناک افسوس کرتا ہوا اپنی قوم کی طرف لوٹا'' اللہ تعالیٰ نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو سامری کے فتنے کی اطلاع دے دی تھی۔ وہ شدید غصے میں قوم کی طرف لوٹے۔

(2) یہاں غصے کے لئے لفظ استعمال ہوا ''اسفا'' یہ قوم کے مقابلے میں سیدنا موسیٰ علیہ السلام کا رویہ ہے۔ وہ قوم پر غیظ وغضب میں لوٹے تھے۔

اس غیظ وغضب میں حزن بھی تھا۔ ایمان کے بعد کفر کی طرف پلٹ جانے پر جو حزن اس کو لاحق ہوسکتا ہے جس نے اسلام کا راستہ دکھایا ہو اس کو سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی زندگی میں دیکھ سکتے ہیں۔ انہیں غم ہے، انہیں غصہ ہے اسی وجہ سے ''اسفا'' کا لفظ استعمال ہوا جس میں دونوں چیزیں اکٹھی آ جاتی ہیں۔

(3)﴿قَالَ يٰقَوْمِ اَلَمْ يَعِدْكُمْ رَبُّكُمْ وَعْدًا حَسَنًا﴾ ''اُس نے کہا: ''اے میری قوم! کیا تمہارے رب نے تم سے اچھا وعدہ نہیں کیا تھا'' ﴿وَعْدًا حَسَنًا﴾ اچھے وعدے سے مراد تورات عطا کرنے کا وعدہ تھا جو ان کے لیے نظام حیات اور شریعت تھی۔

(4) سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے یہ کہا تھا: ﴿اَفَطَالَ عَلَيْكُمُ الْعَهْدُ اَمْ اَرَدْتُّمْ اَنْ يَّحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ﴾ ''کیا تمہارے رب نے تم سے اچھا وعدہ نہیں کیا تھا تو کیا تم پر لمبا زمانہ گزر گیا تھا؟ یا تم چاہتے ہو کہ تم پر تمہارے رب کی طرف سے غضب ٹوٹ پڑے؟'' یہ بتاؤ کہ کیا تم نے یہ ارادہ کرلیا کہ اللہ تعالیٰ کا غضب تم پر ٹوٹ پڑے یعنی تم نے میرا انتظار تک نہیں کیا اور اللہ تعالیٰ کے غضب کو آواز دے دی، تم نے بچھڑے کو پوجا اور اللہ تعالیٰ کا کفر کیا۔

(5)﴿فَاَخْلَفْتُمْ مَّوْعِدِيْ﴾ ''پھر تم نے میرے وعدے کی خلاف ورزی کی'' تم نے میرا انتظار نہ کیا اور ہارون کا احترام نہ کیا۔
(تفسیر جامع البیان: 216/16)

سوال 2: سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے کیا کہا؟

جواب: سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا کہ تمہارے رب نے تم پر اتنی مہربانیاں کی ہیں اور تم سب بھول کر گمراہی میں پڑ گئے۔ کیا تمہیں دن لگ گئے ہیں؟ کیا تم سے اچھے وعدے نہ کیے گئے تھے؟ تم نے مجھ سے وعدہ خلافی کیوں کی؟ کیا تم اپنے رب کا غضب ہی لانا چاہتے تھے؟

سوال 3: بنی اسرائیل نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام سے کیا وعدے کیے تھے؟

جواب: بنی اسرائیل نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام سے طور کی واپسی تک اطاعت کا وعدہ کیا تھا۔

سوال 4: قوم بنی اسرائیل فتنے میں کیوں مبتلا ہوگئی تھی؟

جواب: بنی اسرائیل مصر میں رہتے رہتے غلامی کے خوگر ہو گئے تھے۔ وہ مصر کے ماحول سے متاثر تھے اور ان کے اندر سے اعلیٰ خصوصیات ختم ہوگئی تھیں اس لیے وہ فتنے میں مبتلا ہو گئے۔

﴿قَالُوْا مَآ اَخْلَفْنَا مَوْعِدَكَ بِمَلْكِنَا وَلٰكِنَّا حُمِّلْنَآ اَوْزَارًا مِّنْ زِيْنَةِ الْقَوْمِ فَقَذَفْنٰهَا فَكَذٰلِكَ اَلْقَى السَّامِرِيُّ﴾

''اُنہوں نے کہا: ''ہم نے اپنے اختیار سے آپ کے ساتھ وعدہ خلافی نہیں کی بلکہ قوم کے زیورات کے بوجھ ہم پر لاد دیے گئے تو ہم

نے انہیں پھینک دیا، پھر اسی طرح سامری نے بھی کچھ ڈالا‘‘ (87)

سوال1:﴿قَالُوۡا مَاۤ اَخۡلَفۡنَا مَوۡعِدَكَ بِمَلۡكِنَا وَلٰـكِنَّا حُمِّلۡنَاۤ اَوۡزَارًا مِّنۡ زِيۡنَةِ الۡقَوۡمِ فَقَذَفۡنٰهَا فَكَذٰلِكَ اَلۡقَى السَّامِرِىُّ﴾ ’’انہوں نے کہا: ’’ہم نے اپنے اختیار سے آپ کے ساتھ وعدہ خلافی نہیں کی بلکہ قوم کے زیورات کے بوجھ ہم پر لاد دیے گئے تو ہم نے انہیں پھینک دیا، پھر اسی طرح سامری نے بھی کچھ ڈالا‘‘ اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿قَالُوۡا مَاۤ اَخۡلَفۡنَا مَوۡعِدَكَ بِمَلۡكِنَا﴾ ’’انہوں نے کہا: ’’ہم نے اپنے اختیار سے آپ کے ساتھ وعدہ خلافی نہیں کی‘‘ سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے جب اپنی قوم کو بیدار کرنے کی کوشش کی تو انہوں نے جواب دیا کہ ہم نے اپنے اختیار سے وعدہ خلافی نہیں کی۔

(2)﴿وَلٰـكِنَّا حُمِّلۡنَاۤ اَوۡزَارًا مِّنۡ زِيۡنَةِ الۡقَوۡمِ فَقَذَفۡنٰهَا﴾ ’’بلکہ قوم کے زیورات کے بوجھ ہم پر لاد دیے گئے تو ہم نے انہیں پھینک دیا‘‘ انہوں نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ ان سے یہ کام جان بوجھ کر اور اپنے اختیار سے سرزد نہیں ہوا بلکہ اس کا سبب یہ تھا کہ زیورات کے گناہ سے، جو ہمارے پاس تھے، بچنا چاہتے تھے۔ اہل تفسیر ذکر کرتے ہیں کہ بنی اسرائیل نے مصر سے نکلنے سے پہلے قبطیوں سے زیورات وغیرہ مستعار لئے تھے۔ مصر سے نکلتے وقت وہ زیورات بھی ساتھ لے آئے۔ وہاں سے نکل کر انہوں نے وہ زیورات پھینک دیئے تھے۔ جب موسیٰ علیہ السلام چلے گئے تو انہوں نے وہ زیورات اکٹھے کر لئے تاکہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی واپسی پر اس بارے میں ان سے رجوع کریں۔ (تفسیر سعدی:1633/2)

(3) عموماً مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ زیور بنی اسرائیل کی عورتوں نے کسی تقریب کے موقع پر قبطیوں کی عورتوں سے مستعار لئے تھے اور بعد میں واپس نہ کئے تھے۔ بعض کہتے ہیں کہ جب فرعون اور اس کے لشکر والے سمندر میں غرق ہو گئے اور ان کی لاشیں کناروں پر تیرتی ہوئی آئیں تو بنی اسرائیل نے ان کے زیور اتار لئے۔ (فتح القدیر)

(4)﴿فَكَذٰلِكَ اَلۡقَى السَّامِرِىُّ﴾ ’’پھر اسی طرح سامری نے بھی کچھ ڈالا‘‘ سعید بن جبیر نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ سامری اس قوم سے تعلق رکھتا تھا جو لوگ گائے کی پوجا کرتے تھے۔ پھر وہ بنی اسرائیل میں داخل ہو گیا۔ اس نے اپنے اسلام کو ان پر ظاہر کیا لیکن گائے کی محبت پر قائم رہا پھر اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو اس کے ذریعے سے آزمائش میں مبتلا کر دیا اور ان کی آنکھوں کے سامنے یہ سب کچھ دکھا دیا۔ (سمرقندی:426/2)

سوال2: بنی اسرائیل نے وعدہ خلافی کی کیا وجہ بتائی؟

جواب: قوم نے کہا ہم نے اپنے اختیار سے وعدہ خلافی نہیں کی قوم کے زیورات کا بوجھ ہم سے اُٹھوایا گیا تھا اور ہم نے وہ پھینک دیا۔ پھر سامری نے اُسے ڈھال کر بچھڑا بنا لیا پھر اس نے کہا یہ تمہارا اور موسیٰ کا معبود ہے اور موسیٰ اُسے بھول گئے۔

سوال3: بنی اسرائیل نے یہ کیوں کہا کہ قوم کے زیورات کا بوجھ تھا؟

جواب: زیورات اُن کے اپنے نہیں تھے۔اس لیے انہیں بوجھ محسوس ہوا۔

سوال4: بنی اسرائیل نے زیورات کا بوجھ کیوں پھینک دیا تھا؟

جواب: بنی اسرائیل کے لیے یہ زیورات جائز نہیں تھے اس لیے اُنہوں نے اُسے جمع کر کے گڑھے میں ڈال دیا۔

سوال5: سامری کون تھا؟

جواب: سامری قوم موسیٰ کا ایک فرد تھا جو گمراہ ہو گیا تھا۔

سوال6: بچھڑے کے اندر سے آواز کیسے آتی تھی؟

جواب: بچھڑے کا پتلا اس طرح بنایا گیا کہ ہوا کے اندر اور باہر جانے سے آواز پیدا ہوتی تھی۔

سوال7: سامری کے کہنے سے بنی اسرائیل کیسے مان گئے کہ بچھڑا ان کا معبود ہے؟

جواب: (1) بنی اسرائیل نے ایک آواز سُنی تھی جو ان کے لیے فتنہ بن گئی تھی وہ رب کو بھول کر اپنی کم عقلی اور حماقت کی وجہ سے یہ سمجھنے لگے کہ یہی ہمارا رب ہے۔

(2) بچھڑے کے اندر سے آواز آتی تھی جس کی وجہ سے لوگ غلط فہمی میں مبتلا ہوئے۔بچھڑے کو بنایا ایسے گیا تھا کہ ہوا اس کے اندر جاتی تھی اور اس کے اندر سے باہر نکلتی تھی اور وہ خالی تھا جب اس کے اندر آواز بھری جاتی تھی تو اس کے اندر سے آواز آتی تھی۔

سوال8: کفار کا مال مسلمان کے لئے کس صورت میں حلال ہے؟

جواب: مال غنیمت کا قانون شریعت اسلام سے پہلے نہ تھا۔اس کو کافروں کے قبضہ سے نکال لینا تو جائز تھا مگر مسلمانوں کے لئے اس کا استعمال اور اس سے نفع اٹھانا حلال نہیں تھا بلکہ مال غنیمت جمع کر کے کسی ٹیلہ وغیرہ پر رکھ دیا جاتا تھا اور آسمانی آگ (بجلی وغیرہ) آکر اس کو کھا جاتی تھی۔ یہی علامت ان کے جہاد قبول ہونے کی تھی اس لئے وہ مال بھی منحوس سمجھا جاتا اور کوئی اس کے پاس نہ جاتا۔رسول اللہ ﷺ کی شریعت میں جو مخصوص رعایتیں اور سہولتیں دی گئی ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ مال غنیمت کو مسلمانوں کے لئے حلال کر دیا گیا جیسا کہ صحیح مسلم کی حدیث میں اس کی تصریح ہے۔اس قاعدہ کے اعتبار سے بنی اسرائیل کے قبضہ میں آیا ہوا مال جو قوم فرعون سے لیا تھا مال غنیمت ہی کے حکم میں قرار دیا جائے تب بھی اس کا استعمال ان کے لئے جائز نہیں تھا۔اسی وجہ سے اس مال کو (اوزار) کے لفظ سے تعبیر کیا گیا اور سیدنا ہارون علیہ السلام کے حکم سے اس کو ایک گڑھے میں ڈال دیا گیا۔واقعہ ہجرت میں رسول اللہ ﷺ نے جب مدینہ طیبہ جانے کا قصد فرما لیا اور آپ کے پاس عرب کے کفار کی بہت سی امانتیں رکھی تھیں کیونکہ سارا عرب آپ کو امانت دار یقین کرتا اور امین کے لفظ سے خطاب کرتا تھا تو رسول اللہ ﷺ نے ان کی امانتوں کو واپس کرنے کا اتنا اہتمام فرمایا کہ سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کے سپرد کر کے اپنے پیچھے ان کو چھوڑا اور حکم دیا کہ جس جس کی امانت ہے اس کو واپس کر دی جائے آپ اس سے فارغ ہو کر ہجرت کریں۔اس مال کو رسول اللہ ﷺ

نے مال غنیمت کے تحت حلال قرار نہیں دیا ورنہ وہ مسلمانوں کا حق ہوتا کافروں کو واپس کرنے کا کوئی سوال ہی نہیں تھا۔(تفسیر معارف القرآن:136,137/6)

﴿فَاَخۡرَجَ لَهُمۡ عِجۡلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ فَقَالُوۡا هٰذَاۤ اِلٰهُكُمۡ وَاِلٰهُ مُوۡسٰى ۚ فَنَسِیَ﴾

”پس اس نے ان کے لیے ایک بچھڑا نکالا ، جس کے لیے جسم تھا، جس کی بیل کی سی آواز تھی، پھر لوگوں نے کہا کہ یہ ہے تمہارا معبود اور موسیٰ کا معبود، سو وہ بھول گیا“(88)

سوال 1:﴿فَاَخۡرَجَ لَهُمۡ عِجۡلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ فَقَالُوۡا هٰذَاۤ اِلٰهُكُمۡ وَاِلٰهُ مُوۡسٰى ۚ فَنَسِیَ﴾”پس اس نے ان کے لیے ایک بچھڑا نکالا ، جس کے لیے جسم تھا، جس کی بیل کی سی آواز تھی، پھر لوگوں نے کہا کہ یہ ہے تمہارا معبود اور موسیٰ کا معبود، سو وہ بھول گیا“ اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿فَاَخۡرَجَ لَهُمۡ عِجۡلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ﴾”پس اس نے ان کے لیے ایک بچھڑا نکالا ، جس کے لیے جسم تھا، جس کی بیل کی سی آواز تھی“ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں سیدنا ہارون علیہ السلام سامری کے پاس گئے وہ بچھڑا بنا رہا تھا۔ پوچھا کیا چیز بنا رہے ہو؟ بولا وہ چیز بنا رہا ہوں جو نہ نفع پہنچا سکتی ہے نہ نقصان۔ آپ نے دعا فرمائی کہ اے اللہ اس کے دل کی مراد پوری فرما دے۔ یہ دعا کر کے آپ تو تشریف لے گئے ادھر سامری نے دعا مانگی، اے اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ یہ بولے بھی چنانچہ وہ ڈیں ڈیں بھی کرنے لگا۔ اب اس کی پرستش شروع ہوگئی۔ جب رینگتا تو اس کے آگے سجدے میں گر جاتے پھر جب رینگتا تو سر اٹھا لیتے۔(ابن ابی حاتم)

(2)﴿فَقَالُوۡا هٰذَاۤ اِلٰهُكُمۡ وَاِلٰهُ مُوۡسٰى ۚ فَنَسِیَ﴾”پھر لوگوں نے کہا کہ یہ ہے تمہارا معبود اور موسیٰ کا معبود، سو وہ بھول گیا“ سدی کہتے ہیں کہ سامری نے مٹی اٹھائی تھی۔ یہ جبرائیل کے گھوڑے کے قدموں کی مٹی تھی۔ پھر موسیٰ علیہ السلام تو چلے گئے سیدنا ہارون علیہ السلام پیچھے رہ گئے اور یہ تیس سے چالیس راتوں کا وقت تھا۔ سیدنا ہارون علیہ السلام نے ان سے کہا: اے بنی اسرائیل! یقیناً مال غنیمت تمہارے لیے حلال نہیں ہے۔ اور قبطیوں کے زیورات یقیناً مال غنیمت ہیں۔ تو تم ان سب کو جمع کرو، ایک گڑھا کھودو اور انہیں دفن کردو۔ پھر جب موسیٰ علیہ السلام آئیں گے تو اگر وہ ان کو حلال قرار دیں تو تم انہیں لے لینا۔ پھر انہوں نے ان زیورات کو ایک گڑھے میں جمع کر دیا۔ پھر سامری آیا اور ان کو لے گیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان زیورات سے بچھڑا نکالا جس میں سے گائے جیسی آواز آتی تھی۔

(3) جب زیورات جمع ہو گئے تو سامری نے ایک مٹی کی مٹھی اٹھائی۔ پھر اسے پھینکا تو یہ بچھڑا بن گیا جس سے آواز بھی آتی تھی۔(تفسیر جامع البیان:220/16)

(4) بنی اسرائیل نے کہا: موسیٰ علیہ السلام اپنے رب کو تلاش کرنے گیا ہے اور وہ یہاں موجود ہے، موسیٰ علیہ السلام بھول گیا۔(تفسیر سعدی:1633/2)

(5)﴿فَنَسِیَ﴾”سو وہ بھول گیا“ گمراہ لوگوں نے کہا کہ موسیٰ علیہ السلام اپنے اس معبود کو بھول کر طور پر معبود کی تلاش میں گئے ہیں حالانکہ معبود

یہیں موجود ہے۔

(6) اس کے بارے میں اہل تاویل نے بڑا اختلاف کیا ہے کہ بھولنے کا مطلب یہ ہے کہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے دین کو چھوڑ دیا یعنی اسلام کو ترک کر دیا، اسلام ہی کو بھول گئے اور گویا انہوں نے بچھڑے کی پرستش کو اسلام بنانے کی کوشش کی کہ یہ تھا تمہارا اصل طریقہ جس کو موسیٰ علیہ السلام نے بھلا دیا۔ (7) سامری اسلامی فرائض بھول گیا اور انہیں چھوڑ بیٹھا۔ (السراج المنیر :1182/2)

سوال 2: بنی اسرائیل نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام پر کیا تہمت لگائی؟

جواب: بنی اسرائیل نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام پر یہ الزام لگا دیا کہ وہ اپنے رب سے رابطہ نہیں رکھتے۔

سوال 3: بنی اسرائیل کے الزام لگانے کا نتیجہ کیا نکلا؟

جواب: (1) بنی اسرائیل راستہ بھول گئے اور وہ رب تک پہنچ نہ پائے۔

(2) چالیس برس تک ان صحراؤں میں گھومتے رہے تھے۔ وہ نسل صحرا سے نکل ہی نہیں سکی منزل تک جا ہی نہیں سکی۔

(3) صحراؤں میں ان کی نئی پود پیدا ہوئی، پل بھر کر جوان ہوئی، ان کے اندر خالص اور ایمان آیا، وہ وہاں سے نکل کر گئے اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے جہاد کیا اور یوں بنی اسرائیل کی نئی نسل کو غلامی سے نجات ملی لیکن یہ غلام کسی قابل نہ رہے۔

﴿اَفَلَا یَرَوْنَ اَلَّا یَرْجِعُ اِلَیْهِمْ قَوْلًا ۙ وَّلَا یَمْلِكُ لَهُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا﴾

''تو کیا وہ دیکھتے نہیں تھے کہ نہ وہ ان کی بات کا جواب دیتا ہے اور نہ ان کے کسی نقصان کا اختیار رکھتا ہے اور نہ کسی نفع کا؟'' (89)

سوال 1: ﴿اَفَلَا یَرَوْنَ اَلَّا یَرْجِعُ اِلَیْهِمْ قَوْلًا ۙ وَّلَا یَمْلِكُ لَهُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا﴾ ''تو کیا وہ دیکھتے نہیں تھے کہ نہ وہ ان کی بات کا جواب دیتا ہے اور نہ ان کے کسی نقصان کا اختیار رکھتا ہے اور نہ کسی نفع کا؟'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿اَفَلَا یَرَوْنَ﴾ ''تو کیا وہ دیکھتے نہیں تھے'' یعنی کیا وہ بچھڑے پر غور و فکر نہیں کرتے؟

(2) ﴿اَلَّا یَرْجِعُ اِلَیْهِمْ قَوْلًا﴾ ''کہ نہ وہ ان کی بات کا جواب دیتا ہے'' یعنی نہ وہ ان سے کلام کر سکتا ہے نہ ان کی بات کا جواب دے سکتا ہے۔ نہ نفع دے سکتا ہے نہ نقصان۔

(3) ﴿وَّلَا یَمْلِكُ لَهُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا﴾ ''اور نہ ان کے کسی نقصان کا اختیار رکھتا ہے اور نہ کسی نفع کا؟'' اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ان کی عقل کیسے اندھی ہوگئی کہ انہیں یہ بھی نظر نہیں آتا کہ وہ ان کی کسی بات کا جواب نہیں دیتا، نہ اُن کے نفع و نقصان کا کچھ اختیار رکھتا ہے۔ یعنی زندہ ہوتا تو ان کی بات سن کر حیوانوں کی طرح ہی جواب دے دیتا۔ لیکن یہ تو حیوانیت کے درجے سے بھی گرا ہوا ہے نہ ہل چلاتا ہے، چکی پیستا ہے نہ اور کوئی نفع دے سکتا ہے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے اُن کے شعور کو جھنجھوڑا ہے کہ جو نہ نفع پہنچائے نہ نقصان پہنچانے کی قدرت رکھتا

ہو وہ معبود کیسے ہوسکتا ہے؟ جب کہ معبود تو وہی ہوسکتا ہے جو ہر ایک کی فریاد سنے اور حاجات کو پورا کرے اور نفع ونقصان پر قادر ہو۔

(4) یہ ان کی کم عقلی اور حماقت تھی کہ انہوں نے گائے کے بچھڑے کو جو ایک دھات کا بنا ہوا تھا جس میں آواز پیدا ہوگئی تھی زمین اور آسمانوں کا الٰہ سمجھ لیا تھا۔ پس صرف وہی ہستی عبادت کی مستحق ہے جو کمال کلام اور افعال کی مالک ہو اور ایسی ہستی عبادت کئے جانے کا استحقاق نہیں رکھتی جو اپنے عبادت گزاروں سے بھی ناقص ہو کیونکہ عبادت گزار تو کلام کر سکتے ہیں اور بعض معاملات میں، اللہ تعالیٰ کی عطا کی ہوئی قدرت کے مطابق نفع ونقصان کا اختیار بھی رکھتے ہیں۔ (تفسیر سعدی:1633/2)

(5) ﴿وَّلَا يَمْلِكُ لَهُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا﴾ ''اور نہ ان کے کسی نقصان کا اختیار رکھتا ہے اور نہ کسی نفع کا؟'' اللہ تعالیٰ ہی نفع ونقصان پہنچانے والا ہے اس لیے اللہ تعالیٰ ہی کی طرف رجوع کرو۔

رکوع نمبر 14

﴿وَلَقَدْ قَالَ لَهُمْ هٰرُوْنُ مِنْ قَبْلُ يٰقَوْمِ اِنَّمَا فُتِنْتُمْ بِهٖ ۚ وَاِنَّ رَبَّكُمُ الرَّحْمٰنُ فَاتَّبِعُوْنِيْ وَاَطِيْعُوْٓا اَمْرِيْ﴾

''اور ہارون نے ان سے پہلے ہی کہا تھا: ''اے لوگو! یقیناً تم اس کی وجہ سے فتنے میں ڈالے گئے ہو اور یقیناً تمہارا رب تو رحمٰن ہے چنانچہ تم میری پیروی کرو اور میرے حکم کی اطاعت کرو'' (90)

سوال 1: ﴿وَلَقَدْ قَالَ لَهُمْ هٰرُوْنُ مِنْ قَبْلُ يٰقَوْمِ اِنَّمَا فُتِنْتُمْ بِهٖ﴾ ''اور ہارون نے ان سے پہلے ہی کہا تھا: اے لوگو! یقیناً تم اس کی وجہ سے فتنے میں ڈالے گئے ہو'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَلَقَدْ قَالَ لَهُمْ هٰرُوْنُ مِنْ قَبْلُ﴾ ''اور ہارون نے ان سے پہلے ہی کہا تھا'' سیدنا ہارون علیہ السلام کو سیدنا موسیٰ علیہ السلام قوم کی دیکھ بھال کی ذمہ داری سونپ کر گئے تھے۔ یہ اُس وقت کی بات ہے جب قوم سامری کے پیچھے لگ کر بچھڑے کی عبادت کرنے لگ گئی تھی۔

(2) ﴿يٰقَوْمِ اِنَّمَا فُتِنْتُمْ بِهٖ﴾ ''اے لوگو! یقیناً تم اس کی وجہ سے فتنے میں ڈالے گئے ہو۔'' سیدنا ہارون علیہ السلام نے انہیں بچھڑے کی پرستش سے روکا تھا اور ان سے پہلے ہی یہ بھی کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اس بچھڑے کی وجہ سے تمہیں آزمائش میں مبتلا کیا ہے۔ وہ یہ دیکھنا چاہتا ہے کہ تم اللہ تعالیٰ ہی کو معبود ماننے میں سچے ہو یا نہیں۔

(3) اس سے رب العزت نے ان پر یہ ثابت کیا ہے کہ بچھڑے کی عبادت کرنے میں اگر کوئی شبہ لاحق بھی ہوا تھا تو سیدنا ہارون علیہ السلام نے انہیں اس بارے میں آگاہ کر دیا تھا اور انہوں نے ان کی بات نہیں مانی تھی۔

(4) ﴿وَاِنَّ رَبَّكُمُ الرَّحْمٰنُ﴾ ''اور یقیناً تمہارا رب تو رحمٰن ہے'' سیدنا ہارون علیہ السلام نے ان کو بتا دیا تھا کہ تمہارا رب تم پر مہربان ہے جس

نے تمہارے لیے ہر طرح کی نعمتیں جاری کر دی ہیں وہی تمہیں کھلاتا اور پلاتا ہے۔ جب تم بیمار ہو جاؤ تو تمہیں شفا دیتا ہے۔ تمہاری ظاہری اور باطنی ساری تکالیف کو دور کر کے تمہیں اپنی نعمتیں عطا کرتا ہے۔

(5)﴿فَاتَّبِعُوۡنِیۡ﴾ ''چنانچہ تم میری پیروی کرو'' یعنی ایک اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے اور غیر اللہ کی عبادت ترک کرنے میں میری پیروی کرو۔ (ایسر التفاسیر:899) (6) یعنی میرے دین کی پیروی کرو۔ (السمرقندی:427/2)

(7)﴿وَاَطِیۡعُوۡۤا اَمۡرِیۡ﴾ ''اور میرے حکم کی اطاعت کرو'' یعنی میری بات مانیں۔

﴿قَالُوۡا لَنۡ نَّبۡرَحَ عَلَیۡہِ عٰکِفِیۡنَ حَتّٰی یَرۡجِعَ اِلَیۡنَا مُوۡسٰی﴾

''اُنہوں نے کہا: ''ہم تو اسی کی پرستش پر جمے رہنے والے ہیں یہاں تک کہ موسیٰ ہماری طرف لوٹ آئے'' (91)

سوال1:﴿قَالُوۡا لَنۡ نَّبۡرَحَ عَلَیۡہِ عٰکِفِیۡنَ حَتّٰی یَرۡجِعَ اِلَیۡنَا مُوۡسٰی﴾ ''اُنہوں نے کہا: ''ہم تو اسی کی پرستش پر جمے رہنے والے ہیں یہاں تک کہ موسیٰ ہماری طرف لوٹ آئے'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿قَالُوۡا لَنۡ نَّبۡرَحَ عَلَیۡہِ عٰکِفِیۡنَ﴾ ''اُنہوں نے کہا: ''ہم تو اسی کی پرستش پر جمے رہنے والے ہیں'' بنی اسرائیل نے سیدنا ہارون علیہ السلام کو ملامت کرتے ہوئے کہا: ہم بچھڑے کی عبادت نہیں چھوڑ سکتے۔

(2)﴿حَتّٰی یَرۡجِعَ اِلَیۡنَا مُوۡسٰی﴾ ''یہاں تک کہ موسیٰ ہماری طرف لوٹ آئے۔'' جب تک کہ موسیٰ علیہ السلام واپس آ کر اس بارے میں ہماری راہ نمائی نہیں کرتے۔

(3) اس طرح سیدنا ہارون علیہ السلام کی بات کی انہوں نے پرواہ نہیں کی۔ وجہ یہ تھی کہ بنی اسرائیل کو بچھڑا بہت اچھا لگتا تھا اس لیے اس کی عبادت چھوڑنے سے انکار کر دیا۔ زندگی میں ہر ایک کے لیے کوئی نہ کوئی بچھڑا ہوتا ہے جو اسے بہت اچھا لگتا ہے، یہ بچھڑا انسان کی خواہش ہی تو ہے جس کو انسان پوجتا ہے۔ دل پسند چیزوں کو اپنانا، انسان اپنی مرضی خیال کرتا ہے۔ دل کی خوشی کے پیچھے بھاگنے والا انسان یہ نہیں دیکھتا کہ یہ تو اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔ رب العزت نے بنی اسرائیل کے واقعے سے یہ سمجھایا ہے کہ دیکھو کیسے انہوں نے بچھڑا پوجا تھا؟ کیسے انہوں نے ہارون کی بات کا انکار کیا تھا؟ ایسے ہی آج کی دنیا میں بھی حال ہے کہ لوگوں کو حق کی طرف بلاتے ہیں لیکن ان کی خواہش انہیں حق کی طرف پلٹنے نہیں دیتی۔ لوگ اسی طرح سے اپنی خواہش پر جمے رہنا چاہتے ہیں۔ خواہش کو چھوڑنا آسان بات نہیں ہے۔ جب تک ایمان مضبوط نہ ہو اور اللہ تعالیٰ سے گہرا تعلق نہ ہو تو انسان خواہشات کو پیچھے نہیں ڈال سکتا۔

﴿قَالَ یٰہٰرُوۡنُ مَا مَنَعَکَ اِذۡ رَاَیۡتَہُمۡ ضَلُّوۡۤا﴾

''موسیٰ نے کہا: ''اے ہارون! تم نے جب اُنہیں دیکھا کہ وہ گمراہ ہوئے تو کس چیز نے تمہیں روکا؟'' (92)

سوال1:﴿قَالَ يٰهٰرُوۡنُ مَا مَنَعَكَ اِذۡ رَاَيۡتَهُمۡ ضَلُّوۡۤا﴾''موسیٰ نے کہا:''اے ہارون!تم نے جب اُنہیں دیکھا کہ وہ گمراہ ہوئے تو کس چیز نے تمہیں روکا؟''اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿قَالَ يٰهٰرُوۡنُ مَا مَنَعَكَ اِذۡ رَاَيۡتَهُمۡ ضَلُّوۡۤا﴾''موسیٰ نے کہا:''اے ہارون!تم نے جب اُنہیں دیکھا کہ وہ گمراہ ہوئے تو کس چیز نے تمہیں روکا؟''سیدنا موسیٰ علیہ السلام جب واپس تشریف لائے اور قوم میں شرک اور گمراہی کو پھیلے ہوئے دیکھا تو سخت غصے میں آ گئے۔ انہوں نے سیدنا ہارون علیہ السلام سے کہا کہ تم نے جب قوم کو گمراہ دیکھا تو مجھے خبر کیوں نہ کی کہ میں جلدی ان کے پاس آ جاتا۔

سوال2:سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے سیدنا ہارون علیہ السلام کا سختی سے محاسبہ کیوں کیا؟

جواب:سیدنا موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کو شرک اور گمراہی میں دیکھ کر سخت غصے میں تھے۔انہیں یہ محسوس ہوا کہ شاید سیدنا ہارون علیہ السلام نے بھی چھوٹ دے دی ہو اور سمجھانے میں کمی کی ہو۔

سوال3:سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے سیدنا ہارون علیہ السلام سے محاسبے کا آغاز کیسے کیا؟

جواب:سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ اگر لوگوں نے تمہاری بات نہیں مانی تھی تو تمہیں میرے پیچھے آ کر مجھے اطلاع دینی چاہیے تھی۔تم نے مجھے کیوں نہیں بتایا،اس معاملے کو اپنے پاس سنبھال کر کیوں رکھا؟یہ وہ بیماری ہے جو عام طور پر لوگوں کو لاحق ہو جاتی ہے۔اجتماعی معاملات خراب ہوتے رہتے ہیں اور جو لوگ ذمہ دار ہوتے ہیں ان کو خراب ہونے دیتے ہیں کہ ہم کیا کر سکتے ہیں۔اور جب کچھ پوچھ گچھ ہوتی ہے تو پتہ چلتا ہے کہ شاید حالات خراب ہو گئے تھے اور ہمارے لیے کچھ کرنا ممکن نہیں تھا۔اس طرح لوگ اجتماعی خرابیوں کو برداشت کر لیتے ہیں جب کہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام اس خرابی کو برداشت کرنے والے نہیں تھے۔ہر مومن سے یہی مطلوب ہے۔نبی ﷺ نے فرمایا:(مَنۡ رَاٰی مِنۡكُمۡ مُنۡكَرًا فَلۡيُغَيِّرۡهُ بِيَدِهٖ، فَاِنۡ لَّمۡ يَسۡتَطِعۡ فَبِلِسَانِهٖ، فَاِنۡ لَّمۡ يَسۡتَطِعۡ فَبِقَلۡبِهٖ، وَذٰلِكَ اَضۡعَفُ الۡاِيۡمَانِ) ''جو شخص تم میں سے کوئی بات شریعت کے خلاف دیکھے تو وہ ہاتھ سے اس کو بدل دے اگر ایسا ممکن نہ ہو تو زبان سے ایسا کرے اگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو دل سے ہی اس کو برا جانے مگر یہ ضعیف ترین ایمان کا درجہ ہے۔''(صحیح مسلم:177)

﴿اَلَّا تَتَّبِعَنِ ؕ اَفَعَصَيۡتَ اَمۡرِىۡ﴾

''کہ تم میری پیروی نہ کرو،تو کیا تم نے میرے حکم کی نافرمانی کی؟''(93)

سوال1:﴿اَلَّا تَتَّبِعَنِ ؕ اَفَعَصَيۡتَ اَمۡرِىۡ﴾''کہ تم میری پیروی نہ کرو،تو کیا تم نے میرے حکم کی نافرمانی کی؟''اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿اَلَّا تَتَّبِعَنِ﴾''کہ تم میری پیروی نہ کرو''یعنی تم نے اور تمہارے ساتھ جو مسلمان تھے ان سب نے میری پیروی کیوں نہ کی

اور مشرکوں کو چھوڑ کیوں نہیں دیا۔

(2)﴿اَفَعَصَيْتَ اَمْرِيْ﴾ ''تو کیا تم نے میرے حکم کی نافرمانی کی؟'' کیا تو نے میرے اس حکم کی نافرمانی کی ہے کہا﴿اخْلُفْنِيْ فِيْ قَوْمِيْ وَاَصْلِحْ وَلَا تَتَّبِعْ سَبِيْلَ الْمُفْسِدِيْنَ﴾ ''تم میری قوم میں میرے جانشین رہو اور اصلاح کرنا اور فساد کرنے والوں کے راستے کی پیروی نہ کرنا۔'' (الاعراف:142)

(3)رسول اللہ ﷺ فرمایا: ''جو امیر مسلمانوں کے کام کا والی ہو پھر وہ ان کے لیے محنت نہیں کرتا اور ان کا خیر خواہ نہیں وہ ان کے ساتھ بہشت میں داخل نہیں ہوگا۔'' (صحیح مسلم)

(4)سیدنا ہارون علیہ السلام نے ان کی خیر خواہی کی تھی مگر سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو قوم کی گمراہی کی اطلاع نہیں دی تھی جس کی وجہ سے سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے یہ کہا کہ تم نے اصلاح کرنے کے حکم کی نافرمانی کی ہے۔ دوسرا یہ کہ سیدنا ہارون علیہ السلام نے خود تو فساد کرنے والوں کے راستے کی پیروی نہیں کی تھی دوسروں کو روکا بھی تھا مگر قوم کو شرک اور گمراہی سے بچانے کے لیے محض اتنا ہی کافی نہیں تھا۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو خبر دار کرنا ضروری تھا۔

سوال 2: سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے محاسبہ کرتے ہوئے مزید کیا کہا؟

جواب: سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ تم نے میرے حکم کی پیروی نہیں کی۔ میرے احکامات نافذ نہیں کیے۔ کیا تم نے میری نافرمانی کی ہے؟

﴿قَالَ يَبْنَؤُمَّ لَا تَأْخُذْ بِلِحْيَتِيْ وَلَا بِرَاْسِيْ ۚ اِنِّيْ خَشِيْتُ اَنْ تَقُوْلَ فَرَّقْتَ بَيْنَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ وَلَمْ تَرْقُبْ قَوْلِيْ﴾

''ہارون نے کہا: ''اے میری ماں کے بیٹے! تم میری داڑھی نہ پکڑو اور نہ ہی میرے سر کو، یقیناً میں اس سے ڈرا کہ تم کہو گے کہ تم نے بنی اسرائیل میں پھوٹ ڈال دی اور تم نے میری بات کا انتظار نہیں کیا۔'' (94)

سوال 1:﴿قَالَ يَبْنَؤُمَّ لَا تَأْخُذْ بِلِحْيَتِيْ وَلَا بِرَاْسِيْ﴾ ''ہارون نے کہا: ''اے میری ماں کے بیٹے! تم میری داڑھی نہ پکڑو اور نہ ہی میرے سر کو'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1)﴿قَالَ يَبْنَؤُمَّ لَا تَأْخُذْ بِلِحْيَتِيْ وَلَا بِرَاْسِيْ﴾ ''ہارون نے کہا: ''اے میری ماں کے بیٹے! تم میری داڑھی نہ پکڑو اور نہ ہی میرے سر کو'' سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے سیدنا ہارون علیہ السلام کو داڑھی سے پکڑ لیا اور سر کے بال پکڑ کر کھینچے۔ موسیٰ علیہ السلام قوم کی اس حرکت سے سخت طیش میں تھے، فرطِ غضب میں انہوں نے سیدنا ہارون علیہ السلام سے بھی سختی کے ساتھ باز پرس کی۔ اور کہا کہ تم نے یہ سب کچھ کیوں اپنے سامنے ہونے دیا۔ یہاں چند باتیں قابل غور ہیں: (i) سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی طبیعت میں فطرتاً سختی تھی اور ایسا ہونا ضروری بھی تھا کیونکہ مقابلہ فرعون سے تھا اور اس کی قوم کے جابروں سے۔ (ii) یہ غضب ذاتی طور پر نہ تھا، بلکہ دین کے مقابلے میں محض اللہ تعالیٰ کی محبت کے جوش سے تھا۔

(iii)واقعات اسی نوع کے تھے کہ موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام جیسے پیغمبر کا غصہ سے بے تاب ہوجانا بالکل فطری تھا کیونکہ انہوں نے بڑی مشکلوں سے بنی اسرائیل کو فرعون کے چنگل سے نکال کر یہاں رکھا تھا تا کہ یہ گمراہی کے اثرات سے محفوظ رہیں۔مگر جب انہوں نے دیکھا کہ یہاں بھی یہ لوگ محفوظ نہیں رہے اور ساری محنت اکارت گئی تو غصہ سے بھڑک اٹھے۔(iv)موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام جہاں پیغمبر تھے وہاں انسان بھی تھے اور بشری تقاضے اور داعیے ان میں موجود تھے۔ان حقائق وحالات میں اگر انہوں نے ہارون عَلَیْہِ السَّلَام کی داڑھی پکڑ لی اور بظاہر غیر اولیٰ انداز میں ہارون عَلَیْہِ السَّلَام سے جو کچھ ارشاد فرمایا وہ سننے کے قابل ہے، ہارون عَلَیْہِ السَّلَام نے کہا:

(2)﴿يَبْنَؤُمَّ﴾ ''اے میری ماں کے بیٹے!'' انہوں نے موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام سے رقت قلبی کی امید پر یہ فقرہ کہا تھا۔ورنہ حقیقت یہ ہے کہ موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام ماں اور باپ دونوں طرف سے ان کے بھائی تھے۔(تفسیر سعدی:1634,1635/2)

(3)﴿إِنِّي خَشِيتُ أَنْ تَقُولَ فَرَّقْتَ بَيْنَ بَنِيٓ إِسْرَآءِيلَ﴾ ''یقیناً میں اس سے ڈرا کہ تم کہو گے کہ تم نے بنی اسرائیل میں پھوٹ ڈال دی'' سیدنا ہارون عَلَیْہِ السَّلَام نے معقول عذر پیش کرتے ہوئے کہا کہ میں نے اس لیے آپ کو اس فتنے کی خبر نہیں دی کہ مجھے خیال آیا کہ اگر میں اس واقعے کی اطلاع دینے کے لیے آپ کے پاس جاتا تو آپ مجھ پر غصہ کرو گے کہ قوم کو چھوڑ کر کیوں آ گئے، تم نے ان میں پھوٹ کیوں ڈالی۔

(4)بنی اسرائیل اگر سیدنا ہارون عَلَیْہِ السَّلَام کو قتل کر دیتے تو ایک گروہ دوسرے کے خون کا پیاسا ہو جاتا۔یوں قتل وغارت گری کا بازار گرم ہو جاتا۔

(5)﴿وَلَمْ تَرْقُبْ قَوْلِي﴾ ''اور تم نے میری بات کا انتظار نہیں کیا'' یعنی تم نے میرے حکم کا خیال کیوں نہیں کیا تھا۔

(6)اس پر موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام کو بھائی کے ساتھ اپنے طرز عمل پر ندامت ہوئی کہ وہ اس سلوک کے مستحق نہ تھے، اس لئے دعا کی۔﴿قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِي وَلِأَخِي وَأَدْخِلْنَا فِي رَحْمَتِكَ ۖ وَأَنْتَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ﴾ ''اے میرے رب! مجھے اور میرے بھائی کو بخش دے! اور ہمیں اپنی رحمت کے میں داخل کر لے اور، تو سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔'' (الاعراف:151)(تفسیر سعدی:634,1635/2)

﴿قَالَ فَمَا خَطْبُكَ يَٰسَامِرِيُّ﴾

''موسیٰ نے کہا: تو اے سامری! تیرا کیا معاملہ ہے؟'' (95)

سوال 1:﴿قَالَ فَمَا خَطْبُكَ يَٰسَامِرِيُّ﴾ ''موسیٰ نے کہا: تو'' اے سامری! تیرا کیا معاملہ ہے؟'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿قَالَ فَمَا خَطْبُكَ يَٰسَامِرِيُّ﴾ ''موسیٰ نے کہا: تو اے سامری! تیرا کیا معاملہ ہے؟'' سیدنا موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام خود وہاں موجود نہ تھے اس لیے اصل صورت حال سے بے خبر تھے لیکن صورت حال پتہ چلنے پر اُن کا رُخ اصل مجرم کی طرف ہو گیا۔سیدنا موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام نے ایک بڑے مجرم کی حیثیت سے سامری کو مخاطب کیا۔اور کہا کہ سامری تم بتاؤ تمہارا کیا معاملہ ہے؟ تمہیں بچھڑا بنانے کے لیے کس چیز نے آمادہ

کیا؟(2) قرآن نے یہاں خطب کا لفظ استعمال کیا ہے جو کسی ناگوار صورت حال کو دریافت کرنے کے لیے آتا ہے۔(تیسیر القرآن:80/3)

﴿قَالَ بَصُرۡتُ بِمَا لَمۡ یَبۡصُرُوۡا بِهٖ فَقَبَضۡتُ قَبۡضَةً مِّنۡ اَثَرِ الرَّسُوۡلِ فَنَبَذۡتُهَا وَ كَذٰلِكَ سَوَّلَتۡ لِیۡ نَفۡسِیۡ﴾

''اس نے کہا:''میں نے وہ چیز دیکھی جس کو انہوں نے نہیں دیکھا، تو میں نے رسول کے نقش قدم سے ایک مٹھی اٹھائی، پھر میں نے اس کو پھینک دیا اور اسی طرح میرے نفس نے میرے لیے خوش نما بنا دیا''(96)

سوال1:﴿قَالَ بَصُرۡتُ بِمَا لَمۡ یَبۡصُرُوۡا بِهٖ فَقَبَضۡتُ قَبۡضَةً مِّنۡ اَثَرِ الرَّسُوۡلِ فَنَبَذۡتُهَا وَ كَذٰلِكَ سَوَّلَتۡ لِیۡ نَفۡسِیۡ﴾ ''اس نے کہا:''میں نے وہ چیز دیکھی جس کو انہوں نے نہیں دیکھا، تو میں نے رسول کے نقش قدم سے ایک مٹھی اٹھائی، پھر میں نے اس کو پھینک دیا اور اسی طرح میرے نفس نے میرے لیے خوش نما بنا دیا''اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿قَالَ بَصُرۡتُ بِمَا لَمۡ یَبۡصُرُوۡا بِهٖ﴾''اس نے کہا:''میں نے وہ چیز دیکھی جس کو انہوں نے نہیں دیکھا''سامری نے سیدنا موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام کو جواب دیتے ہوئے کہا کہ میں نے سیدنا جبرائیل عَلَیْہِ السَّلَام کو دیکھا تھا جب کہ وہ گھوڑے پر سوار تھے۔

(2)﴿فَقَبَضۡتُ قَبۡضَةً مِّنۡ اَثَرِ الرَّسُوۡلِ فَنَبَذۡتُهَا﴾''تو میں نے رسول کے نقش قدم سے ایک مٹھی اٹھائی، پھر میں نے اس کو پھینک دیا''تو میں نے ان کے گھوڑے کے کھر کے نشان سے ایک مٹھی مٹی اٹھالی اور بنی اسرائیل کے زیورات پر ڈال دی اور اس سے بچھڑے کا بت بنایا جس کی آواز تھی۔

(3) سامری کے بقول بچھڑے کی مٹی میں کچھ معجزانہ اثرات تھے جونہی اُسے زیورات یا بچھڑے پر ڈالا گیا تو اُس میں سے آواز آنے لگی جو سب کے لیے فتنے کا باعث بن گئی۔

(4)﴿وَ كَذٰلِكَ سَوَّلَتۡ لِیۡ نَفۡسِیۡ﴾''اور اسی طرح میرے نفس نے میرے لیے خوش نما بنا دیا''یعنی میرے نفس نے مجھے کچھ ایسے ہی سمجھایا تھا کہ میں مٹی کی مٹھی اٹھا کر زیورات پر ڈال دوں اس طرح سے وہ کچھ ہو گیا جو آپ کے سامنے ہے۔

سوال2: سامری نے مٹی کہاں سے اُٹھائی تھی؟

جواب: سامری نے رسول کے نقش قدم سے مٹی اُٹھائی تھی یعنی جبریل عَلَیْہِ السَّلَام کے گھوڑے کو گزرتے دیکھا تو اس کے قدموں تلے کی مٹی اُٹھالی جسے اُس نے سنبھال کر رکھا لیا۔

سوال3: بچھڑے میں مٹی نے کیا اثرات ڈالے؟

جواب: سامری کے بقول سیدنا جبرائیل عَلَیْہِ السَّلَام کے گھوڑے کے کچھ معجزانہ اثرات تھے جس کی وجہ سے بچھڑا وجود میں آیا۔

سوال4: سامری کے نفس نے اسے کیا بات سمجھائی؟

جواب: سامری نے یہ عذر گھڑا تا کہ اپنی حرکت کے نتائج سے بچ جائے۔ اُس نے اپنی حرکت کو تقدس کا رنگ دے کر معاملے کو رسول کے نقش قدم سے لگادیا۔ آج بھی ایسا ہی ہے۔ لوگ آج بھی رسول کے نقش پاک سے شرک کو نتھی کررہے ہیں۔ ہر دور میں ایسے سامری پیدا ہوجاتے ہیں جو لوگوں کو اسی طرح سے حق کے راستے سے دور لے جاتے ہیں۔

﴿قَالَ فَاذْهَبْ فَاِنَّ لَكَ فِي الْحَيٰوةِ اَنْ تَقُوْلَ لَا مِسَاسَ ۪ وَاِنَّ لَكَ مَوْعِدًا لَّنْ تُخْلَفَهٗ ۚ وَانْظُرْ اِلٰٓى اِلٰهِكَ الَّذِيْ ظَلْتَ عَلَيْهِ عَاكِفًا ۭ لَنُحَرِّقَنَّهٗ ثُمَّ لَنَنْسِفَنَّهٗ فِي الْيَمِّ نَسْفًا﴾

''موسیٰ نے کہا کہ پھر جاؤ! تو یقیناً دنیا کی زندگی میں تمہاری یہی سزا ہے کہ تو کہتا رہے مجھے نہ چھونا اور یقیناً تیرے لیے ایک وعدہ ہے جو تجھ سے قطعاً ٹالا نہیں جائے گا اور اپنے معبود کو دیکھ جس پر تو مجاور بن بیٹھا تھا، ہم ضرور اسے جلا ڈالیں گے، پھر ہم ضرور اسے سمندر میں اڑا دیں گے اچھی طرح اڑانا'' (97)

سوال1: ﴿قَالَ فَاذْهَبْ فَاِنَّ لَكَ فِي الْحَيٰوةِ اَنْ تَقُوْلَ لَا مِسَاسَ ۪ وَاِنَّ لَكَ مَوْعِدًا لَّنْ تُخْلَفَهٗ﴾ ''موسیٰ نے کہا کہ پھر جاؤ! تو یقیناً دنیا کی زندگی میں تمہاری یہی سزا ہے کہ تو کہتا رہے مجھے نہ چھونا اور یقیناً تیرے لیے ایک وعدہ ہے جو تجھ سے قطعاً ٹالا نہیں جائے گا'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿قَالَ﴾ ''موسیٰ نے کہا'' سیدنا موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام نے سامری سے کہا۔

(2) ﴿فَاذْهَبْ﴾ ''پھر جاؤ!'' یعنی یہاں سے چلے جاؤ اور ہم سے دور ہوجاؤ۔

(3) ﴿فَاِنَّ لَكَ فِي الْحَيٰوةِ اَنْ تَقُوْلَ لَا مِسَاسَ﴾ ''تو یقیناً دنیا کی زندگی میں تمہاری یہی سزا ہے کہ تو کہتا رہے مجھے نہ چھونا'' یعنی جیسے تم نے مٹی لی جس کا لینا اور چھونا تمہارے لیے درست نہیں تھا اسی طرح دنیا میں تیرے لیے سزا ہے کہ کہتے رہو ﴿لَا مِسَاسَ﴾ ''مجھے نہ چھونا۔''

(4) اب تمہارے لیے ایسی سزا ہے کہ کوئی تیرے قریب نہیں آئے گا اور اگر آئے گا بھی تو خود پکار اٹھو گے میرے قریب نہ آنا۔

(5) ﴿وَاِنَّ لَكَ مَوْعِدًا لَّنْ تُخْلَفَهٗ﴾ ''اور یقیناً تیرے لیے ایک وعدہ ہے جو تجھ سے قطعاً ٹالا نہیں جائے گا'' یعنی تمہارے لیے وعدے کا وقت قیامت کا دن ہے جس سے نہ تو بچ سکتا ہے اور نہ چھوٹ سکتا ہے۔

سوال2: سامری نے قوم کو فریب کیوں دیا تھا؟

جواب: سامری نے قوم کو فریب اس لیے دیا تھا تا کہ وہ قوم کا محبوب بن جائے لیکن اللہ تعالیٰ نے اسے سب کا مبغوض بنا دیا۔

سوال3: سیدنا موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام نے سامری کو کیا سزا سنائی؟

جواب: سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے کہا اب جاؤ! اب تم یہی کہتے رہو گے مجھ سے دُور رہو، مجھے نہ چھوؤ کیونکہ چھونے والا بھی تمہارے ساتھ بخار میں مبتلا ہو جائے گا۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے سامری کو دو باتیں کہی تھیں: ایک تو یہ کہ زندگی بھر کہو گے میرے قریب نہ آنا اور تمہارے لیے باز پرس کا وقت مقرر ہے جو نہیں ٹلے گا۔

سوال 4: سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے سامری کو اچھوت بنانے کی سزا کیوں دی تھی؟

جواب: سامری نے پیغمبر کو فریب دینے کی کوشش کی تھی اس طرح سے اُس کا جرم شدید ہو گیا۔

سوال 5: سامری اچھوت کیسے بنایا گیا تھا؟

جواب: سامری کے بارے میں بائیبل کا بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُسے کوڑھ کا مریض بنا دیا۔ اس کا جسم ایسا ہو گیا کہ لوگ دور سے ہی اُس سے کترانے لگے۔

سوال 6: باز پرس کے مقررہ وقت سے کیا مراد ہے؟

جواب: اس سے مراد قیامت کا وقت یعنی جزا سزا ہے جس سے کوئی بچنا چاہے تو بچ نہیں سکے گا۔

سوال 7: ﴿وَانْظُرْ اِلٰٓى اِلٰـهِكَ الَّذِيْ ظَلْتَ عَلَيْهِ عَاكِفًا ۭ لَنُحَرِّقَنَّهٗ ثُمَّ لَنَنْسِفَنَّهٗ فِي الْيَمِّ نَسْفًا﴾ ''اور اپنے معبود کو دیکھ جس پر تو مجاور بن بیٹھا تھا، ہم ضرور اسے جلا ڈالیں گے، پھر ہم ضرور اسے سمندر میں اڑا دیں گے اچھی طرح اڑانا'' آیت کے اس حصے کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَانْظُرْ اِلٰٓى اِلٰـهِكَ الَّذِيْ ظَلْتَ عَلَيْهِ عَاكِفًا﴾ ''اور اپنے معبود کو دیکھ جس پر تو مجاور بن بیٹھا تھا'' یعنی اپنے بچھڑے کو تو دیکھو جسے تم نے معبود بنالیا تھا، جس پر تم مجاور بن بیٹھے تھے کیا واقعی وہ عبادت کے لائق تھا۔

(2) ﴿لَنُحَرِّقَنَّهٗ ثُمَّ لَنَنْسِفَنَّهٗ فِي الْيَمِّ نَسْفًا﴾ ''پھر ہم ضرور اسے سمندر میں اڑا دیں گے اچھی طرح اڑانا'' یعنی ہم اسے جلائیں گے اور وہ خود کو بچا نہیں سکے گا۔ پھر ہم اس کی راکھ کو بہائیں گے تو وہ اسے ضائع ہونے سے بچا نہیں پائے گا۔

(3) بنی اسرائیل کے ذہن میں مشرکانہ مظاہر کی جو عظمت تھی اس کو ختم کرنے کے لیے لوگوں کے سامنے بچھڑے کو جلا ڈالا گیا اور اس کی خاک کو سمندر کی موجوں میں بہا دیا گیا۔

سوال 8: بچھڑے کو جلا ڈالنے کے واقعے سے کیا سبق ملتا ہے؟

جواب: اس سے یہ سبق ملتا ہے کہ شرک کے آثار کو مٹا ڈالنا چاہیے۔

﴿اِنَّمَآ اِلٰـهُكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ وَسِعَ كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا﴾

''یقیناً تمہارا معبود تو بس ایک ہی اللہ تعالیٰ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، اس کا علم ہر چیز پر وسیع ہے'' (98)

سوال 1: ﴿اِنَّمَآ اِلٰهُكُمُ اللّٰهُ الَّذِیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ وَسِعَ كُلَّ شَیْءٍ عِلْمًا﴾ ''یقیناً تمہارا معبود تو بس ایک ہی اللہ تعالیٰ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، اس کا علم ہر چیز پر وسیع ہے'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿اِنَّمَآ اِلٰهُكُمُ اللّٰهُ الَّذِیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ﴾ ''یقیناً تمہارا معبود تو بس ایک ہی اللہ تعالیٰ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں'' رب العزت نے بچھڑے کی عبادت کے باطل ہونے کو واضح فرمایا کہ جلا ڈالا گیا تو خود کو بچا نہیں سکا دوسروں کو کیسے بچائے گا؟ یہاں واضح فرمایا کہ تمہارا معبود تو اللہ تعالیٰ ہے جو ایک ہے جس کا کوئی شریک نہیں۔ وہی یہ حق رکھتا ہے کہ اس سے محبت کی جائے، اسی سے خوف رکھا جائے، اسی سے امیدیں باندھی جائیں، اسی پر توکل کیا جائے۔ اسی کے لیے عبادت کو خالص کیا جائے۔

(2) ﴿وَسِعَ كُلَّ شَیْءٍ عِلْمًا﴾ ''اس کا علم ہر چیز پر وسیع ہے'' اس کے علم نے ہر چیز کو گھیر رکھا ہے رب العزت نے فرمایا: ﴿وَمَا یَعْزُبُ عَنْ رَّبِّكَ مِنْ مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِی السَّمَآءِ وَلَآ اَصْغَرَ مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْبَرَ اِلَّا فِیْ كِتٰبٍ مُّبِیْنٍ﴾ ''اور آپ کے رب سے نہ کوئی ذرہ برابر چیز زمین میں غائب ہوتی ہے اور نہ آسمان میں اور نہ اس سے چھوٹی اور نہ بڑی مگر ایک واضح کتاب میں ہے۔'' (یونس:61)

(3) اس سے کائنات کا کوئی ذرہ چھپا ہوا نہیں۔ اور فرمایا: ﴿وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَیْبِ لَا یَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ ؕ وَیَعْلَمُ مَا فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ؕ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا یَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِیْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا یَابِسٍ اِلَّا فِیْ كِتٰبٍ مُّبِیْنٍ﴾ ''اور غیب کی کنجیاں اسی کے پاس ہیں، اس کے سوا انہیں کوئی نہیں جانتا، اور وہ خشکی اور سمندر کی ہر چیز کو جانتا ہے اور کوئی پتہ نہیں گرتا مگر وہ اسے بھی جانتا ہے اور زمین کی تاریکیوں میں کوئی دانہ نہیں گرتا اور نہ کوئی تر چیز اور نہ کوئی خشک چیز مگر سب کھلی کتاب میں ہے۔'' (الانعام:59)

﴿كَذٰلِكَ نَقُصُّ عَلَیْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ مَا قَدْ سَبَقَ ۚ وَقَدْ اٰتَیْنٰكَ مِنْ لَّدُنَّا ذِكْرًا﴾

''اسی طرح ہم آپ کو ان کی کچھ خبریں بیان کرتے ہیں یقیناً جو پہلے گزر چکے اور یقیناً ہم نے آپ کو اپنے پاس سے ایک ''ذکر'' عطا کیا ہے'' (99)

سوال 1: ﴿كَذٰلِكَ نَقُصُّ عَلَیْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ مَا قَدْ سَبَقَ ۚ وَقَدْ اٰتَیْنٰكَ مِنْ لَّدُنَّا ذِكْرًا﴾ ''اسی طرح ہم آپ کو ان کی کچھ خبریں بیان کرتے ہیں یقیناً جو پہلے گزر چکے اور یقیناً ہم نے آپ کو اپنے پاس سے ایک ''ذکر'' عطا کیا ہے'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿كَذٰلِكَ نَقُصُّ عَلَیْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ مَا قَدْ سَبَقَ﴾ ''اسی طرح ہم آپ کو ان کی کچھ خبریں بیان کرتے ہیں یقیناً جو پہلے گزر چکے'' رب العزت نے نبی ﷺ پر اپنے احسان کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ ہم نے آپ ﷺ کو موسیٰ علیہ السلام کے وہ واقعات

صاف صاف بیان کر دیئے ہیں جو آل فرعون کے ساتھ پیش آئے تھے۔اسی طرح ہم آپ ﷺ کو گزرے ہوئے واقعات اور قوموں کے حالات کا علم دے رہے ہیں۔اس تاریخ کا علم آپ ﷺ نے کسی انسان سے حاصل نہیں کیا اور یہ دلیل ہے کہ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے برحق رسول ہیں اور آپ ﷺ جو وحی لے کر آئے ہیں اس کی خبریں سچی ہیں۔

(2) یہاں یہ بتایا گیا ہے کہ جیسے فرعون اور موسیٰ علیہ السلام کا قصہ بیان کیا گیا ہے اسی طرح پہلے نبیوں کے حالات ہم بیان کر رہے ہیں تا کہ آپ ﷺ باخبر رہیں۔ان میں ذکر الٰہی ہے۔ان میں سے عبرت کے پہلوؤں کو لوگوں کے سامنے رکھیں تا کہ وہ اپنی زندگی کے لیے صحیح طرز عمل اختیار کریں۔

(3)﴿وَقَدۡ اٰتَيۡنٰكَ مِنۡ لَّدُنَّا﴾ ''اور یقیناً ہم نے آپ کو اپنے پاس سے عطا کیا ہے'' یعنی ہم نے آپ ﷺ کو اپنی رحمت سے قرآن مجید عطا فرمایا۔

(4)﴿ذِكۡرًا﴾ ''ذکر''اس سے مراد قرآن کریم ہے جس میں تمام گزرے ہوئے اور آنے والے واقعات کی خبر دی گئی ہے۔اس میں اللہ تعالیٰ کے کامل اسماء وصفات کا ذکر ہے اور اس میں احکام امر و نہی اور احکام جزا کا تذکرہ ہے۔یہ چیز دلالت کرتی ہے کہ قرآن کریم بہترین احکام پر مشتمل ہے۔عقل اور فطرت سلیم ان احکام کے حسن و کمال کی گواہی دیتی ہیں اور قرآن کریم آگاہ کرتا ہے کہ ان احکام میں کیا کیا مصالح پنہاں ہیں،اس لئے جب قرآن کریم رسول اللہ ﷺ اور آپ کی امت کے لئے تذکرہ ہے تب اس کو قبول کرنا،اس کے سامنے سر تسلیم خم کرنا،اس کی اطاعت کرنا،اس کی روشنی میں صراط مستقیم پر گامزن ہونا اور اس کی تعلیم و تعلم واجب ہے اور اس سے روگردانی کے ساتھ پیش آنا یا اس کے ساتھ ایسا سلوک کرنا جو اس سے بھی زیادہ عمومیت کا حامل ہو،جیسے اس کی باتوں کا انکار کرنا۔تو یہ اس نعمت کی ناشکری ہے اور جو کوئی اس ناشکری کا ارتکاب کرتا ہے وہ سزا کا مستحق ہے۔(تفسیر سعدی:2/1636,1637)

(5) رب العزت نے فرمایا:﴿وَهٰذَا ذِكۡرٌ مُّبٰرَكٌ اَنۡزَلۡنٰهُ ؕ اَفَاَنۡتُمۡ لَهٗ مُنۡكِرُوۡنَ﴾ ''اور یہ بڑا بابرکت ذکر ہے،ہم نے اسے نازل کیا ہے تو کیا تم اس کے منکر ہو؟'' (الانبیاء:50)

(6)﴿وَاِنَّهٗ لَذِكۡرٌ لَّكَ وَلِقَوۡمِكَ ۚ وَسَوۡفَ تُسۡـَٔلُوۡنَ﴾ ''اور یقیناً وہ (قرآن) آپ کے لیے اور آپ کی قوم کے لیے واقعی ایک نصیحت ہے اور جلد ہی تم سے پوچھا جائے گا۔'' (الزخرف:44)

(7)﴿مَا يَاۡتِيۡهِمۡ مِّنۡ ذِكۡرٍ مِّنۡ رَّبِّهِمۡ مُّحۡدَثٍ اِلَّا اسۡتَمَعُوۡهُ وَهُمۡ يَلۡعَبُوۡنَ﴾ ''اُن کے رب کی طرف سے کوئی بھی نیا ذکر اُن کے پاس نہیں آتا مگر وہ اُس کو مشقت سے سنتے ہیں،اور وہ کھیل رہے ہوتے ہیں۔'' (الانبیاء:2)

(8)﴿ذٰلِكَ نَتۡلُوۡهُ عَلَيۡكَ مِنَ الۡاٰيٰتِ وَالذِّكۡرِ الۡحَكِيۡمِ﴾ ''یہ ہے جو ہم پُر حکمت آیات اور نصیحت میں سے تم پر پڑھتے ہیں۔''
(آل عمران:58)

(9)﴿وَقَالُوۡا يٰۤاَيُّهَا الَّذِىۡ نُزِّلَ عَلَيۡهِ الذِّكۡرُ اِنَّكَ لَمَجۡنُوۡنٌ﴾''اور انہوں نے کہا کہ اے وہ شخص جس پر ذکر نازل کیا گیا ہے بلاشبہ تو یقیناً دیوانہ ہے۔'' (الحجر:6)

(10)﴿صٓ وَالۡقُرۡاٰنِ ذِى الذِّكۡرِ﴾''ص۔نصیحت والے قرآن کی قسم!'' (ص:1)

(11)﴿اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّكۡرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوۡنَ﴾''بے شک ہم ہی نے اس ذکر کو نازل کیا ہے اور بلاشبہ ہم ضرور اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔'' (الحجر:9)

(12)﴿كِتٰبٌ اَنۡزَلۡنٰهُ اِلَيۡكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوۡۤا اٰيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الۡاَلۡبَابِ﴾''یہ ایک بابرکت کتاب ہے جس کو ہم نے تمہاری طرف نازل کیا ہے تاکہ لوگ اُس کی آیات پر غور و فکر کریں اور عقل رکھنے والے اُس سے سبق لیں۔'' (ص:29)

﴿مَنۡ اَعۡرَضَ عَنۡهُ فَاِنَّهٗ يَحۡمِلُ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ وِزۡرًا﴾

''جو اس سے منہ موڑے گا تو یقیناً وہ قیامت کے دن ایک بڑا بوجھ اٹھائے گا'' (100)

سوال 1:﴿مَنۡ اَعۡرَضَ عَنۡهُ فَاِنَّهٗ يَحۡمِلُ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ وِزۡرًا﴾''جو اس سے منہ موڑے گا تو یقیناً وہ قیامت کے دن ایک بڑا بوجھ اٹھائے گا'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1)﴿مَنۡ اَعۡرَضَ عَنۡهُ﴾''جو اس سے منہ موڑے گا'' قرآن حکیم سے اعراض کرنے سے مراد اس پر ایمان نہ لانا اور جو کچھ اس میں ہدایات موجود ہیں اُن پر عمل نہ کرنا ہے۔

(2) یعنی جس نے قرآن مجید کو حقیر سمجھا یا اس کے احکامات کو نا قابل فہم اور نا قابل عمل سمجھا اور اس کا مذاق اڑایا۔

(3) یعنی اس کے حلال و حرام، اس کے اخلاق و آداب کا مذاق اڑایا۔قرآن مجید کی جگہ کوئی اور راہ نمائی کی تلاش کرنے والا گمراہ ہو جائے گا تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اسے گناہوں کا بوجھ اٹھوائے گا۔

(4)﴿فَاِنَّهٗ يَحۡمِلُ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ وِزۡرًا﴾''تو یقیناً وہ قیامت کے دن ایک بڑا بوجھ اٹھائے گا۔'' جس نے ہدایت سے منہ موڑا اور گمراہ ہو گیا اس نے دنیا اور آخرت کی نحوستیں سمیٹ لیں۔ یہ بوجھ کیسا بدترین بوجھ ہے! اس بوجھ کو اٹھانے والا قیامت کے دن جہنم کی آگ میں جائے گا جس سے وہ بچ نہیں پائے گا۔

سوال 2: قرآن حکیم سے اعراض کا کیا بدلہ ہے؟

جواب: اعراض کا بدلہ قیامت کے دن بوجھ اُٹھانا ہے جو کسی بھی اعتبار سے مفید نہ ہوگا۔

﴿خٰلِدِيۡنَ فِيۡهِ ؕ وَسَآءَ لَهُمۡ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ حِمۡلًا﴾

''اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں، اور قیامت کے دن ان کے لیے ایک بڑا بوجھ ہوگا'' (101)

سوال 1: ﴿خٰلِدِيْنَ فِيْهِ ۭ وَسَاۗءَ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ حِمْلًا﴾ ''اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں، اور قیامت کے دن ان کے لیے ایک بڑا بوجھ ہوگا'' قرآن حکیم سے اعراض کرنے والوں کی اور سزا کیا ہے؟

جواب: (1) ﴿خٰلِدِيْنَ فِيْهِ﴾ ''اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں'' یعنی وہ آگ کے عذاب میں ہمیشہ رہیں گے۔

(2) ﴿وَسَاۗءَ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ حِمْلًا﴾ ''اور قیامت کے دن ان کے لیے ایک بڑا بوجھ ہوگا'' کہ جو قرآن سے روگردانی کرے گا وہ قیامت کے دن اپنے کندھے پر اس مال کا بار اٹھائے گا۔ (3) جہنم کی آگ اور گناہوں کا بوجھ بدترین بوجھ ہے الٰہی! ہمیں بچالے۔

﴿يَّوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ وَنَحْشُرُ الْمُجْرِمِيْنَ يَوْمَىِٕذٍ زُرْقًا﴾

''جس دن صور میں پھونکا جائے گا اور اس دن ہم اس حال میں مجرموں کو جمع کریں گے کہ وہ نیلی آنکھوں والے ہوں گے'' (102)

سوال 1: ﴿يَّوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ وَنَحْشُرُ الْمُجْرِمِيْنَ يَوْمَىِٕذٍ زُرْقًا﴾ ''جس دن صور میں پھونکا جائے گا اور اس دن ہم اس حال میں مجرموں کو جمع کریں گے کہ وہ نیلی آنکھوں والے ہوں گے'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿يَّوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ﴾ ''جس دن صور میں پھونکا جائے گا'' صور سے مراد وہ نرسنگا ہے جس میں سیدنا اسرافیل علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے حکم سے پھونک ماریں گے، تو قیامت برپا ہو جائے گی۔

(2) ﴿فَاِذَا نُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَلَآ اَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَىِٕذٍ وَّلَا يَتَسَاۗءَلُوْنَ﴾ ''پھر جب صور میں پھونکا جائے گا تو اُس دن اُن کے درمیان کوئی قرابت داریاں نہ رہیں گی اور نہ ہی وہ ایک دوسرے کو پوچھیں گے۔'' (المومنون:101)

(3) سیدنا عبداللہ بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک اعرابی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور پوچھا صور کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ ایک نرسنگا ہے اس میں پھونکا جائے گا قیامت کے دن۔ (ترمذی:2430)

(4) سیدنا ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میں کیونکر آرام کرسکتا ہوں جب کہ صاحب قرن یعنی اسرافیل علیہ السلام قرن کو منہ میں لئے ہوئے اور کان لگائے ہوئے ہیں کہ کب پھونکنے کا حکم ہو سو اس وقت پھونک دے۔ صحابہ پر یہ حکم بہت سخت گزرا۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم کہو ﴿حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا﴾ ''یعنی کافی ہے ہمیں اللہ تعالیٰ اور ہم نے اللہ تعالیٰ پر توکل کیا۔'' (ترمذی:2431)

(5) ﴿وَنَحْشُرُ الْمُجْرِمِيْنَ يَوْمَىِٕذٍ زُرْقًا﴾ ''ہم اس حال میں مجرموں کو جمع کریں گے کہ وہ نیلی آنکھوں والے ہوں گے'' خوف اور بے حد غم کی وجہ سے مجرموں کے چہرے نیلے ہو جائیں گے۔

﴿يَّتَخَافَتُوْنَ بَيْنَهُمْ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا عَشْرًا﴾

''وہ آپس میں چپکے چپکے کہیں گے کہ تم لوگ دنیا میں بس دس دن ہی رہے ہو'' (103)

سوال1: ﴿يَّتَخَافَتُوْنَ بَيْنَهُمْ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا عَشْرًا﴾ ''وہ آپس میں چپکے چپکے کہیں گے کہ تم لوگ دنیا میں بس دس دن ہی رہے ہو'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿يَّتَخَافَتُوْنَ بَيْنَهُمْ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا عَشْرًا﴾ ''وہ آپس میں چپکے چپکے کہیں گے کہ تم لوگ دنیا میں بس دس دن ہی رہے ہو'' دہشت اور شدت ہول کی وجہ سے ایک دوسرے سے چپکے چپکے بات ہوگی۔

(2) رب العزت نے فرمایا: ﴿وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يُقْسِمُ الْمُجْرِمُوْنَ ۙ مَا لَبِثُوْا غَيْرَ سَاعَةٍ ؕ كَذٰلِكَ كَانُوْا يُؤْفَكُوْنَ﴾ ''اور جس دن قیامت قائم ہوگی مجرم قسمیں کھائیں گے کہ وہ ایک گھڑی کے سوا نہیں ٹھہرے۔ اسی طرح وہ بہکائے جاتے تھے۔'' (الروم:55)

(3) یعنی اس دن دنیا کی زندگی بہت مختصر محسوس ہوگی۔ اس سے ان کا مقصد بہت بڑی ندامت اور پشیمانی کا اظہار ہے کہ انہوں نے اوقات کثیرہ کیسے ضائع کر دیئے اور غفلت اور لہو ولعب میں ڈوب کر فائدہ مند اعمال سے اعراض کرتے ہوئے اور نقصان دہ اعمال میں پڑ کر ان اوقات کو گزار دیا۔ اب جزا کا وقت آ گیا ہے اور اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہوا اور اب ندامت، ہلاکت اور موت کی دعا کے سوا کچھ باقی نہیں۔

(4) جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿قٰلَ كَمْ لَبِثْتُمْ فِي الْاَرْضِ عَدَدَ سِنِيْنَ (۱۱۲) قَالُوْا لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ فَسْئَلِ الْعَآدِّيْنَ (۱۱۳) قٰلَ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا لَّوْ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ (۱۱۴)﴾ ''اللہ تعالیٰ فرمائے گا: ''تم سالوں کی گنتی میں زمین میں کتنا رہے ہو؟'' وہ کہیں گے: ''ہم ایک دن یا اس دن کا کچھ حصہ رہے ہیں، پس آپ شمار کرنے والوں سے پوچھ لیں۔'' اللہ تعالیٰ فرمائے گا: ''تم تھوڑی ہی مدت رہے ہو، کاش واقعی تم بات کو جانتے ہوتے!'' (المؤمنون:112,114)

﴿نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَقُوْلُوْنَ اِذْ يَقُوْلُ اَمْثَلُهُمْ طَرِيْقَةً اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا يَوْمًا﴾

''ہم خوب جانتے ہیں جو کچھ وہ کہیں گے جب ان سب میں سے بہترین رائے والا کہے گا کہ تم صرف ایک دن ہی ٹھہرے ہو'' (104)

سوال1: ﴿نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَقُوْلُوْنَ اِذْ يَقُوْلُ اَمْثَلُهُمْ طَرِيْقَةً اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا يَوْمًا﴾ ''ہم خوب جانتے ہیں جو کچھ وہ کہیں گے جب ان سب میں سے بہترین رائے والا کہے گا کہ تم صرف ایک دن ہی ٹھہرے ہو'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَقُوْلُوْنَ﴾ ''ہم خوب جانتے ہیں جو کچھ وہ کہیں گے'' یعنی ان کے درمیان جو چپکے چپکے باتیں ہو رہی ہوں گی وہ اللہ تعالیٰ خوب جانتے ہیں۔

(2) ﴿اِذْ يَقُوْلُ اَمْثَلُهُمْ طَرِيْقَةً اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا يَوْمًا﴾ ''جب ان سب میں سے بہترین رائے والا کہے گا کہ تم صرف ایک دن ہی

ٹھہرے ہو' قیامت کے دن سب سے عقل مند آدمی یہ سمجھے گا کہ دنیا میں ایک دن ٹھہرے ہیں۔

(3)﴿قٰلَ كَمۡ لَبِثۡتُمۡ فِى الۡاَرۡضِ عَدَدَ سِنِيۡنَ (۱۱۲) قَالُوۡا لَبِثۡنَا يَوۡمًا اَوۡ بَعۡضَ يَوۡمٍ فَسۡـَٔلِ الۡعَآدِّيۡنَ (۱۱۳) قٰلَ اِنۡ لَّبِثۡتُمۡ اِلَّا قَلِيۡلًا لَّوۡ اَنَّكُمۡ كُنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ (۱۱۴)﴾ ''اللہ تعالیٰ فرمائے گا: ''تم سالوں کی گنتی میں زمین میں کتنا رہے ہو؟'' وہ کہیں گے: ''ہم ایک دن یا اس دن کا کچھ حصہ رہے ہیں، پس آپ شمار کرنے والوں سے پوچھ لیں۔'' اللہ تعالیٰ فرمائے گا: ''تم تھوڑی ہی مدت رہے ہو، کاش واقعی تم بات کو جانتے ہوتے!'' (المومنون:114,112)

(4) یہ ہے انسان کی زندگی جس میں انسان کیسے کاموں میں مصروف ہے۔ کہیں سامری مصروف عمل نظر آتا ہے، کہیں موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام مصروف عمل نظر آتے ہیں، کہیں قوم بہکی ہوئی نظر آرہی ہے، کہیں بھٹکنے والوں کو ان کی گمراہی سے نکالنے کے لیے خیرخواہی نظر آتی ہے۔ ہاں اس زمین پر دوسروں کو بچانے والے لوگ ہی بچائے جائیں گے۔ کل وہی بچے گا جو آج بچانے کی کوششیں کرتا ہے اور جو آج نہیں بچاتا وہ کل بچ نہیں پائے گا۔

سوال 2: دُنیا میں انسان آخرت کے لیے عمل کیوں نہیں کر پاتا؟

جواب: انسان یہ سمجھتا ہے کہ آخرت دُور کی چیز ہے اور قیامت آنے کے بعد انسان کو یہ لگے گا زندگی بس چند روز کی تھی۔ کاش آج حقیقت کا سچا ادراک ہو جائے۔

رکوع نمبر 15

﴿وَيَسۡـَٔلُوۡنَكَ عَنِ الۡجِبَالِ فَقُلۡ يَنۡسِفُهَا رَبِّىۡ نَسۡفًا﴾

''اور وہ تم سے پہاڑوں کے بارے میں سوال کرتے ہیں، چنانچہ آپ کہہ دیں میرا رب انہیں اڑا کر بکھیر دے گا'' (105)

سوال 1: ﴿وَيَسۡـَٔلُوۡنَكَ عَنِ الۡجِبَالِ فَقُلۡ يَنۡسِفُهَا رَبِّىۡ نَسۡفًا﴾ ''اور وہ تم سے پہاڑوں کے بارے میں سوال کرتے ہیں، چنانچہ آپ کہہ دیں میرا رب انہیں اڑا کر بکھیر دے گا'' قیامت کے دن پہاڑ کہاں جائیں گے؟

جواب: (1) ﴿وَيَسۡـَٔلُوۡنَكَ عَنِ الۡجِبَالِ﴾ ''اور وہ تم سے پہاڑوں کے بارے میں سوال کرتے ہیں'' لوگوں نے نبی ﷺ سے سوال کیا تھا کہ جب قیامت آئے گی تو پہاڑ باقی رہیں گے یا نہیں۔

(2) ﴿فَقُلۡ يَنۡسِفُهَا رَبِّىۡ نَسۡفًا﴾ ''چنانچہ آپ کہہ دیں میرا رب انہیں اڑا کر بکھیر دے گا'' آپ فرما دیں کہ میرا رب انہیں ریزہ ریزہ کر کے ہوا میں اڑا دے گا۔

(3) اللہ تعالیٰ نے توجہ دلائی ہے کہ جن کو تم عظیم سمجھتے ہو ان کی عظمت تو دھواں ہو جانے والی ہے، بکھر جانے والی ہے رب کے نزدیک ان کی

کوئی حیثیت کوئی اہمیت نہیں ہے۔

(4)﴿فَاِذَا نُفِخَ فِي الصُّوۡرِ نَفۡخَةٌ وَّاحِدَةٌ ﴿۱۳﴾ وَّحُمِلَتِ الۡاَرۡضُ وَالۡجِبَالُ فَدُكَّتَا دَكَّةً وَّاحِدَةً ﴿۱۴﴾﴾ ''چنانچہ جب صور میں پھونکا جائے گا، ایک بار پھونکنا۔ اور زمین اور پہاڑوں کو اُٹھایا جائے گا اور دونوں ٹکرا دیے جائیں گے، ایک ہی بار ٹکرا دینا۔'' (الحاقہ:13,14)

(5)﴿يَوۡمَ تَرۡجُفُ الۡاَرۡضُ وَالۡجِبَالُ وَكَانَتِ الۡجِبَالُ كَثِيۡبًا مَّهِيۡلًا﴾ ''جس دن زمین اور پہاڑ کانپیں گے اور پہاڑ بھر بھری ریت کے ٹیلے ہو جائیں گے۔'' (المزمل:14)

(6)﴿يَوۡمَ يَكُوۡنُ النَّاسُ كَالۡفَرَاشِ الۡمَبۡثُوۡثِ ﴿۴﴾ وَتَكُوۡنُ الۡجِبَالُ كَالۡعِهۡنِ الۡمَنۡفُوۡشِ ﴿۵﴾﴾ ''جس دن لوگ بکھرے ہوئے پروانوں کی مانند ہوں گے۔ اور پہاڑ دُھنکی ہوئی رنگین اُون کی طرح ہو جائیں گے''۔ (القارعہ:4,5)

(7)﴿وَّسُيِّرَتِ الۡجِبَالُ فَكَانَتۡ سَرَابًا﴾ ''اور پہاڑ چلائے جائیں گے تو وہ سراب ہو جائیں گے۔'' (النباء:20)

(8) اللہ تعالیٰ انسانی شعور کو کیسے دوڑاتا ہے کہ دیکھو یہ پہاڑ ہیں اور یہ پہاڑ اڑنے لگ گئے۔ دیکھو سارے ٹوٹ کر بکھر گئے، مٹی ہو گئے۔ ریزہ ریزہ ساری ہی زمین ہموار ہو گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ انسان کو جیتے جاگتے اس منظر میں لے جاتے ہیں جہاں پہاڑ ریزہ ریزہ ہو رہے ہیں۔

﴿فَيَذَرُهَا قَاعًا صَفۡصَفًا﴾

''پھر انہیں چٹیل میدان بنا کر چھوڑ دے گا'' (106)

سوال 1:﴿فَيَذَرُهَا قَاعًا صَفۡصَفًا﴾ ''پھر انہیں چٹیل میدان بنا کر چھوڑ دے گا'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1)﴿فَيَذَرُهَا قَاعًا صَفۡصَفًا﴾ ''پھر انہیں چٹیل میدان بنا کر چھوڑ دے گا'' قاع چٹیل میدان کو کہتے ہیں۔ اور صَفۡصَفاً ہموار زمین کو کہا جاتا ہے قَاعًا کے بعد صَفۡصَفًا تاکید کے طور پر لایا گیا ہے۔

(2) زمین چٹیل میدان ہو جائے گی، اس میں کوئی ٹیلہ، غار اور نشیب و فراز نہیں ہوگا۔ وہ کامل طور پر ہموار ہو جائے گی۔

(3)﴿وَاِذَا الۡاَرۡضُ مُدَّتۡ﴾ ''اور جب زمین پھیلا دی جائے گی۔'' (الانشقاق:3)

(4)﴿وَاِنَّا لَجٰعِلُوۡنَ مَا عَلَيۡهَا صَعِيۡدًا جُرُزًا﴾ ''اور جو بھی زمین پر ہیں بلاشبہ ہم اُسے ضرور صاف میدان بنا دینے والے ہیں۔'' (الکہف:8)

(5) سہیل بن سعد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''قیامت کے روز لوگ چمک دار، خاکستری رنگ کی صاف ستھری ٹکیہ جیسی زمین پر اکٹھے کئے جائیں گے جس پر کسی کے لئے کوئی نشانی یا نشیب و فراز نہیں ہوگا''۔ (مسلم، کتاب الصفات المنافقین)

﴿لَّا تَرٰى فِيۡهَا عِوَجًا وَّلَاۤ اَمۡتًا﴾

''آپ اس میں نہ کوئی ٹیڑھ دیکھیں گے اور نہ کوئی ٹیلہ'' (107)

سوال 1: ﴿لَّا تَرٰى فِيْهَا عِوَجًا وَّلَآ اَمْتًا﴾ ”آپ اس میں نہ کوئی ٹیڑھ دیکھیں گے اور نہ کوئی ٹیلہ“ اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿لَّا تَرٰى فِيْهَا عِوَجًا وَّلَآ اَمْتًا﴾ ”آپ اس میں نہ کوئی ٹیڑھ دیکھیں گے اور نہ کوئی ٹیلہ“ قیامت کے دن زمین ہموار اور یکساں نظر آئے گی، اس میں وادیاں اور بلند و پست مقامات نہیں ہوں گے۔

(2) سیدنا علی بن حسین رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ”قیامت کے روز اللہ تعالیٰ زمین کو ایک ہموار چمڑے کی شکل میں کھینچ دیں گے اور اس پر آدمیوں میں سے ہر آدمی کو دو قدم رکھنے کی جگہ میسر آئے گی۔“ (التذکرۃ القرطبی، ابواب الموت، باب این یکون الناس)

﴿يَوْمَئِذٍ يَّتَّبِعُوْنَ الدَّاعِيَ لَا عِوَجَ لَهٗ ۚ وَخَشَعَتِ الْاَصْوَاتُ لِلرَّحْمٰنِ فَلَا تَسْمَعُ اِلَّا هَمْسًا﴾

”اس دن سب لوگ بلانے والے کے پیچھے چل پڑیں گے، کسی میں کوئی کجی نہ ہوگی اور آوازیں رحمٰن کے لیے دب جائیں گی، چنانچہ آپ سرسراہٹ کے سوا کچھ نہ سنیں گے“ (108)

سوال 1: ﴿يَوْمَئِذٍ يَّتَّبِعُوْنَ الدَّاعِيَ﴾ ”اس دن سب لوگ بلانے والے کے پیچھے چل پڑیں گے“ اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿يَوْمَئِذٍ يَّتَّبِعُوْنَ الدَّاعِيَ﴾ ”اس دن سب لوگ بلانے والے کے پیچھے چل پڑیں گے“ جب لوگ دوبارہ زندہ کر کے اٹھائے جائیں گے تو پکارنے والا ان کو جمع ہونے کے لئے پکارے گا اور وہ اس کی آواز پر لبیک کہیں گے۔

(2) رب العزت نے فرمایا: ﴿فَتَوَلَّ عَنْهُمْ ۘ يَوْمَ يَدْعُ الدَّاعِ اِلٰى شَيْءٍ نُّكُرٍ ۝٦ خُشَّعًا اَبْصَارُهُمْ يَخْرُجُوْنَ مِنَ الْاَجْدَاثِ كَاَنَّهُمْ جَرَادٌ مُّنْتَشِرٌ ۝٧ مُّهْطِعِيْنَ اِلَى الدَّاعِ ۭ يَقُوْلُ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا يَوْمٌ عَسِرٌ ۝٨﴾ ”چنانچہ آپ اُن سے منہ پھیر لیں۔ جس دن پکارنے والا ایک سخت ناگوار چیز کی طرف پکارے گا۔ ان کی نگاہیں جھکی ہوئی ہوں گی، وہ اپنی قبروں سے ایسے نکلیں گے گویا وہ منتشر ٹڈیاں ہوں۔ گردن اُٹھا کر پکارنے والے کی طرف دوڑنے والے ہوں گے، کافر کہیں گے: ”یہ تو بڑا مشکل دن ہے۔“ (القمر: 6،8)

(3) سیدنا معاویہ بن حیدہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”تم لوگ اکٹھے کئے جاؤ گے بعض پیدل، بعض سوار اور بعض منہ کے بل گھسیٹے جائیں گے اس طرف اور آپ نے اپنے ہاتھ مبارک سے شام کی طرف اشارہ فرمایا۔“ (صحیح الجامع الصغیر: 2298)

(4) سیدہ میمونہ بنت سعد رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”ارض شام اکٹھے ہونے اور بکھرنے کی جگہ ہے“۔ (صحیح الجامع الصغیر: 3620)

(5) ﴿يَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَيْرَ الْاَرْضِ وَالسَّمٰوٰتُ وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ﴾ ”جس دن یہ زمین کسی اور زمین سے بدل دی جائے گی اور آسمان بھی اور سب لوگ اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر ہوں گے، جو اکیلا ہے، بڑا زبردست ہے۔“ (ابراہیم: 48)

(6) سیدنا مسروق رضی اللہ عنہ کہتے ہیں، سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ آیت تلاوت کی ﴿يَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَيْرَ الْاَرْضِ﴾ ”جس روز زمین دوسری زمین سے بدل دی جائے گی۔“ (ابراہیم: 48) تو نبی کریم ﷺ سے پوچھا ”یارسول اللہ ﷺ! اس وقت لوگ کہاں ہوں گے؟“

نبی کریم ﷺ نے فرمایا ''پل صراط پر۔'' (ترمذی:3121)

(7) ﴿لَا عِوَجَ لَهٗ﴾ ''کسی میں کوئی کجی نہ ہوگی'' یعنی پکارنے والے کی دعوت میں کوئی کجی نہ ہوگی بلکہ اس کی دعوت تمام خلائق کے لئے حق اور صدق پر مبنی ہوگی اور وہ پکار کر تمام خلائق تک اپنی آواز پہنچائے گا۔ تمام لوگ قیامت کے میدان میں حاضر ہوں گے اور رحمٰن کے سامنے ان کی آوازیں پست ہوں گی۔ (تفسیر سعدی:1639/2)

سوال2: ﴿وَخَشَعَتِ الْاَصْوَاتُ لِلرَّحْمٰنِ فَلَا تَسْمَعُ اِلَّا هَمْسًا﴾ ''اور آوازیں رحمٰن کے لیے دب جائیں گی۔ پھر تم سرسراہٹ کے سوا کچھ نہ سنو گے'' آیت کے اس حصے کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَخَشَعَتِ الْاَصْوَاتُ لِلرَّحْمٰنِ﴾ ''اور آوازیں رحمٰن کے لیے دب جائیں گی۔ پھر تم سرسراہٹ کے سوا کچھ نہ سنو گے'' حشر کے میدان میں سب لوگوں کی آوازیں اپنے رب کے سامنے پست ہو جائیں گی۔ رب العزت نے فرمایا: ﴿هٰذَا يَوْمُ لَا يَنْطِقُوْنَ (۳۵) وَلَا يُؤْذَنُ لَهُمْ فَيَعْتَذِرُوْنَ (۳۶)﴾ ''یہ دن ہے جس میں وہ کچھ نہیں بولیں گے۔ اور نہ ہی اُنہیں اجازت دی جائے گی کہ وہ معذرت پیش کریں۔'' (المرسلات:35،36)

(2) ﴿فَلَا تَسْمَعُ اِلَّا هَمْسًا﴾ ''پھر تم سرسراہٹ کے سوا کچھ نہ سنو گے'' قیامت کے دن لوگوں کے قدموں کی آہٹ یا ہونٹوں کی حرکت سے بالکل آہستہ آنے والی آواز ہوگی۔ جیسا کہ رب العزت نے فرمایا: ﴿يَوْمَ يَاْتِ لَا تَكَلَّمُ نَفْسٌ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ۚ فَمِنْهُمْ شَقِيٌّ وَّسَعِيْدٌ﴾ ''جس دن وہ آئے گا، کوئی شخص اس کی اجازت کے سوا کلام نہ کر سکے گا، چنانچہ ان میں کچھ بدبخت اور کچھ نیک بخت ہیں۔'' (ہود:105)

(3) اس دن سب اللہ تعالیٰ کے فیصلے کے منتظر ہوں گے۔ کوئی نہیں جانتا ہوگا کہ اس کے ساتھ کیا معاملہ ہوگا۔ چہرے جھکے ہوئے ہوں گے۔ اللہ ذوالجلال کا نور پورے ماحول پہ چھایا ہوا ہوگا۔ لوگ پکارنے والے کی آواز کے پیچھے چل دیں گے۔

(4) قیامت کے دن لوگوں کے قدموں کی آہٹ ہوگی۔ یعنی فقط قدموں کی چاپ یا ہونٹوں کی حرکت سے پیدا ہونے والی پست آواز سنائی دے گی اور ان پر خشوع، سکوت اور خاموشی طاری ہوگی اور رب رحمٰن کے فیصلے کے منتظر ہوں گے اور چہرے تذلل اور خضوع سے جھکے ہوئے ہوں گے۔ تم اس عظیم مقام پر دیکھو گے کہ دولت منداور فقراء، مرد اور عورتیں، آزاد اور غلام، بادشاہ اور عوام سب نظریں نیچے کیے ساکت اور خاموش گھٹنوں کے بل گرے ہوئے اور گردنوں کو جھکائے ہوئے ہوں گے۔ کسی کو معلوم نہیں ہوگا کہ اس کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے گا۔ ہر شخص اپنے باپ، بھائی اور دوست، یار کو بھول کر صرف اپنے معاملے میں مشغول ہوگا۔ حاکم عادل اس بارے میں فیصلہ کرے گا۔ اس کی نیکی کی جزا دے گا اور بدکار کو محروم کرے گا۔ رب کریم اور رحمٰن ورحیم پر امید یہ ہے کہ تمام خلائق اس کے ایسے فضل واحسان، عفو و درگزر اور بخشش کو دیکھے گی، زبان جس کی تعبیر سے قاصر اور فکر اس کے تصور سے بے بس ہے۔ تب تمام خلائق اس کی رحمت کی منتظر ہوگی مگر رحمت ان لوگوں کے لئے مختص ہوگی جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے۔ (تفسیر سعدی:1639،1640)

﴿يَوْمَئِذٍ لَّا تَنفَعُ الشَّفَاعَةُ إِلَّا مَنْ أَذِنَ لَهُ الرَّحْمَٰنُ وَرَضِيَ لَهُ قَوْلًا﴾

''اُس دن سفارش فائدہ نہ دے گی مگر جس کو رحمٰن اجازت دے گا اور اس سے بات کرنا پسند فرمائے گا'' (109)

سوال 1: ﴿يَوْمَئِذٍ لَّا تَنفَعُ الشَّفَاعَةُ إِلَّا مَنْ أَذِنَ لَهُ الرَّحْمَٰنُ وَرَضِيَ لَهُ قَوْلًا﴾ ''اُس دن سفارش فائدہ نہ دے گی مگر جس کو رحمٰن اجازت دے گا اور اس سے بات کرنا پسند فرمائے گا'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿يَوْمَئِذٍ لَّا تَنفَعُ الشَّفَاعَةُ﴾ ''اُس دن سفارش فائدہ نہ دے گی'' اللہ تعالیٰ کو کسی کی سفارش کی ضرورت نہیں کیونکہ وہ بندوں کے حالات سے باخبر ہے۔ خاص حالات میں کسی کی درخواست اللہ تعالیٰ قبول کرنا چاہیں گے تو اس کے لیے موقع دیں گے۔ رب العزت کا فرمان ہے: ﴿رَّبِّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا الرَّحْمَٰنِ لَا يَمْلِكُونَ مِنْهُ خِطَابًا (٣٧) يَوْمَ يَقُومُ الرُّوحُ وَالْمَلَائِكَةُ صَفًّا لَّا يَتَكَلَّمُونَ إِلَّا مَنْ أَذِنَ لَهُ الرَّحْمَٰنُ وَقَالَ صَوَابًا (٣٨)﴾ ''جو آسمانوں اور زمین کا اور جو کچھ اُن کے درمیان ہے ان سب کا رب ہے۔ وسیع رحمت والا ہے، کسی کو اُس سے بات کرنے کی قدرت نہ ہوگی۔ جس دن جبرئیل اور فرشتے صف بستہ کھڑے ہوں گے کوئی بات نہیں کرے گا مگر جس کو رحمٰن اجازت دے گا اور وہ درست بات کہے گا۔'' (النباء: 37,38)

(2) اللہ تعالیٰ کی رحمت کے بارے میں آپ جو چاہیں کہیں، وہ آپ کے اندازوں اور آپ کے تصور سے کہیں زیادہ ہے۔ پس پاک ہے وہ ذات، جو اپنے عدل وانصاف اور سزا دینے میں اسی طرح رحیم ہے جس طرح وہ اپنے فضل واحسان اور ثواب عطا کرنے میں رحیم ہے۔ بلند وبالا ہے وہ ہستی جس کی رحمت ہر چیز پر سایہ کناں ہے اور جس کا فضل وکرم ہر زندہ مخلوق کو شامل ہے، وہ اپنی بے نیازی کے باعث اپنے بندوں سے بالا وبرتر اور ان پر نہایت رحم کرنے والا ہے۔ بندے اپنے تمام احوال میں ہمیشہ اس کے محتاج ہیں اور لمحہ بھر کے لئے اللہ تعالیٰ سے بے نیاز نہیں رہ سکتے۔ (تفسیر سعدی: 1640,1641/2)

(3) ﴿إِلَّا مَنْ أَذِنَ لَهُ الرَّحْمَٰنُ﴾ ''مگر جس کو رحمٰن اجازت دے گا'' یعنی اس کی اجازت کے بغیر کوئی شخص اس کے ہاں سفارش نہیں کر سکے گا اور وہ صرف اس شخص کے لئے سفارش کی اجازت دے گا جس کے لئے وہ راضی ہوگا یعنی انبیاء ومرسلین اور مقرب بندے۔ صرف ان لوگوں کے لئے سفارش کی اجازت ہوگی جن کی باتوں کو اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل ہوگی اور وہ صرف مخلص مومن ہیں۔ اگر ان میں سے ایک شرط بھی معدوم ہوگی تو کسی کے لئے کسی کی سفارش قبول نہ ہوگی۔ (تفسیر سعدی: 1641,1640/2)

(4) رب العزت کا فرمان ہے: ﴿مَن ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِندَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ﴾ ''کون ہے جو اس کی اجازت کے بغیر اس کی جناب میں سفارش کرے۔'' (البقرہ: 255)

(5) اس موقعے پر لوگ دو اقسام میں منقسم ہوں گے۔ اپنے کفر کی وجہ سے اپنے آپ پر ظلم کرنے والے، جنہیں ناکامی، حرماں نصیبی، جہنم

میں دردناک عذاب، اور اللہ تعالیٰ کی سخت ناراضی کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ وہ لوگ جو ان امور پر ایمان لائے جن پر ایمان لانے کے لئے ان کو حکم دیا گیا، نیک عمل کرتے رہے یعنی واجبات و مستحبات پر عمل پیرا رہے۔ (تفسیر سعدی: 1640,1641/2)

(6) ﴿يَوۡمَ يَاۡتِ لَا تَكَلَّمُ نَفۡسٌ اِلَّا بِاِذۡنِهٖ‌ ۚ فَمِنۡهُمۡ شَقِىٌّ وَّسَعِيۡدٌ﴾ ''جس دن وہ آئے گا، کوئی شخص اس کی اجازت کے سوا کلام نہ کر سکے گا، چنانچہ ان میں کچھ بدبخت اور کچھ نیک بخت ہیں۔'' (ھود: 105)

(7) ﴿وَكَمۡ مِّنۡ مَّلَكٍ فِى السَّمٰوٰتِ لَا تُغۡنِىۡ شَفَاعَتُهُمۡ شَيۡـًٔـا اِلَّا مِنۡۢ بَعۡدِ اَنۡ يَّاۡذَنَ اللّٰهُ لِمَنۡ يَّشَآءُ وَيَرۡضٰى﴾ ''اور آسمانوں میں کتنے ہی فرشتے ہیں جن کی سفارش کچھ بھی کام نہیں آسکتی مگر اُس کے بعد کہ اللہ تعالیٰ اجازت دے جس کے لیے چاہے اور پسند کرے۔'' (النجم: 26)

(8) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ہر نبی کے لئے ایک دعا ہوتی ہے۔ جو ضرور قبول کی جاتی ہے تو ہر نبی نے جلدی کی کہ اپنی اس دعا کو (دنیا ہی میں) مانگ لیا ہے اور میں نے اپنی دعا کو قیامت کے دن اپنی امت کی شفاعت کے لیے سنبھال رکھا ہے اور اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو میری شفاعت میری امت کے ہر اس آدمی کے لیے ہوگی جو اس حال میں مرگیا کہ اس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرایا ہو۔'' (صحیح مسلم: 491)

(9) ﴿وَرَضِىَ لَهٗ قَوۡلًا﴾ ''اور اس سے بات کرنا پسند فرمائے گا'' یعنی وہ جس سے راضی ہوگا اسے سفارش کی اجازت دے گا اور وہ انبیاء، مقربین اور مخلص ایمان والے ہیں۔ رب العزت نے فرمایا: ﴿يَعۡلَمُ مَا بَيۡنَ اَيۡدِيۡهِمۡ وَمَا خَلۡفَهُمۡ وَلَا يَشۡفَعُوۡنَ ۙ اِلَّا لِمَنِ ارۡتَضٰى وَهُمۡ مِّنۡ خَشۡيَتِهٖ مُشۡفِقُوۡنَ﴾ ''وہ جانتا ہے جو اُن کے سامنے ہے اور جو اُن کے پیچھے ہے اور وہ سفارش نہیں کرتے مگر اس کے لیے جسے اللہ تعالیٰ پسند کرے اور وہ اس کے خوف سے ڈرنے والے ہیں۔'' (الانبیاء: 28)

سوال 2: قیامت کے دن کس کی شفاعت نفع دے گی؟

جواب: (1) قیامت کے دن جن کے لیے رحمٰن شفاعت کی اجازت دے گا، ان ہی کے لیے شفاعت مؤثر ہوگی اور یہ اللہ تعالیٰ کی واحدانیت پر یقین رکھنے والے ہوں گے۔

(2) قیامت کے دن اصل اہمیت اس چیز کی ہوگی کہ کون کیا لے کر آیا ہے، جنہوں نے اپنے رب کو پہچانا، اپنی زندگی کو اس کے احکامات کے مطابق ڈھالا وہی لوگ یہ حق رکھیں گے کہ اگر ان کے اعمال میں کسی قسم کی کمی ہوگی تو وہ شفاعت سے پوری کر دی جائے گی۔

﴿يَعۡلَمُ مَا بَيۡنَ اَيۡدِيۡهِمۡ وَمَا خَلۡفَهُمۡ وَلَا يُحِيۡطُوۡنَ بِهٖ عِلۡمًا﴾

''وہ سب جانتا ہے جو اُن کے آگے ہے اور جو ان کے پیچھے ہے اور وہ سب علم سے اس کا احاطہ نہیں کر سکتے'' (110)

سوال1:﴿يَعۡلَمُ مَا بَيۡنَ اَيۡدِيۡهِمۡ وَمَا خَلۡفَهُمۡ وَلَا يُحِيۡطُوۡنَ بِهٖ عِلۡمًا﴾ ''وہ سب جانتا ہے جواُن کے آگے ہے اور جو ان کے پیچھے ہے اور وہ سب علم سے اس کا احاطہ نہیں کر سکتے'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿يَعۡلَمُ مَا بَيۡنَ اَيۡدِيۡهِمۡ﴾ ''وہ سب جانتا ہے جواُن کے آگے ہے'' قتادہ رحمہ اللہ نے فرمایا: اس سے مراد ہے کہ وہ قیامت کے معاملے کو جانتا ہے۔(جامع البیان:235/16)

(2)﴿وَمَا خَلۡفَهُمۡ﴾ ''اور جو ان کے پیچھے ہے'' اوران کے دنیا کے معاملات کو جانتا ہے۔(جامع البیان:235/16)

(3)﴿وَلَا يُحِيۡطُوۡنَ بِهٖ عِلۡمًا﴾ ''اور وہ سب علم سے اس کا احاطہ نہیں کر سکتے'' یعنی اللہ تعالیٰ کی مخلوق اس کا احاطہ نہیں کر سکتی۔(تفسیر جامع البیان:235/16)

سوال2: اللہ تعالیٰ کے علم کا شفاعت کے ساتھ تعلق واضح کریں؟

جواب: کسی کے علم ہی کی وجہ سے سفارش کے مستحق ہونے نہ ہونے کا فیصلہ ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا علم کلی ہے، اس لیے شفاعت کا فیصلہ اللہ تعالیٰ کریں گے کہ کون کس کے حق میں شفاعت کرے۔

سوال3: اللہ تعالیٰ کا علم کیسا ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ سب اگلے پچھلے حالات جانتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا علم ہر چیز پر محیط ہے۔

﴿وَعَنَتِ الۡوُجُوۡهُ لِلۡحَيِّ الۡقَيُّوۡمِ ؕ وَقَدۡ خَابَ مَنۡ حَمَلَ ظُلۡمًا﴾

''اور تمام چہرے اُس زندہ رہنے والے اور قائم رہنے والے کے سامنے جھک جائیں گے اور یقیناً نامراد ہوا جس نے بڑے ظلم کا بوجھ اُٹھایا''(111)

سوال1:﴿وَعَنَتِ الۡوُجُوۡهُ لِلۡحَيِّ الۡقَيُّوۡمِ ؕ وَقَدۡ خَابَ مَنۡ حَمَلَ ظُلۡمًا﴾ ''اور تمام چہرے اُس زندہ رہنے والے اور قائم رہنے والے کے سامنے جھک جائیں گے اور یقیناً نامراد ہوا جس نے بڑے ظلم کا بوجھ اُٹھایا'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿وَعَنَتِ الۡوُجُوۡهُ لِلۡحَيِّ الۡقَيُّوۡمِ﴾ ''اور تمام چہرے اُس زندہ رہنے والے اور قائم رہنے والے کے سامنے جھک جائیں گے'' قیامت کے دن اللہ ذوالجلال کا خوف لوگوں پر چھایا ہوا ہوگا۔ کوئی اس کی اجازت کے بغیر سفارش نہیں کر سکے گا۔ ظالم اپنا بوجھ اُٹھائے ہوئے ہوں گے۔ تمام لوگ سہمے ہوئے ہوں گے اور آوازیں اُس کے آگے دب جائیں گی۔ اہل ایمان کو یہ خوف نہ ہوگا کہ اعمال میں سے کچھ کم کیا جائے گا۔ الحمدللہ

(2) سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب سے اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا تب سے اس پر موت سے زیادہ سخت وقت کوئی نہیں آیا اور پھر موت کے بعد کے مراحل موت سے بھی زیادہ سخت ہیں۔ بے شک لوگ حشر کے دن کی سختی سے دوچار

ہونے والے ہیں جس سے پسینہ کی لگام آئی ہوگی (پسینہ اس قدر بہہ رہا ہوگا کہ) اگر اس پسینہ میں کشتیاں چلائی جائیں تو وہ چلنے لگیں۔'' (الترغیب والترھیب:5258)

(3) سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''قیامت کے روز ایک آدمی کو پسینہ کی (منہ تک) لگام آئی ہوگی اور وہ دعا مانگے گا اے میرے رب! اس مصیبت سے مجھے نجات دے خواہ جہنم میں ہی بھیج دے۔'' (الترغیب والترھیب لمحی الدین دیب، الجزاء الرابع، 5260)

(4) سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے: ''لوگ قیامت کے دن ننگے پاؤں، ننگے بدن اور ختنہ کے بغیر اکٹھے کئے جائیں گے''۔ میں نے کہا ''اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! کیا سب مرد اور عورتیں ایک دوسرے کی طرف نہیں دیکھیں گے؟'' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اے عائشہ! وہ دن اس قدر سخت ہوگا کہ کسی کو ایک دوسرے کی طرف دیکھنے کا ہوش نہ ہوگا۔'' (مسلم، کتاب الجنۃ وصفتہ۔ باب فناء الدنیا وبیان الحشر یوم القیامۃ)

(5) ﴿وَقَدْ خَابَ مَنْ حَمَلَ ظُلْمًا﴾ ''اور یقیناً نامراد ہوا جس نے بڑے ظلم کا بوجھ اُٹھایا'' جس نے قیامت والے دن اپنے اوپر ظلم لیا وہ تباہ ہوگیا۔

(6) رب العزت کا فرمان ہے: ﴿إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ﴾ ''بے شک شرک یقیناً بہت بڑا ظلم ہے'' (سورہ لقمان:1)

(7) سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ظلم قیامت کے دن اندھیرے ہوں گے۔ (صحیح بخاری:2447)

(8) سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن ہر صاحب حق کو اس کا حق دلایا جائے گا حتیٰ کہ اگر ایک سینگ والی بکری نے بغیر سینگ والی بکری پر ظلم کیا ہوگا، تو اس کا بدلہ بھی دیا جائے گا۔'' (مسلم:2582)

(9) سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''لوگو! ظلم سے بچو، کیونکہ ظلم قیامت کے دن تاریکیوں کا سبب ہوگا۔'' (مسلم:2578)

﴿وَمَن يَعْمَلْ مِنَ الصَّالِحَاتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا يَخَافُ ظُلْمًا وَلَا هَضْمًا﴾

''اور جو نیک عمل کرے گا اور وہ مومن بھی ہو تو نہ وہ کسی ناانصافی سے ڈرے گا اور نہ کسی حق تلفی سے'' (112)

سوال 1: ﴿وَمَن يَعْمَلْ مِنَ الصَّالِحَاتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا يَخَافُ ظُلْمًا وَلَا هَضْمًا﴾ ''اور جو نیک عمل کرے گا اور وہ مومن بھی ہو تو نہ وہ کسی ناانصافی سے ڈرے گا اور نہ کسی حق تلفی سے'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَمَن يَعْمَلْ مِنَ الصَّالِحَاتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ﴾ ''اور جو نیک عمل کرے گا اور وہ مومن بھی ہو'' یعنی جو اللہ تعالیٰ کے عائد کردہ فرائض ادا کرے اور وہ اللہ تعالیٰ کی تصدیق کرتا ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ ایمان کے ساتھ نیک اعمال کو قبول کرتا ہے۔

(2) ایمان اطاعت کی صحت اور نیکیوں کی قبولیت کی شرط ہے۔ (تفسیر ابی سعود:4/311)

(3) ﴿فَلَا يَخٰفُ ظُلْمًا﴾ ''تو نہ وہ کسی ناانصافی سے ڈرے گا'' یعنی اس کے گناہوں میں اضافہ نہیں کیا جائے گا۔

(4) ظلم کا مطلب ہے کہ جو گناہ خود نہیں کیے ان کا بوجھ بھی اٹھانا پڑ جائے۔ قیامت کے دن دوسروں کے گناہوں کا بوجھ نہیں ڈالا جائے گا۔

(5) ﴿وَّلَا هَضْمًا﴾ ''اور نہ کسی حق تلفی سے'' یعنی نہ اس کی نیکیوں میں کمی کی جائے گی بلکہ اس کے گناہوں کو بخش دیا جائے گا، اس کے عیوب کو پاک کر دیا جائے گا اور اس کی نیکیوں میں کئی گنا اضافہ کر دیا جائے گا۔ فرمایا: ﴿وَاِنْ تَكُ حَسَنَةً يُّضٰعِفْهَا وَيُؤْتِ مِنْ لَّدُنْهُ اَجْرًا عَظِيْمًا﴾ ''اگر ایک نیکی ہو تو اس کو دو گنا بڑھا کر دے گا۔ اور اپنے پاس سے بہت بڑا اجر عطا فرمائے گا۔'' (سورہ النساء:40) (تفسیر سعدی: 1640,1641/2)

(6) ﴿فَكَيْفَ اِذَا جَمَعْنٰهُمْ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ ۣ وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَھُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ﴾ ''تو کیا حال ہوگا جب ہم انہیں اس دن کے لیے اکٹھا کریں گے جس میں کوئی شک نہیں اور ہر جان کو اُس کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا جو اس نے کمایا اور اُن پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔'' (آل عمران:25)

(7) سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''حکم ہوگا کہ واپس جاؤ اور جہنم سے ان لوگوں کو بھی نکال لاؤ جن کے دل میں ایک دینار کے برابر بھی ایمان ہو، چنانچہ وہ بہت سے لوگوں کو نکال لائیں گے اور کہیں گے، اے ہمارے رب! جن کو نکالنے کا تو نے حکم دیا تھا ہم نے ان سب کو نکال لیا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا، پھر واپس جاؤ اور جس کے دل میں آدھے دینار کے برابر بھی ایمان ہو اسے بھی نکال لاؤ۔ چنانچہ وہ بہت سے لوگوں کو نکال لائیں گے اور کہیں گے، اے ہمارے رب! جن کو نکالنے کا تو نے حکم دیا تھا ہم ان سب کو نکال لائے ہیں۔ اللہ تعالیٰ پھر حکم دے گا کہ واپس جاؤ اور جس کے دل میں ایک ذرے کے برابر بھی ایمان ہو اسے بھی نکال لاؤ۔ چنانچہ وہ بہت سے لوگوں کو نکال لائیں گے اور کہیں گے کہ اے ہمارے رب! ہم ان سب کو نکال لائے ہیں جن کے دل میں ذرہ برابر بھی ایمان تھا۔ (مسلم:183، بخاری:7439)

﴿وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا وَّصَرَّفْنَا فِيْهِ مِنَ الْوَعِيْدِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ اَوْ يُحْدِثُ لَهُمْ ذِكْرًا﴾

''اور اسی طرح ہم نے اسے قرآنِ عربی بنا کر نازل کیا ہے اور اس میں ہم نے ہر حکم سے طرح طرح کی کچھ وعیدیں بیان کی ہیں، شاید کہ لوگ ڈر جائیں یا وہ (قرآن) ان کے لیے کوئی نصیحت پیدا کر دے'' (113)

سوال 1: ﴿وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا وَّصَرَّفْنَا فِيْهِ مِنَ الْوَعِيْدِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ اَوْ يُحْدِثُ لَهُمْ ذِكْرًا﴾ ''اور اسی طرح ہم نے اسے قرآنِ عربی بنا کر نازل کیا ہے اور اس میں ہم نے ہر حکم سے طرح طرح کی کچھ وعیدیں بیان کی ہیں، شاید کہ لوگ ڈر جائیں یا وہ (قرآن) ان کے لیے کوئی نصیحت پیدا کر دے'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿وَ كَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا﴾''اور اسی طرح ہم نے اسے قرآنِ عربی بنا کر نازل کیا ہے''یعنی اسی طرح رب العزت نے واضح فرمایا ہے کہ جب جزا کا دن آنا برحق ہے وہ آکر ہی رہے گا تو اس کے لئے ہم نے قرآن اتارا ہے جو فصیح عربی زبان میں ہے اس زبان میں کسی بات کو بیان کرنے میں مشکل پیش نہیں آتی۔

(2) یعنی ہم نے اس کتاب کو فضیلت والی عربی زبان میں نازل کیا ہے جس کو تم خوب سمجھتے ہو اور اس میں کامل تفقہ رکھتے ہو اور اس کے الفاظ ومعانی تم پر مخفی نہیں ہیں۔(تفسیر سعدی:1641,1642/2)

(3)﴿وَّصَرَّفْنَا فِيْهِ مِنَ الْوَعِيْدِ﴾''اور اس میں ہم نے ہر حکم سے طرح طرح کی کچھ وعیدیں بیان کی ہیں''اس قرآن میں اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو طرح طرح سے اپنے عذاب سے ڈرایا ہے تاکہ وہ گناہ اور بے حیائی کے کاموں سے بچ جائیں۔

(4) یعنی اس کتاب میں ہم نے وعید کو بہت سی انواع کے ذریعے بیان کیا ہے۔کبھی تو ان اسماء کے ذریعے سے بیان کیا ہے جو عدل وانتقام پر دلالت کرتے ہیں،کبھی اس عبرت ناک عذاب کے ذکر کے ذریعے سے اس وعید کو بیان کیا جو گزشتہ قوموں پر نازل ہوا اور حکم دیا کہ آنے والی امتیں اس سے عبرت حاصل کریں اور کبھی گناہوں کے آثار اور ان سے پیدا ہونے والے عیوب کو بیان کرکے اس وعید کا ذکر کیا ہے۔ کبھی قیامت کی ہولناکیوں اور اس کے دل کو ہلا دینے والے مناظر کو بیان کرکے اس وعید کا ذکر کیا۔کبھی جہنم کے مناظر اور اس میں دیئے جانے والے مختلف انواع کے عذاب اور عقوبتوں کا ذکر کرکے اس وعید کو بیان کیا ہے۔(تفسیر سعدی:1641,1642/2)

(5)﴿لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ﴾''شاید کہ لوگ ڈر جائیں''یعنی تاکہ وہ شرک سے اجتناب کریں،گناہوں،حرام کاموں اور بے حیائیوں کو چھوڑ دیں۔

(6)﴿اَوْ يُحْدِثُ لَهُمْ ذِكْرًا﴾''یا وہ(قرآن)ان کے لیے کوئی نصیحت پیدا کردے''یعنی قرآن مجید ان کے اندر غور وفکر کی صلاحیت پیدا کردے اور وہ فرماں بردار بن جائیں اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں۔

سوال2:اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں قرآن حکیم کو نازل کرنے کا کیا مقصد بیان کیا ہے؟

جواب:اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں بیان فرمایا ہے کہ قرآن مجید اس لیے نازل کیا گیا ہے کہ لوگوں کے اندر خوف پیدا ہو۔

سوال3:قرآن حکیم میں کیسے طرح طرح سے تنبیہات بیان کی گئی ہیں؟

جواب:اللہ تعالیٰ نے اس کتاب میں دلائل اُتارے ہیں جن کو عبرت آموز قصص اور مناظر کی صورت میں سامنے رکھا ہے جیسے نیک اعمال انسان کے لیے ضروری ہیں رب العزت نے اس کے لیے انسان کو اس کے انجام سے باخبر کیا مثلاً مناظر عذاب،قیامت کے حالات،جنت اور دوزخ کے مقامات وغیرہ تاکہ برے انجام سے بچنے اور اچھے انجام کے حصول کے لیے نیک اعمال کرنے کے قابل ہوں۔

سوال4:قرآن حکیم میں تنبیہات کیوں آتی ہیں؟

جواب:(1) تنبیہات کا مقصد یہ ہے کہ لوگوں کے اندر نیکی کا جوش پیدا ہو۔اور اطاعت اور قرب کا شوق پیدا ہو۔

(2) پچھلی قوموں کے حالات سے تنبیہ کرنے کا مقصد یہ ہے کہ جھٹلانے والے ڈر جائیں اور حالات وواقعات سے عبرت حاصل کریں۔

سوال 5: اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم کو عربی زبان میں کیوں نازل کیا؟

جواب: قرآن حکیم انسانی زبان میں ہے اور اُن لوگوں کی زبان میں ہے جو قرآن حکیم کے اول مخاطبین تھے۔ اس زبان کو اللہ تعالیٰ نے زندہ زبان بنا کر اپنی ہدایت کو ہر زمانے کے انسانوں کے لیے محفوظ کر دیا ہے۔

﴿فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ۚ وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّقْضٰٓى اِلَيْكَ وَحْيُهٗ ۡ وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا﴾

”پس اللہ تعالیٰ بے حد بلند ہے، بادشاہِ حقیقی ہے، اور آپ قرآن پڑھنے میں جلدی نہ کریں، اس سے پہلے کہ آپ کی طرف اس کی وحی پوری کی جائے اور آپ دُعا کریں اے میرے رب! مجھے علم میں زیادہ کر!“ (114)

سوال 1: ﴿فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ۚ وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّقْضٰٓى اِلَيْكَ وَحْيُهٗ ۡ وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا﴾ ”پس اللہ تعالیٰ بے حد بلند ہے، بادشاہِ حقیقی ہے، اور آپ قرآن پڑھنے میں جلدی نہ کریں، اس سے پہلے کہ آپ کی طرف اس کی وحی پوری کی جائے اور آپ دُعا کریں اے میرے رب! مجھے علم میں زیادہ کر۔“ اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿فَتَعٰلَى اللّٰهُ﴾ ”پس اللہ تعالیٰ بے حد بلند ہے“ یعنی اللہ تعالیٰ کی شان بلند ہے۔ وہ ہر نقص سے پاک ہے۔ وہ برتر اور اعلیٰ ہے۔

(2) ﴿الْمَلِكُ الْحَقُّ﴾ ”بادشاہِ حقیقی ہے“ وہ حقیقی بادشاہ ہے، اقتدار اس کا، بادشاہی اس کی، اس کے احکامات نافذ ہیں۔ اس کی تقدیر بندوں پر نافذ ہے۔ مخلوق اس کی غلام ہے، اس کی شریعت کے احکامات پر عمل پیرا ہونے کی پابند ہے اور اسی کا حساب کتاب ہوگا۔

(3) اس کا وجود، اس کا اقتدار اور اس کا کمال سب حق ہے۔ پس صفات کمال کی مالک صرف ایسی ہستی ہوسکتی ہے جو ذی جلال ہو اور اس میں اقتدار بھی شامل ہے۔ بعض اوقات، اس کے سوا مخلوق بھی، بعض اشیاء پر اقتدار اور اختیار رکھتی ہے مگر یہ اقتدار ناقص اور باطل ہے جو زائل ہو جانے والا ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ ہمیشہ کے لیے بادشاہ حقیقی، جلال کا مالک اور قائم و دائم رہنے والا ہے۔ (تفسیر سعدی: 1642,1643/2)

(4) ﴿وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّقْضٰٓى اِلَيْكَ وَحْيُهٗ﴾ ”اور آپ قرآن پڑھنے میں جلدی نہ کریں، اس سے پہلے کہ آپ کی طرف اس کی وحی پوری کی جائے“ یعنی جب تک وحی پوری نہ ہو جائے آپ ﷺ قرآن پڑھنے میں جلدی نہ کیا کریں۔ جیسا کہ رب العزت نے سورۃ القیامہ میں فرمایا: ﴿لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ (16) اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ (17) فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ (18) ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ (19)﴾ ”آپ اپنی زبان کو اس کے ساتھ حرکت نہ دیں کہ اُس میں جلدی کریں یقیناً اس کا جمع کرنا اور اس کا پڑھانا ہمارے ذمے ہے۔ تو جب ہم اس کو پڑھ چکیں تو آپ اُس کے پڑھنے کی پیروی کرو پھر یقیناً ہم ہی پر ہے اس کا بیان کرنا بھی۔“ (القیامہ: 16,19)

(5) سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ نے سورۃ القیامہ میں اللہ تعالیٰ کے ارشاد ﴿لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ﴾ کے متعلق فرمایا کہ وحی نازل ہوتی تو نبی کریم ﷺ پر اس کا بہت بار پڑتا اور آپ اپنے ہونٹ ہلاتے۔ مجھ سے ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں تمہیں ہلا کر دکھاتا ہوں جس طرح نبی کریم ﷺ ہلاتے تھے۔ سعید نے کہا جس طرح ابن عباس رضی اللہ عنہ ہونٹ ہلا کر دکھاتے تھے، میں تمہارے سامنے اسی طرح ہلاتا ہوں چنانچہ انہوں نے اپنے ہونٹ ہلائے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا اس آیت کے اترنے کے بعد جب سیدنا جبریل علیہ السلام آتے اور قرآن سناتے تو آپ کان لگا کر سنتے۔ جب جبریل علیہ السلام چلے جاتے تو آپ لوگوں کو اسی طرح پڑھ کر سنا دیتے جیسے جبریل علیہ السلام نے آپ کو پڑھ کر سنایا تھا۔'' (صحیح بخاری:7524)

(6) ﴿وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا﴾ ''اور آپ دُعا کریں اے میرے رب! مجھے علم میں زیادہ کر'' یہاں علم سے مراد قرآن مجید اور حدیث رسول کا علم ہے۔ نبی کریم ﷺ کو وحی و رسالت کے علم میں اضافے کی دُعا کا حکم دیا گیا۔ قرآن و حدیث کے علم سے انسان کا تعلق رب سے قائم ہوتا ہے۔ اس علم سے انسان کے اخلاق و کردار کی اصلاح ہوتی ہے۔ اس علم سے اللہ تعالیٰ کی رضا اور غضب کا پتہ چلتا ہے۔

(7) چونکہ وحی کو اخذ کرنے کے لئے نبی کریم ﷺ کی عجلت دلالت کرتی ہے کہ آپ علم کے ساتھ کامل محبت رکھتے تھے اور اس کے حصول کے بے حد خواہش مند تھے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا کہ وہ اپنے لئے زیادہ علم کی دعا کریں کیونکہ علم بھلائی ہے اور بھلائی کی کثرت مطلوب ہے اور یہ کثرت اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا ہوتی ہے اور اس کے حصول کا راستہ کوشش، شوق علم، اللہ تعالیٰ سے سوال کرنا، اس سے مدد مانگنا اور ہر وقت اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کا محتاج سمجھنا ہے، اس آیت کریمہ سے حصول علم کے آداب اخذ کئے جاتے ہیں۔ علم کی سماعت کرنے والے کے لئے مناسب ہے کہ صبر سے کام لے یہاں تک کہ املا کرانے والا اور معلم اپنے کلام سے فارغ ہو جائیں جو لگاتار اور مسلسل ہے۔ اگر ذہن میں کوئی سوال ہے تو وہ اس وقت کیا جائے جب معلم فارغ ہو جائے۔ معلم کی قطع کلامی اور سوال کرنے میں عجلت سے باز رہے کیونکہ یہ حرماں نصیبی کا سبب ہے۔ اسی طرح مسئول کے لئے مناسب ہے کہ وہ سائل کے سوال کو لکھ لے اور جواب دینے سے قبل سائل کے مقصود کو اچھی طرح سمجھ لے، کیونکہ یہ صحیح جواب کا سبب ہے۔ (تفسیر سعدی:1642,1643/2)

(8) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ یہ دعا مانگتے تھے: ﴿اَللّٰهُمَّ انْفَعْنِيْ بِمَا عَلَّمْتَنِيْ وَعَلِّمْنِيْ مَا يَنْفَعُنِيْ وَزِدْنِيْ عِلْمًا، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى كُلِّ حَالٍ وَأَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ عَذَابِ النَّارِ﴾ ''یا اللہ مجھے فائدہ دے اس علم سے جو تو نے مجھے سکھایا اور مجھے وہ علم سکھا دے جو مجھے فائدہ دے اور میرے علم میں اضافہ فرما اور شکر ہے اللہ تعالیٰ کا ہر حال میں اور اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتا ہوں دوزخ کے عذاب سے۔'' (سنن ابن ماجہ:3833)

(9) رب العزت نے فرمایا: ﴿قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ ''آپ کہہ دیں کہ کیا وہ لوگ جو جانتے ہیں اور جو نہیں جانتے، برابر ہو سکتے ہیں۔'' (الزمر:9)

(10) ﴿يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ۙ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ﴾ ''اللہ تعالیٰ اُن لوگوں کے درجات بلند کرے گا جو تم

میں سے ایمان لائے اور جن کو علم دیا گیا ہے اللہ تعالیٰ ان کو بلند درجے عطا فرمائے گا۔'' (المجادلۃ:11)

(11) سیدنا ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے مجھے جس علم وہدایت کے ساتھ بھیجا ہے اس کی مثال زبردست بارش کی سی ہے جو زمین پر (خوب) برسے۔ بعض زمین جو صاف ہوتی ہے وہ پانی کو پی لیتی ہے اور بہت بہت سبزہ اور گھاس اگاتی ہے اور بعض زمین جو سخت ہوتی ہے وہ پانی کو روک لیتی ہے اس سے اللہ تعالیٰ لوگوں کو فائدہ پہنچاتا ہے، وہ اس سے سیراب ہوتے ہیں اور سیراب کرتے ہیں۔ اور کچھ زمین کے بعض خطوں پر پانی پڑتا ہے جو بالکل چٹیل میدان ہوتے ہیں، نہ پانی روکتے ہیں اور نہ ہی سبزہ اگاتے ہیں تو یہ اس شخص کی مثال ہے جو دین میں سمجھ پیدا کرے اور اس کو وہ چیز نفع دے جس کے ساتھ میں مبعوث کیا گیا ہوں۔ اس نے علمِ دین سیکھا اور سکھایا اور اس شخص کی مثال جس نے سر نہیں اٹھایا (یعنی توجہ نہیں کی) اور جو ہدایت دے کر میں بھیجا گیا ہوں اسے قبول نہیں کیا۔'' (صحیح بخاری:79)

سوال 2: ''اللہ تعالیٰ ہی کی ذات حق ہے'' اس کی وضاحت کریں؟

جواب: اللہ تعالیٰ اس کائنات کی اصل سچائی ہیں۔ اُسی کی بات سچی، اسی کا وعدہ سچا، اسی کی وعید سچی، اسی کی جنت حق، اسی کی دوزخ حق ہے۔

سوال 3: ''اللہ تعالیٰ بلند ہے'' اس کی وضاحت کریں؟

جواب: اللہ تعالیٰ کی ذات بلند، اُس کی شان بلند، اُس کی صفات بلند، اُس کے اختیارات بلند، اُس کے فیصلے بلند، اُس کے سامنے مخلوق جھک جاتی ہے۔

قرآن وحدیث کے علم سے انسان کا تعلق رب سے قائم ہوتا ہے۔ اس علم سے انسان کے اخلاق وکردار کی اصلاح ہوتی ہے۔ اس علم سے اللہ تعالیٰ کی رضا اور غضب کا پتہ چلتا ہے۔

سوال 4: وہ علوم جو انسان کسب معاش کے لیے حاصل کرتا ہے اُن کا کیا درجہ ہے؟

جواب: کسب معاش کے لیے دیگر اشیاء کا علم جو انسان حاصل کرتا ہے وہ فن ہیں، ہنر ہیں، صنعت وحرفت ہیں۔

سوال 5: قرآن حکیم پڑھنے میں جلدی کا علم میں اضافے کی دُعا کے ساتھ کیا تعلق ہے؟

جواب: قرآن مجید پڑھنے میں جلدی کی وجہ یہ خوف تھا کہ کہیں علم چلا نہ جائے۔ اس لیے آپ کو علم میں اضافے کی دُعا سکھائی گئی۔

سوال 6: علم میں اضافے کی دُعا سے کیا پتہ چلتا ہے؟

جواب: (1) اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ علم تو وہی ہے جو اللہ تعالیٰ کا علم ہے۔ (2) اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا علم نفع مند ہے۔ وہی پھلنے پھولنے والا ہے۔ (3) اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا علم ہی قائم رہنے والا ہے۔ (4) اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا علم ضائع نہیں ہوگا۔

﴿وَلَقَدۡ عَهِدۡنَاۤ اِلٰۤى اٰدَمَ مِنۡ قَبۡلُ فَنَسِىَ وَلَمۡ نَجِدۡ لَهٗ عَزۡمًا﴾

''اوراس سے پہلے آدم کوہم نے تاکید کی تو وہ بھول گیااور ہم نے اس میں ارادے کی پختگی نہ پائی'' (115)

سوال1: ﴿وَلَقَدۡ عَهِدۡنَاۤ اِلٰۤى اٰدَمَ مِنۡ قَبۡلُ فَنَسِىَ وَلَمۡ نَجِدۡ لَهٗ عَزۡمًا﴾ ''اوراس سے پہلے آدم کوہم نے تاکید کی تو وہ بھول گیااور ہم نے اس میں ارادے کی پختگی نہ پائی'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَلَقَدۡ عَهِدۡنَاۤ اِلٰۤى اٰدَمَ مِنۡ قَبۡلُ فَنَسِىَ﴾ ''اوراس سے پہلے آدم کوہم نے تاکید کی تو وہ بھول گیا'' (i) یہاں قصہ آدم علم اورنسیان علم کی مناسبت سے لایا گیا۔(ii) رسول اللہ ﷺ اخذ وحی میں نسیان کے خوف سے جلدی کرتے تھے یہاں اس واقعے میں بتایا گیا کہ آدم علیہ السلام سے غلطی بھی بھول کی وجہ سے ہوئی۔

(2) آدم علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ نے عہد لیا تھا وہ کیا تھا؟ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو حکم دیا تھا کہ وہ جنت میں سے جو جی چاہے کھائیں مگر ایک درخت کا پھل نہ کھائیں۔

(3) یعنی ہم نے آدم علیہ السلام کو وصیت کی، اسے حکم دیا اوراس سے عہد لیا کہ وہ اس پر قائم رہے۔اس نے اس وصیت کا التزام کیا، اس کے سامنے سر تسلیم خم کیا اوراس کو قائم کرنے کا عزم کیا مگر اس کے باوجود وہ اللہ تعالیٰ کے حکم اوراس کی وصیت کو بھول گیا اوراس کا مضبوط عزم ٹوٹ گیا تب اس سے ایسی لغزش صادر ہوئی جسے سب جانتے ہیں۔پس وہ اپنی اولاد کے لئے عبرت بن گیا اوراولادآدم کی طبیعت اور فطرت آدم علیہ السلام کی طرح ہوگئی، آدم علیہ السلام سے بھول ہوگئی، اس کی اولاد بھی نسیان کا شکار ہوگئی، آدم علیہ السلام سے خطا ہوئی اوراولاد بھی غلطی کا ارتکاب کرتی ہے۔(تفسیر سعدی:1643/2)

(4) ﴿مِنۡ قَبۡلُ﴾ ''اس سے پہلے'' اس سے مراد ہے کہ جیسے اب قرآن میں طرح طرح کی وعیدوں سے سمجھارہے ہیں اسی طرح پہلے آدم کو بھی سمجھایا تھا۔

(5) ﴿فَنَسِىَ﴾ ''تو وہ بھول گیا'' ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں انسان کوانسان اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس سے عہد لیا گیا اور وہ بھول گیا۔ (سراج المنیر:1190/2) (6) نسیان ہی ارادے کی کمزوری کا سبب بنتا ہے۔

(7) اہل عرب نسیان سے مراد چھوڑ دینا لیتے ہیں۔رب العزت نے فرمایا: ﴿قَالَ كَذٰلِكَ اَتَتۡكَ اٰيٰتُنَا فَنَسِيۡتَهَا ۚ وَكَذٰلِكَ الۡيَوۡمَ تُنۡسٰى﴾ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: ''اسی طرح ہماری آیات تمہارے پاس آئی تھیں تو تو نے انہیں بھلادیا اوراسی طرح آج تو بھلایا جارہا ہے۔'' (طٰہٰ:126)

(8) ﴿الَّذِيۡنَ اتَّخَذُوۡا دِيۡنَهُمۡ لَهۡوًا وَّلَعِبًا وَّغَرَّتۡهُمُ الۡحَيٰوةُ الدُّنۡيَا ۚ فَالۡيَوۡمَ نَنۡسٰهُمۡ كَمَا نَسُوۡا لِقَآءَ يَوۡمِهِمۡ هٰذَا وَ

﴿مَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ﴾ ’’جن لوگوں نے اپنے دین کو دل لگی اور کھیل بنایا تھا اور دنیا کی زندگی نے انہیں دھوکے میں ڈال رکھا تھا تو آج ہم بھی انہیں بھلائے دیتے ہیں جیسا کہ انہوں نے اپنے اس دن کی ملاقات کو بھلا دیا تھا اور جیسا کہ وہ ہماری آیات کا انکار کیا کرتے تھے۔‘‘ (الاعراف:51)

(9)﴿فَذُوْقُوْا بِمَا نَسِيْتُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ۚ اِنَّا نَسِيْنٰكُمْ وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْخُلْدِ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾ ’’سو اب مزہ چکھو کیونکہ تم نے اپنے اُس دن کی ملاقات کو بھلا دیا ہم نے بھی یقیناً تمہیں بھلا دیا ہے اور ہمیشہ کے عذاب کا مزہ چکھو اس وجہ سے جو تم عمل کیا کرتے تھے۔‘‘ (السجدہ:14)

(10)﴿وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ نَسُوا اللّٰهَ فَاَنْسٰهُمْ اَنْفُسَهُمْ ۭ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ﴾ ’’اور تم اُن جیسے نہ بن جاؤ جو اللہ تعالیٰ کو بھول گئے تو اللہ تعالیٰ نے اُنہیں ان کی جانیں بھلا دیں، یہی لوگ نافرمان ہیں۔‘‘ (الحشر:19)

(11) رب العزت نے دعا سکھائی ہے۔﴿رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَآ اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ ۚ وَاعْفُ عَنَّا وقفه وَاغْفِرْ لَنَا وقفه وَارْحَمْنَا وقفه اَنْتَ مَوْلٰىنَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ﴾ ’’اے ہمارے رب! اگر ہم بھول جائیں یا غلطی کر بیٹھیں تو ہمارا مواخذہ نہ کرنا، اے ہمارے رب! اور ہم پر ویسا ہی بوجھ نہ ڈالنا جیسا تو نے ان لوگوں پر ڈالا تھا، جو ہم سے پہلے تھے، اے ہمارے رب! اور تو ہم سے نہ اُٹھوا جس کی ہم میں طاقت ہی نہیں، اور ہم سے درگزر فرما اور تو ہمیں بخش دے اور ہم پر رحم فرما، تو ہی ہمارا مولیٰ ہے، چنانچہ کافر لوگوں کے مقابلے میں ہماری مدد فرما۔‘‘ (البقرہ:286)

(12)﴿وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا﴾ ’’اور ہم نے اس میں ارادے کی پختگی نہ پائی‘‘ آدم علیہ السلام اپنے عہد پر قائم نہ رہ سکا۔ اسی طرح اس کی اولاد اپنے عزم کو توڑ بیٹھتی ہے۔ آدم علیہ السلام نے اپنی خطا کا اعتراف اور اقرار کر کے فوراً توبہ کر لی اور اس کی خطا کو بخش دیا گیا، جو کوئی اپنے باپ کی مشابہت اختیار کرتا ہے اس پر ظلم نہیں کیا جاتا۔ (تفسیر سعدی:1643/2)

سوال 2: اللہ تعالیٰ نے سیدنا آدم علیہ السلام سے کیا عہد لیا تھا؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو حکم دیا تھا کہ وہ جنت میں سے جو جی چاہے کھائیں مگر ایک درخت کا پھل نہ کھائیں۔

سوال 3: اللہ تعالیٰ نے ایک درخت کا پھل کھانے سے کیوں روک دیا تھا؟

جواب: انسان کی قوت ارادی کی تربیت کے لیے ضروری ہے کہ اُسے کچھ چیزوں سے روک دیا جائے تاکہ اس کی شخصیت پختہ ہو۔

سوال 4: قوت ارادی کے مضبوط ہونے کی کیا ضرورت ہے؟

جواب: (1) قوت ارادی سے انسان اللہ تعالیٰ کے حکم پر قائم رہ سکتا ہے۔ (2) قوت ارادی سے انسان خواہشات کو کنٹرول کر سکتا ہے۔

(3) انسان کو مادی میلانات کو کنٹرول کرنے کے لیے قوت ارادی کی ضرورت ہوتی ہے۔
(4) انسان قوت ارادی کے بغیر اللہ تعالیٰ کے راستے پر قائم نہیں رہ سکتا۔
(5) انسان قوت ارادی سے اللہ تعالیٰ کے حکم کے خلاف باتوں کے مقابلے میں مزاحمت کرتا ہے اور اُن کو اپنے اُوپر اثرانداز ہونے سے بچاتا ہے۔ (6) قوت ارادی نہ ہو تو انسان مرغوبات اور خواہشات کا غلام بن جائے۔
(7) قوت ارادی سے ہی مرغوبات کے استعمال میں اعتدال پیدا ہوتا ہے۔
(8) قوت ارادی سے ہی انسان مادی ضروریات کو کم کر کے روحانی ترقی کر سکتا ہے۔ چاہے افراد ہوں یا اقوام ترقی کے لیے یہ معیار ناگزیر ہے۔
(9) مضبوط قوت ارادی سے ہی شیطان کے وسوسوں سے بچ سکتا ہے۔ (10) مضبوط قوت ارادی سے ہی نفس پر کنٹرول ہو سکتا ہے۔
سوال 5: انسان شیطان کے جال میں کیسے پھنستا ہے؟
جواب: پہلے انسان کا پہلا تجربہ یہ بتاتا ہے کہ انسان نسیان اور ارادے کی کمزوری سے شیطان سے جال میں پھنستا ہے۔

رکوع نمبر 16

﴿وَاِذۡ قُلۡنَا لِلۡمَلٰٓئِكَةِ اسۡجُدُوۡا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوۡۤا اِلَّاۤ اِبۡلِيۡسَ ؕ اَبٰى﴾

''اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا: ''آدم کو سجدہ کرو'' تو انہوں نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے، اُس نے انکار کر دیا'' (116)

سوال 1: ﴿وَاِذۡ قُلۡنَا لِلۡمَلٰٓئِكَةِ اسۡجُدُوۡا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوۡۤا اِلَّاۤ اِبۡلِيۡسَ ؕ اَبٰى﴾ ''اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا: ''آدم کو سجدہ کرو'' تو انہوں نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے، اُس نے انکار کر دیا'' اس آیت کی وضاحت کریں؟
جواب: (1) ﴿وَاِذۡ قُلۡنَا لِلۡمَلٰٓئِكَةِ اسۡجُدُوۡا لِاٰدَمَ﴾ ''اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا: آدم کو سجدہ کرو'' یہاں سے انسان کی تمام مخلوقات پر فضیلت اور زندگی کے آغاز کا بیان ہوتا ہے۔ اس میں آدم علیہ السلام کی پیدائش کے بعد اس حکم کا ذکر ہے جو اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو دیا کہ آدم علیہ السلام کو سجدہ کرو تو سب فرشتوں نے سجدہ کیا۔
(2) ﴿اسۡجُدُوۡا لِاٰدَمَ﴾ ''آدم کو سجدہ کرو'' یعنی جب اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے آدم علیہ السلام کی تخلیق کو مکمل، انہیں اشیاء کے نام سکھائے، انہیں فضیلت اور تکریم بخشی اور ان کے اکرام و تعظیم اور ان کی جلالت شان کو تسلیم کروانے کے لئے فرشتوں کو سجدہ کرنے کا حکم دیا اور فرشتے اس حکم کو مانتے ہوئے فوراً سجدہ ریز ہو گئے۔ (تفسیر سعدی: 1644/2)
(3) ﴿فَسَجَدُوۡۤا اِلَّاۤ اِبۡلِيۡسَ﴾ ''تو انہوں نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے'' فرشتوں میں ایک جن ابلیس بھی تھا جس نے تکبر اور حسد کی وجہ سے سجدہ کرنے سے انکار کر دیا۔

(4)رب العزت نے ابلیس سے سجدہ نہ کرنے کی وجہ پوچھی:﴿قَالَ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسۡجُدَ اِذۡ اَمَرۡتُكَ ؕ قَالَ اَنَا خَيۡرٌ مِّنۡهُ ۚ خَلَقۡتَنِىۡ مِنۡ نَّارٍ وَّخَلَقۡتَهٗ مِنۡ طِيۡنٍ﴾ ''اللہ تعالیٰ نے پوچھا: ''تجھے کس چیز نے روکا کہ تو سجدہ نہ کرے جب کہ میں نے تجھے حکم دیا تھا؟'' اُس نے کہا: ''میں اس سے بہتر ہوں، آپ نے مجھے آگ سے پیدا کیا اور اسے مٹی سے پیدا کیا ہے۔'' (الاعراف:12)

(5)﴿اَبٰى﴾ ''اُس نے انکار کر دیا'' ابلیس نے سجدے کو انسان کا معاملہ سمجھا اور انسان کو اپنے سے کم تر سمجھتے ہوئے سجدے سے انکار کر دیا۔

سوال 2: اللہ تعالیٰ کے حکم پر فرشتوں نے سجدہ کیا اور ابلیس نے نہیں کیا اس فرق کی کیا وجہ تھی؟

جواب: فرشتوں نے سجدے کو اللہ تعالیٰ کا حکم، اللہ تعالیٰ کا معاملہ سمجھا اس لیے اُنہوں نے اطاعت کی۔ ابلیس نے سجدے کو انسان کا معاملہ سمجھا اور انسان کو اپنے سے کم تر سمجھتے ہوئے سجدے سے انکار کر دیا اور ابلیس نے اس حکم کی طرف نہ دیکھا اپنے سامنے انسان کو دیکھا جس کو اپنے سے کم تر جانا تو سجدے سے انکار کیا۔

﴿فَقُلۡنَا يٰۤاٰدَمُ اِنَّ هٰذَا عَدُوٌّ لَّكَ وَلِزَوۡجِكَ فَلَا يُخۡرِجَنَّكُمَا مِنَ الۡجَـنَّةِ فَتَشۡقٰى﴾

''تو ہم نے کہا: ''اے آدم! یقیناً یہ تمہارا اور تمہاری بیوی کا دشمن ہے تو کہیں وہ تم دونوں کو جنت سے نہ نکلوا دے کہ تم مصیبت میں پڑ جاؤ گے'' (117)

سوال 1:﴿فَقُلۡنَا يٰۤاٰدَمُ اِنَّ هٰذَا عَدُوٌّ لَّكَ وَلِزَوۡجِكَ فَلَا يُخۡرِجَنَّكُمَا مِنَ الۡجَـنَّةِ فَتَشۡقٰى﴾ ''تو ہم نے کہا: ''اے آدم! یقیناً یہ تمہارا اور تمہاری بیوی کا دشمن ہے تو کہیں وہ تم دونوں کو جنت سے نہ نکلوا دے کہ تم مصیبت میں پڑ جاؤ گے۔'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1)﴿فَقُلۡنَا يٰۤاٰدَمُ اِنَّ هٰذَا عَدُوٌّ لَّكَ وَلِزَوۡجِكَ﴾ ''تو ہم نے کہا: ''اے آدم! یقیناً یہ تمہارا اور تمہاری بیوی کا دشمن ہے'' اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص رحمت سے قبل از وقت یہ آگاہ کر دیا تھا کہ شیطان انسان کا دشمن ہے۔

(2)﴿فَلَا يُخۡرِجَنَّكُمَا مِنَ الۡجَـنَّةِ فَتَشۡقٰى﴾ ''تو کہیں وہ تم دونوں کو جنت سے نہ نکلوا دے کہ تم مصیبت میں پڑ جاؤ گے۔'' فرمایا: کہیں ایسا نہ ہو کہ شیطان اپنے حسد اور دشمنی کی وجہ سے تمہیں جنت سے نکلوا دے اور تم مشقت میں پڑ جاؤ۔

(3)رب العزت نے اولادِ آدم کو تنبیہ فرمائی ہے:﴿يٰبَنِىۡۤ اٰدَمَ لَا يَفۡتِنَـنَّكُمُ الشَّيۡطٰنُ كَمَاۤ اَخۡرَجَ اَبَوَيۡكُمۡ مِّنَ الۡجَـنَّةِ يَنۡزِعُ عَنۡهُمَا لِبَاسَهُمَا لِيُرِيَهُمَا سَوۡاٰتِهِمَا ؕ اِنَّهٗ يَرٰٮكُمۡ هُوَ وَقَبِيۡلُهٗ مِنۡ حَيۡثُ لَا تَرَوۡنَهُمۡ ؕ اِنَّا جَعَلۡنَا الشَّيٰطِيۡنَ اَوۡلِيَآءَ لِلَّذِيۡنَ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ﴾ ''اے اولادِ آدم! شیطان تمہیں ہرگز فتنے میں نہ ڈالے جیسا کہ اُس نے تمہارے والدین کو جنت سے نکلوا دیا تھا، وہ اُن دونوں کے لباس ان سے اتروا تا تھا تاکہ وہ اُن دونوں کو ایک دوسرے کی شرم گاہیں دکھا دے یقیناً وہ اور اس کے ساتھی تمہیں ایسی جگہ سے دیکھتے ہیں جہاں سے تم اُنہیں نہیں دیکھتے، یقیناً ہم نے شیطانوں کو اُن لوگوں کے لیے دوست بنا دیا ہے جو ایمان نہیں لاتے۔'' (الاعراف:27)

سوال 2: جنت سے نکلتے ہی کون سی مصیبتیں انسان کے انتظار میں تھیں؟

جواب: مشقت، گمراہی پریشانیاں، رنج، محرومیاں اور جدوجہد وغیرہ۔

سوال 3: جنت سے باہر کی مشقتوں سے کیا مراد ہے؟

جواب: اس سے مراد کھانے، لباس اور رہنے سہنے کی سہولتیں حاصل کرنے کی محنت اور مشقت ہے۔

﴿اِنَّ لَكَ اَلَّا تَجُوْعَ فِيْهَا وَلَا تَعْرٰى﴾

''یقیناً تمہارے لیے یہ ہے کہ نہ تم بھوکے رہو گے اس میں اور نہ ننگے رہو گے'' (118)

سوال 1: ﴿اِنَّ لَكَ اَلَّا تَجُوْعَ فِيْهَا وَلَا تَعْرٰى﴾ ''یقیناً تمہارے لیے یہ ہے کہ نہ تم بھوکے رہو گے اس میں اور نہ ننگے رہو گے'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿اِنَّ لَكَ اَلَّا تَجُوْعَ فِيْهَا وَلَا تَعْرٰى﴾ ''یقیناً تمہارے لیے یہ ہے کہ نہ تم بھوکے رہو گے اس میں اور نہ ننگے رہو گے'' یعنی جنت کی راحتوں میں تمہارے لئے بہترین کھانوں کا انتظام ہوگا جو تمہاری بھوک مٹانے کے لئے نہیں لطف کے لئے ہوں گے۔ جنت میں تمہیں کبھی بھوک نہ لگے گی۔ جنت میں تمہارے لئے بہترین لباس ہوں گے وہاں کبھی ننگے نہ رہو گے۔

سوال 2: جنت میں انسان کو کون سی سہولتیں میسر تھیں؟

جواب: بھوک اور لباس کی فراہمی کے لیے شاہانہ انتظامات تھے۔

﴿وَاَنَّكَ لَا تَظْمَؤُا فِيْهَا وَلَا تَضْحٰى﴾

''اور یقیناً اس میں نہ تم پیاسے رہو گے اور نہ تمہیں دھوپ لگے گی'' (119)

سوال 1: ﴿وَاَنَّكَ لَا تَظْمَؤُا فِيْهَا وَلَا تَضْحٰى﴾ ''اور یقیناً اس میں نہ تم پیاسے رہو گے اور نہ تمہیں دھوپ لگے گی۔'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَاَنَّكَ لَا تَظْمَؤُا فِيْهَا وَلَا تَضْحٰى﴾ ''اور یقیناً اس میں نہ تم پیاسے رہو گے اور نہ تمہیں دھوپ لگے گی۔'' یعنی جنت کی بابرکت سرزمین میں تمہیں کبھی پیاس نہ لگے گی جو مشروبات تمہیں پلائے جائیں گے وہ تمہارے لطف اور ذائقے کے لئے ہوں گے۔

(2) جنت میں تمہارے آرام کے لئے سایوں کا اہتمام ہوگا تمہیں کبھی دھوپ نہ لگے گی۔

سوال 2: جنت میں کن چیزوں کا تصور نہیں کیا جا سکتا؟

جواب: بھوک پیاس، دھوپ کی شدت کی وجہ سے ہونے والی پریشانی، تھکاوٹ وغیرہ۔

سوال3: اللہ تعالیٰ نے بھوک اور عریانی کو کیوں جمع کیا ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے بھوک اور عریانی کو اس لئے جمع کیا کہ ایک اندرونی ذلت ہے اور ایک بیرونی۔ اسی طرح پیاس اندرونی گرمی ہے اور دھوپ بیرونی۔ (السراج المنیر:1190/2)

﴿فَوَسْوَسَ اِلَيْهِ الشَّيْطٰنُ قَالَ يٰۤاٰدَمُ هَلْ اَدُلُّكَ عَلٰى شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَمُلْكٍ لَّا يَبْلٰى﴾

''پس شیطان نے اس کے دل میں وسوسہ ڈالا، اُس نے کہا: ''اے آدم! کیا میں تمہیں دائمی زندگی کا درخت نہ بتاؤں اور ایسی بادشاہت جو پرانی نہ ہو؟'' (120)

سوال1: ﴿فَوَسْوَسَ اِلَيْهِ الشَّيْطٰنُ قَالَ يٰۤاٰدَمُ هَلْ اَدُلُّكَ عَلٰى شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَمُلْكٍ لَّا يَبْلٰى﴾ ''پس شیطان نے اس کے دل میں وسوسہ ڈالا، اُس نے کہا: ''اے آدم! کیا میں تمہیں دائمی زندگی کا درخت نہ بتاؤں اور ایسی بادشاہت جو پرانی نہ ہو؟'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿فَوَسْوَسَ اِلَيْهِ الشَّيْطٰنُ﴾ ''پس شیطان نے اس کے دل میں وسوسہ ڈالا'' شیطان نے سیدنا آدم علیہ السلام اور سیدہ حوا علیہما السلام کے دل میں وسوسہ ڈالا اور انہیں اس درخت کا پھل کھانے کے لئے آمادہ کیا جس سے اللہ تعالیٰ نے روکا تھا۔

(2) یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ اس مقام پر شیطانی وسوسہ کی نسبت صرف سیدنا آدم علیہ السلام کی طرف کی گئی اور دوسرے مقام پر دونوں کی طرف کی گئی ہے۔ اس لیے کہ اس معاملہ میں حوا کی حیثیت صرف بالتبع تھی۔ لیکن بائبل کی روایت یوں ہے کہ شیطان نے پہلے سیدہ حوا علیہما السلام کو بہکایا۔ پھر حوا نے آدم کو پھل کھانے پر آمادہ کرلیا۔ بائبل کی اس روایت کو بعض مفسرین نے بھی نقل کر دیا جبکہ یہ روایت قرآن کی اس آیت کے مطابق غلط قرار پاتی ہے۔ (تیسیر القرآن:86/3)

(3) ﴿قَالَ يٰۤاٰدَمُ هَلْ اَدُلُّكَ عَلٰى شَجَرَةِ الْخُلْدِ﴾ ''اُس نے کہا: ''اے آدم! کیا میں تمہیں دائمی زندگی کا درخت نہ بتاؤں'' وہ ان سے کہتا تھا کہ جو کوئی اس درخت کا پھل کھائے گا وہ ہمیشہ جنت میں رہے گا۔

(4) ﴿وَمُلْكٍ لَّا يَبْلٰى﴾ ''اور ایسی بادشاہت جو پرانی نہ ہو'' یعنی تمہیں لازوال بادشاہت ملے گی جو کبھی ختم نہ ہوگی یوں سیدنا آدم علیہ السلام اور سیدہ حوا علیہما السلام اس کے دام فریب میں آگئے اور انہوں نے اس درخت کا پھل کھالیا۔ اس پھل کے کھاتے ہی ان کے ستر ایک دوسرے کے سامنے کھل گئے پھر وہ جنت کے پتوں سے اپنے آپ کو ڈھانپنے لگے۔ رب العزت نے فرمایا: ﴿فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطٰنُ لِيُبْدِيَ لَهُمَا مَا وٗرِيَ عَنْهُمَا مِنْ سَوْاٰتِهِمَا وَقَالَ مَا نَهٰىكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَا مَلَكَيْنِ اَوْ تَكُوْنَا مِنَ

الْخٰلِدِیْنَ (۲۰)﴾ ''پھر شیطان نے اُن دونوں کے لیے وسوسہ ڈالا تا کہ وہ اُن دونوں کے لیے ظاہر کر دے ان دونوں کی شرمگاہوں سے جو کچھ ان سے چھپایا گیا تھا، اور اُس نے کہا: ''تمہارے رب نے تم دونوں کو اس درخت سے نہیں روکا، مگر اس لیے کہ کہیں تم دونوں فرشتے بن جاؤ یا ہمیشہ رہنے والوں میں سے ہو جاؤ۔'' (اعراف:20)

(5) تم اس درخت کا پھل کھاؤ گے۔ تم جنت سے کبھی نہیں نکالے جاؤ گے تمھیں کبھی موت نہیں آئے گی۔ (تفسیر جامع البیان:244/16)

سوال 2: شیطان نے انسان کے اندر کیا وسوسہ ڈالا؟

جواب: شیطان نے انسان کی کمزوریوں کو پکڑتے ہوئے اُسے طویل زندگی اور طویل اقتدار کا جھانسہ دیا۔ اُس نے کہا میں تمہیں ابدی اور لازوال سلطنت کا درخت بتاؤں۔

سوال 3: طول امل یعنی لمبی امیدیں باندھنے کے اسباب کیا ہیں اور اس کا علاج کیا ہے؟

جواب: (1) طول امل کا سبب آخرت فراموشی اور دنیا سے محبت ہے جس کا علاج نبی ﷺ نے کیا۔ آپ ﷺ نے سیدنا عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: جب تو صبح کرے تو اپنے نفس سے شام کا ذکر نہ کر اور اگر شام کرے تو اپنے نفس سے صبح کا ذکر نہ کر اور اپنی موت کے لئے اپنی زندگی سے اور اپنے مرض کے لئے اپنی صحت سے کچھ لے اس لئے کہ اے عبداللہ! تجھے یہ معلوم نہیں آنے والے کل میں تیرا نام کیا ہوگا۔'' (ابن حبان)

(2) نبی ﷺ نے فرمایا: ''سب سے زیادہ مجھے تم پر دو خصلتوں کا خوف ہے، ایک اتباع ھوا کا اور دوسرے طول امل کا، اتباع ھوا آدمی کو راہ حق سے روک دیتی ہے اور طول امل کے معنی ہیں دنیا کے لیے محبت رکھنا۔ اللہ تعالیٰ ہر شخص کو دنیا عطا کرتا ہے خواہ اس سے محبت کرتا ہو یا نفرت کرتا ہو۔ جب وہ کسی شخص سے محبت کرتا ہے تو ایمان عطا کرتا ہے۔ آگاہ رہو کچھ لوگ دین کے بیٹے ہیں۔ اور کچھ دنیا کے بیٹے ہیں تم دین کے بیٹوں میں سے ہو جاؤ، دنیا کے بیٹوں میں سے مت رہو۔ آگاہ رہو دنیا پیٹھ پھیر کر رخصت ہو چکی ہے، آگاہ رہو آخرت سامنے چلی جا رہی ہے۔ آج عمل کے دن میں ہو تم پر آج کوئی حساب نہیں ہے عنقریب تم حساب کے دن میں ہو گے اس میں کوئی عمل نہیں ہوگا۔'' (ابن ابی الدنیا)

(3) سرکار دو عالم ﷺ فرماتے ہیں: ''اس امت کے پہلے لوگوں نے یقین اور زہد کی وجہ سے نجات پائی اور اس امت کے آخری لوگ بخل اور طول امل کی وجہ سے ہلاک ہوں گے۔'' (ابن ابی الدنیا)

(4) سرکار دو عالم ﷺ فرماتے تھے: ''اے اللہ! میں ایسی دنیا سے تیری پناہ چاہتا ہوں جو آخرت کے خیر سے روک دے اور ایسی زندگی سے تیری پناہ چاہتا ہوں جو موت کے خیر سے روک دے اور ایسے امل سے تیری پناہ چاہتا جو عمل کے خیر سے روک دے۔'' (ابن ابی الدنیا)

(5) روایت ہے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام تشریف فرما تھے اور ایک بوڑھا شخص اپنی کدال سے زمین کھود رہا تھا۔ آپ نے دعا فرمائی: اے اللہ! اس شخص سے اس کا امل دور کر دے۔ وہ شخص اسی وقت کدال پھینک کر زمین پر لیٹ گیا اور ایک گھنٹے تک لیٹا رہا۔ اس کے بعد آپ علیہ السلام نے یہ دعا فرمائی:

اس کا امل اسے واپس لوٹا دے۔اس کے بعد وہ شخص کدال تھام کر کھڑا ہو گیا اور زمین کھودنے لگا۔ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے بات کرنے پر اس شخص نے بتایا کہ کام کرتے کرتے اچانک میرے دل نے کہا کب تک کام کرے گا؟ تو بوڑھا ہو چکا ہے۔اس خیال کے آتے ہی میں نے کدال پھینک دی اور آرام کرنے لیٹ گیا۔ میرے دل نے کہا جب تک تجھے زندہ رہنا ہے معیشت ضروری ہے یہ سوچ کر میں کدال لے کر کھڑا ہو گیا۔ حسن کہتے ہیں کہ نبی ﷺ نے دریافت کیا کیا تم سب جنت میں جانا چاہتے ہو؟ لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ کیوں نہیں۔ فرمایا: امل کو تاہ کرو اور اپنی موت اپنی آنکھوں کے سامنے جما لو اور اللہ تعالیٰ سے ایسی شرم کرو جیسا اس سے شرم کرنے کا حق ہے۔'' (ابن ابی الدنیا)

(6) طول امل اور قصر امل کے سلسلے میں لوگوں کے مراتب: لوگ اس سلسلے میں مختلف قسم کے ہوتے ہیں بعض لوگ بقاء کی آرزو کرتے ہیں اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اس دنیا میں رہنا چاہتے ہیں۔اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کے متعلق ارشاد فرمایا ہے ﴿يَوَدُّ اَحَدُهُمْ لَوْ يُعَمَّرُ اَلْفَ سَنَةٍ﴾ ''ان کا ہر ایک یہ چاہتا ہے کہ کاش اسے ہزار برس کی عمر دے دی جائے۔'' (البقرہ:96)

(7) بعض لوگ بڑھاپے تک زندہ رہنا چاہتے ہیں۔ یہ وہ انتہائی عمر ہے جو مشاہدہ میں آتی رہتی ہے۔ یہ لوگ دنیا کی شدید محبت میں گرفتار رہتے ہیں۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں: ''بوڑھا آدمی طلب دنیا کی محبت میں جوان ہوتا ہے اگرچہ اس کی ہنسلیاں مڑ گئی ہوں مگر وہ ایسے لوگ نہیں ہوتے جو متقی ہیں تاہم متقی بہت کم ہیں۔'' (بخاری و مسلم)

(8) بعض لوگوں کو ایک سال سے زیادہ کی توقع نہیں ہوتی۔اس لئے وہ صرف ایک سال کی ضروریات کا اہتمام کرتے ہیں اور سردی میں گرمی کے لئے اور گرمی میں سردی کے لئے جمع کرتے ہیں چنانچہ ایک سال کی ضروریات جمع ہو جاتی ہیں تو عبادت میں مشغول ہو جاتے ہیں۔

(9) بعض لوگ ایک سال سے بھی کم جینے کی توقع رکھتے ہیں ایسے لوگ ایک موسم میں دوسرے موسم کی امید نہیں رکھتے۔

(10) بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو ایک دن سے زیادہ کا طول الامل نہیں رکھتے صرف آج کی تیاری کرتے ہیں کل کی فکر میں مشغول نہیں ہوتے۔

(11) سیدنا عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں: ''کل کی فکر میں مشغول نہ ہو، کل کی فکر مت کرو اگر تمہاری زندگی میں کل آنے والا ہے تو اس کے ساتھ کل کا رزق بھی ضرور آئے گا اگر تمہاری زندگی میں کل کا وجود نہیں ہے تو تم دوسروں کے لئے فکر مت کرو۔

(12) بعض لوگ ایسے بھی ہیں جن کا امل ایک ساعت سے تجاوز نہیں کرتا جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''اے عبد اللہ! جب تو صبح کرے تو اپنے دل میں شام کا خیال نہ لا اور شام کرے تو صبح کا تصور نہ کر۔''

(13) ایک دفعہ سرکار دو عالم ﷺ نے تین لکڑیاں لیں ایک لکڑی اپنے سامنے گاڑ دی دوسری اس کے برابر اور تیسری اس سے کچھ فاصلے پر ،اس کے بعد فرمایا کیا تم جانتے ہو یہ کیا چیز ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول زیادہ جانتے ہیں۔ فرمایا: قریب کی دونوں لکڑیوں میں سے ایک انسان ہے اور دوسری اس کی موت ہے اور دور کی لکڑی اس کا امل ہے آدمی اس کا معاملہ کرتا ہے اور موت اس

کے اوراس کے امل کے درمیان رکاوٹ بن جاتی ہے۔'' (ابن ابی الدنیا، ابوسعید الخدری)

(14) ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''آدمی کی مثال یہ ہے کہ اس کے اردگرد ننانوے موتیں ہیں اگر ان سب سے محفوظ رہتا ہے تو وہ بڑھاپے کا شکار ہو جاتا ہے۔'' (ترمذی)

(15) سیدنا عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''یہ آدمی ہے، یہ موتیں ہیں جو اس کی طرف بڑھ رہی ہیں، بڑھاپا ان موتوں کے بعد ہے اور امل بڑھاپے کے بعد ہے۔ آدمی امل کرتا ہے اور موتیں اس کی طرف بڑھتی ہیں۔ جس کو حکم دیا جاتا ہے وہ اسے اپنی گرفت میں لے لیتی ہیں۔ اگر موت سے بچ جاتا ہے تو اسے بڑھاپا قتل کر دیتا ہے حالانکہ وہ اس امل کا منتظر ہوتا ہے۔'' (بخاری)

(16) سیدنا عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''ایک مرتبہ سرکار دو عالم ﷺ نے ایک چوکور خط کھینچا اور اس کے درمیان میں بھی ایک خط کھینچا پھر خط کے برابر میں بہت سے خطوط کھینچے اور ایک خط باہر کی طرف کھینچا پھر فرمایا کیا تم جانتے ہو یہ کیا ہے؟ لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول زیادہ جانتے ہیں۔ فرمایا: یہ درمیانی خط انسان ہے اور یہ چوکور خط اس کی موت ہے جو چاروں طرف سے اس کو گھیرے میں لئے ہوئے ہے یہ خطوط مصائب ہیں جو اسے نوچتے گھسیٹتے ہیں اگر ایک سے بچ جائے تو دوسرا اپنا عمل کرتا ہے اور بیرونی خط امل ہے۔'' (بخاری)

(17) سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''ابن آدم بوڑھا ہو جاتا ہے اور اس کے ساتھ دو چیزیں باقی رہ جاتی ہیں ایک حرص اور امل۔'' ''ایک اور روایت میں ہے کہ اس کے ساتھ دو چیزیں جوان ہو جاتی ہیں مال کی حرص اور طول دنیا کی ہوس۔'' (ابن ابی الدنیا، مسلم)

﴿فَاَكَلَا مِنْهَا فَبَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ ۫ وَعَصٰۤى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى﴾

''پس اُن دونوں نے اُس میں سے کھا لیا تو ان کے لیے اُن کی شرم گاہیں ظاہر ہو گئیں اور دونوں اپنے اوپر جنت کے پتے چپکانے لگے اور آدم نے اپنے رب کی نافرمانی کی تو بھٹک گیا'' (121)

سوال 1: ﴿فَاَكَلَا مِنْهَا فَبَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ ۫ وَعَصٰۤى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى﴾ ''پس اُن دونوں نے اُس میں سے کھا لیا تو ان کے لیے اُن کی شرم گاہیں ظاہر ہو گئیں اور دونوں اپنے اوپر جنت کے پتے چپکانے لگے اور آدم نے اپنے رب کی نافرمانی کی تو بھٹک گیا۔'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿فَاَكَلَا مِنْهَا﴾ ''پس اُن دونوں نے اُس میں سے کھا لیا'' شیطان نے اُس درخت میں ابدی فائدے گنوائے تو سیدنا آدم علیہ السلام اور سیدہ حوا علیہا السلام نے اُس کا پھل کھا لیا۔

(2) ﴿فَبَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا﴾ ''تو ان کے لیے اُن کی شرم گاہیں ظاہر ہو گئیں'' بے لباس ہونا اس چیز کی علامت تھی کہ اللہ تعالیٰ کی

طرف سے بغیر محنت، مشقت کے جو روزی میسر تھی وہ سلسلہ ختم ہو گیا۔

(3)﴿وَطَفِقَا يَخۡصِفٰنِ عَلَيۡهِمَا مِنۡ وَّرَقِ الۡجَنَّةِ﴾ ''اور دونوں اپنے اوپر جنت کے پتے چپکانے لگے'' سیدنا آدم عَلَیْہِ السَّلَام اور حوا علیہا السلام نے فطری شرم وحیا کی وجہ سے خود کو ڈھانپنا شروع کر دیا۔

(4) رب العزت نے فرمایا:﴿يٰبَنِيۡۤ اٰدَمَ قَدۡ اَنۡزَلۡنَا عَلَيۡكُمۡ لِبَاسًا يُّوَارِيۡ سَوۡاٰتِكُمۡ وَرِيۡشًا ؕ وَلِبَاسُ التَّقۡوٰى ذٰلِكَ خَيۡرٌ ؕ ذٰلِكَ مِنۡ اٰيٰتِ اللّٰهِ لَعَلَّهُمۡ يَذَّكَّرُوۡنَ﴾ ''اے اولادِ آدم! یقیناً ہم نے تم پر لباس اُتارا ہے جو تمہاری شرم گاہوں کو چھپاتا ہے اور زینت ہے اور تقویٰ کا لباس ہی بہترین ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہے کہ لوگ سبق حاصل کریں۔'' (الاعراف:26)

(5)﴿وَعَصٰۤى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى﴾ ''اور آدم نے اپنے رب کی نافرمانی کی تو بھٹک گیا'' پس انہوں نے فوراً توبہ کی اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کیا اور عرض کیا:﴿قَالَا رَبَّنَا ظَلَمۡنَاۤ اَنۡفُسَنَا ۫ وَاِنۡ لَّمۡ تَغۡفِرۡ لَنَا وَتَرۡحَمۡنَا لَنَكُوۡنَنَّ مِنَ الۡخٰسِرِيۡنَ﴾ ''ان دونوں نے کہا: ''اے ہمارے رب! ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور اگر آپ نے ہمیں معاف نہ کیا اور ہم پر رحم نہ کیا تو ہم ضرور نقصان اُٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔'' (الاعراف:23)(تفسیر سعدی:1645/2)

(6) سیدنا آدم عَلَیْہِ السَّلَام نے ابلیس کے حکم کی اطاعت کر لی اور اللہ تعالیٰ کے حکم کی مخالفت کر لی تھی۔ (تفسیر جامع البیان:244/16)

(7) سیدنا آدم عَلَیْہِ السَّلَام نے عزم کو چھوڑ دیا تھا اور عہد یاد نہیں رکھا تھا۔ (تفسیر القاسمی:400/11)

(8) امام فخر الدین رازی کہتے ہیں کہ لوگوں نے اس میں اختلاف کیا ہے کہ آیا انبیاء بھی بھٹک سکتے ہیں؟ وہ تو معصوم ہوتے ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے انبیاء کے توسط سے بھی سکھایا ہے کہ بھولنے کا فعل کسی سے بھی لاحق ہو جائے گمراہی لازم ہو جاتی ہے۔

سوال2: ایک درخت کا پھل کھانا منع تھا پھر انسان نے اُس کا پھل کیسے کھالیا؟

جواب: شیطان نے اُس درخت میں ابدی فائدے گنوائے تو سیدنا آدم عَلَیْہِ السَّلَام نے اُس کا پھل کھالیا۔

﴿ثُمَّ اجۡتَبٰهُ رَبُّهٗ فَتَابَ عَلَيۡهِ وَهَدٰى﴾

''پھر اُس کے رب نے اُسے چن لیا، پس اُس پر توجہ فرمائی اور ہدایت دی'' (122)

سوال1:﴿ثُمَّ اجۡتَبٰهُ رَبُّهٗ فَتَابَ عَلَيۡهِ وَهَدٰى﴾ ''پھر اُس کے رب نے اُسے چن لیا، پس اُس پر توجہ فرمائی اور ہدایت دی'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1)﴿ثُمَّ اجۡتَبٰهُ رَبُّهٗ﴾ ''پھر اُس کے رب نے اُسے چن لیا'' یعنی آدم عَلَیْہِ السَّلَام کو رب العزت نے غلطی پر ندامت اور توبہ کی توفیق دی اور ان کی توبہ قبول کر کے انہیں چن لیا۔

(2)﴿فَتَابَ عَلَيۡهِ﴾ ''پس اُس پر توجہ فرمائی'' یعنی ان پر مہربانی کر کے ان کی توبہ قبول کر لی۔

(3)﴿وَهَدٰى﴾ ''اور ہدایت دی'' اللہ تعالیٰ نے راہ راست کی طرف یعنی توبہ اور استغفار کی طرف راہ نمائی کی۔ سیدنا آدم علیہ السلام کو ندامت اور توبہ کے بعد اسی مقام پر فائز کر دیا گیا جس پر وہ پہلے تھے۔

﴿قَالَ اهْبِطَا مِنْهَا جَمِيْعًا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى ۙ فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقٰى﴾

''اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''تم دونوں اکٹھے اس سے اُتر جاؤ، تم ایک دوسرے کے دشمن ہو پھر اگر واقعی میری طرف سے تمہارے پاس کوئی ہدایت آئے تو جو میری ہدایت کی پیروی کرے گا تو نہ وہ گمراہ ہوگا اور نہ وہ مصیبت میں پڑے گا'' (123)

سوال 1: ﴿قَالَ اهْبِطَا مِنْهَا جَمِيْعًا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ﴾ ''اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''تم دونوں اکٹھے اس سے اُتر جاؤ، تم ایک دوسرے کے دشمن ہو'' آیت کے اس حصے کی وضاحت کریں؟

جواب: (1)﴿قَالَ اهْبِطَا مِنْهَا جَمِيْعًا﴾ ''اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''تم دونوں اکٹھے اس سے اُتر جاؤ'' اللہ رب العزت نے سیدنا آدم علیہ السلام، سیدہ حوا علیہما السلام اور ابلیس تینوں کو حکم دیا کہ جنت سے نکل جائیں اور دنیا کو آباد کریں۔

(2) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''بہترین دن جس میں سورج طلوع ہوتا ہے، وہ جمعہ کا دن ہے، آدم علیہ السلام کو جمعہ کے دن ہی پیدا کیا گیا اور اسی دن انہیں جنت میں داخل کیا گیا اور اسی دن انھیں جنت سے نکالا گیا۔'' (مسلم: 854)

(3)﴿بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ﴾ ''تم ایک دوسرے کے دشمن ہو'' یعنی آدم علیہ السلام اور آدم زاد کے دشمن ابلیس اور ابلیس زادے ہوں گے۔ (السراج المنير: 1192/2)

سوال 2: ﴿فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى ۙ فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقٰى﴾ ''پھر اگر واقعی میری طرف سے تمہارے پاس کوئی ہدایت آئے تو جو میری ہدایت کی پیروی کرے گا تو نہ وہ گمراہ ہوگا اور نہ وہ مصیبت میں پڑے گا'' آیت کے اس حصے کی وضاحت کریں؟

جواب: (1)﴿فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى﴾ ''پھر اگر واقعی میری طرف سے تمہارے پاس کوئی ہدایت آئے'' یعنی اگر میری طرف سے تمہارے پاس میرے رسول اور میری کتابیں آئیں جن سے تمہیں صراط مستقیم کی ہدایت ملے اور وہ راستہ تمہیں جنت کی طرف لے جائے گا۔

(2)﴿فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقٰى﴾ ''تو جو میری ہدایت کی پیروی کرے گا تو نہ وہ گمراہ ہوگا اور نہ وہ مصیبت میں پڑے گا'' یعنی جس وقت کسی کے پاس میری کتاب پہنچے یا کسی رسول کی دعوت پہنچے تو جو اس کی پیروی کرے گا اور میرے احکامات پر عمل کرے گا اور جن کاموں سے میں نے روکا ہے ان سے رکے گا تو نہ وہ گمراہ ہوگا، اور نہ آخرت کی سعادتوں سے محروم ہوگا۔

(3) ﴿فَمَنْ تَبِعَ هُدَایَ فَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ (۳۸)﴾ ''تو جو میری ہدایت کی پیروی کرے گا تو ان کے لیے نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔'' (البقرۃ:38)

(4) اور ''ہدایت'' کی پیروی یہ ہے کہ رسول کی دی ہوئی خبر کی تصدیق کی جائے اور شہوات کا پیچھا کرتے ہوئے اور شبہات میں مبتلا ہو کر اس سے اعراض نہ کیا جائے۔

سوال 3: کیا اللہ تعالیٰ نے زمین پر اُتارنے کا فیصلہ عتاب کی وجہ سے کیا؟

جواب: زمین پر اُتارنے کا فیصلہ عتاب کی وجہ سے نہیں اللہ تعالیٰ کی حکمت و مصلحت اور مشیت کے مطابق تھا۔

سوال 4: اللہ تعالیٰ کی ہدایت کی پیروی کرنے والا کس چیز سے محفوظ کرلیا جائے گا؟

جواب: اللہ تعالیٰ کی ہدایت کی پیروی کرنے والا گمراہی اور بدبختی سے محفوظ کرلیا جائے گا۔

سوال 5: مصیبت اور بدبختی کیسے آتی ہے؟

جواب: مصیبت گمراہی کی وجہ سے آتی ہے۔ گمراہی کی وجہ سے انسان بدبخت ہو جاتا ہے۔

﴿وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِیْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِیْشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهٗ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اَعْمٰی﴾

''اور جو میرے ذکر سے منہ موڑے گا تو اس کے لیے یقیناً زندگی تنگ ہوگی اور ہم اسے قیامت کے دن اندھا اٹھائیں گے۔'' (124)

سوال 1: ﴿وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِیْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِیْشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهٗ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اَعْمٰی﴾ ''اور جو میرے ذکر سے منہ موڑے گا تو اس کے لیے یقیناً زندگی تنگ ہوگی اور ہم اسے قیامت کے دن اندھا اٹھائیں گے'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِیْ﴾ ''اور جو میرے ذکر سے منہ موڑے گا'' اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی ہدایت سے اور اللہ تعالیٰ کی کتاب سے منہ موڑنا ہے۔

(2) ﴿وَمَنْ أَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِیْ﴾ ''یعنی جو میرے دین سے منہ موڑے گا اور میری کتاب کی تلاوت اور اس پر عمل کرنے کو چھوڑے گا اور اس کی ہدایت کی پیروی نہیں کرے گا۔ (فتح القدیر:3/490)

(3) ﴿فَاِنَّ لَهٗ مَعِیْشَةً ضَنْكًا﴾ ''تو اس کے لیے یقیناً زندگی تنگ ہوگی'' یعنی اس کی سزا یہ ہوگی کہ ہم اس کی معیشت کو تنگ اور نہایت پر مشقت بنا دیں گے اور یہ معیشت اس کے لئے محض ایک عذاب ہوگی۔

(4) تنگ معیشت کی تفسیر بیان کی جاتی ہے کہ اس سے مراد عذاب قبر ہے، یعنی اس کے لئے اس کی قبر کو تنگ کر دیا جائے گا وہ اس میں گھٹ کر رہ جائے گا اور اس کو عذاب دیا جائے گا۔ یہ اس بات کی سزا ہے کہ اس نے اپنے رب کے ذکر سے روگردانی کی تھی۔

(5) یہ ان آیات میں سے ایک آیت ہے جو عذاب قبر پر دلالت کرتی ہیں۔

(6) سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے اللہ تعالیٰ کے اس قول کے بارے میں روایت ہے کہ اس سے مراد عذاب قبر ہے۔'' (اخرجہ الحاکم فی المستدرک: 3439)

(7) دوسری آیت کریمہ یہ ہے۔﴿وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ قَالَ اُوْحِيَ اِلَيَّ وَلَمْ يُوْحَ اِلَيْهِ شَيْءٌ وَّمَنْ قَالَ سَاُنْزِلُ مِثْلَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ ؕ وَلَوْ تَرٰۤی اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِيْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَاسِطُوْۤا اَيْدِيْهِمْ ۚ اَخْرِجُوْۤا اَنْفُسَكُمْ ؕ اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَی اللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ وَكُنْتُمْ عَنْ اٰيٰتِهٖ تَسْتَكْبِرُوْنَ﴾ ''اور اس سے بڑا ظالم اور کون ہوگا جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھے؟ یا کہے کہ مجھ پر وحی کی گئی حالانکہ اس پر کچھ وحی نہ کیا گیا ہو اور جو کہے کہ جیسا کلام اللہ تعالیٰ نے نازل کیا ہے جلد ہی میں بھی ویسا ہی اُتاروں گا، اور کاش آپ دیکھیں جب یہ ظالم موت کی سختیوں میں ہوتے ہیں اور فرشتے اپنے ہاتھ پھیلانے والے ہوتے ہیں کہ ''نکالو اپنی جانیں، آج تمہیں ذلت کا عذاب دیا جائے گا اس وجہ سے کہ تم اللہ تعالیٰ پر ناحق باتیں کہتے تھے اور اس کی آیات سے تکبر کیا کرتے تھے۔'' (الانعام: 93)

(8) تیسری آیت کریمہ یہ ہے۔﴿وَلَنُذِيْقَنَّهُمْ مِّنَ الْعَذَابِ الْاَدْنٰی دُوْنَ الْعَذَابِ الْاَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ﴾ ''اور ہم اُنہیں بڑے عذاب سے پہلے ہی چھوٹے عذاب کا مزہ ضرور چکھائیں گے تاکہ وہ پلٹ آئیں۔ (السجدۃ: 21)

(9) چوتھی آیت کریمہ یہ ہے ﴿اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّعَشِيًّا ۚ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ ۫ اَدْخِلُوْۤا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ﴾ ''آگ ہے، جس پر وہ صبح و شام پیش کیے جاتے ہیں اور جس دن قیامت قائم ہوگی، (حکم ہوگا) آلِ فرعون کو سخت عذاب میں داخل کرو۔'' (المؤمن: 46)

(10) جو چیز سلف میں سے بعض مفسرین کے لئے، اس آیت کریمہ کو عذاب قبر پر محمول کرنے اور صرف اسی پر اقتصار کرنے کی موجب بنی۔ واللہ اعلم۔ وہ ہے آیت کریمہ کا آخر۔ اللہ تعالیٰ نے آیت کریمہ کے آخر میں قیامت کے عذاب کا ذکر کیا ہے۔ اور بعض مفسرین کی رائے ہے کہ ''تنگ معیشت'' عام ہے یعنی اپنے رب کے ذکر سے روگردانی کرنے والوں پر دنیا میں غم وہموم اور مصائب وآلام کے جو پہاڑ ٹوٹتے ہیں، وہ عذاب معجّل ہے۔ برزخ میں بھی ان کو عذاب میں ڈالا جائے گا اور آخرت میں بھی عذاب میں داخل ہوں گے کیونکہ ''تنگ معیشت'' کو بغیر کسی قید کے مطلق طور پر بیان کیا گیا ہے۔ (تفسیر سعدی: 1646،1647/2)

(11) ﴿وَّنَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰی﴾ ''اور ہم اسے قیامت کے دن اندھا اٹھائیں گے'' یعنی قیامت کے دن اپنے رب کے ذکر سے منہ موڑنے والے کو اندھا اٹھائیں گے۔ جیسا کہ رب العزت نے فرمایا: ﴿وَنَحْشُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَلٰی وُجُوْهِهِمْ عُمْيًا وَّبُكْمًا وَّصُمًّا﴾ ''اور ہم قیامت کے دن اُنہیں اُن کے چہروں کے بل اندھا، گونگا اور بہرہ اُٹھائیں گے۔ (بنی اسرائیل: 97)

(12) رب العزت نے فرمایا: ﴿لَهُمْ عَذَابٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَقُّ ۚ وَمَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ وَّاقٍ﴾

''اُن کے لیے دنیا کی زندگی میں عذاب ہے اور یقیناً آخرت کا عذاب تو اس سے بھی زیادہ سخت ہے اور انہیں اللہ تعالیٰ سے بچانے والا کوئی نہیں'' (الرعد:34)

(13) سیدنا حارث اعور فرماتے ہیں: ''میں مسجد میں داخل ہوا تو کچھ لوگ بعض مسائل پر جھگڑا کر رہے تھے۔ میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے پاس گیا اور انہیں اس بات کی خبر دی۔ آپ نے فرمایا کیا یہ باتیں ہونے لگیں؟ میں نے کہا جی ہاں۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''یاد رکھو، میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے آپ ﷺ نے فرمایا: خبردار رہو عنقریب ایک بڑا فتنہ سر اُٹھائے گا۔'' میں نے عرض کیا اس فتنے سے نجات کا ذریعہ کیا ہوگا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کی کتاب۔ اس میں تم سے پہلے گزرے ہوئے لوگوں کے حالات ہیں تم سے بعد میں ہونے والوں کی خبر ہے۔ اور تمہارے آپس کے معاملات کا فیصلہ ہے۔ اور یہ ایک دوٹوک بات ہے ہنسی دل لگی نہیں ہے، جو سرکش اسے چھوڑ دے گا اللہ تعالیٰ اس کی کمر توڑ دے گا اور جو کوئی اسے چھوڑ کر کسی اور کی بات کو اپنی ہدایت کا ذریعہ بنائے گا اللہ تعالیٰ اسے گمراہ کر دے گا۔ اللہ تعالیٰ کی مضبوط رسی یہی ہے۔ یہی حکمتوں سے بھری ہوئی یاددہانی ہے۔ یہی بالکل سیدھی راہ ہے۔ اس کے ہوتے ہوئے خواہشیں گمراہ نہیں کرتیں اور نہ زبانیں لڑکھڑاتی ہیں۔ اہل علم کا دل اس سے کبھی سیر نہیں ہوتا۔ اس کو بار بار دہرانے سے اس کی تازگی نہیں جاتی۔ یہ کبھی پرانا نہیں ہوتا۔ اس کی عجیب باتیں کبھی ختم نہیں ہوں گی۔ یہ وہی ہے جس کو سنتے ہی جن پکار اُٹھے تھے: بلاشبہ ہم نے عجیب قرآن سنا ہے جو ہدایت کی طرف راہ نمائی کرتا ہے لہٰذا ہم اس پر ایمان لاتے ہیں۔'' جس نے اس کی سند پر کہا، سچ کہا جس نے اس عمل کیا اجر پائے گا۔ جس نے اس کی بنیاد پر فیصلہ کیا اس نے انصاف کیا۔ جس نے اس کی طرف دعوت دی اس نے سیدھی راہ کی طرف راہ نمائی کی۔ اے اعور! ان باتوں کو گرہ میں باندھ لے۔'' (ترمذی)

سوال 2: انسان کی کامیابی اور ناکامی کا دارومدار کس چیز پر ہے؟

جواب: انسان کی کامیابی اور ناکامی کا دارومدار اس پر ہے کہ کون ہدایت کو مانتا ہے اور کون نہیں مانتا؟

سوال 3: دُنیا کی زندگی کی تنگی سے کیا مراد ہے؟

جواب: (1) تنگی سے مراد بے چینی اور بے کلی ہے۔ (2) اس سے مراد بے یقینی کی تنگی ہے۔

(3) اس سے مراد پریشانی، قلق اور اضطراب ہے۔ (4) یہ حرص اور خوف کی تنگی ہے۔

سوال 4: اندھے پن سے کیا مراد ہے؟

جواب: اندھے پن سے مراد گمراہی ہے جو ہدایت کے مقابلے میں اختیار کی جاتی ہے۔

سوال 5: قیامت کے اندھے پن سے کیا مراد ہے؟

جواب: قیامت کے اندھے پن سے مراد بھی گمراہی ہے۔ وہاں انسان کو کوئی ایسی دلیل نہیں سوجھے گی جس کی وجہ سے وہ عذاب سے بچ سکے۔

سوال6: قیامت کے دن کس کو اندھا اُٹھایا جائے گا؟

جواب: قیامت کے دن اُسے اندھا اُٹھایا جائے گا جو اللہ تعالیٰ کی آیات اور کائنات سے غافل رہا، جس نے نہ آیات سے کوئی سبق لیا نہ کائنات پر غور وفکر کر کے اپنے لیے کوئی راہ نمائی لی۔

﴿قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِيْٓ اَعْمٰى وَقَدْ كُنْتُ بَصِيْرًا﴾

’’وہ کہے گا: ’’اے میرے رب! تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا؟ حالانکہ میں یقیناً دیکھنے والا تھا‘‘ (125)

سوال1: ﴿قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِيْٓ اَعْمٰى وَقَدْ كُنْتُ بَصِيْرًا﴾ ’’وہ کہے گا: ’’اے میرے رب! تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا؟ حالانکہ میں یقیناً دیکھنے والا تھا‘‘ اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِيْٓ اَعْمٰى وَقَدْ كُنْتُ بَصِيْرًا﴾ ’’وہ کہے گا: ’’اے میرے رب! تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا؟ حالانکہ میں یقیناً دیکھنے والا تھا‘‘ اس دن اللہ تعالیٰ کے رسولوں اور قرآن سے منہ موڑنے والا کہے گا کہ اے میرے رب تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا۔

﴿قَالَ كَذٰلِكَ اَتَتْكَ اٰيٰتُنَا فَنَسِيْتَهَا ۚ وَكَذٰلِكَ الْيَوْمَ تُنْسٰى﴾

’’اللہ تعالیٰ فرمائے گا: ’’اسی طرح ہماری آیات تمہارے پاس آئی تھیں تو تو نے انہیں بھلا دیا اور اسی طرح آج تو بھلایا جا رہا ہے‘‘ (126)

سوال1: ﴿قَالَ كَذٰلِكَ اَتَتْكَ اٰيٰتُنَا فَنَسِيْتَهَا ۚ وَكَذٰلِكَ الْيَوْمَ تُنْسٰى﴾ ’’اللہ تعالیٰ فرمائے گا: ’’اسی طرح ہماری آیات تمہارے پاس آئی تھیں تو تو نے انہیں بھلا دیا اور اسی طرح آج تو بھلایا جا رہا ہے‘‘ اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿قَالَ كَذٰلِكَ اَتَتْكَ اٰيٰتُنَا فَنَسِيْتَهَا﴾ ’’اللہ تعالیٰ فرمائے گا: ’’اسی طرح ہماری آیات تمہارے پاس آئی تھیں تو تو نے انہیں بھلا دیا‘‘ رب العزت فرمائیں گے کہ تمہارے پاس میری آیات پہنچی تھیں مگر تو نے انہیں یاد نہ کیا تو نے انہیں بھلا دیا، تو نے ان سے منہ موڑا، تو نے ان سے غفلت برتی۔

(2) تم نے قرآن سیکھا اور پھر اس کو بھلا دیا اور تم آگ میں ڈال دیئے گئے۔

(3) رب العزت نے کہا کہ آج کے دن تم بھلائے جاتے ہو یعنی اب تمہاری کوئی اہمیت نہیں۔ نہ تمہاری صدا سنی جائے گی نہ تمہاری چیخ و پکار کا اثر ہوگا اور اس کی وجہ کیا ہے؟ کہ تم نے اللہ تعالیٰ کی کتاب کا حق ادا نہیں کیا۔ (السمرقندی: 433/2)

(4) یعنی تم نیکی کرنا بھول گئے اور برائی کرنا نہیں بھولے۔ (تفسیر جامع البیان: 252/16)

(5) رب العزت نے فرمایا: ﴿الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَهْوًا وَّلَعِبًا وَّغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۚ فَالْيَوْمَ نَنْسٰهُمْ كَمَا نَسُوْا

لِقَآءَ يَوْمِهِمْ هٰذَا ۙ وَمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ﴾ ''جن لوگوں نے اپنے دین کو دل لگی اور کھیل بنایا تھا اور دنیا کی زندگی نے انہیں دھوکے میں ڈال رکھا تھا تو آج ہم بھی انہیں بھلائے دیتے ہیں جیسا کہ انہوں نے اپنے اس دن کی ملاقات کو بھلا دیا تھا اور جیسا کہ وہ ہماری آیات کا انکار کیا کرتے تھے۔'' (الاعراف:51)

﴿وَكَذٰلِكَ نَجْزِيْ مَنْ اَسْرَفَ وَلَمْ يُؤْمِنْۢ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ ؕ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَدُّ وَاَبْقٰى﴾

''اور اسی طرح ہم بدلہ دیتے ہیں اس شخص کو جو حد سے گزر جاتا ہے اور اپنے رب کی آیات پر ایمان نہیں لاتا اور یقیناً آخرت کا عذاب زیادہ سخت اور زیادہ باقی رہنے والا ہے'' (127)

سوال 1: ﴿وَكَذٰلِكَ نَجْزِيْ مَنْ اَسْرَفَ وَلَمْ يُؤْمِنْۢ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ﴾ ''اور اسی طرح ہم بدلہ دیتے ہیں اس شخص کو جو حد سے گزر جاتا ہے اور اپنے رب کی آیات پر ایمان نہیں لاتا۔'' آیت کے اس حصے کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَكَذٰلِكَ نَجْزِيْ مَنْ اَسْرَفَ﴾ ''اور اسی طرح ہم بدلہ دیتے ہیں اس شخص کو جو حد سے گزر جاتا ہے'' اور اسراف کرنے والا وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی حدود سے آگے گزر جاتا ہے۔

(2) ﴿وَلَمْ يُؤْمِنْۢ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ﴾ ''اور اپنے رب کی آیات پر ایمان نہیں لاتا'' جو اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتوں پر، کتابوں پر اس کے آخرت کے دن پر ایمان نہیں رکھتا۔ (تفسیر جامع البیان: 252/16)

(3) جو اپنے رب کی آیات پر ایمان نہیں لاتا وہ رب کی نافرمانی کرتا ہے۔

سوال 2: ﴿وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَدُّ وَاَبْقٰى﴾ ''اور یقیناً آخرت کا عذاب زیادہ سخت اور زیادہ باقی رہنے والا ہے۔'' آیت کے اس حصے کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَدُّ وَاَبْقٰى﴾ ''اور یقیناً آخرت کا عذاب زیادہ سخت اور زیادہ باقی رہنے والا ہے'' یعنی یہ جزا اس شخص کے لئے ہے جس نے حدود سے تجاوز کیا اور جن امور کی اجازت دی گئی ہے ان سے آگے بڑھ کر محرمات کا مرتکب ہوا۔

(2) اور جو اپنے رب کی آیتوں پر ایمان نہ لایا جو کہ تمام مطالب ایمان پر واضح طور پر اور صراحت کے ساتھ دلالت کرتی ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ نے اس پر ہرگز ظلم نہیں کیا اور نہ غیر مستحق کو سزا دی ہے بلکہ اس کا سبب تو صرف اس کا اسراف اور عدم ایمان ہے۔ (تفسیر سعدی: 1648/2)

(3) دنیا کے عذاب کے برعکس آخرت کا عذاب کئی گنا زیادہ سخت ہوگا۔ اور دنیا کے عذاب کے برعکس آخرت کا عذاب کبھی ختم نہ ہوگا کیونکہ دنیا کا عذاب تو کبھی نہ کبھی منقطع ہو جاتا ہے۔ پس آخرت کے عذاب سے ڈرنا اور اس سے بچنا واجب ہے۔ (تفسیر سعدی: 1648/2)

(4) سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (لعان کرنے والے جوڑے کو آخرت کے عذاب سے ڈراتے

ہوئے) فرمایا: ''دنیا کی سزا آخرت کے عذابوں کے مقابلے میں بہت ہی ہلکی اور ناچیز ہے۔'' (مسلم:2256)

﴿اَفَلَمۡ يَهۡدِ لَهُمۡ كَمۡ اَهۡلَكۡنَا قَبۡلَهُمۡ مِّنَ الۡقُرُوۡنِ يَمۡشُوۡنَ فِىۡ مَسٰكِنِهِمۡ‌ؕ اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِى النُّهٰى﴾

''تو کیا ان لوگوں کو اس بات نے ہدایت نہیں دی کہ ہم نے ان سے پہلے کتنے ہی زمانے کے لوگوں کو ہلاک کر دیا؟ جن کی بستیوں میں یہ چلتے پھرتے ہیں، بلاشبہ اس میں یقیناً عقل والوں کے لئے بہت سی نشانیاں ہیں'' (128)

سوال 1: ﴿اَفَلَمۡ يَهۡدِ لَهُمۡ كَمۡ اَهۡلَكۡنَا قَبۡلَهُمۡ مِّنَ الۡقُرُوۡنِ يَمۡشُوۡنَ فِىۡ مَسٰكِنِهِمۡ‌ؕ اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِى النُّهٰى﴾ ''تو کیا ان لوگوں کو اس بات نے ہدایت نہیں دی کہ ہم نے ان سے پہلے کتنے ہی زمانے کے لوگوں کو ہلاک کر دیا؟ جن کی بستیوں میں یہ چلتے پھرتے ہیں، بلاشبہ اس میں یقیناً عقل والوں کے لئے بہت سی نشانیاں ہیں'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿اَفَلَمۡ يَهۡدِ لَهُمۡ كَمۡ اَهۡلَكۡنَا قَبۡلَهُمۡ مِّنَ الۡقُرُوۡنِ يَمۡشُوۡنَ فِىۡ مَسٰكِنِهِمۡ﴾ ''تو کیا ان لوگوں کو اس بات نے ہدایت نہیں دی کہ ہم نے ان سے پہلے کتنے ہی زمانے کے لوگوں کو ہلاک کر دیا جن کی بستیوں میں یہ چلتے پھرتے ہیں'' کیا جھٹلانے والوں کو اس بات نے راہ نمائی نہیں دی کہ ہم نے کتنی قومیں ہلاک کر دیں جو رسولوں کو جھٹلاتی تھیں، جن کے گھروں میں اب یہ چل پھر رہے ہیں۔

(2) رب العزت نے فرمایا: ﴿اَكُفَّارُكُمۡ خَيۡرٌ مِّنۡ اُولٰٓئِكُمۡ اَمۡ لَـكُمۡ بَرَآءَةٌ فِى الزُّبُرِ ‌(۴۳) اَمۡ يَقُوۡلُوۡنَ نَحۡنُ جَمِيۡعٌ مُّنۡتَصِرٌ (۴۴)﴾ ''کیا تمہارے کافر ان سے بہتر ہیں؟ یا تمہارے لیے اگلی کتابوں میں معافی ہے؟ یا وہ کہتے ہیں کہ ہم بدلہ لے کر رہنے والی جماعت ہیں؟'' (القمر:43,44)

(3) ﴿اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِى النُّهٰى﴾ ''بلاشبہ اس میں یقیناً عقل والوں کے لئے بہت سی نشانیاں ہیں'' تقویٰ والے ہی عقل والے ہیں۔ عقل مند لوگ آج اُن علاقوں میں چل پھر رہے ہیں جہاں کل کے لوگ ہلاک ہوئے تھے یہ سبق ہے کہ اُمنگیں، آرزوئیں، منصوبے سب خاک میں مل جانے والے ہیں۔

رکوع نمبر 17

﴿وَلَوۡلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتۡ مِنۡ رَّبِّكَ لَـكَانَ لِزَامًا وَّاَجَلٌ مُّسَمًّى﴾

''اور اگر آپ کے رب کی جناب سے ایک بات نہ ہوتی اور ایک مقررہ وقت نہ ہوتا تو (عذاب) ضرور لازم ہو جاتا'' (129)

سوال 1: ﴿وَلَوۡلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتۡ مِنۡ رَّبِّكَ لَـكَانَ لِزَامًا وَّاَجَلٌ مُّسَمًّى﴾ ''اور اگر آپ کے رب کی جناب سے ایک بات

نہ ہوتی اور ایک مقررہ وقت نہ ہوتا تو (عذاب) ضرور لازم ہوجاتا۔'' اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو کیسے صبر کی ترغیب دی؟

جواب: (1) ﴿وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِن رَّبِّكَ لَكَانَ لِزَامًا وَأَجَلٌ مُّسَمًّى﴾ ''اور اگر آپ کے رب کی جناب سے ایک بات نہ ہوتی اور ایک مقررہ وقت نہ ہوتا تو (عذاب) ضرور لازم ہوجاتا۔'' اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے پہلے ہی مقرر شدہ اور معین کردہ بات نہ ہوتی تو اسی وقت عذاب آچمٹتا۔ اللہ تعالیٰ کی حکمت ہے کہ اس نے مشرکین مکہ کو خاص وقت تک مہلت دے رکھی ہے لیکن مہلت ختم ہونے کے بعد انہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے کوئی بچانے والا نہ ہوگا۔

(2) یہ رسول اللہ ﷺ کے لئے تسلی اور صبر کی ترغیب ہے کہ وہ ان جھٹلانے اور روگردانی کرنے والوں کے لئے جلدی ہلاکت کی خواہش نہ کریں۔ ان کا کفر اور تکذیب، ان پر عذاب نازل ہونے کے لئے ایک معقول سبب ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے سزاؤں کے لئے سبب مقرر کیا ہے جو گناہوں سے جنم لیتا ہے اور ان لوگوں نے نزول عذاب کے اسباب پیدا کردیئے ہیں مگر جس چیز نے اس عذاب کو مؤخر کر رکھا ہے وہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے جو مہلت دینے اور وقت مقرر کرنے کو متضمن ہے۔ وقت کا مقرر ہونا اور اللہ تعالیٰ کے حکم کا نفاذ، نزول عذاب کو اس وقت کے آنے تک کے لئے مؤخر کردیتا ہے۔ شاید کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی طرف رجوع کریں، اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول کرلے اور عذاب کو ان سے دور کردے جب تک کہ اللہ تعالیٰ کا کلمہ ان پر ثابت نہ ہوجائے۔ (تفسیر سعدی: 1649/2)

سوال 2: کسی قوم کو عروج کے بعد ہلاک کرنے کی وجہ کیا ہوتی ہے؟

جواب: کسی قوم کو عروج کے بعد ہلاک کرنے کی وجہ ہمیشہ یہ ہوتی ہے کہ اُس نے بندگی کی حد سے تجاوز کیا ہوتا ہے۔

سوال 3: اگر اللہ تعالیٰ نے پہلے فیصلہ نہ کیا ہوتا تو قریش کے ساتھ کیا معاملہ ہوتا؟

جواب: اگر اللہ تعالیٰ نے پہلے سے فیصلہ نہ کیا ہوتا تو اہل قریش کو بھی غیر اللہ کی بندگی کرنے پر ہلاکت اور عبرت کی مثال بنادیا جاتا۔

﴿فَاصْبِرْ عَلَىٰ مَا يَقُولُونَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوبِهَا وَمِنْ آنَائِ اللَّيْلِ وَأَطْرَافَ النَّهَارِ لَعَلَّكَ تَرْضَىٰ﴾

''چنانچہ لوگ جو باتیں کرتے ہیں آپ ان پر صبر کریں اور اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کریں سورج نکلنے سے پہلے اور اس کے غروب ہونے سے پہلے اور رات کے اوقات میں بھی پس تسبیح کریں اور دن کے کناروں پر بھی تاکہ آپ راضی ہوجائیں'' (130)

سوال 1: ﴿فَاصْبِرْ عَلَىٰ مَا يَقُولُونَ﴾ ''چنانچہ لوگ جو باتیں کرتے ہیں آپ ان پر صبر کریں'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿فَاصْبِرْ عَلَىٰ مَا يَقُولُونَ﴾ ''چنانچہ لوگ جو باتیں کرتے ہیں آپ ان پر صبر کریں'' رب العزت نے نبی ﷺ کو حکم دیا ہے کہ لوگوں کی باتوں کی وجہ سے جو تکلیف آپ کو پہنچی ہے اس پر صبر کریں۔

(2) رسول اللہ ﷺ کو جب لوگ کافر، کاہن، شاعر اور مجنوں کہتے تو آپ کو حکم دیا گیا کہ ان باتوں پر دل برداشتہ نہ ہوں۔ آپ لوگوں سے توجہ ہٹا کر رب کی طرف رجوع کریں اور اس کی تسبیح کریں۔

سوال 2: ﴿وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا ۚ وَمِنْ اٰنَآئِ الَّيْلِ فَسَبِّحْ وَاَطْرَافَ النَّهَارِ لَعَلَّكَ تَرْضٰى﴾ ''اور اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کریں سورج نکلنے سے پہلے اور اس کے غروب ہونے سے پہلے اور رات کے اوقات میں بھی پس تسبیح کریں اور دن کے کناروں پر بھی تاکہ آپ راضی ہو جائیں'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا﴾ ''اور اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کریں سورج نکلنے سے پہلے اور اس کے غروب ہونے سے پہلے'' یعنی سورج نکلنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کرنے کے لیے فجر کی نماز پڑھیں اور سورج غروب ہونے سے پہلے عصر کی نماز پڑھیں۔

(2) سیدنا جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''ہم نبی ﷺ کی خدمت میں موجود تھے آپ ﷺ نے چاند پر ایک نظر ڈالی، پھر فرمایا کہ ''تم اپنے رب کو (آخرت میں) اسی طرح دیکھو گے جیسے اس چاند کو اب دیکھ رہے ہو۔ اس کے دیکھنے میں تم کو کوئی زحمت بھی نہیں ہوگی، پس اگر تم ایسا کر سکتے ہو کہ سورج طلوع ہونے سے پہلے والی نماز (فجر) اور سورج غروب ہونے سے پہلے والی نماز (عصر) سے تمہیں کوئی چیز نہ روک سکے تو ایسا ضرور کرو۔'' پھر آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: پس اپنے رب کی حمد و تسبیح کرو سورج طلوع ہونے اور غروب ہونے سے پہلے۔'' (صحیح بخاری:554)

(3) سیدنا عمارہ بن رویبہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''وہ شخص دوزخ میں کبھی نہ داخل ہوگا جس نے نماز ادا کی قبل طلوع آفتاب کے اور قبل غروب آفتاب کے۔'' یعنی فجر اور عصر کی۔ (مسلم:1436)

(4) سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا: کئی فرشتے تمہارے پاس رات کو آتے جاتے ہیں اور کئی دن کو۔ فجر اور عصر کی نماز کے وقت وہ اکٹھے ہو جاتے ہیں۔ پھر وہ فرشتے اوپر چڑھ جاتے ہیں، جو رات تمہارے ہاں ٹھہرتے ہیں اور ان سے ان کا پروردگار پوچھتا ہے حالانکہ وہ تم کو خوب جانتا ہے، تم نے میرے بندوں کو کس حال میں چھوڑا؟ وہ کہتے ہیں کہ جب ہم ان کے پاس سے روانہ ہوئے تو وہ نماز پڑھ رہے تھے اور جب ان کے پاس پہنچے تو بھی نماز پڑھ رہے تھے۔'' (بخاری:7486، مسلم:1432)

(5) ﴿وَمِنْ اٰنَآئِ الَّيْلِ فَسَبِّحْ وَاَطْرَافَ النَّهَارِ﴾ ''اور رات کے اوقات میں بھی پس تسبیح کریں اور دن کے کناروں پر بھی'' رات اور دن کی عبادت انسان کو سکون فراہم کرتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی رضا کا باعث بنتی ہے۔ جیسا کہ رب العزت نے فرمایا: ﴿وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَیِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ ۭ اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ ۭ ذٰلِكَ ذِكْرٰى لِلذّٰكِرِيْنَ﴾ ''اور آپ نماز قائم کریں دن کے دونوں اطراف میں اور رات کی چند گھڑیوں میں، بلاشبہ نیکیاں برائیوں کو لے جاتی ہیں، یہ اللہ تعالیٰ کو یاد کرنے والوں کے لیے نصیحت

ہے'' (ہود:114)

(6)﴿لَعَلَّكَ تَرْضٰى﴾ ''تا کہ آپ راضی ہو جائیں'' اگر آپ ﷺ اس پر عمل پیرا ہوئے تو شاید آپ ﷺ اپنے رب کے عطا کردہ دنیاوی اور اخروی ثواب پر راضی ہو جائیں، آپ کو اطمینان قلب حاصل ہو، اپنے رب کی عبادت سے آپ آنکھیں ٹھنڈی کریں اور ان کی اذیت رسانی پر اس عبادت کے ذریعے سے دل کو تسلی ہو تب آپ ﷺ کے لئے صبر بہت آسان ہو جائے گا۔ (تفسیر سعدی:1649,1650/2)

(7) اس سے مراد ہے کہ جو مقام آخرت میں آپ کو ملے گا اُمید یہ ہے کہ آپ کا نفس اس سے راضی ہو جائے۔ رب العزت کا ارشاد ہے:
﴿وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى﴾ ''اور جلد ہی تیرا ربّ تجھے اتنا دے گا پھر تم خوش ہو جاؤ گے۔'' (الضحیٰ:5)

(8) سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ فرمائے گا، اے جنتیو! تو وہ کہیں گے، اے ہمارے رب! ہم بار بار تیری خدمت میں حاضر ہیں اور ساری خیر تیرے ہی ہاتھ میں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا، کیا تم خوش ہو گئے؟ وہ کہیں گے، اے اللہ! ہم کیوں خوش نہیں ہوں گے، حالانکہ تو نے ہمیں وہ نعمتیں عطا کر رکھی ہیں جو تو نے اپنی مخلوق میں سے کسی کو نہیں دیں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا، کیا میں تمھیں اس سے بہتر چیز نہ عطا کروں؟ وہ کہیں گے، اے ہمارے رب! ان نعمتوں سے بہتر کیا ہو سکتا ہے؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا، میں تمھیں اپنی رضامندی دیتا ہوں کہ اب کسی وقت بھی میں تم سے کبھی ناراض نہیں ہوں گا۔'' (بخاری:7518)

(9) سیدنا صہیب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''جب جنت والے جنت میں چلے جائیں گے تو اس وقت اللہ تعالیٰ ان سے فرمائیں گے کہ کیا تم مزید کچھ چاہتے ہو؟ وہ جنتی عرض کریں گے (اے اللہ تعالیٰ) کیا تو نے ہمارے چہروں کو روشن نہیں کیا؟ کیا تو نے ہم کو دوزخ سے نجات نہیں دی؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ پھر اللہ تعالیٰ ان کے اور اپنے درمیان سے پردے اٹھا دے گا اور جنتی اللہ تعالیٰ کا دیدار کریں گے تو ان کو اس دیدار سے زیادہ کوئی چیز پیاری نہیں ہو گی۔'' (مسلم:181)

(10) دشمنوں کی ایذاؤں سے بچنے کا طریقہ صبر اور اللہ تعالیٰ کی یاد میں مشغول ہونا ہے۔

(11) دشمنوں سے تو اس دنیا میں کسی چھوٹے بڑے، اچھے برے انسان کو نجات نہیں ملتی۔ ہر شخص کا کوئی نہ کوئی دشمن ہوتا ہے اور دشمن کتنا ہی حقیر و ضعیف ہو اپنے مخالف کو کچھ نہ کچھ ایذا پہنچا ہی دیتا ہے، زبانی گالی گلوچ ہی سہی، سامنے ہمت نہ ہو تو پیچھے ہی سہی۔ اس لئے دشمن کی ایذاؤں سے بچنے کی فکر ہر شخص کو ہوتی ہے۔ قرآن کریم نے ان کا بہترین اور کامیاب نسخہ دو چیزوں سے مرکب بیان فرمایا ہے۔ اول صبر یعنی اپنے نفس کو قابو میں رکھنا اور انتقام کی فکر میں نہ پڑنا، دوسرے اللہ تعالیٰ کی یاد اور عبادت میں مشغول ہو جانا۔ (تفسیر معارف القرآن:163/6)

سوال 3: رسول اللہ ﷺ کو کفار کی تکذیب پر کیا نصیحت کی گئی؟

جواب: رسول اللہ ﷺ سے کہا گیا: (1) ان کی باتوں پر صبر کریں۔

(2) اللہ تعالیٰ کی تسبیح کریں اور دن اور رات کے اوقات میں نماز قائم کریں۔ اس طرح سے آپ راضی ہو جائیں گے یعنی آپ کی گھبراہٹ،

پریشانی اورغم دور ہو جائے گا۔

سوال4: تسبیح اور نماز کی تلقین کس دور میں کی گئی ہے؟

جواب: تسبیح اور نماز کی تلقین مکی دور کے انتہائی سخت حالات میں کی گئی۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ(i) نماز اور ذکر مومن کی ڈھال ہیں۔(ii) اسی سے فتوحات کے دروازے کھلتے ہیں۔(iii) اسی سے اطمینان نصیب ہوتا ہے۔(iv) اسی سے راستے ہموار ہوتے ہیں ۔

سوال5: تسبیح سے کیا مراد ہے؟

جواب: تسبیح سے مراد پانچ نمازیں ہیں۔﴿وَسَبِّحۡ بِحَمۡدِ رَبِّكَ﴾ یعنی ﴿صَلِّ لِرَبِّكَ﴾ ''اپنے رب کے لیے نماز پڑھو۔'' ﴿وَاعۡمَلۡ بِحَمۡدِ رَبِّكَ﴾ ''اور اپنے رب کا شکر ادا کرو''یعنی اچھے عمل کرو اور اس کے احکامات کی پابندی کرو۔(سمرقندی:434/2)

سوال6: رات اور دن کے اوقات میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کیا فائدہ دیتی ہے؟

جواب: رات اور دن کی عبادت انسان کو سکون فراہم کرتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی رضا کا باعث بنتی ہے۔

سوال7: اللہ تعالیٰ کی تسبیح سے انسان کو کیا حاصل ہوتا ہے؟

جواب(1) اللہ تعالیٰ کی تسبیح سے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہوتا ہے۔(2) اللہ تعالیٰ کی تسبیح سے اطمینان حاصل ہوتا ہے۔

(3) اللہ تعالیٰ کی تسبیح سے انسان خود کو اطمینان بخش اور فرحت بخش رفاقت میں محسوس کرتا ہے۔

سوال8: تسبیح اور عبادت کا پھل کیا ملتا ہے؟

جواب: تسبیح اور عبادت کا پھل رضائے الٰہی ہے۔

﴿وَلَا تَمُدَّنَّ عَيۡنَيۡكَ إِلَىٰ مَا مَتَّعۡنَا بِهِۦٓ أَزۡوَٰجٗا مِّنۡهُمۡ زَهۡرَةَ ٱلۡحَيَوٰةِ ٱلدُّنۡيَا لِنَفۡتِنَهُمۡ فِيهِۚ وَرِزۡقُ رَبِّكَ خَيۡرٞ وَأَبۡقَىٰ﴾

''اور آپ نظر اُٹھا کر بھی نہ دیکھیں اس کی طرف جو ہم نے ان میں سے مختلف قسم کے لوگوں کو سروسامان دیا ہے، دنیا کی زندگی کی زینت ہے تاکہ ہم انہیں اس آزمائش میں ڈالیں اور آپ کے رب کا رزق ہی بہتر اور زیادہ باقی رہنے والا ہے''(131)

سوال1: ﴿وَلَا تَمُدَّنَّ عَيۡنَيۡكَ إِلَىٰ مَا مَتَّعۡنَا بِهِۦٓ أَزۡوَٰجٗا مِّنۡهُمۡ زَهۡرَةَ ٱلۡحَيَوٰةِ ٱلدُّنۡيَا لِنَفۡتِنَهُمۡ فِيهِۚ وَرِزۡقُ رَبِّكَ خَيۡرٞ وَأَبۡقَىٰ﴾ ''اور آپ نظر اُٹھا کر بھی نہ دیکھیں اس کی طرف جو ہم نے ان میں سے مختلف قسم کے لوگوں کو سروسامان دیا ہے، دنیا کی زندگی کی زینت ہے تاکہ ہم انہیں اس آزمائش میں ڈالیں اور آپ کے رب کا رزق ہی بہتر اور زیادہ باقی رہنے والا ہے'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿وَلَا تَمُدَّنَّ عَيۡنَيۡكَ اِلٰى مَا مَتَّعۡنَا بِهٖۤ اَزۡوَاجًا مِّنۡهُمۡ﴾''اورآپ نظراُٹھاکربھی نہ دیکھیں اس کی طرف جوہم نے ان میں سے مختلف قسم کے لوگوں کوسروسامان دیاہے''اللہ رب العزت نے اپنے رسول ﷺ کوحکم دیاہے کہ آپ ان خوش حال لوگوں اور مال داروں کی طرف نظراٹھاکربھی نہ دیکھیں جن کودنیاکی زندگی کی زینتیں اورعیش وآرام ملاہواہے،جن کے یہاں مال کی ریل پیل ہے،جوڈھلتی چھاؤں پراپنے آپ کودوسروں کے مقابلے میں برترسمجھتے ہیں۔

(2)﴿زَهۡرَةَ الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا ۙ لِنَفۡتِنَهُمۡ فِيۡهِ﴾''دنیاکی زندگی کی زینت ہے تاکہ ہم انہیں اس آزمائش میں ڈالیں''یہ تودنیاکی زندگی کاپھول ہے جیسے پھول نرم ونازک لیکن زوال پذیرہوتاہے،صبح کے وقت کھلاشام کواس کوہاتھ لگاؤتوپتی پتی ہوکربکھرجاتاہے ایسے ہی دنیا کی زندگی کاسازوسامان ہے۔

(3)یعنی دنیااوراس کی متاع،مثلاًلذیذماکولات ومشروبات،ملبوسات فاخرہ،آراستہ کئے ہوئے گھروں اورحسین وجمیل عورتوں سے حظ اٹھانے والوں کے احوال کواستحسان اورپسندیدگی کی نظرسے دوبارہ نہ دیکھیں،اس لیے کہ یہ سب کچھ دنیاکی خوب صورتی ہے اوراس سے صرف فریب خوردہ لوگ ہی خوش ہوتے ہیں اوراللہ تعالیٰ سے روگردانی کرنے والوں کی نظریں ہی اسے پسندیدگی سے دیکھتی ہیں۔آخرت سے قطع نظرکرکے،صرف ظالم لوگ ہی اس سے متمتع ہوتے ہیں۔پھریہ دنیاسب کی سب،تیزی سے گزرجاتی ہے،اپنے چاہنے والوں اورعشاق کوبےموت ماردیتی ہے۔پس دنیاسے محبت کرنے والےلوگ اس وقت نادم ہوں گے جب ندامت کوئی فائدہ نہیں دے گی اورقیامت کے روزجب اللہ تعالیٰ کے حضورحاضرہوں گے تب انہیں اپنی بےمائیگی کاعلم ہوگا۔اللہ تعالیٰ نے تواس دنیاکوفتنہ اورآزمائش بنایا ہے تاکہ معلوم ہوکہ کون اس کے پاس ٹھہرتااوراس کے فریب میں مبتلاہوتاہے اورکون اچھےعمل کرتاہے جیساکہ اللہ تعالیٰ فرماتاہے:﴿اِنَّا جَعَلۡنَا مَا عَلَى الۡاَرۡضِ زِيۡنَةً لَّهَا لِنَبۡلُوَهُمۡ اَيُّهُمۡ اَحۡسَنُ عَمَلًا ﴿۷﴾ وَاِنَّا لَجٰعِلُوۡنَ مَا عَلَيۡهَا صَعِيۡدًا جُرُزًا ﴿۸﴾﴾''یقیناً ہم نے زمین پرجوکچھ ہے اس کی زینت بنایاہے تاکہ ہم انہیں آزمائیں کہ اُن میں سے کون بہترعمل کرنے والاہے۔اورجوبھی زمین پرہیں بلاشبہ ہم اُسے ضرورصاف میدان بنادینے والے ہیں۔''(الکہف:7,8)(تفسیر سعدی:2/1651,1650)

سوال2:﴿رِزۡقُ رَبِّكَ خَيۡرٌ وَّاَبۡقٰى﴾''اورآپ کے رب کارزق ہی بہتراورزیادہ باقی رہنے والاہے''اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿رِزۡقُ رَبِّكَ﴾''اورآپ کے رب کارزق''یعنی دنیامیں جونعمتیں بھی رب نے عطافرمائی ہیں ان میں سے افضل وہ نعمتیں ہیں جوسلامتی والی زندگی کے حصول کے لیے کام آنے والی ہیں مثلاًعلم،ایمان،عمل صالح وغیرہ۔

(2)﴿خَيۡرٌ﴾''بہتر''یعنی علم،اورعمل صالح والی زندگی مال داروں کی زندگی سے بہترہے۔

(3)﴿وَّاَبۡقٰى﴾''اورزیادہ باقی رہنے والاہے''یعنی اس علم،ایمان اورعمل صالح کے پھل کبھی ختم نہ ہوں گے۔

(4) رب العزت نے فرمایا: ﴿بَلۡ تُؤۡثِرُوۡنَ الۡحَيٰوةَ الدُّنۡيَا ﴿۱۶﴾ وَالۡاٰخِرَةُ خَيۡرٌ وَّ اَبۡقٰى ﴿۱۷﴾﴾ بلکہ تم دنیا کی زندگی کو ترجیح دیتے ہو۔ حالانکہ آخرت بہت بہتر اور ہمیشہ باقی رہنے والی ہے۔ (الاعلیٰ:16۔17)

(5) اس آیت کریمہ میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ بندہ جب دیکھے کہ اس کا نفس سرکشی اختیار کر کے دنیا کی زیب و زینت کی طرف مائل اور متوجہ ہے تو وہ اپنے رب کے اس رزق کو یاد کرے جو آئندہ زندگی میں اسے عطا ہونے والا ہے۔ پھر ان دونوں کے درمیان موازنہ کرے۔ (تفسیر سعدی:2/1650،1651)

(6) اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو دنیا کے مال و متاع کی طرف نظر اٹھا کر دیکھنے سے بھی روک دیا تھا کیونکہ پہلی بات تو اسی کے اندر موجود ہے ﴿زَهۡرَةَ الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا﴾ ''دنیا کی زندگی کی زینت ہے'' دنیا کی زندگی کا پھول ہے۔ جس وقت انسان دنیا پر نظریں لگا تا ہے تو اللہ تعالیٰ پر توکل اور بھروسہ ختم ہوتا ہے، دل سے قناعت اٹھ جاتی ہے۔ اس وجہ سے انسان کا دل خواہشات کی طرف راغب ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی محبت اور قربت میں فرق آ جاتا ہے۔ اس وجہ سے دنیا میں اگر انسان کو چند سہولتیں نصیب ہو جائیں تو انسان کو راحت نہیں ملتی۔ آخرت کی سعادت سے محروم ہو جاتا ہے۔ اس وجہ سے انسان انفاق کرنے سے رکتا ہے اور بالآخر شیطان کی غلامی، دنیا کی غلامی اور نفس کی غلامی میں مبتلا ہو جاتا ہے اسی لیے فرمایا: ﴿وَرِزۡقُ رَبِّكَ خَيۡرٌ وَّ اَبۡقٰى﴾ ''اور تیرے ربّ کا رزق ہی بہتر اور باقی رہنے والا ہے۔''

(7) رب العزت نے فرمایا: ﴿مَنۡ كَانَ يُرِيۡدُ حَرۡثَ الۡاٰخِرَةِ نَزِدۡ لَهٗ فِىۡ حَرۡثِهٖ ۚ وَمَنۡ كَانَ يُرِيۡدُ حَرۡثَ الدُّنۡيَا نُؤۡتِهٖ مِنۡهَا ۙ وَمَا لَهٗ فِى الۡاٰخِرَةِ مِنۡ نَّصِيۡبٍ﴾ ''جو کوئی آخرت کی کھیتی کا ارادہ رکھتا ہے ہم اس کے لیے اس کی کھیتی میں اضافہ کریں گے اور جو کوئی دنیا کی کھیتی کا ارادہ رکھتا ہے ہم اسے اس میں سے کچھ دے دیں گے اور آخرت میں اُس کے لیے کوئی حصہ نہیں'' (الشوریٰ:20)

(8) نبی کریم ﷺ (غزوہ خندق کے شروع ہونے سے کچھ پہلے جب خندق کی کھدائی ہو رہی تھی) میدان خندق کی طرف تشریف لے گئے۔ آپ ﷺ نے دیکھا کہ مہاجرین اور انصار رضی اللہ عنہم سردی کی سختی کے باوجود صبح ہی صبح خندق کھودنے میں مصروف ہیں ان کے پاس غلام بھی نہیں تھے جو ان کی اس کھدائی میں مدد کرتے۔ آپ ﷺ نے ان کی تھکن اور بھوک کو دیکھا تو آپ ﷺ نے دعا فرمائی: اَللّٰهُمَّ إِنَّ الْعَيْشَ عَيْشُ الْآخِرَةْ فَاغْفِرْ لِلْأَنْصَارِ وَالْمُهَاجِرَةْ ''اے اللہ تعالیٰ زندگی تو بس آخرت ہی کی زندگی ہے پس انصار اور مہاجرین کی مدد فرمایئے۔'' صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس کے جواب میں کہا: نَحْنُ الَّذِيْنَ بَايَعُوْا مُحَمَّدًا عَلَى الْجِهَادِ مَا بَقِيْنَا أَبَدًا ''ہم وہ ہیں جنہوں نے محمد ﷺ کے ہاتھ پر اس وقت تک جہاد کرنے کا عہد کیا ہے جب تک ہماری جان میں جان ہے۔'' (بخاری:2834)

(9) سیدنا مطرف رضی اللہ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں میں نبی ﷺ کی خدمت میں آیا، آپ ﷺ سورۃ تکاثر پڑھ رہے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ابنِ آدم کہتا ہے میرا مال میرا مال۔ اے ابنِ آدم! تیرا کیا مال ہے؟ تیرا مال تو صرف وہی ہے جو تو نے کھایا اور کھا کر ختم کر دیا اور جو تو نے پہنا اور پہن کر ختم کر دیا یا تو نے صدقہ کیا بچا لیا۔ (صحیح مسلم:7420)

(10) سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے میرا شانہ پکڑ کر فرمایا: ’’دنیا میں اس طرح ہو جاؤ جیسے تم مسافر یا راستہ چلنے والے ہو۔ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرمایا کرتے تھے: شام ہو جائے تو صبح کے منتظر نہ رہو اور صبح کے وقت شام کے منتظر نہ رہو۔ اپنی صحت کو مرض سے پہلے غنیمت جانو اور زندگی کو موت سے پہلے۔‘‘ (بخاری:6416)

(11) سیدنا عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: جب فارس اور روم کو فتح کر لیا جائے گا تو اس وقت تم کس حال میں ہو گے؟ سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نے عرض کیا: ہمیں جس طرح اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا (یعنی ہر حال میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں گے) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا اس کے علاوہ اور کچھ نہیں؟ تم ایک دوسرے پر رشک کرو گے پھر آپس میں ایک دوسرے پر حسد کرو گے پھر آپس میں ایک دوسرے سے بگاڑ پیدا کرو گے پھر آپس میں ایک دوسرے سے بغض رکھو گے یا آپ ﷺ نے اسی طرح کچھ فرمایا: پھر تم مسکین مہاجروں کی طرف جاؤ گے اور ان میں سے کچھ کو (حاکم بنا کر) دوسروں کی گردن پر مسلط کر دو گے۔‘‘ (مسلم:7427)

(12) سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ (ایک مرتبہ) بازار سے گزرتے ہوئے کسی بلندی سے مدینہ منورہ میں داخل ہو رہے تھے اور صحابہ کرام آپ ﷺ کے دونوں طرف تھے۔ آپ نے بھیڑ کا ایک بچہ جو چھوٹے کانوں والا تھا اسے مرا ہوا دیکھا۔ آپ ﷺ نے اس کا کان پکڑ کر فرمایا: تم میں سے کون اسے ایک درہم میں لینا پسند کرے گا؟ صحابہ نے عرض کیا: ہم میں کوئی بھی اسے کسی چیز کے بدلے میں لینا پسند نہیں کرتا اور ہم اسے لے کر کیا کریں گے۔ (کیونکہ یہ تو مردار ہے) آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تم چاہتے ہو کہ یہ تمہیں مل جائے؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے عرض کیا: اللہ تعالیٰ کی قسم! اگر یہ (بھیڑ کا بچہ) زندہ بھی ہوتا تو پھر بھی اس میں عیب تھا کیونکہ اس کا کان چھوٹا ہے حالانکہ اب تو یہ مردار ہے (اسے کون لے گا؟) آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ کے ہاں یہ دنیا اس سے بھی زیادہ ذلیل ہے کہ جس طرح تمہارے نزدیک یہ مردار ذلیل ہے۔‘‘ (مسلم:7418)

(13) سیدنا عمرو بن عوف رضی اللہ عنہ جو بنی عامر بن عدی کے حلیف تھے اور بدر کی لڑائی میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ شریک تھے انھوں نے خبر دی کہ نبی ﷺ نے ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کو بحرین، وہاں کا جزیہ لانے کے لئے بھیجا۔ نبی ﷺ نے بحرین والوں سے صلح کر لی تھی اور ان پر علاء بن الحضرمی کو امیر مقرر کیا تھا۔ جب ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ بحرین سے جزیہ کا مال لے کر آئے تو انصار نے آپ کے آنے کے متعلق سنا اور صبح کی نماز نبی ﷺ کے ساتھ پڑھی اور جب نبی ﷺ جانے لگے تو وہ آپ کے سامنے آ گئے۔ نبی ﷺ انہیں دیکھ کر مسکرائے اور فرمایا میرا خیال ہے کہ ابو عبیدہ کے آنے کے متعلق تم نے سن لیا ہے اور یہ بھی کہ وہ کچھ لے کر آئے ہیں؟ انصار نے عرض کیا جی ہاں یا رسول اللہ! نبی ﷺ نے فرمایا: پھر تمہیں خوشخبری ہو تم اس کی امید رکھو جو تمہیں خوش کر دے گی اللہ تعالیٰ کی قسم! فقر و محتاجی وہ چیز نہیں ہے جس سے میں تمہارے متعلق ڈرتا ہوں بلکہ میں تو اس سے ڈرتا ہوں کہ دنیا تم پر بھی اسی طرح کشادہ کر دی جائے گی جس طرح ان لوگوں پر کر دی گئی

تھی جو تم سے پہلے تھے اور تم بھی اس کے لئے ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی اسی طرح کوشش کرو گے جس طرح وہ کرتے تھے اور تمہیں بھی اسی طرح غافل کر دے گی جس طرح ان کو غافل کیا تھا۔ (بخاری:6425)

(14) سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''دنیا بڑی میٹھی اور سرسبز (یعنی پر کشش) ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ تم کو (زمین میں) جانشین بنائے گا، پھر دیکھے گا کہ تم کیسے عمل کرتے ہو؟ پس (اس میٹھی اور پر کشش) دنیا سے بچ کر رہو اور عورتوں سے بھی محتاط رہو کیونکہ بنی اسرائیل میں سب سے پہلا فتنہ عورت کی وجہ سے پیدا ہوا۔'' (صحیح مسلم:6948)

(15) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''دینار و درہم کے بندے، عمدہ ریشمی چادروں کے بندے، سیاہ کملی کے بندے، تباہ ہو گئے کہ اگر انہیں دیا جائے تو وہ خوش ہو جاتے ہیں اور اگر نہ دیا جائے تو ناراض رہتے ہیں۔'' (بخاری:6435)

(16) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''دنیا مومن کے لیے قید خانہ ہے اور کافر کے لیے جنت۔'' (صحیح مسلم:7417)

(17) سیدنا سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اگر دنیا اللہ تعالیٰ کے نزدیک مچھر کے پر کے برابر بھی اہم ہوتی تو اللہ تعالیٰ کافر کو ایک گھونٹ پانی بھی نہ پلاتے۔'' (جامع ترمذی:2320)

(18) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مال داری، ساز و سامان کی کثرت کا نام نہیں ہے بلکہ اصل مال داری، نفس کی مال داری ہے۔'' (صحیح بخاری:6446، صحیح مسلم:2420)

(19) سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ابن آدم کا کچھ حق نہیں ہے یعنی دنیا کی چیزوں میں سوا ایک گھر کے کہ جس میں بقدر کفالت بسر کر سکے اور اتنے کپڑے کہ اپنا ستر ڈھانپ سکے اور روٹی اور پانی کے برتن۔'' (جامع ترمذی:2341)

(20) سیدنا مستورد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کی قسم! دنیا آخرت کے مقابلے میں اس طرح ہے کہ جس طرح تم میں سے کوئی ایک اپنی انگلی اس (دریا) میں ڈال دے۔ یحییٰ نے شہادت کی انگلی کی طرف اشارہ کیا اور پھر اس انگلی کو نکال کر دیکھے کہ اس میں کیا لگتا ہے۔'' (مسلم:7197)

(21) سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''قیامت کے دن جہنم والوں میں سے اس آدمی کو لایا جائے گا جو اہل دنیا میں سے (دنیا میں) بہت نعمتوں والا تھا۔ پھر اس سے کہا جائے گا: اے ابن آدم! کیا تو نے کبھی کوئی بھلائی بھی دیکھی تھی؟ کیا تجھے کبھی کوئی نعمت بھی ملی تھی؟ وہ کہے گا: اے میرے رب! اللہ تعالیٰ کی قسم نہیں (ملی) اور (پھر) اہل جنت میں سے اس آدمی کو پیش کیا جائے گا جسے دنیا میں لوگوں سے سب سے زیادہ تکلیفیں آئی ہوں گی۔ پھر اسے جنت میں ایک دفعہ غوطہ دے کر پوچھا جائے گا۔ اے ابن آدم! کیا تو نے کبھی کوئی تکلیف بھی دیکھی؟ کیا تجھ پر کبھی کوئی سختی بھی گزری؟ وہ عرض کرے گا: اے میرے پروردگار! اللہ تعالیٰ کی قسم

نہیں کبھی کوئی تکلیف میرے پاس سے نہ گزری اور نہ ہی میں نے کبھی شدت وسختی دیکھی۔'' (مسلم:7088)

(22) نبی ﷺ اکثر یہ دعا فرمایا کرتے تھے: يَا رَبِّ اَجُوْعُ يَوْمًا وَّاَشْبَعُ يَوْمًا فَاَمَّا الَّذِىْ اَجُوْعُ فِيْهِ فَاَتَضَرَّعُ اِلَيْكَ وَاَدْعُوْكَ وَاَمَّا الَّذِىْ اَشْبَعُ فِيْهِ فَاَحْمَدُكَ وَاُثْنِىْ عَلَيْكَ ''الٰہی! ایک دن بھوکا رہوں، ایک دن کھانے کو ملے۔ جس دن میں بھوکا رہوں تیرے سامنے گڑگڑایا کروں اور تجھ سے مانگا کروں اور جس دن میں سیر ہو جاؤں تیری حمد و ثنا کیا کروں۔'' (ضعیف، ترمذی:2347)

(23) سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے کبھی سیر ہو کر کھانا نہیں کھایا، اور کبھی کسی سے فاقہ کا شکوہ بھی نہیں کیا۔'' (صحیح بخاری:5461)

(24) سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ آپ ﷺ اکثر فاقہ پر فاقہ کیے جاتے تھے۔ بسا اوقات ایسا ہوتا تھا کہ بھوک کی وجہ سے آپ ﷺ کو رات بھر نیند نہ آتی تھی۔ مگر اگلے دن آپ ﷺ پھر روزہ رکھ لیتے تھے، میں نبی ﷺ کے فاقہ کی حالت کو دیکھ کر رو پڑا کرتی تھی اور کہا کرتی تھی: ''میں قربان جاؤں، دنیا میں سے اتنا تو قبول کر لیجئے جو جسمانی طاقت کے قائم رکھنے کو کافی ہو۔ آپ ﷺ جواب میں فرماتے: ''عائشہ رضی اللہ عنہا! مجھے دنیا سے کیا کام! میرے بھائی اولوالعزم رسول تو اس سے بھی زیادہ حالت پر صبر کیا کرتے تھے۔ وہ اسی چال پر چلے اور اللہ تعالیٰ نے ان کا اکرام کیا۔ اب اگر میں آسودگی کو پسند کروں تو مجھے شرم آتی ہے کہ اس صفت میں کل ان سے کم رہ جاؤں گا۔'' (کتاب الشفاء:142,143/1)

(25) سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ کئی دفعہ ایسا اتفاق ہوا کہ متواتر مہینہ مہینہ بھر ہمارے چولہے میں آگ روشن نہ ہوتی تھی۔ پوچھا گیا پھر آپ کا گزارا کس طرح ہوتا تھا؟ فرمایا: سارا کنبہ پانی اور کھجور پر گزران کر لیتا تھا۔ (صحیح بخاری:5461)

(26) سیدنا ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک بار ہم نے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر بھوک کی شکایت کی اور دامن اٹھا کر دکھایا کہ پیٹ پر پتھر باندھا ہوا ہے۔ نبی ﷺ نے ہماری تسکین کے لیے اپنا دامن اٹھایا تو ہم نے دیکھا کہ نبی ﷺ نے اپنے شکم مبارک پر دو پتھر باندھے ہوئے تھے۔ (جامع ترمذی:2371)

سوال 3: دُنیا کے مال متاع کو اللہ تعالیٰ نے دُنیا کی زندگی کا پھول قرار دیا ہے وضاحت کریں؟

جواب: دُنیا کے مال و متاع کی حقیقت ایسی ہے جیسے کوئی پھول جو نرم و نازک ہوتا ہے اور جلدی زوال پذیر ہونے والا بھی۔

سوال 4: دُنیا کا ساز و سامان کیا ہے؟

جواب: مال و متاع، عزت، مرتبہ، آرائش و زیبائش کا سامان۔

سوال 5: اللہ تعالیٰ دُنیا کا مال و متاع کیوں عطا کرتے ہیں؟

جواب: یہ مال اس لیے عطا کیا جاتا ہے تاکہ امتحان لے لیں۔ عزت بھی دیتے ہیں مرتبہ بھی مال بھی ہر ایک کے لیے آزمائش مختلف جگہ پر ہے ''زھرۃ الحیاۃ الدنیا'' سے مراد دنیا کی زندگی کی زینت ہے ''لنفتنھم فیہ'' تاکہ ہم انہیں آزمائیں یعنی آزمائش میں مبتلا

کریں۔ (الدرالمنثور:612/5)(تفسیر القرآن العظیم ابن ابی حاتم:2442/7)

سوال 6: اللہ تعالیٰ کے دیئے رزق سے کیا مراد ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ کے رزق سے مراد اجر وثواب ہے جو دُنیا کے مال واسباب سے بہتر ہے۔ اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے رزق میں سے علم ہے اور علم کو طلب کرنا انسان کے لیے دنیا اور آخرت کی سعادت اور خوش بختی کا باعث بنتا ہے۔

سوال 7: ﴿وَرِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى﴾ ''اور تیرے ربّ کا رزق ہی بہتر اور باقی رہنے والا ہے'' اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا رزق کیوں بہتر ہے؟

جواب: (1) اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا رزق نعمت ہے آزمائش نہیں۔ (2) رزق حلال اچھا ہوتا ہے دھوکہ نہیں دیتا۔ (3) فتنے میں مبتلا نہیں کرتا۔

﴿وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا ۭ لَا نَسْـَٔــلُكَ رِزْقًا ۭ نَحْنُ نَرْزُقُكَ ۭ وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰى﴾

''اور آپ اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم دیں اور خود بھی اس پر خوب پابند رہیں، ہم آپ سے کوئی رزق نہیں مانگتے، رزق تو ہم ہی آپ کو دیں گے۔ اور آخری انجام تو تقویٰ (والوں) کے لیے ہے'' (132)

سوال 1: اس آیت کا شان نزول کیا ہے؟

جواب: ابن منذر، طبرانی اور ابونعیم نے حلیۃ میں روایت کی ہے کہ ابن سلام کا قول ہے کہ نبی ﷺ پر جب یہ آیت نازل ہوئی تو آپ ﷺ بہت شدت کی تکلیف میں تھے یا تنگی میں تھے اس وقت آپ ﷺ کو حکم دیا گیا کہ آپ ﷺ اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم دیں اور مالک اور بیہقی نے روایت کیا ہے اسلم کہتے ہیں کہ سیدنا عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ رات کو نماز پڑھتے تھے جتنی اللہ تعالیٰ چاہتا حتیٰ کہ رات کا آخری حصہ ہو جاتا تو اپنے گھر والوں کو نماز کے لیے اٹھاتے تھے اور ان سے کہتے تھے: الصلوۃ الصلوۃ اور اس وقت یہ آیت پڑھتے تھے ﴿وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ﴾ کہ اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم دیں۔ (تفسیر مراغی:140/6)(تفسیر منیر:666/8)

سوال 2: ﴿وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا ۭ لَا نَسْـَٔــلُكَ رِزْقًا ۭ نَحْنُ نَرْزُقُكَ ۭ وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰى﴾ ''اور آپ اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم دیں اور خود بھی اس پر خوب پابند رہیں، ہم آپ سے کوئی رزق نہیں مانگتے، رزق تو ہم ہی آپ کو دیں گے۔ اور آخری انجام تو تقویٰ (والوں) کے لیے ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ﴾ ''اور آپ اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم دیں'' ایک مسلمان کا فرض ہے کہ وہ اپنے گھر کو صالح اور ایمان والے مسلمانوں کا گھر بنائے۔ یہ باہمی یگانگت اور محبت پیدا کرنے کے لیے ہے۔

(2) اس آیت میں آپ ﷺ کو خطاب ہے تاہم حکم عام ہے۔ اس لئے آپ ﷺ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ بچہ جب سات برس کا ہو

جائے تو اسے نماز ادا کرنے کو کہو اگر دس سال کا ہونے پر بھی اسے نماز کی عادت نہ پڑے تو اسے مار کر نماز پڑھاؤ۔(ابوداؤد)

(3) رسول اللہ ﷺ پر جب یہ آیت نازل ہوئی تو آپ ﷺ روزانہ صبح کی نماز کے وقت سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے مکان پر جا کر آواز دیتے تھے۔ الصلوٰۃ الصلوٰۃ۔(قرطبی)

(4) جب کبھی سیدنا عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی امراء و سلاطین کی دولت و حشمت پر نظر پڑتی تو فوراً اپنے گھر والوں کو نماز کے لئے دعوت دیتے اور یہ آیت پڑھ کر سناتے تھے اور سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ جب رات کو تہجد کے لئے بیدار ہوتے تو اپنے گھر والوں کو بھی بیدار کر دیتے تھے اور یہی آیت پڑھ کر سناتے تھے۔(قرطبی)

(5) ﴿وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا﴾ ''اور خود بھی اس کے پابند رہو'' یعنی اس کے قیام کے، اس کی ادائیگی کے، اس کے حدود کے پابندی کرو۔(جامع البیان:258/16)

(6) یعنی نماز پر قائم رہو، اس کی تمام حدود، اس کے ارکان، اس کے آداب اور اس کے خشوع و خضوع کے ساتھ۔ کیونکہ اس میں نفس کے لئے مشقت ہے۔ تاہم مناسب یہی ہے کہ دائمی طور پر نفس کو نماز پڑھنے پر مجبور اور اس کے ساتھ جہاد کرتے رہنا چاہیے اور اس پر صبر کرنا چاہیے کیونکہ بندہ مومن جب اس طریقے سے نماز قائم کرتا ہے جس طریقے سے قائم کرنے کا اسے حکم دیا گیا ہے تو نماز کے علاوہ دیگر دین کی حفاظت کرنے اور اس کو قائم کرنے کی اس سے زیادہ توقع کی جاسکتی ہے۔ اگر وہ نماز کو ضائع کرتا ہے تو دیگر دین کو زیادہ برے طریقے سے ضائع کرے گا۔(تفسیر سعدی:1651،1652/2)

(7) ﴿لَا نَسْئَلُكَ رِزْقًا ؕ نَحْنُ نَرْزُقُكَ﴾ ''ہم آپ سے کوئی رزق نہیں مانگتے، رزق تو ہم ہی آپ کو دیں گے'' پھر اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو رزق کی ضمانت دی اور ترغیب دی کہ آپ اقامت دین کو چھوڑ کر حصول رزق میں مشغول نہ ہوں۔ چنانچہ فرمایا: ﴿لَا نَسْئَلُكَ رِزْقًا﴾ یعنی آپ کا رزق ہمارے ذمہ ہے ہم نے جس طرح تمام خلائق کے رزق کی کفالت اپنے ذمہ لی ہے اسی طرح آپ کے رزق کی کفالت بھی ہمارے ذمہ ہے۔ اس شخص کے رزق کی ذمہ داری ہم پر کیسے نہ ہو جو ہمارے حکم کی تعمیل کرتا ہے اور ہمارے ذکر میں مشغول رہتا ہے؟(تفسیر سعدی:1651،1652/2)

(8) ﴿وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ﴿٢﴾ وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ﴿٣﴾﴾ ''اور جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے، وہ اُس کے لیے نکلنے کا راستہ بنا دیتا ہے۔ اور اُس کو وہاں سے رزق دیتا ہے جہاں سے وہ گمان بھی نہیں رکھتا۔'' (الطلاق:2،3)

(9) ﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ﴿٥٦﴾ مَاۤ اُرِيْدُ مِنْهُمْ مِّنْ رِّزْقٍ وَّمَاۤ اُرِيْدُ اَنْ يُّطْعِمُوْنِ ﴿٥٧﴾ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ ﴿٥٨﴾﴾ ''اور میں نے جنوں اور انسانوں کو پیدا کیا ہے تاکہ وہ میری عبادت کریں۔ نہیں میں ارادہ رکھتا اُن سے رزق کا اور نہ ہی میں ارادہ رکھتا ہوں کہ وہ مجھے کھلائیں۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہی بے حد رزق دینے والا، طاقت والا، نہایت مضبوط ہے۔''

(الذاریات:56,58)

(10) سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، اے ابن آدم! میری عبادت کے لیے فارغ ہوجا، میں تیرا سینہ غنا سے بھردوں گا، تیری فقیری اور حاجت کو دور کردوں گا اور اگر تو نے یہ نہ کیا تو میں تیرے دونوں ہاتھ مصروفیت سے بھردوں گا اور تیری فقیری وحاجت دور نہیں کروں گا۔'' (ترمذی:4107)

(11) سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس شخص کا مقصود حصول دنیا ہو تو اللہ تعالیٰ اس کے کام بکھیر دیتا ہے اور اس کا فقر اس کی آنکھوں کے سامنے کردیتا ہے اور اسے دنیا اتنی ہی ملتی ہے جتنی اس کے لیے مقدر ہے اور جس کی نیت آخرت کا حصول ہو تو اللہ تعالیٰ اس کے کام مرتب کردیتا ہے اور اس کے دل میں غنا پیدا فرمادیتا ہے اور دنیا ذلیل ہوکر اس کے پاس آتی ہے۔'' (ابن ماجہ:4105)

(12) سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں نے رات کو خواب میں دیکھا، گویا ہم عقبہ بن رافع کے گھر میں ہیں اور ہمارے پاس ابن طاب کے باغ کی کھجوریں لائی گئی ہیں، میں نے اس خواب کی تعبیر یہ کی کہ دنیا میں سربلندی اور آخرت میں اچھا انجام ہمیں ہی حاصل ہوگا اور ہمارا دین بے حد پاکیزہ ہے۔'' (مسلم:5025)

(13) ﴿وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰى﴾ ''اور آخری انجام تو تقویٰ (والوں) کے لیے ہے'' انسان جب عبادت کرتا ہے تو اس سے دُنیا میں بھی فائدہ اُٹھاتا ہے اور آخرت میں بھی ان کا اجر ملے گا اس لحاظ سے بھلائی تقویٰ یعنی اللہ تعالیٰ سے ثواب کی امید رکھ کر اس کی اطاعت کرنے والوں اور اس کے عذاب کے خوف سے گناہ چھوڑنے والوں کے لیے ہے۔

(14) اللہ تعالیٰ کا رزق متقی اور غیر سب کے لئے عام ہے، اس لیے ان امور کا اہتمام کرنا چاہیے جن پر ابدی سعادت کا دارومدار ہے، اور وہ ہے تقویٰ۔ لہٰذا فرمایا: ﴿وَالْعَاقِبَةُ﴾ یعنی دنیا وآخرت کا انجام، ﴿لِلتَّقْوٰى﴾ تقویٰ کے لئے ہے۔ اور تقویٰ سے مراد ہے مامورات کی تعمیل اور منہیات سے اجتناب اور جو کوئی ان کو قائم کرتا ہے، انجام اسی کا اچھا ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ﴾ ''اور اچھا انجام متقین کا ہے''۔ (الاعراف:128) (تفسیر سعدی:1651,1652/2)

(15) ﴿وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰى﴾ اس سے مراد یہ ہے کہ اچھی عاقبت یعنی انجام کار صالح لوگوں کا ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرا اور اللہ تعالیٰ کے ثواب کی امید رکھی اسی کے لیے انجام کار کی بھلائی ہے۔

﴿وَقَالُوْا لَوْلَا يَأْتِيْنَا بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ۭ اَوَلَمْ تَأْتِهِمْ بَيِّنَةُ مَا فِي الصُّحُفِ الْاُوْلٰى﴾

''اور انہوں نے کہا کہ وہ ہمارے پاس ہمارے رب کی جانب سے کوئی معجزہ کیوں نہیں لاتا؟ اور کیا ان کے پاس پہلے صحیفوں کی کوئی دلیل نہیں آئی؟'' (133)

سوال 1: ﴿وَقَالُوْا لَوْلَا يَأْتِيْنَا بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ۭ اَوَلَمْ تَأْتِهِمْ بَيِّنَةُ مَا فِي الصُّحُفِ الْاُوْلٰى﴾ ''اور انہوں نے کہا کہ وہ

ہمارے پاس ہمارے رب کی جانب سے کوئی معجزہ کیوں نہیں لاتا؟ اور کیا ان کے پاس پہلے صحیفوں کی کوئی دلیل نہیں آئی؟'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَقَالُوۡا لَوۡلَا یَاۡتِیۡنَا بِاٰیَۃٍ مِّنۡ رَّبِّہٖ﴾ ''اور انہوں نے کہا کہ وہ ہمارے پاس ہمارے رب کی جانب سے کوئی معجزہ کیوں نہیں لاتا؟'' کہ جیسے صالح علیہ السلام کے لیے اللہ تعالیٰ نے اونٹنی اتاری تھی، سیدنا عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے حکم سے مردوں کو زندہ کرتے تھے، کوڑھی اور اندھے کو اچھا کرتے تھے ایسے ہی یہ معجزات طلب کرتے تھے۔ (تفسیر جامع البیان:259/16)

(2) رب العزت کا فرمان ہے: ﴿وَقَالُوۡا لَنۡ نُّؤۡمِنَ لَکَ حَتّٰی تَفۡجُرَ لَنَا مِنَ الۡاَرۡضِ یَنۡۢبُوۡعًا (۹۰) اَوۡ تَکُوۡنَ لَکَ جَنَّۃٌ مِّنۡ نَّخِیۡلٍ وَّ عِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الۡاَنۡہٰرَ خِلٰلَہَا تَفۡجِیۡرًا (۹۱) اَوۡ تُسۡقِطَ السَّمَآءَ کَمَا زَعَمۡتَ عَلَیۡنَا کِسَفًا اَوۡ تَاۡتِیَ بِاللّٰہِ وَ الۡمَلٰٓئِکَۃِ قَبِیۡلًا (۹۲)﴾ ''اور انہوں نے کہا کہ ہم ہرگز آپ پر ایمان نہ لائیں گے جب تک کہ آپ ہمارے لیے زمین سے کوئی بہتا چشمہ جاری نہ کردیں۔ یا آپ کے پاس کھجوروں اور انگوروں کا ایک باغ ہو، چنانچہ آپ اس کے درمیان میں نہریں جاری کردیں، خوب جاری کرنا۔ یا جیسے آپ نے دعویٰ کیا ہے، ہم پر آسمان کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے گرادیں یا اللہ تعالیٰ اور فرشتوں کو آپ ہمارے سامنے لے آئیں۔'' (بنی اسرائیل:90,92)

(3) ﴿وَقَالُوۡا لَوۡلَاۤ اُنۡزِلَ عَلَیۡہِ اٰیٰتٌ مِّنۡ رَّبِّہٖ ؕ قُلۡ اِنَّمَا الۡاٰیٰتُ عِنۡدَ اللّٰہِ ؕ وَ اِنَّمَاۤ اَنَا نَذِیۡرٌ مُّبِیۡنٌ (۵۰) اَوَ لَمۡ یَکۡفِہِمۡ اَنَّاۤ اَنۡزَلۡنَا عَلَیۡکَ الۡکِتٰبَ یُتۡلٰی عَلَیۡہِمۡ ؕ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَرَحۡمَۃً وَّ ذِکۡرٰی لِقَوۡمٍ یُّؤۡمِنُوۡنَ (۵۱)﴾ ''اور انہوں نے کہا کہ اس پر اس کے رب کی جناب سے معجزات کیوں نہیں اُتارے گئے؟ آپ کہہ دیں کہ معجزات صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں اور میں صرف اور صرف کھلا ڈرانے والا ہوں۔ اور کیا انہیں یہ کافی نہیں ہے کہ یقیناً ہم ہی نے آپ پر کتاب نازل کی ہے جو انہیں پڑھ کر سنائی جاتی ہے۔ بلاشبہ اس میں یقیناً رحمت اور نصیحت ہے اُس قوم کے لیے جو ایمان لاتے ہیں۔'' (العنکبوت:50,51)

(4) اللہ تعالیٰ نے ان کو جواب دیا: ﴿اَوَ لَمۡ تَاۡتِہِمۡ بَیِّنَۃُ مَا فِی الصُّحُفِ الۡاُوۡلٰی﴾ ''کیا بھلا ان کے پاس پہلے صحیفوں کی دلیل نہیں پہنچی؟'' یعنی جو پہلی کتابیں گزر چکی ہیں ان کے دلائل ان کو نہیں پہنچے؟ (5) پہلے صحیفوں سے مراد تورات، انجیل اور زبور ہیں۔ واضح دلیل سے مراد محمد ﷺ کی رسالت کی دلیل ہے جن سے ان کی نبوت کی تصدیق ہوتی ہے۔

(6) سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ہر نبی کو کوئی نہ کوئی معجزہ عطا کیا گیا اور اس معجزہ کی مناسبت سے لوگ اس نبی پر ایمان لائے اور جو معجزہ مجھے دیا گیا ہے وہ وحی (یعنی قرآن مجید) ہے، جسے اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی مجھے دیا ہے، لہٰذا میں امید کرتا ہوں کہ میرے ماننے والے سب نبیوں کے ماننے والوں سے زیادہ ہوں گے۔ (بخاری:152)

﴿وَلَوۡ اَنَّاۤ اَہۡلَکۡنٰہُمۡ بِعَذَابٍ مِّنۡ قَبۡلِہٖ لَقَالُوۡا رَبَّنَا لَوۡلَاۤ اَرۡسَلۡتَ اِلَیۡنَا رَسُوۡلًا فَنَتَّبِعَ اٰیٰتِکَ مِنۡ

﴿قَبۡلِ اَنۡ نَّذِلَّ وَنَخۡزٰی﴾

''اور اگر ہم اس سے پہلے انہیں کسی عذاب میں ہلاک کر دیتے تو وہ کہتے کہ اے ہمارے رب! تو نے ہمارے پاس کوئی رسول کیوں نہیں بھیجا؟ پھر ہم تیری آیات کی پیروی کرتے اس سے پہلے کہ ہم ذلیل ورسوا ہوتے''(134)

سوال1:﴿وَلَوۡ اَنَّاۤ اَهۡلَكۡنٰهُمۡ بِعَذَابٍ مِّنۡ قَبۡلِهٖ لَقَالُوۡا رَبَّنَا لَوۡلَاۤ اَرۡسَلۡتَ اِلَيۡنَا رَسُوۡلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ نَّذِلَّ وَنَخۡزٰی﴾ ''اور اگر ہم اس سے پہلے انہیں کسی عذاب میں ہلاک کر دیتے تو وہ کہتے کہ اے ہمارے رب! تو نے ہمارے پاس کوئی رسول کیوں نہیں بھیجا؟ پھر ہم تیری آیات کی پیروی کرتے اس سے پہلے کہ ہم ذلیل ورسوا ہوتے'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1)﴿وَلَوۡ اَنَّاۤ اَهۡلَكۡنٰهُمۡ بِعَذَابٍ مِّنۡ قَبۡلِهٖ لَقَالُوۡا رَبَّنَا لَوۡلَاۤ اَرۡسَلۡتَ اِلَيۡنَا رَسُوۡلًا﴾''اور اگر ہم اس سے پہلے انہیں کسی عذاب میں ہلاک کر دیتے تو وہ کہتے کہ اے ہمارے رب! تو نے ہمارے پاس کوئی رسول کیوں نہیں بھیجا'' یعنی اگر رسول اللہ ﷺ پر وحی نازل ہونے سے پہلے انہیں ہلاک کر دیتے تو یہ چیختے کہ ہمارے پاس پہلے رسول کیوں نہیں بھیجا۔

(2)﴿فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ نَّذِلَّ وَنَخۡزٰی﴾ ''پھر ہم تیری آیات کی پیروی کرتے اس سے پہلے کہ ہم ذلیل ورسوا ہوتے'' یعنی اس سے پہلے کہ ہم ذلیل ہوتے یعنی دنیا میں عذاب میں مبتلا ہوتے﴿وَنَخۡزٰی﴾ یعنی قیامت کے دن آگ میں داخل ہو کر رسوا ہو جاتے۔ اس سے پہلے ہم رسول کی رسالت پر ایمان لے آتے۔(تفسیر روح المعانی:41/9)

(3)﴿اَنۡ نَّذِلَّ﴾ سے مراد ہے قتل ہو جاتے یا دنیا میں قیدی بن جاتے اور ﴿وَنَخۡزٰی﴾ سے مراد قیامت کے دن آگ میں داخل ہونا ہے۔ (تفسیر بیضاوی:79/4)

(4) جب کبھی انسان مصیبت میں مبتلا ہوتا ہے، اس کے چودہ طبق روشن ہو جاتے ہیں۔ اس کے سامنے سے گرد وغبار چھٹ جاتا ہے جو اس کے دل کا احاطہ کیے رکھتا ہے اور جس کی وجہ سے اسے حقیقت دکھائی نہیں دیتی۔ وہ حقیقت کا اعتراف کر لیتا ہے۔ پھر جس وقت انسان سے ایسی مصیبت والی کیفیت ہٹ جاتی ہے وہ پھر اسی طرح کا ہو جاتا ہے۔

(5) رب العزت نے فرمایا:﴿وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيۡنَ حَتّٰى نَبۡعَثَ رَسُوۡلًا﴾ ''اور ہم کبھی عذاب دینے والے نہیں جب تک کہ ہم کوئی رسول نہ بھیجیں۔'' (بنی اسرائیل:15)

(6)﴿وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهۡلِكَ الۡقُرٰى حَتّٰى يَبۡعَثَ فِيۡۤ اُمِّهَا رَسُوۡلًا يَّتۡلُوۡا عَلَيۡهِمۡ اٰيٰتِنَا ۚ وَمَا كُنَّا مُهۡلِكِى الۡقُرٰٓى اِلَّا وَاَهۡلُهَا ظٰلِمُوۡنَ﴾ ''اور آپ کا رب بستیوں کو ہلاک کرنے والا نہیں یہاں تک کہ اُن کے مرکز میں رسول بھیج دے جو انہیں ہماری آیات پڑھ کر سنائے، اور ہم بستیوں کو ہلاک کرنے والے نہیں مگر جب اُن کے رہنے والے ظالم ہوں۔'' (القصص:59)

﴿قُلْ كُلٌّ مُّتَرَبِّصٌ فَتَرَبَّصُوْا ۚ فَسَتَعْلَمُوْنَ مَنْ اَصْحٰبُ الصِّرَاطِ السَّوِيِّ وَمَنِ اهْتَدٰى﴾

''آپ کہہ دیں ہر ایک منتظر ہے سو تم بھی انتظار کرو، پھر جلد ہی تم جان لو گے کہ سیدھے راستے والے کون ہیں اور کس نے ہدایت پائی؟''(135)

سوال 1: ﴿قُلْ كُلٌّ مُّتَرَبِّصٌ فَتَرَبَّصُوْا ۚ فَسَتَعْلَمُوْنَ مَنْ اَصْحٰبُ الصِّرَاطِ السَّوِيِّ وَمَنِ اهْتَدٰى﴾ ''آپ کہہ دیں ہر ایک منتظر ہے سو تم بھی انتظار کرو، پھر جلد ہی تم جان لو گے کہ سیدھے راستے والے کون ہیں اور کس نے ہدایت پائی؟'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿قُلْ كُلٌّ مُّتَرَبِّصٌ فَتَرَبَّصُوْا﴾ ''آپ کہہ دیں ہر ایک منتظر ہے سو تم بھی انتظار کرو'' اس سے مراد مسلمانوں اور کافروں کا انتظار ہے کہ دیکھو کفر غالب آتا ہے یا اسلام۔ رب العزت نے نبی ﷺ سے فرمایا کہ آپ ان لوگوں سے کہہ دو جو آپ ﷺ کو جھٹلاتے ہیں۔ ﴿قُلْ هَلْ تَرَبَّصُوْنَ بِنَآ اِلَّآ اِحْدَى الْحُسْنَيَيْنِ ۭ وَنَحْنُ نَتَرَبَّصُ بِكُمْ اَنْ يُّصِيْبَكُمُ اللّٰهُ بِعَذَابٍ مِّنْ عِنْدِهٖٓ اَوْ بِاَيْدِيْنَا ڮ فَتَرَبَّصُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ مُّتَرَبِّصُوْنَ﴾ ''آپ کہہ دیں تم ہمارے لیے دو بھلائیوں میں سے ایک کے سوا کسی اور کا انتظار نہیں کرتے (یعنی کامیابی یا شہادت) اور ہم تمہارے لیے اس بات کا انتظار کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے پاس سے تمہیں کوئی عذاب پہنچائے یا ہمارے ہاتھوں سے، سو تم انتظار کرو، یقیناً ہم بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والے ہیں۔'' (التوبۃ:52)

(2) ﴿فَسَتَعْلَمُوْنَ مَنْ اَصْحٰبُ الصِّرَاطِ السَّوِيِّ وَمَنِ اهْتَدٰى﴾ ''پھر جلد ہی تم جان لو گے کہ سیدھے راستے والے کون ہیں اور کس نے ہدایت پائی'' یعنی ہر ایک اچھے انجام کا منتظر ہے تو بہت جلد پتہ چل جائے گا کہ اپنے عمل کے انجام کے اعتبار سے کون کامیاب ہے اور کون ناکام ہے، اور کون ہے جو عذاب کا مستحق ٹھہرتا ہے اور کون ہے جو نجات یافتہ ہے۔

(4) رب العزت کا ارشاد ہے: ﴿وَاللّٰهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ﴾ اور اللہ تعالیٰ بگاڑنے والے کو سنوارنے والے سے خوب جانتا ہے۔ (البقرۃ:220)

(5) ﴿وَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ حِيْنَ يَرَوْنَ الْعَذَابَ مَنْ اَضَلُّ سَبِيْلًا﴾ ''اور جلد ہی وہ جان لیں گے جب عذاب دیکھیں گے کہ کون سب سے زیادہ راستے سے بھٹکا ہوا ہے'' (الفرقان:42)

(6) ﴿سَيَعْلَمُوْنَ غَدًا مَّنِ الْكَذَّابُ الْاَشِرُ﴾ ''جلد ہی کل وہ جان لیں گے کہ کون بڑا جھوٹا اور خود پسند ہے؟'' (القمر:26)

سوال 2: یہاں سیدھے راستے پر کون لوگ مراد ہیں؟

جواب: جو لوگ اللہ تعالیٰ کی ہدایات پر عمل کرنے والے ہیں اس نے انہیں یہ بتایا کہ کامیابی مسلمانوں کے حصے میں آگئی جس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اسلام ہی سیدھا راستہ اور اس پر عمل کرنے والے ہی ہدایت پانے والے ہیں۔